کتابِ مستطاب

قوانین الشریعہ

فی فقہ جعفریہ

جلد اوّل

از

افاداتِ عالیہ و بمطابق فتاویٰ فقیہہ اہل بیتؑ آیت اللہ

سرکار علامہ الشیخ محمد حسین النجفی صاحب مجتہد العصر مدظلہ العالی

ناشر

مکتبۃ السبطین

9/296 بی، سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

کتابِ مستطاب

قوانین الشریعہ

فی فقہ جعفریہ

جلد اوّل

از

افاداتِ عالیہ و بمطابق فتاویٰ فقیہہ اہل بیتؑ آیت اللہ

سرکار علامہ الشیخ محمد حسین النجفی صاحب مجتہد العصر مدظلہ العالیٰ

ناشر

مکتبۃ السبطین

296/9 بی، سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

کتاب مستطاب

قوانین الشریعہ

فی

فقہ جعفریہ

جلد اول

از

افاداتِ عالیہ و بمطابق فتاویٰ فقیہ اہلبیتؑ آیت اللہ

سرکار علامہ الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصر مدظلہ العالی

ناشر: مکتبۃ السبطین سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا فون 217161

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب	:	قوانین الشریعہ فی فقہ جعفریہ
جلد	:	اوّل
مصنف	:	علامہ الشیخ محمد حسین النجفی
حروف سازی	:	عکس کمپیوٹر بلاک نمبر ۷ سرگودھا
طابع	:	سید اظہار الحسن رضوی
مطبع	:	اظہار سنز پرنٹرز،
		9 ریٹی گن روڈ، لاہور، فون نمبر: 042-37220761
سرورق	:	سید محمد علی عظیم رضوی
صفحات	:	۵۴۸ (پانچ سو اڑتالیس)
قیمت	:	۲۵۰ (تین سو پچاس)

ملنے کا پتہ

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

عقب جوہر کالونی سرگودھا

اجمالی فہرست مضامین

قوانین الشرعیہ (فی فقہ جعفریہ) جلد اوّل

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

پیش لفظ ـــــ یا ـــــ گفتار اوّلین

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومینؑ۔

تمہید

عرصہ دراز سے یہ خیال دامن گیر تھا (اور بعض مخلص احباب اطیاب کا اصرار بھی تھا) کہ میں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق فقہ جعفری کے موضوع پر ایک کتاب لکھوں مگر اس سے زیادہ اہم کام ہمیشہ اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے میں سدراہ رہے اب بعض عزیزوں کا اصرار اس حد تک بڑھا کہ میرے لئے نہ جائے ماندن و نہ پائے رفتن والا معاملہ ہوگیا۔ اس لئے میں نے ان سے حتمی وعدہ کیا کہ "تجلیات صداقت" مکمل ہونے کے بعد سب سے پہلے جس موضوع پر خامہ فرسائی کی جائے گی وہ یہی موضوع ہوگا۔ انشاءاللہ۔ سچ ہے "کل امر مرھون باوقاتہ" الحمد للہ کہ اب وہ ہنگام آگیا ہے کہ میں اپنی دیرینہ تمنا کی تکمیل اور احباب کے حکم کی تعمیل کرسکوں۔ اگرچہ یہ کام بڑا کٹھن ہے اور میری موجودہ زندگی جس نہج پر گزر رہی ہے اس میں فرصت عنقا اور مجالس و محافل کے سلسلہ میں کثرت اسفار سے طبیعت مکدر اور دل دنیا سے بیزار ہے مگر کیا کیا جائے حالات کچھ ایسے پیدا ہوگئے ہیں یا پیدا کردیئے گئے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے میری ساری زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ میں اس عہد کا آدمی نہ تھا جس کے حوالہ کردیا گیا ہوں۔ (والی اللہ المشتکیٰ)

بہرحال ہر سال جب رمضان کا مقدس مہینہ آتا ہے تو جہاں سب لوگوں کے لئے بے پایاں فیوض و برکات لاتا ہے وہاں میرے لئے خاص آرام و سکون اور طمانیت قلبی کا سامان فراہم کرتا ہے اور میں آرام و سکون کے ان مختصر لمحات سے اس قدر کام لیتا ہوں جتنا کوئی اور شخص مہینوں بلکہ سالوں سے نہیں لے سکتا۔ میں نے اپنی اکثر کتابیں یا ماہ رمضان میں لکھی ہیں یا ان پر نظر ثانی ماہ رمضان میں کی ہے۔ چنانچہ اس سال ہلال ماہ رمضان نمودار ہوتے ہی میں متوکلاً

علی اللہ یہ کتاب لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔ "السعی منی والا تمام من اللہ"۔

اس کتاب کی چند خاص خصوصیات

محض تحدیث نعمت کے طور پر (واما بنعمۃ ربک فحدث) نہ کہ کسی قسم کے تکبر و بڑائی کے اظہار کی خاطر (العیاذ باللہ) یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا شاید بے جا نہ ہوگا کہ میں نے یہ کتاب عام مروجہ فقہی کتب و رسائل کی روش سے ہٹ کر لکھی ہے اور اس میں چند چیزوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

پہلی خصوصیت اسرار شریعت کا بیان

اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام متعلقہ شرعی احکام کے بقدر ضرورت عقلی اسرار و رموز بیان کئے گئے ہیں یہ چیز ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر ہے کہ شریعت اسلامیہ کے اوامر و نواہی میں بے شمار اسرار و رموز پوشیدہ ہیں اور حکم و مصالح مضمر ہیں اگرچہ احکام شرعیہ کے ثبوت کا دارومدار شرعی نصوص پر ہے یعنی جو چیز خدا کے کلام اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان واجب الاذعان کی روشنی میں ثابت ہو جائے اس کا قبول کرنا لازم اور تعمیل اس کی اس طرح واجب ہے کہ اس میں کسی قسم کی چون و چرا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے محض اس لئے امتثال امر میں تاخیر کرنا کہ پہلے اس حکم کی حکمت و مصلحت معلوم ہو جائے نہ صرف یہ کہ جائز نہیں بلکہ حکم خداوندی سے بغاوت کے مترادف ہے جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے کہ حکومت وقت کے کسی حکم کو محض اس لئے نہ ماننے والا کہ اسے اس حکم کی مصلحت معلوم نہیں ہے باغی قرار دیا جاتا ہے تو احکم الحاکمین و سلطان السلاطین کے کسی حکم کو محض اس کی حکمت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نہ ماننے والا کیونکر باغی متصور نہ ہوگا؟ اس لئے ائمہ معصومینؑ کا ارشاد ہے "نجی المسلمون وہلک المتکلمون" یعنی احکام شریعت سن کر سر تسلیم خم کرنے والے نجات پا جائیں گے اور باتیں بنانے والے ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔

(اصول کافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدائے حکیم فردائے قیامت یہ نہیں پوچھے گا کہ تم نے میرے احکام کے علل و اسرار معلوم کئے تھے یا نہ بلکہ وہ تو صرف یہ پوچھے گا

کہ جن امور کو میں نے واجب قرار دیا تھا ان پر عمل درآمد کیا تھا یا نہ؟ اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا تھا ان سے اپنے دامن کو بچایا تھا یا نہ؟ (بحار الانوار ج ۳)

مگر چونکہ جدید مغربی تعلیم کی وجہ سے نئی پود کے دل و دماغ میں ہر ہر حکم کی لم معلوم کرنے کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے اور وہ کسی بھی حکم یا نہی کی تعمیل سے پہلے جب تک یہ معلوم نہ کرلیں کہ اس کے اندر کیا کیا فوائد و عوائد یا کیا کیا مفاسد و مضار موجود ہیں اس وقت تک ان کو اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا۔ گو یہ جذبہ کوئی قابل تعریف نہیں مگر چنداں قابل مذمت بھی نہیں ہے اس لئے دور حاضر کا تقاضا یہ ہے کہ صرف **قال اللہ یا قال الرسول یا قال الامام یا قال العلم** پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اصل حکم کے ساتھ ساتھ اس کے بعض اسرار و رموز بھی بیان کردیئے جائیں تاکہ یہ روش جہاں ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لئے باعث تسلی و یقین ہو وہاں اہل یقین کیلئے بھی مزید اطمینان قلب کا موجب قرار پائے۔

ایک غلط خیال کا ابطال

بعض لوگوں کا یہ خیال محض غلط ہے کہ ان احکام شرعیہ کے اندر مصالح یا مناہی کے اندر مفاسد نہیں ہیں بلکہ یہ محض بندے کا امتحان ہے جیسے کوئی سردار اپنے نوکر کی فرمانبرداری کا امتحان لینے کے لئے یونہی بلا فائدہ کوئی پتھر اٹھانے یا کسی درخت کو ہاتھ لگانے کا حکم دے اور پھر فرمانبرداری پر اسے جزا اور نافرمانی پر سزا دے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح خدائے حکیم نے اپنی پیدا کردہ دواؤں میں بیسیوں منافع و تاثیرات ودیعت فرمائے ہیں اسی طرح اس کے ہر ہر شرعی حکم میں بھی بے شمار اسرار و رموز اور مصالح و حکم پوشیدہ ہیں لہٰذا اس سلسلہ میں صحیح مثال یہ ہے کہ جیسے کسی آقا کا نوکر بیمار ہو جائے اور آقا اس کے لئے کچھ دوا اور کچھ پرہیز مقرر کرے تو اب اگر وہ نوکر اپنے آقا کی ہدایت کے مطابق عمل کرے گا تو جہاں اس کا آقا خوش ہو کر اس کو انعام و اکرام سے نوازے گا۔ وہاں وہ اس بیماری سے بھی نجات حاصل کرے گا اور اگر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو جہاں وہ سزا کا مستوجب ہوگا۔ وہاں اس مرض کی وجہ سے اپنی جان عزیز سے بھی ہاتھ دھوئے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ بیدار مغز علماء اسلام نے اس موضوع کو خاص اہمیت دی ہے اور

اس موضوع پر متعدد بہترین کتابیں لکھی ہیں موجودہ دور میں ہر دور سے زیادہ اس چیز کی ضرورت ہے اس لئے ہم ہر ہر بات اور ہر ہر موضوع پر منصوص یا غیر منصوص عام فہم بعض علل و اسباب اور حکم و مصالح بیان کریں گے۔ **لیهلک من هلک عن بینة و یحی من حی عن بینة**

ان اسرار کے دیکھنے سے ناظرین کرام پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو جائے گی کہ شریعت مقدسہ کا کوئی بھی حکم عقل سلیم کے خلاف نہیں ہے اور دشمنان دین کا یہ پروپیگنڈا بالکل بے بنیاد ہے کہ "دین و عقل میں میلوں کا فاصلہ ہے" اور واضح ہوگا کہ۔

عقل و ایماں ہیں رفیق دائی
آنی جانی اور سب چیزیں ہیں سب

کلما حکم بہ الشرع حکم بہ العقل۔

یہی وجہ ہے کہ جوں جوں علوم جدیدہ ترقی کرتے جاتے ہیں اور دیگر خود ساختہ مذاہب کے ارباب بست و کشاد اپنے مذاہب کے لئے خطرہ محسوس کر رہے ہیں وہاں روز بروز اسلام کی حقانیت و صداقت اور روشن و اجاگر ہوتی جاتی ہے۔ **والحمد لله الذی جعلنا من المسلمین**

دوسری خصوصیت اَدلہ احکام کا بیان

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ گویہ کتاب کوئی مبسوط استدلالی کتاب نہیں ہے کہ اس میں پورے ادلہ احکام بیان کئے جائیں اور پھر ان پر نقض و ابرام کیا جائے۔ تاہم اس کو محض تقلیدی رسالہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ تعلیم جدید نے لوگوں میں آزادی کہ جو لہر دوڑا دی ہے اس کی وجہ سے اکثر تعلیم یافتہ لوگ تو (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے) خدا و رسولؐ کا حکم بھی اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے جب تک اس کی عقلی حکمتیں بیان نہ کی جائیں تو بے چارے علماء کس شمار میں ہیں کہ بلا سندان کی بات سنی جائے گی۔ وہ زمانہ لدگیا کہ جب علماء و مجتہدین کوئی مسئلہ بیان کردیتے تھے تو اہل ایمان اسے بلاچوں و چرا اس حکم خدا سمجھ کر بسرو چشم قبول کرلیتے تھے اب تو بال کی کھال اتاری جاتی ہے علماء جو کچھ بیان کرتے ہیں پہلے تو ان سے اس کا ثبوت طلب کیا جاتا ہے اور پھر ثبوت پیش کرنے پر اس کی صحت و سقم سے بحث کی جاتی ہے اس لئے میں نے یہ التزام کیا ہے کہ اختلافی مسائل میں جس شق کو اختیار کیا ہے قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام

کے فرمان سے اس کی مختصر دلیل بھی پیش کر دی ہے تاکہ احکام کے مع الدلیل ہونے کی بناء پر ہر شخص علی وجہ البصیرت اس پر عمل کر سکے۔

ایضاح' مدارک' احکام کا بیان

مذکورہ بالا بیان سے ایک اور معرکۃ الآراء مسئلہ بھی عیاں ہو جاتا ہے وہ یہ کہ آیا مدارک و ماخذ احکام دو ہیں (قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا فرمان) یا چار ہیں (باضافہ اجماع و عقل) جہاں تک ہم نے اس سلسلہ میں علماء اصولیین و اخباریین کے اختلاف کا بنظر امعان و انصاف جائزہ لیا ہے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس سلسلہ میں ان کا باہمی اختلاف دیگر اکثر اختلافی مسائل کی طرح نزاع لفظی کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس بات پر ہر دو فریق کا اتفاق ہے کہ اصل بنیادی ماخذ قرآن و حدیث ہی ہیں باقی رہا اجماع و عقل۔ تو اجماع فرقہ حقہ شیعہ کے نزدیک کوئی مستقل ماخذ نہیں اور نہ ہی اس کی حجت ذاتی ہے بلکہ وہ صرف اسی صورت میں حجت ہے کہ جب اس میں امام شامل ہوں۔ چنانچہ محقق ابو القاسم علی صاحب شرائع الاسلام اپنی کتاب المعتبر ص ۸ طبع ایران پر لکھتے ہیں۔

واما الا جماع فهو عندنا حجته بانضمام المعصوم فلو خلا الماة من فقهائنا عن قوله لما كان حجته ولو حصل في اثنين لكان قولهما حجته لا باعتبار اتفاقهمابل با عتبار قوله"

یعنی جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو وہ امامؑ کے شمول کی وجہ سے حجت ہے پس اگر سو فقہاء میں امام کا قول شامل نہ ہو تو وہ سند نہ ہوگا اور اگر دو شخصوں میں قول معصوم داخل ہو تو وہ حجت ہوگا" اسی طرح دلیل عقل مثلاً "یہ کہ تکلیف مالا یطاق ناجائز ہے یا سزا بلا بیان قبیح ہے لہذا جہاں کوئی شرعی نص موجود نہ ہو وہاں اصل برأت جاری کی جائے گی۔ یہ بھی اس لئے حجت ہے کہ آیات و اخبار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسے "**لا يكلف الله نفسا الا وسعها**" یا ارشاد نبویؐ **كل شئى مطلق حتى يرد فيه نهى** ہمارے اور برادران اسلامی کے اجتہاد میں یہی بنیادی فرق ہے کہ ان کا اجتہاد کسی خاص قید سے مقید نہیں ہے وہاں قرآن و سنت کے علاوہ اجماع' قیاس' رائے' مصالح مرسلہ اور استحسان وغیرہ نام کے کئی مدارک و مصادر موجود ہیں مگر ہمارے ہاں بڑے سے بڑے مجتہد اعظم کے اجتہاد کی چکی بھی صرف اور صرف قرآن یا سرکار محمد و آل محمد

علیہم السلام کے فرمان کے قطب کے ارد گرد گھومتی ہے۔ **کما لا یخفی علی من جال خلال تلک الدیار۔**

اور یہی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان واجب الاذعان کا مفاد ہے کہ **انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بہمالن تضلوا بعدی۔ وانہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض** (متفق علیہ)

تیسری خصوصیت احتیاط کا بیان

اس کتاب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں جہاں اپنی نظر قاصر سے کسی شق کو ترجیح دی ہے وہاں آخر میں احتیاط والا قول بھی لکھ دیا ہے تاکہ اگر کوئی شخص قید تقلید سے آزاد ہو کر صرف احتیاط پر عمل پیرا ہونا چاہے۔ **(لان الا حتیاط سبیل النجاۃ)** تو باسانی احتیاط والا قول معلوم کرسکے کیونکہ بعض اوقات احتیاط کی تشخیص کرنا کہ فلاں مسئلہ میں کون سا قول احتیاط کے مطابق ہے جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے نیز اس سے یہ غرض بھی وابستہ ہے کہ یہ کتاب مولف کی حیات اور ممات ہر دو صورت میں یکساں طور پر اہل ایمان کے کام آئے۔

چوتھی خصوصیت ثواب و عقاب اعمال کا بیان

اگرچہ خدا کے آزاد بندوں کی عبادت کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس میں نہ جنت کے لالچ کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ جہنم کے خوف کا شائبہ۔ بلکہ وہ صرف خالق کائنات کو اپنا حقیقی محسن و منعم اور لائق عبادت سمجھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرمایا

"الٰہی ما عبدتک خوفا" من نارک ولا طمعا" فی جنتک بل وجدتک اھلا" للعبادۃ فعبدتک

کیونکہ جو عبادت صرف جنت کے لالچ میں کی جائے وہ تاجروں والی اور جو صرف جہنم کے خوف سے کی جائے وہ غلاموں والی عبادت ہوتی ہے (ارشاد امام صادق علیہ السلام) مگر چونکہ عام انسان فطرتا" اچھی چیز کے حاصل کرنے کا شائق اور بری چیز سے خائف واقع ہوا ہے اس لئے شریعت اسلامیہ نے انسان کی اس فطری کمزوری کے پیش نظر جہاں اسے اچھے کام کرنے پر

جنت اور اس کے حور و قصور کا لالچ دلایا ہے وہاں برے کام کرنے پر اسے جہنم اور ایکے دردناک عذاب و عقاب سے ڈرایا بھی ہے لہٰذا ہم نے اس کتاب میں جا بجا اچھے اعمال کے بے پایاں ثواب اور برے اعمال کے عذاب و عقاب بھی بیان کر دیئے ہیں تاکہ ترغیب و ترہیب کا وظیفہ بھی ادا ہو جائے۔

پانچویں خصوصیت علم الاخلاق کا بیان

بفضلہٖ تعالیٰ اس کتاب کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ظاہری احکام اور مسائل حلال و حرام کے ساتھ ساتھ اس میں علم الاخلاق کو بھی بقدر ضرورت درج کر دیا گیا ہے یعنی ظاہری نجاست و طہارت کے ساتھ ساتھ باطنی نجاست و طہارت کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے علم الاخلاق کی عظمت و شرافت محتاج بیان نہیں ہے اس کی اہمیت سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ما ینطق عن الھوی کے مصداق پیغمبر خاتمؐ نے اپنا مقصد بعثت ہی مکارم اخلاق کی تکمیل قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ **"انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق (متفق علیہ)** دنیا کی ساری خوشی و خوشحالی اور اس کا سب امن و امان اسی اخلاق کی وجہ سے ہے اگرچہ دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہے تمام پیغمبروںؑ اور مصلحوں کی ہمیشہ یہی تعلیم رہی ہے کہ اخلاق جمیلہ حاصل کرو اور اخلاق رذیلہ سے دامن بچاؤ۔ لیکن دوسرے ابواب کی طرح اس باب میں بھی اسلام اور بانی اسلام تکمیلی حیثیت رکھتے ہیں اور منفرد خصوصیت کے حامل ہیں قرآن مجید میں جا بجا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعریف میں یہ کہا گیا ہے کہ **"یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ"** کہ پیغمبران لوگوں کا تزکیہ کرتا ہے (ان کو پاک و صاف کرتا ہے) اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ایمان سے بڑھ کر اسلام میں کوئی چیز نہیں مگر اس کی تکمیل بھی اخلاق سے ہی ہوتی ہے جتنا جس شخص کا اخلاق بلند ہوگا۔ اتنا ہی اس کا پایہ ایمان وزنی ہوگا۔ چنانچہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ **"اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا"**۔ اہل ایمان میں سب سے زیادہ کامل الایمان وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ (جامع السعادات ج ۱ ص ۳۱۰۔ ۳۱۱) اخلاق کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہم نے اس کتاب میں جا بجا مناسب مقامات پر اس کا تذکرہ کر دیا ہے۔

چھٹی خصوصیت فقہی اختلافی مسائل میں تحقیق حق

یعنی جن فقہی مسائل میں فقہ جعفری اور دیگر اسلامی برادری کی فقہ میں اختلاف ہے وہاں دلائل و شواہد سے فقہ جعفری کی صحت و برتری ثابت کی گئی ہے تاکہ ہر اعتبار سے یہ کتاب نہ صرف مکمل بلکہ اکمل ہو جائے اور اس کی موجودگی میں متعلقہ موضوع کی کسی اور کتاب کی ضرورت باقی نہ رہے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

توضیح

کتاب کو مزید جامع اور مفید بنانے کے لئے اصل مقصد کو شروع کرنے سے پیشتر اپنے رسالہ "مختصر عقائد الشیعہ" کو بھی تھوڑی سی کمی و بیشی کے ساتھ درج کردیا ہے چونکہ اصول عقائد کا معاملہ فروع سے بہت زیادہ نازک و اہم ہے لہٰذا جو حضرات اس موضوع پر لکھی گئی کتب مبسوطہ کی طرف کسی وجہ سے رجوع نہیں کرسکتے وہ اسی مختصر رسالہ سے پہلے اپنے عقائد کو خدا اور سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے مقدس تعلیمات کی روشنی میں درست فرمائیں اور اس کے بعد مقام عمل میں قدم رکھیں۔ کیونکہ جب تک انسان کا عقیدہ صحیح نہ ہو اس وقت تک اس کا کوئی عمل شرف قبول حاصل نہیں کرسکتا۔ اقلیم امامت کے چھٹے تاجدار فرماتے ہیں۔ "من اراد ان یستکمل الایمان ان یقول قولی قول محمد وال محمد الخ -------

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ کامل الایمان ہو جائے۔ اسے چاہئے کہ وہ عقیدہ وہ رکھے جس کی تعلیم سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام نے دی ہے اور عمل وہ کرے جس کے عملی نمونے ان ذوات مقدسہ نے پیش کئے ہیں۔ (مرآۃ الانوار وغیرہ)

اور سرکار باقر العلوم کا ارشاد ہے۔

شیعتنا من تابعنا فی افعالنا ولم یخالفنا۔ ہمارا صحیح شیعہ وہ ہے جو ہمارے افعال میں ہماری پیروی کرتا ہے اور کسی بات میں بھی ہماری مخالفت نہیں کرتا۔ (محاسن برقی وغیرہ)

نیز اس کتاب میں زبان بھی بالکل سادہ اور سلیس استعمال کی گئی ہے تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں سہولت اور آسانی ہو۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق و بیدہ ازمتہ التحقیق۔ اللھم وفقنا لما تحب و ترضی و جنبنا عما یوجب السخط والردی بجاہ النبیؐ والہ ائمتہ الھدیٰ

وانا الاحقر محمد حسین عفی عنہ
۲۔ ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ بمطابق
۹ ستمبر ۱۹۷۵ء بروز سہ شنبہ
بوقت ساڑھے دس بجے دن
سرگودھا

باسمہٖ سبحانہٗ

دیباچہ طبع ثالث

الحمدللہ! اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم قوانین الشریعہ کو تیسری بار کچھ اپنی ہمت اور کچھ اہلِ ایمان وایقان کے مخلصانہ تعاون کے ساتھ ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ کرکے ملت کے مشتاق ہاتھوں تک پہنچا رہے ہیں۔ اب کی مرتبہ اس میں بڑے مفید اضافے کیے گئے ہیں۔ کئی نئے باب بڑھائے گئے ہیں۔ اور مسائل جدیدہ و مفیدہ ایزاد کیے گئے ہیں۔ اس طرح اب اس کتاب کی افادیت میں چار چاند لگ گئے ہیں۔

امید ہے کہ قارئین کرام ہماری اس تازہ پیشکش کو نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اوّل کے مصداق کے طور پر بنظرِ استحسان دیکھیں گے۔ اور اس کی قدر کریں گے۔ انشاءاللہ

احقر محمد حسین عفی عنہٗ بقلمہٖ

٩ جنوری ٢٠٠٣ء

باسمہ سبحانہ

اظہار تشکر

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے وہ وقت آگیا ہے کہ ہم فقہی شاہکار قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ کا چوتھا ایڈیشن دیدہ زیب اور دلکش انداز میں قوم وملت کے مشتاق ہاتھوں تک پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اوراس سعادت کے حاصل کرنے میں ہمیں فخر قوم جناب الحاج چوہدری سلیم اقبال صاحب مالک زنزی بار ہوٹل ملتان کا مخلصانہ مالی تعاون حاصل رہا ہے جنہوں نے اپنی والدہ ماجدہ اور دادا، دادی اور نانا، نانی مرحومین ومرحومات کے ایصال ثواب کی خاطر اس کتاب مستطاب کی طباعت واشاعت کے اخراجات برداشت فرمائے ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء فی الدارین مومنین کرام سے التماس ہے کہ ان مرحومین و مرحومات کی ارواح کو ایصال ثواب کیلئے ایک بار سورہ فاتحہ اور تین بار سورہ توحید پڑھنے کی زحمت فرمائیں۔

ع برکریماں کارہائے دشوار نیست

فقط والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکتہ

وانا الاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہ سرگودھا

31 مئی ۲۰۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر عقائد الشیعہ

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ولا سیما علی نبینا المصطفی والہ الاصفیاء الاوصیاء النجباء الی یوم اللقاء

اسلامی اصول خمسہ!

۱۔ سوال = اسلام اور ایمان کے اصول کتنے اور کیا ہیں؟

جواب = اصول پانچ ہیں۔ ۱۔ توحید ۲۔ عدل ۳۔ نبوت ۴۔ امامت اور ۵۔ قیامت جن میں سے تین یعنی توحید' نبوت اور قیامت اصول اسلام ہیں اور دو (عدل اور امامت) اصول ایمان اور اصول مذہب اہل بیت ہیں لہٰذا جو شخص اصول اسلام کا انکار کرے وہ دین اسلام کے دائرہ سے نکل جاتا ہے اور جو شخص اصول ایمان و مذہب کا انکار کرے وہ مذہب شیعہ خیر البریہ سے خارج ہو جاتا ہے انہی پانچ اصول کو مجازا" اصول دین بھی کہہ دیا جاتا ہے **(لان الدین الصحیح ہو منہب اہل البیت)**

ان اصول کی مختصر تشریح

۲۔ سوال = ان اصول خمسہ کی تشریح کرتے ہوئے پہلے توحید کی وضاحت کریں۔

جواب = توحید کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ بات ثابت شدہ ہے کہ کوئی فعل بغیر فاعل' کوئی صنعت بغیر صانع کے اور کوئی بنا بغیر بانی کے وجود میں نہیں آسکتی تو ماننا پڑے گا۔ کہ آسمان کے اس نیلگوں شامیانے کا لگانے والا اور زمین کے اس زمردیں فرش کا بچھانے والا اور تمام کائنات کا بنانے والا بھی کوئی ضرور ہے اسی واجب الوجود ہستی کو جو جامع جمیع کمالات ' خالق تمام موجودات اور مالک کل ممکنات ہے خدا کہا جاتا ہے اور وہ اپنی ذات و صفات وغیرہ میں واحد و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ ہر لحاظ ہے ایسا بے مثل و بے مثال ہے کہ پوری کائنات میں اس کا کوئی بھی ہمسر اور کوئی نظیر نہیں ہے۔

اقسام توحید

۳۔ سوال = توحید کی کتنی قسمیں ہیں تفصیل سے بتائیں۔

جواب = ویسے تو توحید کی بہت سی قسمیں ہیں مگر ان میں سے اہم چار قسمیں ہیں کہ جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن تو کجا صحیح مسلمان بھی نہیں کہلا سکتا اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ توحید ذاتی

یعنی خدا اپنی ذات میں واحد ہے وہ واجب الوجود ہے (وجود اس کا ذاتی اور اس کیلئے لازمی ہے جو کبھی اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا) وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ حی و قیوم ہے اس کے لئے موت و فنا نہیں ہے اس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ ھوَا لاول ھوَالاخر' ہو حی لایموت' باقی سب اشیاء ممکن الوجود ہیں (ان کا وجود ذاتی نہیں بلکہ عطیہ پروردگار ہے) وہی ان کو نیستی سے نکال کر ہستی میں لایا اور جب چاہے گا ان کو موت کا ذائقہ چکھا دے گا۔ (کل نفس ذائقۃ الموت)

۲۔ توحید صفاتی

یعنی خداوند عالم کی صفات حقیقیہ ذاتیہ اس کی عین ذات ہیں درحقیقت ذات و صفات الگ الگ نہیں صرف اعتباری فرق ہے کوئی بھی مخلوق اس مرتبہ میں خدا کی شریک نہیں ہے کیونکہ مخلوق کی صفات عین ذات نہیں بلکہ خدا کی عطا کردہ ہیں انکی ذات الگ ہے اور یہ صفات الگ جس طرح ان کا وجود اپنا ذاتی نہیں۔ اسی طرح صفات بھی ذاتی نہیں ہیں۔

۳۔ توحید افعالی

یعنی وہ افعال جن پر کوئی مخلوق بحیثیت مخلوق قادر نہیں جیسے خلق کرنا اور مارنا اور جلانا۔ رزق دینا اور شفا عطا کرنا وغیرہ ان افعال میں بھی خدا واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے جیسے وہ خود فرماتا ہے۔ **اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ھل من شرکائکم من یفعل من ذالکم من شئی؟ سبحانہ وتعالی عما یشرکون**

خدا وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے تم کو روزی دی پھر وہی تم کو مار ڈالے گا۔ پھر

وہی تم کو زندہ کرے گا۔ بھلا تمہارے (بنائے ہوئے خدا کے) شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ (ترجمہ فرمان")

اس مرتبہ توحید میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہے حتی کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام بھی اس کی بارگاہ میں سفارش کر کے بندوں کے یہ کام انجام دلواتے ہیں خود انجام نہیں دیتے (جیسا کہ بعد ازیں اس کی مزید وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ)

4۔ توحید عبادتی

یعنی مقام عبادت میں خدا واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے سوائے خداوند عالم کی ذات کے اور کسی کی عبادت کرنا روا نہیں ہے چنانچہ وہ خود فرماتا ہے۔ **واما من کان یر جو لقاء ربہ فلیعمل عملا" صالحا" ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا"**

اقسام شرک

سوال نمبر۴ شرک کی تعریف کرتے ہوئے اس کے اقسام پر بھی روشنی ڈالیں؟

جواب = شرک کا مطلب ہے کسی کو کسی کا شریک قرار دینا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ کسی مخلوق کو خالق کا شریک سمجھنا یہ شرک شرعی نقطۂ نظر سے اکبر الکبائر (سب سے بڑا گناہ) ہے خدا فرماتا ہے۔ **ان الشرک لظلم عظیم** (شرک بہت بڑا ظلم ہے) اس کی یوں تو بہت سی قسمیں ہیں جن سے کسی خال خال اہل ایمان کا دامن محفوظ ہوگا ورنہ بمطابق ارشاد خداوندی **وما یؤمن اکثر ہم با اللہ الا وھم مشرکون** اکثریت کا دامن شرک کی کثافت سے آلودہ نظر آتا ہے ہاں البتہ اس کے بڑے بڑے اقسام چار ہیں جو اقسام توحید کے انکار سے پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) شرک ذاتی (خدا کی ذات میں کسی کو شریک قرار دینا)(۲) شرک صفاتی (صفات خداوندی میں کسی کو شریک سمجھنا) (۳) شرک افعالی (خدا کے مخصوص افعال میں کسی کو اس کا شریک کار قرار دینا)(۴) شرک عباداتی (عبادت پروردگار میں کسی کو اس کا شریک سمجھنا)خدا سب اہل ایمان کو اس سے بچنے کی توفیق دے۔

صفات ثبوتیہ و سلبیہ

سوال نمبر۵ خدا کی صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ کا کیا مطلب ہے اور وہ کس قدر ہیں؟

جواب = صفات ثبوتیہ کا مطلب ہے وہ صفات جلیلہ و جمیلہ جو خداوندعالم کی ذات کے شایان شان ہیں اور صفات سلبیہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفات نقص جو خدا کی ذات کے لائق نہیں ہیں۔ یہ ہر دو قسم کی صفات اگرچہ بناء پر مشہور آٹھ آٹھ ہیں مگر تحقیقی قول یہ ہے کہ غیر محدود ہیں کیونکہ خداوند عالم ہر کمال سے متصف اور ہر نقص و عیب سے منزہ و مبرا ہے ظاہر ہے کہ کمال ایزدی غیر محدود ہے لہٰذا صفات خداوندی بھی غیر محدود ہوں گی۔ یہاں محض تبرکاً" چند صفات ثبوتیہ اور سلبیہ اجمالاً" بیان کی جاتی ہیں۔

ا۔ خدا قادر ہے ۲۔ عالم ہے ۳۔ مختار ہے ۴۔ زندہ ہے ۵۔مدرک ہے ۶۔ صادق ہے ۷۔ قدیم ہے ۸۔ مرید ہے ۹۔متکلم ہے ۱۰۔ سمیع و بصیر ہے ۱۱۔ حکیم ہے ۱۲۔ عادل ہے۔

اور چند صفات سلبیہ یہ ہیں ا۔خدا مرکب نہیں ہے ۲۔جسم نہیں رکھتا ۳۔جوہر و عرض نہیں ۴۔ محل حوادث نہیں ۵۔ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا ۶۔ کسی شئی سے متحد نہیں ہوتا ۷۔ محتاج نہیں ہے ۸۔ لامکان ہے ۹۔ صفات زائد برذات نہیں رکھتا ۱۰۔ جسمانی لذت و رنج نہیں رکھتا ۱۱۔ وہ ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا ۱۲۔ فعل قبیح نہیں کرتا ۱۳۔ بے مثل و بے مثال ہے ۱۴۔ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

نوٹ = ان صفات کی صحیح تشریح و توضیح کیلئے احسن الفوائد فی شرح العقائد کی طرف رجوع کیا جائے

عدل کا مفہوم

سوال نمبر۶ = عدل خداوندی کا کیا مطلب ہے؟

جواب = خدا کو عادل سمجھنا عقائد ایمانیہ میں داخل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا عادل و منصف ہے یعنی وہ بندوں کو ان کی طاقت برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور نہ ان کے اعمال کی جزا و سزا کو باطل کرتا ہے الغرض اس نے بندوں کو فاعل مختار بنایا ہے جو نیک کام کریں گے ان کو جزائے خیر اور جو برے کام کریں گے ان کو سزا دے گا وہ کسی پر ظلم و زیادتی

نہیں کرتا (وما ربک بظلام للعبید) اور نہ وہ کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے اس نے اپنے بندوں کو روکا ہے اور اس کے کرنے پر ان کی مذمت کی ہے۔

نبوت کا مطلب

سوال نمبر ۷ نبوت کا صحیح مفہوم کیا ہے اس کی مکمل وضاحت کریں؟

جواب = نبوت کا مطلب ہے خدا کی طرف سے بندوں کو خبر دینا۔ جب یہ ثابت ہوگیا ہے کہ اس کائنات کا خالق حکیم ہے اور وہ عبث و بے فائدہ کام نہیں کرتا تو پھر اس نے یہ بزم امکان کیوں سجائی ہے؟ اور انسان کو خلعت وجود کیوں پہنائی ہے؟ اس کی رضا و ناراضی کن باتوں میں پوشیدہ ہے؟ ان باتوں کے معلوم کرنے کے دو ہی آسان طریقے ہو سکتے تھے یا تو خدا خود ہماری بزم میں آکر ہمیں بتاتا یا ہم اس کی بزم میں جاکر اس سے دریافت کرتے مگر یہ دونوں طریقے ناممکن ہیں وہ اپنے تجرد و لطافت ذاتی کی بنا پر ہماری بزم میں آتا نہیں (اور نہ ہی آنا جانا اس کی شان کے لائق ہے) اور ہم اپنی طبعی کثافت کی وجہ سے اس کی بزم لاہوت میں جا سکتے نہیں۔

؎ یہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہوگئے

اس لئے عقل سلیم مجبور کرتی ہے کہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان کچھ ایسے وسیلے واسطے ہونے لازم ہیں جو اگرچہ ہوں تو انسان مگر حالات و کیفیات میں نہ اس جیسے ہوں اور نہ عام مخلوق جیسے بلکہ ان کے اندر دو جنبے ہوں۔ ایک جنبہ نورانی و روحانی جس کی وجہ سے اُدھر سے احکام لے سکیں اور دوسرا جنبہ بشری و انسانی جس کی بنا پر بندوں تک وہ احکام پہنچا سکیں۔ ایسی ہی عظیم الشان مخلوق کو شریعت میں نبیؑ و امامؑ کہا جاتا ہے۔

انبیاء کے اوصاف

سوال نمبر ۸ انبیاء کے چند اوصاف جلیلہ بیان کریں؟

جواب = انبیاء کرام کے اوصاف کثیرہ میں سے چند ایک یہ ہیں ا۔ وہ عالم علم لدنی ہوتے ہیں ان کا معلم خدا ہوتا ہے وہ علم ومعرفت کی دولت براہ راست خدائے رحمٰن سے حاصل کرتے ہیں بندوں سے نہیں پڑھا کرتے۔

۲۔ وہ عصمت کبریٰ کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں وہ مہد سے لیکر لحد تک کسی قسم کا گناہ صغیرہ، کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے نہ عمداً" نہ سہواً" نہ جہلاً" نہ نسیاناً"۔

۳۔ وہ سیرت و صورت میں سر آمد روزگار اور تخلیق الٰہی کا بہترین شاہکار ہوتے ہیں۔

۴۔ وہ ہر قسم کے خَلقی و خُلقی عیوب و نقائص سے منزہ و مبرا ہوتے ہیں۔

۵۔ وہ کامل العقل والایمان ہوتے ہیں۔

الغرض ان کا دامن تمام انسانی کمالات سے مالامال اور تمام انسانی عیوب و نقائص سے پاک و صاف ہوتا ہے۔

انبیاء کی تعداد

سوال نمبر۹ = ان انبیاء کی تعداد کس قدر ہے؟

جواب = بنابر مشہور اس مقدس گروہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے حضرت آدمؑ سے اس مبارک سلسلہ کی ابتداء ہوئی اور سرکار خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر اس کی انتہا ہوگئی نبیوں کے باہمی درجات مختلف ہیں ہمارے نبی خاتم سارے انبیاء کے سید و سردار ہیں وہ عالمین کے نبی ہیں۔ جن میں انبیاء و مرسلین بھی داخل ہیں لہٰذا وہ نبی الانبیاء اور رسول الرسل ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت

سوال نمبر۱۰ = کیا جناب رسول خدا کی ختم نبوت پر ایمان رکھنا ضروری ہے؟

جواب = ہاں سرکار خاتم الانبیاء کی ختم نبوت پر ایمان رکھنا اسلام کے ان بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے جس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص اسلام کا دعویٰ نہیں کرسکتا اور جو اس کا منکر ہے وہ بالاتفاق دائرہ اسلام سے خارج ہے کائنا"من کان! آنحضرت کی ذات والاصفات پر ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ ہوگیا ہے اب آفتاب قیامت کے طلوع ہونے تک کوئی نیا یا پرانا نبی (بحیثیت نبی) اس عالم آب و گل میں قدم نہیں رکھ سکتا۔

مسئلہ امامت کی وضاحت

سوال نمبر۱۱ = مسئلہ امامت کو بالوضاحت بیان کریں؟

جواب = یہ مسئلہ ہر قسم کے شک و شبہ سے بلند تر ہے۔ کہ دین کا مقرر کرنا خدا کا کام' اس دین کا بندوں تک پہنچانا نبی و رسول کا کام اور اس کی نشرواشاعت اور حفاظت کرنا امام کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ خدا نے ہر نبی کو وصی دیئے ہیں کوئی نبی اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھایا گیا جب تک خدا نے اس سے اس کی مسند کے وارث کا اعلان نہیں کرالیا۔ خداوندعالم نے اپنی اس سنت جاریہ کے مطابق ہمارے نبی خاتم کو بارہ اوصیاء عطا فرمائے۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ (۱) حضرت علیؑ (۲) حضرت امام حسنؑ (۳) حضرت امام حسینؑ (۴) حضرت امام علی بن الحسینؑ (زین العابدینؑ) (۵) حضرت امام محمد باقرؑ (۶) حضرت امام جعفر صادقؑ (۷) حضرت امام موسی کاظمؑ (۸) حضرت امام علی بن موسی رضاؑ (۹) حضرت امام محمد تقیؑ (۱۰) حضرت امام علی نقیؑ (۱۱) حضرت امام حسن عسکریؑ (۱۲) حضرت امام مہدی دوراں عجل اللہ فرجہ۔ گیارہ امام امت کے ظلم وجور کا نشانہ بن کر دین کی خاطر جام شہادت نوش کر کے دار فانی سے دار جاودانی کی طرف انتقال فرما چکے ہیں۔ البتہ بارہویں اہل ولایت اس وقت بقید حیات اسی عالم میں بحکم خدا زندہ وموجود ہیں جب مشیت ایزدی ہوگی تو ظہور فرما کر دنیا کو اس طرح عدل و انصاف سے لبریز کردیں گے جس طرح وہ پہلے ظلم وجور سے لبریز ہو چکی ہوگی۔

انبیاءؑ و آئمہؑ کی نوع

سوال نمبر۱۲ = حضرت محمد وآل محمد علیہم السلام نوع انسانی کے افراد ہیں یا ان کی نوع علیحدہ ہے؟

جواب = اس بات پر سب عقلاء روزگار کا اتفاق ہے کہ انسانی نوع تمام کائنات کی انواع سے اشرف و اعلی ہے اورسرکار محمد وآل محمد علیہم السلام اسی افضل نوع کے اکمل و اعلی افراد ہیں اس لئے وہ ساری کائنات سے افضل و اشرف ہیں خالق ہونے کے اعتبار سے اس جیسا کوئی نہیں اور مخلوق خدا میں ان جیسا کوئی نہیں ہے۔ نیز ان کی جسمانی خلقت مخصوص مشروب عرشی سے ہوئی ہے نہ کہ کثیف ارضی سے۔ ساتویں سوال کے جواب میں واضح کردیا گیا ہے کہ ان ذوات قادسہ میں دو جنبے ہیں ایک نورانی دوسرا انسانی۔ ہمارا آیات و روایات نور پر بھی ایمان ہے اور آیات و روایات بشر پر بھی ایقان ہے وہ روح کے لحاظ سے نور اور جسم کے اعتبار سے بشر ہیں وہ جنبہ

نورانی کے لحاظ سے تمام نورانیوں کے سردار ہیں اور جنبہ بشری کے اعتبار سے تمام انسانوں کے سرتاج ہیں اشرف الانواع سے نکال کر ان کو کسی مفضول نوع میں داخل کرنا علاوہ انکار قرآن و حدیث کے کوئی دانشمندانہ اقدام نہیں ہے۔

مسئلہ استمداد کی وضاحت

سوال نمبر ۱۳ = آئمہ طاہرینؑ سے مدد طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب = بقدر ضرورت اس مسئلہ کی وضاحت کی جاتی ہے مخفی نہ رہے کہ مدد خدا کی بھی برحق ہے اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی مدد بھی برحق۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ خدا کی مدد خدا ہونے کے اعتبار سے ہے اور ان حضرات کی مدد وسیلہ ہونے کے اعتبار سے مثلاً" خدا کی مدد یہ ہے کہ وہ رزق دیتا ہے ان کی مدد یہ ہے کہ وہ رزق دلواتے ہیں۔ خدا کی مدد یہ ہے کہ وہ بیماروں کو شفا دیتا ہے ان کی مدد یہ ہے کہ وہ شفا دلواتے ہیں جیسا کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ کی توقیع مبارک میں وارد ہے۔ **ان اللہ تعالی ھو الذی خلق الا جسام و قسم الارزاق لا نہ لیس بجسم والا حال فی جسم لیس کمثلہ شئی وہو السمیع البصیر فاما الائمۃ علیہم السلام فانہم یسئلون اللہ تعالی فیخلق ویسئلونہ فیرزق ایجابا" لمسئلتہم واعظاما" لحقہم۔**

یعنی خداوند عالم ہی جسموں کا پیدا کرنے والا اور رزق تقسیم کرنے والا ہے کیونکہ نہ وہ جسم رکھتا ہے اور نہ کسی جسم کے اندر حلول کرتا ہے اس کا کوئی ہمسر اور کوئی نظیر نہیں ہے وہ سننے اور دیکھنے والا ہے آئمہ علیہم السلام اس کی بارگاہ میں سوال (سفارش) کرتے ہیں وہ پیدا کرتا ہے یہ سوال کرتے ہیں پس وہ رزق دیتا ہے ان کے حقوق اس قدر عظیم ہیں کہ وہ ان کی سفارش کو رد نہیں کرتا۔ (احتجاج طبرسی' سابع بحار' اکمال الدین وغیرہ)

بنابریں دعا و پکار کے دو طریقے صحیح ہیں پہلا (جو سب سے اعلی و اولی ہے) یہ ہے کہ خطاب خدا سے کر کے واسطہ محمد و آل محمد علیہم السلام کا دیا جائے مثلاً" یا اللہ محمد و آل محمد علیہم السلام کا واسطہ میرا فلاں کام کردے دوسرا یہ کہ خطاب بیشک ان حضرات کو کیا جائے لیکن یہ عرض کیا جائے کہ میرا فلاں کام خدا سے کرادو۔ ارشاد قدرت ہے۔ **یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلتہ۔**

عقیدہ تفویض کا بطلان

سوال نمبر۱۴ = تفویض سے کیا مراد ہے اور کیا یہ عقیدہ رکھنا جائز ہے؟

جواب = تفویض سے مراد یہ ہے کہ خدا نے امور تکوینیہ مثلاً" خلق کرنا۔ رزق دینا۔ مارنا اور جلانا حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے سپرد کر دیئے ہیں یہ عقیدہ رکھنا بالا تفاق باطل ہے۔ آئمہ اہل بیت نے اس عقیدہ کو شرک اور رکھنے والے کو مشرک وملعون قرار دیا ہے اس قسم کی احادیث سے کتب تفسیر و حدیث لبریز ہیں۔

(ملاحظہ ہوں مرآۃ الانوار و مشکوۃ الاسرار ہفتم بحار الانوار' منہاج البراعۃ خوئی رجال کشی' تفسیر برہان وغیرہ)

لہٰذا یہ عقیدہ باطل ہے ہاں ان امور میں یہ بزرگوار بارگاہ خدا میں ہماری سفارش کر کے یہ کام انجام دلواتے ہیں۔

مسئلہ حاضر و ناظر کا بیان

سوال نمبر۱۵ = کیا حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام ہروقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہ؟

جواب = اس سوال کا صحیح جواب سوال کی وضاحت پر موقوف ہے قابل غور و فکر یہ بات ہے کہ یہاں حاضر و ناظر سے مراد کیا ہے؟ اگر حاضر سے مقصود یہ ہے کہ یہ ذوات مقدسہ ہزاروں میلوں کی مسافت پر جہاں اور جب جانا چاہیں تو خدا کی دی ہوئی قدرت سے حاضر ہو سکتے ہیں اور کائنات کی جس چیز کو دیکھنا چاہیں تو باقدار اللہ دیکھ سکتے ہیں اور یہ درو دیوار اور سقف و بام درمیان میں حائل نہیں ہو سکتے تو یہ برحق ہے اور اگر کوئی اور مقصد ہے تو وہ باطل ہے کیونکہ ہروقت ہر جگہ علمی و احاطی اعتبار سے حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ربی ہے

مسئلہ علم غیب

سوال نمبر۱۶ = کیا آئمہ اطہار عالم الغیب ہیں یا نہ؟

جواب سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اس قدر مغیبات کثیرہ پر باعلام اللہ اطلاع رکھتے ہیں جن کی حد بندی کرنا ہمارے عقول ناقصہ کی دسترس سے بالاتر ہے ہاں البتہ علم کلام کے علماء متقدمین و

متاخرین نے تعلیمات قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان کی روشنی میں خدا کے اس صفاتی نام (عالم الغیب والشہادۃ) کا اطلاق کسی بھی مخلوق کے لئے روا نہیں رکھا کیونکہ اس کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جس کا علم ذاتی ہو اور کلی واحاطی ہو اور ایسی ذات صرف ذات خدا ہے۔

معجزہ کا مسئلہ

سوال نمبر ۱۷ معجزہ نبی و امام کا فعل ہے یا خدا کا؟

جواب = معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے یعنی معجزہ خدا کی قدرت او اس کے حکم سے ظاہر ہوتا ہے ہاں اس لحاظ سے کہ اس کا ظہور نبی و امامؑ پر ہوتا ہے۔ اسکے فاعل مجازی وہ ہیں۔ الغرض معجزہ کی خدا کی طرف نسبت حقیقی ہے اور نبی و امام کی طرف مجازی

عقیدہ قیامت

سوال نمبر ۱۸ = قیامت کے اعتقاد کی وضاحت کریں۔

جواب = تمام اہل ادیان کا بالعموم اور تمام مسلمانوں کا بالخصوص یہ عقیدہ ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ اس کائنات کی بساط کو لپیٹ دیا جائے گا اور ہر چیز موت کی آغوش میں سو جائے گی۔ پھر خالق کائنات تمام اولین و آخرین کو محشور کر کے ان کا حساب و کتاب لے گا۔ **فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا" یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔** ذرہ ذرہ نیکی و بدی کی جزا و سزا دی جائے گی۔ اور یہ حشر جسم مع الروح کا ہوگا۔ یعنی معاد جسمانی و روحانی کا عقیدہ رکھنا واجب ہے جو اس کا منکر ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اسی طرح ان تمام حقائق و معارف پر اجمالی ایمان رکھنا واجب ہے جو جناب سرکار خاتم الانبیاءؐ پروردگار جل و علا کی بارگاہ سے لائے اور آئمہ اطہارؑ نے جن کی حفاظت کی خاطر اپنی مقدس جانیں قربان کر دیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

نوٹ: جو عقائد و معارف اس کتاب میں بڑے اختصار کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں جو حضرات ان کی پوری تفصیلات مع آیات و روایات و دلائل و بینات دیکھنے کے شائق ہوں وہ ہماری کتاب "احسن الفوائد فی شرح العقائد" اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ اور اعتقادات امامیہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ **قل ھذہ سبیلی ادعو الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی و سبحان اللہ وما انا من المشرکین**

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب مستطاب

قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ

یہ کتاب فقہ کے چند اہم اور عامتہ البلوی ابواب پر مشتمل ہے بنظر اختصار غیر اہم اور غیر مبتلی بہ ابواب کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن اصل مقصد میں وارد ہونے سے پہلے یہاں اجتہاد و تقلید کے بعض مسائل پر تبصرہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ارباب عقل و اطلاع پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ شریعت مقدسہ اسلامیہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ (۱) عقائد (۲) احکام' اصول عقائد میں چونکہ ہر شخص پر علم و یقین حاصل کرنا ضروری ہے جو تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بناء بر قول مشہور و منصور اصول عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے باقی رہے احکام از قسم عبادات و معاملات وغیرہ تو ان میں ضروری ہے کہ ہر مکلف مجتہد ہو۔ یا مقلد یا محتاط' یعنی یا تو وہ اس قدر علمی لیاقت کا مالک ہو کہ خود قرآن و حدیث سے استنباط کر کے ہر ہر مسئلہ کا حل معلوم کر سکے۔ یا پھر کسی جامع الشرائط مجتہد کی تقلید کرے۔ یعنی اس کے حکم کے مطابق عمل کرے یا اس طرح احتیاط پر عمل کرے کہ اسے اپنی شرعی ذمہ داری سے بری الذمہ ہونے کا یقین حاصل ہو جائے۔

تقلید فطری چیز ہے

بعض لوگ تقلید کے نام سے بدک جاتے ہیں ان کے اضافہ معلومات کی خاطر واضح کیا جاتا ہے کہ تقلید نہ کوئی پیری مریدی ہے نہ کوئی بیعت اور نہ ہی مجتہد و مقلد کا رشتہ نبی و امت یا امام و ماموم والا ہے بلکہ وہ صرف ایک فطری تقاضے کی تکمیل ہے اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ خدائے رحمان نے حضرت انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے۔ یعنی کوئی بھی شخص تن تنہا اپنے تمام امور معاش و معاد کو انجام نہیں دے سکتا بلکہ وہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اپنے بنی نوع انسان کے تعاون کا محتاج ہے مثلاً" جو شخص خود طبیب یا ڈاکٹر نہیں تو وہ علاج کے لئے

کسی ڈاکٹر کی طرف، جو خود وکیل نہیں وہ مقدمہ کے لئے کسی وکیل کی طرف اور جو معمار نہیں وہ مکان تعمیر کرنے کے لئے کسی معمار کی طرف رجوع کرتا ہے۔ **وعلی ہذا القیاس**

روزمرہ کا مشاہدہ شاہد ہے کہ ہر شخص جو چیز خود نہیں جانتا وہ اس سلسلہ میں اس کے جاننے والوں کی طرف رجوع کرتا ہے ۔بعینہ یہی کیفیت دینی عبادات و معاملات کی ہے چونکہ شریعت کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا واجب ہے اور عمل کرنے کے لئے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے **لہٰذا** جو شخص خود براہ راست قرآن و حدیث سے علم حاصل نہیں کرسکتا۔ یعنی مجتہد نہیں ہے اس پر لازم ہوگا کہ (بطور مقدمہ واجب) یا تو بموجب "**فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون**" مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کرے یا اس طرح احتیاط پر عمل کرے کہ برات ذمہ کا یقین ہو جائے۔

احتیاط کی وضاحت

مثلاً" ایک عمل کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے بعض اسے واجب قرار دیتے ہیں اور بعض صرف مستحب تو آدمی اسے ضرور بجا لائے۔ اسی طرح بعض علماء ایک فعل کو حرام قرار دیتے ہیں اور بعض صرف اسے مکروہ جانتے ہیں تو وہ اسے ہرگز نہ بجا لائے یا ایک فعل پر بعض علماء نماز قصر کا حکم دیتے ہیں اور بعض تمام کا تو یہ قصرو اتمام ہردو کو جمع کرے تاکہ اسے اپنے شرعی وظیفہ کی انجام دہی کا علم و یقین حاصل ہوجائے۔

تقلید ناگزیر ہے

اس بیان سے یہ بات واضح و عیاں ہوجاتی ہے کہ اس سلسلہ میں اصولیوں و اخباریوں کی نزاع (دیگر اکثر مسائل کی طرح) محض نزاع لفظی پر مبنی ہے نام خواہ مجتہد و مقلد رکھا جائے یا عالم و متعلم یا مبصرو مستبصر، یا فقیہ و متفقہ اس سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ غیر عالم کو عالم کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

اور جہاں تک لفظ اجتہاد کے نام سے نفرت کا تعلق ہے تو یہ بے جا ہے کیونکہ مقدمہ کتاب میں واضح کردیا گیا ہے کہ ہمارے اور دوسری اسلامی برادری کے اجتہاد میں یہ بنیادی فرق ہے کہ ہمارا

اجتہاد صرف قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان کے مرکز و محور کے اردگرد گھومتا ہے جبکہ دوسروں کے اجتہاد میں اجماع قیاس' استحسان' مصالح مرسلہ وغیرہ جائز الاعتماد ہیں۔ جس اجتہاد و تقلید کی بعض اخبار سے مذمت مترشح ہوتی ہے تو اس سے یہی دوسری قسم کا اجتہاد و تقلید مراد ہے جو آئمہ اطہارؑ کے دور میں مخالفین میں رائج تھا۔ فلاتغفل

مرجع تقلید کے شرائط کیا ہیں؟

باقی رہی اس بات کی تحقیق کہ مرجع تقلید میں کن شرائط کا ہونا ضروری ہے؟ سو واضح ہو کہ جو کچھ خدا کے کلام اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان سے واضح و عیاں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرجع تقلید میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ فقاہت و اجتہاد۔ یعنی پیش آمدہ مسائل کو ان کے مدارک و ماخذ (قرآن و حدیث) سے استنباط کرنے کی پوری اہلیت و لیاقت رکھتا ہو۔

۲۔ صحت اعتقاد یعنی صحیح اثنا عشری عقائد کا حامل ہو۔

۳۔ امور قبیحہ سے اپنے نفس کی حفاظت کرنے والا ہو۔

۴۔ ان چیزوں سے اپنے دین کو بچانے والا ہو جو انسان کو بے دین بنا دیتی ہیں۔

۵۔ ہوا و ہوس نفس امارہ کی مخالفت کرنے والا ہو۔

۶۔ اپنے مولا و آقا خداوند عالم اور اس کے ساتھ ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو۔

انہی آخری چار مذکورہ بالا شرائط کے مجموعہ کا نام ہے "شرعی عدالت" یعنی اس کے اندر ایک ایسا ملکہ ہو جس کی وجہ سے وہ (جان بوجھ کر) واجبات کو ترک نہ کرے اور محرمات کا ارتکاب نہ کرے۔ الغرض وہ گناہان کبیرہ کا ارتکاب اور گناہان صغیرہ پر اصرار نہ کرے اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت ایسا ہو جائے تو فوراً توبۃ النصوح کرلے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ تمام شرائط امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول شدہ حدیث شریف کے اندر بالتفصیل مذکور ہیں فرماتے ہیں۔ **اما من کان من الفقهاء صائناً لنفسه حافظاً لدینه مخالفاً لهواه مطیعاً لامر مولاه**

للعوام ان یقلدوہ۔ یعنی فقہاء میں سے جو شخص اپنے نفس کو بچانے والا' اپنے دین کی حفاظت کرنے والا' اپنی خواہشات کی مخالفت کرنے والا اور اپنے مولا کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہو۔ عوام کے لئے اس کی تقلید کرنا جائز ہے۔ (احتجاج طبری وغیرہ) ایسے ہی شخص کو "مجتہد جامع الشرائط" کہا جاتا ہے **وذالک لایکون الا بعض فقہاء الشیعۃ لا کلھم۔ کما لایخفی۔**

لمحہ فکریہ راجع بہ تقلید اعلم

قارئین کرام نے بچشم خود شرائط فقیہ والی مفصل حدیث ملاحظہ کرلی ہے اس میں کہیں بھی اعلم یا افقہ کا لفظ موجود نہیں ہے۔ (اور اسی پر کیا منحصر ہے اجتہاد و تقلید کے سلسلہ میں وارد شدہ کسی بھی روایت میں یہ لفظ موجود نہیں ہے) ہاں البتہ قضاوت کے باب میں وارد شدہ ایک حدیث مقبولہ عمر بن حنظلہ میں یہ لفظ ضرور وارد ہے مگر اس کا محل اور ہے وہ فصل خصومت اور قطع نزاع کے مقام پر وارد ہے جس کا ہمارے محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں ہے کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جس چیز کا قرآن و حدیث میں کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے اس کے متعلقہ مباحث سے تو موجودہ فقہی کتب چھلک رہی ہیں کہ اعلم کسے کہتے ہیں؟ اعلم کون ہے؟ اعلم کی تقلید واجب ہے؟ اعلم کی پہچان کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ مگر جن شرائط کی احادیث میں صراحت موجود ہے ان کا نام بھی ڈھونڈنے سے کہیں نہیں مل سکتا' انقلابات ہیں زمانہ کے!

حالانکہ نقل سے قطع نظر کرکے اگر چند منٹ صرف عقل سے بھی سوچا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جس طرح شرعاً" اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسی طرح عقلاً" بھی اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ یہ حکم دیتا تو یہ تکلیف مالایطاق (طاقت برداشت سے زائد تکلیف' ہوتی حالانکہ خدائے حکیم کسی کو طاقت برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا (لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا) کیونکہ اعلم فی العالم (پوری کائنات کے علماء میں سے سب سے بڑے عالم) کی تشخیص و تعیین عادۃً محال ہے (جسے نبی و امام کا معجزہ ہی بروئے کار لاسکتا ہے) کوئی مائی کا لعل ہے جو پہلے تمام کائنات کے تمام علماء کی تعداد معلوم کرے اور پھر ہر ہر علم و فن میں ان کے علمی مرتبہ و مقام کا جائزہ لے ------- اور پھر یہ فیصلہ کرے کہ فلاں شخص اعلم فی العالم ہے۔

بانصاف قارئین کرام فرمائیں کہ کیا ایسا کرنے والا شخص خود اعلم العلماء نہیں ہوگا؟ ہمیشہ محقق علماء اعلام نے اس مسئلہ کو ناقابل عمل قرار دیا ہے چنانچہ عالم ربانی حضرت شیخ زین العابدین مازندرانی اپنے مفصل رسالہ عملیہ ذخیرۃ العباد صفحہ ۲۰ طبع لکھنؤ پر لکھتے ہیں "ولکن انصاف ایں است کہ غالباً" تشخیص اعلم ممکن نیست بجہت اینکہ الخ یعنی انصاف یہ ہے کہ غالباً" اعلم کی تشخیص ممکن نہیں ہے"

پس معلوم ہوا کہ عقل اس سے زیادہ کوئی فیصلہ نہیں کرتی کہ جس شعبہ حیات کے ماہرین کی طرف رجوع کرنا ہو اور وہ متعدد ہوں تو گردو پیش کے ماہرین میں سے جو زیادہ ماہر ہو اس کی طرف رجوع کرنا افضل و مستحسن ہے بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بالعموم علاقہ بھر کے سب سے زیادہ ماہر ڈاکٹر اور وکیل وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے مگر عقل یہ فیصلہ تو ہرگز نہیں کرتی کہ اگر علاج کرانا ہو تو پہلے یہ دیکھو کہ ساری کائنات میں سب سے بڑا ڈاکٹر کون ہے؟ اور جب یہ معلوم ہوجائے تو پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ (خواہ اس سے پہلے مریض مرحوم ہی ہوجائے) اور نہ یہ کہ سب سے بڑے ماہر ڈاکٹر کے علاوہ کسی اور ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا ناجائز ہے! عقل سلیم کے اس فیصلہ سے ہمیں بھی ابا و انکار نہیں ہے کہ دین کے معاملہ میں رجوع کرنے والے شخص کے علاقہ و ماحول کے علماء و مجتہدین میں سے جو سب سے افضل ہو اس کی طرف رجوع کرنا یقیناً" افضل ہے مگر اس کا تقلید اعلم فی العالم کے وجوب کے ساتھ کیا تعلق ہے یا اس کا مطلب کب ہے کہ سوائے اس مجتہد کے جو تمام کائنات کے مجتہدوں سے بڑا ہے۔ باقی تمام مجتہدین کی تقلید حرام ہے۔ ودون اثباتہ خرط القتاد۔ اس پر کوئی شرعی و عقلی دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کے خلاف بیسیوں دلائل و براہین موجود ہیں ولبیانہا محل آخر۔ یہ تو اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کی شعوری یا غیر شعوری سازش ہے۔ واللہ العاصم

اثبات اجتہاد کا طریقہ کار

بہرحال کسی شخص کے اجتہاد کے معلوم کرنے کے دو صحیح طریقے ہیں (۱) یا تو انسان خود اہل خبرہ سے ہو اور براہ راست اختبار و امتحان سے اس کے اجتہاد کی تصدیق کرے۔ (۲) یا اہل خبرہ میں سے دو عادل گواہ کسی کے اجتہاد کی تصدیق کریں۔

بقاء بر تقلید میت کا جواز

مذکورہ بالا بیان سے ایک اور معرکۃ الاراء اختلافی مسئلہ کا صحیح حل بھی معلوم ہوجاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا میت مجتہد کی تقلید پر باقی رہنا جائز ہے یا نہ؟ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ اذامات المفتی مات الفتوی۔(جب مفتی مرجائے تو اس کا فتوی بھی مرجاتا ہے) مگر اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ جب سطور بالا میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ مذہب حق کے مجتہدین کا اجتہاد قرآن و حدیث کے تابع ہے تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کی موت سے قرآن و حدیث نہیں مرسکتے **(حلال محمد حلال الی یوم القیامۃ و حرامہ حرام الی یوم القیامۃ)** ہاں اگر کسی شخص کا اجتہاد اس کی ذاتی رائے و قیاس کا نتیجہ ہے تو ممکن ہے مرنے کے بعد اسے اپنی رائے کے غلط ہونے کا انکشاف ہوجائے۔ مگر ہمارے نزدیک جب ایسے شخص کا اجتہاد اس کے عین حیات میں ہی قابل اعتماد نہیں ہے تو مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ شاید کہ یہ کلیہ ایسے ہی ذاتی رائے و قیاس پر مبنی اجتہاد پر منطبق ہوتا ہے جسے غلطی سے صحیح اجتہاد پر چسپاں کردیا گیا ہے **واللہ العالم بحقائق احکامہ والقائمون مقامہ فی حلالہ و حرامہ**"

قد جاء کم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا علیکم بحفیظ

باب الطہارت

(وثیابک فطہر والرجز فاھجر)

اسلام میں حفظان صحت کی اہمیت

اسلام دین فطرت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے حکیم نے اسلام کو ایسا جامع دستور حیات بنا کر بھیجا ہے کہ اگر اس کے مطابق زندگی بسر کی جائے تو انسان کی تمام فطری خواہشات احسن طریقہ پر پوری ہو جاتی ہیں۔

اسلام انسان کی کسی فطری خواہش کو کچلنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اسے حد اعتدال کے اندر رکھ کر اس کی خواہشات کو حیوانی خواہشات سے ممتاز رکھنا چاہتا ہے۔

اسلام جسم و روح دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اگر ایک طرف وہ روح انسانی کو ترقی کا راستہ دکھاتا ہے تو دوسری طرف جسم انسانی کو بھی صحت و ترقی کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔

روحانیت اور مادیت میں صحیح توازن قائم رکھ کر دنیا کا نظام چلانا ہی اسلام کا طغرائے امتیاز ہے اس سے پہلے یہودیت میں یہ نقص تھا کہ اس نے روحانیت کو بالکل نظر انداز کر کے صرف مادی ترقی کو ہی قبلہ مقصود بنالیا تھا اور عیسائیت میں یہ عیب تھا کہ اس نے جسمانی تقاضوں کو یکسر بالائے طاق رکھ کر اپنی تمام تر توجہ روحانی ترقی پر مرکوز کر دی تھی اور اسی مقصد کے لئے رہبانیت جیسی خلاف فطرت چیز کو حقیقی دین قرار دے لیا تھا۔ اسی طرح دوسری قومیں بھی افراط و تفریط میں مبتلا تھیں اور ان حالات میں گھر کر انسانیت دم توڑ رہی تھی کہ خدائے منان نے ازراہ لطف و احسان اسلام کو دم توڑتی دنیا کے لئے نئی زندگی کا پیغام بنا کر اپنے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت بھیجا۔ جسم و روح کے لئے کوئی سود مند اور مفید چیز ایسی نہیں جو اسلام نے بیان نہ کی ہو۔ ذیل میں صرف جسمانی صحت و صفائی کے متعلق اسلام کی بعض ہدایات پیش کی جاتی ہیں۔

اسلام میں ترک لذات کی ممانعت

چونکہ حلال اور جائز لذائذ کے ترک سے انسانی صحت متاثر ہوتی ہے اس لئے اسلام جائز لذائز کے ترک کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کا دعوی ہے کہ اسی دنیا سے دین بنتا ہے اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے بعض صحابہ نے اپنی بیویوں کے پاس آنا جانا چھوڑ کر دن کو روزہ اور رات کو قیام شروع کردیا جب آنحضرتﷺ کو اطلاع ملی تو ان کو اس روش پر ٹوکا اور فرمایا تمہارے نفسوں کے تم پر کچھ حقوق ہیں تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے روزہ رکھو۔ پر کبھی افطار بھی کرو۔ نماز پڑھو۔ مگر رات کو آرام بھی کرو۔ جو شخص ہمارے طریقے پر نہیں چلتا وہ ہم سے نہیں ہے اس واقعہ کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی **یا ایہا الذین امنو الا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین** (اے ایمان والو۔ اللہ نے جن پاکیزہ چیزوں کو حلال کیا ہے انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے آگے نہ بڑھا کرو۔ کیونکہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) نیز ارشاد قدرت ہے۔ **قل من حرم زینتہ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق** (اے رسول کہ دو۔ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام قرار دیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور پاکیزہ رزق کس نے حرام قرار دیئے ہیں)۔

اچھی غذا کھانے کا حکم

خشکی تری میں خالق حکیم نے بے شمار نعمتوں کے علاوہ عمدہ عمدہ غذائیں بھی پیدا کی ہیں تاکہ انسان ان کو استعمال کر کے جسم کی پرورش کرسکے۔ اسلام نے اشیائے عالم کی حلت و حرمت میں انسان کی جسمانی صحت کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہر پاکیزہ صحت افزا اور زندگی بخش غذا کو حلال اور ہر اس چیز کو حرام قرار دے دیا جس سے کسی قسم کے مادی یا اخلاقی و روحانی نقصان کا اندیشہ تھا۔ صحت انسانی کے نقطہ نگاہ سے اگر اسلام کے اصول حلال و حرام کو دیکھا جائے تو اس کے اندر وہ حکمتیں نظر آتی ہیں جنہوں نے سائنس دانوں کو بھی اس خدائی قانون کی صداقت کا معترف کردیا ہے۔

اسلام نے پاک و پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ پابندی ضرور عائد کردی ہے کہ اسراف اور بے اعتدالی نہ کی جائے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ **کلوا واشربوا**

ولاتسرفوا۔ (کھاؤ، پیو مگر اسراف اور زیادتی نہ کرو)۔ اسلام نے کھانے پینے میں اعتدال کی تلقین کر کے انسان کو ہلاکت اور جسم کو بیماری سے بچانے کی کامیاب تدبیر کی ہے ظاہر ہے کہ عمدہ سے عمدہ غذا بھی تھوڑی سی بے اعتدالی کرنے سے زہر قاتل بن جاتی ہے **(رب اکلتہ تمنع الاکلات)** حکماء کا قول ہے کہ تندرستی اعتدال کا ہی دوسرا نام ہے۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اس قدر اعتدال پسند بنا دیا تھا کہ ان کے ہاں بیماری کو راہ پانے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔ تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ نے مسلمانوں کے علاج معالجہ کے لئے ایک حاذق طبیب کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا کچھ عرصہ کے بعد طبیب نے دل برداشتہ ہو کر آنحضرتؐ سے واپس جانے کی رخصت طلب کی۔ آپ نے سبب دریافت فرمایا کہا یارسول اللہ! جب ہمارے پاس کوئی بیمار آتا ہی نہیں تو ٹھہرنے کا فائدہ؟ حضورؐ نے فرمایا ٹھیک ہے یہاں لوگ بغیر شدید بھوک کے کھانا نہیں کھاتے اور اس وقت دسترخوان سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جب کچھ بھوک باقی ہوتی ہے اس لئے بیمار نہیں ہوتے۔

جنسی خواہشات کی تسکین

جس طرح غذا میں اعتدال ضروری ہے اسی طرح جنسی خواہشات کے سلسلہ میں بھی اسلام حد اعتدال سے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ جب مرد' عورت کے یہ تعلقات فطری ضرورت سے آگے بڑھ کر عیاشی کی صورت اختیار کرلیں تو اس سے نہ صرف یہ کہ صحت برباد ہوجاتی ہے بلکہ معاشرہ میں طرح طرح کی بیماریاں بھی جنم لیتی ہیں اسلام نے اگر ایک طرف نکاح کو نصف ایمان قرار دیا ہے تو دوسری طرف یہ بھی واضح کردیا ہے کہ جو شخص صرف مال یا جمال یا صرف تسکین شہوت کے لئے نکاح کرتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ اسلام مرد اور عورت کو یہ بات ذہن نشین کراتا ہے کہ اس ازدواج سے جائز طریقہ پر تسکین خواہش کے ساتھ ساتھ اصل مقصد بقاء نسل ہے لہٰذا وہ یہ ملحوظ رکھیں کہ اس تعلق کے نتیجہ میں ان پر اولاد کی پرورش' ان کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت کرنا ان کے فرائض میں شامل ہے اگر یہ سوچ سمجھ کر فریضہ زوجیت ادا کیا جائے تو پھر لازماً" ان تعلقات میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے۔

جسمانی ورزش

صحت کو برقرار رکھنے کے لئے جسمانی ورزش بھی ضروری ہے اسلام نے مسلمانوں کو اس کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ اسلام میں گھڑسواری' تیراندازی اور تیراکی کے مظاہروں کی جو ہمت افزائی کی گئی ہے۔ وہ اسی مقصد کے پیش نظر ہے۔

بے جا تشدد کی ممانعت

خدائے رحمان نے دین اسلام کو آسان بنایا ہے اس نے انسانی طاقت برداشت سے بھی کمتر پابندیاں عائد کی ہیں وہ ہرگز طاقت برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی وقت کوئی بندہ ازخود اپنی جاں پر سختی کرتا ہے اور غیر شرعی پابندیوں میں اپنے آپ کو جکڑتا ہے تو شریعت سہلہ اسے گناہ قرار دیتی ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس جسم و روح خدا کی مقدس امانت ہے اور خدا کی امانت میں ہمیں کسی قسم کی زیادتی کرنے کا حق نہیں ہے۔ بے جا سختیوں سے جسم کمزور پڑجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کمزور جسم کماحقہ فرائض زندگی کو انجام نہیں دے سکتا۔ اس

کے برعکس مضبوط اور تنومند جسم خدا کی عبادت اور خلق کی خدمت پورے جوش و خروش سے کرتا ہے اسی لئے حدیث میں وارد ہے **المئومن القوی خیر من المئومن الضعیف**۔ طاقت ور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے کمزور جسم اور خراب صحت سے نہ صرف یہ کہ دنیا کے دکھ درد میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ وہ محنت و مشقت کر کے سوسائٹی کو پورا فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور یہ حقیقت ہے کہ عقل سلیم بھی جسم سلیم میں ہوتی ہے۔ کما لا یخفی۔

علاج معالجہ کا حکم

خدا کی ذات پر توکل و اعتماد بے شک عقیدہ توحید کی روح رواں ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھ جائے اسلام پہلے تو پرہیز پر زور دیتا ہے کہ **الوقایۃ خیر من العلاج** یعنی پرہیز دوا سے بھی بہتر ہے مگر مرض کی صورت میں علاج بھی ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **لکل داء دواء** ہر مرض کی دوا موجود ہے۔ مروی ہے کہ ایک بار ایک نبی بیمار ہوا بارگاہ الہٰی میں عرض کیا یااللہ! مرض کس کی طرف سے ہے؟ ارشاد باری ہوا میری طرف سے! پھر سوال کیا یااللہ! شفا کس کی طرف سے ہے؟ ارشاد ہوا میری طرف سے۔
نبی اللہ نے کہا پھر میں ہرگز علاج نہ کروں گا۔ ارشاد رب العزت ہوا۔ اس طرح میں تجھے ہرگز شفا نہیں دوں گا۔ (انوار نعمانیہ) لیکن نیم حکیم خطرہ جان کی طرف رجوع کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص بغیر طب جانے کسی کا علاج کرے وہ ضامن ہے (الوسائل)

صفائی ستھرائی کا اسلام میں مقام

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ صفائی ستھرائی جسمانی صحت کے لئے اشد ضروری ہے اسلام میں صفائی کا کیا مقام ہے؟ اس کے سمجھنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اسلام نے صفائی اور پاکیزگی کو جزو ایمان قرار دیا **النظافۃ من الایمان** نظافت ایمان میں داخل ہے۔
کہیں فرمایا **الطهور شطر الایمان** پاکی ایمان کا جزو ہے۔

کبھی فرمایا "الطہور نصف الایمان" پاکیزگی نصف ایمان ہے (نخبتہ العلوم) صفائی ستھرائی کا جس طرح اسلام نے مکمل انتظام کیا ہے اور اس کو مذہبی اور اخلاقی حیثیت دے کر اس کو جو اہمیت دی ہے اس کی دوسرے ادیان میں مثال نہیں مل سکتی۔ بول و براز کے بعد استنجاء مقاربت کے بعد غسل جنابت' غسل حیض و نفاس وغیرہ ہر نماز کے لئے وضو' ہر جمعہ کو غسل' بالوں کی کنگھی پٹی' ناخن کٹوانے کا حکم' موئے زہار اور زیر بغل بال کٹوانے کا امر' مسواک کرنے کی تاکید' مزید صاف ستھرے کپڑے استعمال کرنے کا حکم' ختنے کی سنت' خوشبو استعمال کرنے کی ترغیب وغیرہ تک سب اسی چیز کے مختلف مظاہر ہیں اسلام کا لطیف مزاج یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس کے نام لیوے کثیف رہیں۔ اور اپنے گھربار اور شہروں کو گندہ رکھیں آنحضرتﷺ کا ارشاد ہے۔ اپنے گھروں اور گھروں کے صحن کو کوڑے کرکٹ سے پاک صاف رکھا کرو کیونکہ خدائے تعالیٰ پاک ہے اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ حضورﷺ کی محفل مبارک میں اگر اور کافور کی انگیٹھیاں سلگائی جاتی تھیں تاکہ ہوا صاف رہے اور صحت پر ناخوشگوار اثر نہ پڑے۔

اس تمہیدی بیان کے بعد ہم عام فقہی ترتیب کے مطابق پہلے پانی' اس کے اقسام اور ان کے احکام بیان کرتے ہیں اس کے بعد باب الطہارت کے دوسرے ضروری مباحث بیان کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

آب مطلق و مضاف

سو مخفی نہ رہے کہ پانی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مطلق (جس پر بلا کسی قید و اضافت کے پانی کا اطلاق کیا جائے) (۲) مضاف (جس پر بلا قید و اضافت پانی کا اطلاق نہ کیا جائے جیسے کسی پھل وغیرہ سے نچوڑا ہوا پانی مثلاً" گلاب کا پانی' انار کا پانی' انگور کا پانی اور ہندوانہ کا پانی وغیرہ یا کسی اور چیز کے ساتھ اس طرح ملایا جائے کہ اس پر مطلق آب کا اطلاق نہ ہو سکے جیسے مذکورہ بالا آب مضاف میں آب مطلق شامل کیا جائے اور وہ بھی مضاف کا رنگ دھار لے۔

آب مطلق کے اقسام

آب مطلق کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) جاری (جس کا مادہ ہو) قلیل ہو یا کثیر۔ (۲) غیر جاری

گر کر۔ (۳) کر سے کمتر۔ (۴) کنواں۔ (۵) اور بارش کا پانی۔

ان اقسام کے احکام و مسائل

مسئلہ ۱ = بلااختلاف پانی بجمیع اقسامہ خود طاہر (پاک) ہے اور حدث (باطنی کثافت) اور خبث (ظاہری نجاست) سے مطہر (پاک کنندہ) ہے اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جب کسی نجاست کے ملنے سے اس کا رنگ' بو یا ذائقہ تبدیل ہوجائے تو اس سے پانی کی تمام قسمیں نجس ہوجاتی ہیں۔ لیکن اگر نجاست ملنے سے رنگ یا بو یا ذائقہ تبدیل نہ ہو تو پھر نجس ہوتا ہے یا نہ اس میں تفصیل ہے۔

قسم اول' قسم دوم' چہارم اور پنجم (یعنی آب جاری'کر'کنواں اور بارش کے پانی کا (جبکہ برس رہا ہو) حکم یہ ہے کہ وہ ملاقات نجاست سے نجس نہیں ہوتا لیکن قسم سوم (جو جاری نہ ہو اور کر سے بھی کمتر ہو) جسے آب قلیل کہا جاتا ہے) کے متعلق اشہر واظہر قول یہ ہے کہ وہ ملاقات نجاست سے نجس ہوجاتا ہے۔

کر کی حد بندی

مسئلہ = اگرچہ کر کی حد بندی میں سخت اختلاف ہے مگر تحقیقی قول یہ ہے کہ اگر اس کی حد بندی وزن کے ذریعہ سے کی جائے تو وہ بارہ سو رطل عراقی ہے اور اگر مساحت کے ذریعے کی جائے تو تین بالشت طول' تین بالشت عرض اور تین بالشت عمق' جس کا مکسر ستائیس بالشت بنتا ہے۔ مگر احوط یہ ہے کہ ساڑھے تین تین بالشت طول' عرض اور عمق ہو جس کا مکسر ۴۲ بالشت اور ۴۳ ویں بالشت کا ۷/۸ حصہ بنتا ہے۔ فتدبر۔

ایضاح

کنوئیں میں مختلف نجاستوں کے گرنے سے جو عام فقہی کتابوں میں لکھا ہوتا ہے کہ اتنے ڈول کھینچے جائیں تو ایں صورت میں ہے جبکہ نجاست کی وجہ سے کنوئیں کے پانی کا رنگ و بو یا ذائقہ بدل جائے۔ ورنہ بصورت دیگر صرف مستحب ہیں فلا تغفل۔

آب مضاف کے احکام

مسئلہ نمبر۱= آب مضاف اگرچہ طاہر ہے مگر بنا بر مشہور (بلکہ اس پر اجماع و اتفاق کا دعوی کیا گیا ہے) حدث (باطنی کثافت) و خبث (ظاہری نجاست) سے مطہر (پاک کنندہ) نہیں ہے اگرچہ متقدمین میں سے حضرت شیخ صدوق (درفقیہ) اور متاخرین میں سے ملا محسن فیض کاشانی (درمفاتیح) اور شیخ حسین عرب (در قواعد الدین) کا قول یہ ہے کہ آب مضاف سے وضو جائز ہے اور جناب شیخ مفید (درمسائل الخلاف) جناب سید مرتضٰی علم الهدی (درالمسائل الناصریہ) اور جناب ابن ابی عقیل کا قول یہ ہے کہ اس سے خبث (ظاہری نجاست) کا ازالہ بھی جائز ہے (حدائق ج۱) اگرچہ اس احقر کے نزدیک یہی غیر مشہور قول قوی ہے کہ اس سے حدث و خبث ہر دو کا ازالہ ہوسکتا ہے جیسا کہ متعدد نصوص میں وارد ہے مگر احتیاط اس میں ہے کہ قول مشہور کی اتباع کی جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ اسی طرح آب مضاف کے متعلق دعوائے اجماع کیا گیا ہے کہ وہ جس قدر بھی کثیر مقدار میں ہو مگر ذرہ سی نجاست کے ملنے سے نجس ہوجاتا ہے۔ اگرچہ مشہور کی دلیل بالکل علیل ہے۔ مگر احتیاط اسی میں ہے کہ ان کی ہمنوائی کی جائے۔

نجاسات

وہ نجاسات جو خود نجس ہیں اور دوسری چیزوں کو نجس کردیتی ہیں جن سے اجتناب واجب و لازم ہے دس ہیں۔ (۱) پیشاب انسان اور ہر اس حیوان کا پیشاب نجس ہے جو خون جہندہ رکھتا ہے (جس کا خون ذبح کرتے وقت اچھل کر نکلتا ہے) اور حرام گوشت ہے۔ لہذا جن حیوانات کا گوشت حلال ہے ان کا پیشاب پاک ہے مگر گھوڑے، گدھے اور خچر کے پیشاب میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ طاہر ہے مع الکراہت اور یہی قول قوی ہے۔ حدائق ناظرہ اور وسائل وغیرہ میں متعدد روایات موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مکروہ گوشت والے حیوانات کا پیشاب جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو دھونا ضروری نہیں ہے۔ مگر احوط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے اور جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو اسے دھولیا جائے کیونکہ بعض فقہا جیسے جناب مقدس اردبیلی شیخ

جواد کاظمی اور علامہ شیخ یوسف بحرانی وغیرہم اسے نجس جانتے ہیں اور اس قسم کی بعض روایات بھی وافی اور وسائل وغیرہ میں موجود ہیں جو اس صورت میں جسم و لباس کے دھونے پر دلالت کرتی ہیں مگر وہ استحباب پر محمول ہیں۔ اسی طرح حرام گوشت (پرندہ کے پیشاب اور بٹھ میں اختلاف ہے مشہور نجاست ہے مگر اقوی یہ ہے کہ پاک ہے چنانچہ کافی اور تہذیب الاحکام وغیرہ کتب معتبرہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ **"کل طائر یطیر فلا باس ببوله وخوئه"** ہر پرندہ کے پیشاب اور بٹھ ـــــ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگرچہ مشہور قول احتیاط کے مطابق ہے بالخصوص چگاڈر میں یہ احتیاط اور بھی ضروری ہے۔ مخفی نہ رہے کہ حرام گوشت سے مراد ہر وہ حیوان ہے جس کا گوشت کھانا حرام ہے خواہ بالاصل حرام ہو جیسے کتا' بلا وغیرھا۔ بالعرض جیسے نجاست خوار حیوان' یا وہ حیوان جس سے انسان نے منہ کالا کیا ہو یا وہ بچہ گوسفند جس کا گوشت پوست سور یا کتے کے دودھ سے مضبوط ہوا ہو۔

پیشاب کی نجاست و حرمت کا راز

پیشاب کی غلاظت اور نجاست کوئی ایسا غامض موضوع نہیں ہے جس پر قلم فرسائی کی ضرورت ہو اس کی نجاست کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو لوگ کسی شریعت کے قائل نہیں ہیں وہ بھی اس سے نفرت کرتے ہیں اس میں کئی قسم کے نمکیات اور فاسد مادے شامل ہوتے ہیں جب تک مقررہ مقدار میں اندر رہے اس وقت تک مضر نہیں ہوتا مگر باہر آتے ہی اور خارجی ہوا لگتے ہی یہ زہر کی طرح مضر بن جاتا ہے واضح ہو کہ یہ انسانی پیشاب اور ان حرام گوشت حیوانات کے متعلق ہے جو گوشت خور ہیں ہاں البتہ وہ حیوانات جن کا گوشت حلال ہے اور وہ صرف گھاس پھوس کھاتے ہیں ان کے پیشاب میں چونکہ یہ سمی مادہ نہیں ہوتا اس لئے شریعت مقدسہ نے اسے پاک قرار دیا ہے۔

۲۔ براز (پاخانہ)

انسان اور ہر اس حیوان کا براز نجس ہے جس کا گوشت کھانا حرام ہے اور خون جہندہ رکھتا ہے۔ لہٰذا جن حیوانات کا گوشت حلال ہے ان کا فضلہ پاک ہے حتی کہ گھوڑے' گدھے اور خچر

کی لید بالاتفاق پاک ہے (جس کا گوشت مکروہ ہے) اور ہر قسم کے پرندوں کی بٹھ علی الاقوی پاک ہے۔ اگرچہ احتیاط مستحب یہ ہے کہ حرام گوشت پرندوں بالخصوص چمگاڈر کی بٹھ سے اجتناب کیا جائے۔ واللہ العالم۔

پاخانے کی حرمت و نجاست کا راز

انسان اور حرام گوشت حیوان کے فضلہ میں وہ نفرت آمیز غلاظت پائی جاتی ہے کہ کتے اور سور کا گوشت کھانے والے لوگ بھی اس کے تصور سے لرزہ براندام ہوجاتے ہیں اس فضلہ میں مختلف غلیظ اور گندے مواد جمع ہوتے ہیں اور جب خارج ہوا اسے چھوتی ہے تو اس کی کثافت و خباثت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے اس لئے شرع مقدس نے اسے نہ صرف حرام بلکہ ناپاک بھی قرار دیا ہے۔

۳۔منی

انسان اور ہر خون جہندہ رکھنے والے حیوان کی منی نجس ہے۔ خواہ اس کا گوشت حلال ہو اور خواہ حرام۔ ہاں البتہ وہ حیوانات اور حشرات جو خون جہندہ نہیں رکھتے ان کی منی نجس نہیں ہے۔ منی اور پیشاب کے علاوہ جو رطوبت انسانی مخرج بول سے نکلتی ہے وہ نجس نہیں ہے جیسے مذی (وہ مادہ جو عضو مخصوص کے انتشار اور بوس و کنار اور دست درازی وغیرہ کے وقت خارج ہوتا ہے) وذی (وہ سفید مادہ جو بعض اوقات پیشاب کے بعد خارج ہوتا ہے) اور ودی (وہ لیسدار سفید مادہ جو منی کے خارج ہونے کے بعد خارج ہوتا ہے) نجس نہیں ہے بشرطیکہ خروج منی کے بعد پیشاب کے ذریعہ اس کا استبراء اور پیشاب والا استبراء بھی کرلیا ہو۔ کیونکہ ان کا مرکز اور نکلنے کا راستہ مادہ منویہ کے نکلنے سے مختلف ہے ہاں احتیاط مستحب یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی مادہ جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو اسے دھولیا جائے۔

منی کی نجاست و حرمت کا راز

منی جسے مادۂ الحیات بھی کہا جاتا ہے اس کا قوام خصیتین میں درست ہوتا ہے اس میں لاکھوں چھوٹے چھوٹے جرثومے ہوتے ہیں جتنے جرثومے رحم مادر میں قرار پکڑ جائیں اتنے ہی بچے پیدا ہوتے ہیں باقی تمام جرثومے مرجاتے ہیں اور اگر یہ جرثومے مادہ منویہ میں نہ رہیں تو

آدمی تولید کے قابل نہیں رہتا یہ یا تو خلقی طور پر ایسا ہوتا ہے یا انسان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے چنانچہ اکثر و بیشتر مشت زنی، لواطت اور کثرت شراب خوری سے ایسا ہوتا ہے۔ اسی لئے شارع مقدس نے ان افعال قبیحہ کو حرام قرار دیا ہے' چونکہ منی میں چھوٹے چھوٹے حیوان ہوتے ہیں جو انسان کے لئے مضر ہوتے ہیں اس لئے شرع اطہر نے اسے حرام اور ناپاک قرار دیا ہے اور اس میں حلال گوشت و حرام گوشت کا کوئی فرق نہیں کیا کیونکہ حرام گوشت کی منی سے وہی نقصان ہوتا ہے جو خود اس حیوان کے گوشت میں ہے اور حلال گوشت کی بھی اس لئے حرام ہے کہ وہ مردہ حیوان (جرثومے) پر مشتمل ہے اور اس کے نکلنے سے چونکہ تمام عصبی نظام اور پورے جسم میں فتور اور خلل واقع ہوجاتا ہے اس لئے غسل واجب ہے تاکہ پانی کے ساتھ غسل کرنے سے اس کا ازالہ ہوسکے کیونکہ پانی کے اندر کئی بیماریوں کا علاج مضمر ہے آج کل تو "علاج بالماء" طب کا ایک خاص شعبہ بن چکا ہے۔

۳۔ خون

انسان اور ہر خون جہندہ رکھنے والے حیوان کا خون نجس ہے خواہ اس کا گوشت حرام ہو یا حلال ہاں وہ حیوان جو خون جہندہ نہیں رکھتا۔ جیسے مچھلی' مچھر' کھٹمل وغیرہ ان کا خون نجس نہیں ہے اسی طرح وہ خون جو حلال گوشت حیوان کو ذبح کرنے اور عادی خون نکل جانے کے بعد بدن میں رہ جاتا ہے وہ بھی نجس نہیں ہے۔

خون کی نجاست و حرمت کا راز

صالح اور معتدل خون صحت اور سلامتی اور فرح و نشاط کا ضامن ہے لیکن جب جسم سے باہر نکل آئے اور اسے خارجی ہوا لگ ہوجائے تو اب اس کا استعمال نہ صرف یہ کہ مضر صحت ہے بلکہ بعض مہلک امراض جیسے شدت پیاس اور بھوک' بدبوئے دہن' بدخلقی' قساوت قلبی اور سنگدلی وغیرہ جیسی بدنی و خلقی امراض کا باعث بنتا ہے اس لئے شریعت عادلہ نے اس کا استعمال بھی حرام قرار دیا ہے اور اسے ناپاک بھی ٹھہرایا ہے۔

۵۔ مردار

انسان اور ہر خون جہندہ رکھنے والے حیوان کا مردہ نجس ہے اگرچہ حلال گوشت ہی ہو۔ اسی طرح اس کے وہ اجزاء بھی نجس ہیں جو زندہ حیوان سے جدا کئے جائیں البتہ وہ حیوانات و حشرات جو خون جہندہ نہیں رکھتے جیسے چھپکلی، بچھو اور مچھلی وغیرہ ان کا مردہ نجس نہیں ہے۔ اگرچہ چھپکلی میں احتیاط مستحب یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔

مردہ کی نجاست کا راز

طبعی موت مرنے والے حیوان میں ایسے جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں جو انسان کے لئے انتہائی مضر ہوتے ہیں جن سے مختلف مہلک امراض جیسے کمزوری جسم، قلت باہ پیدا ہوتے ہیں اور ناگہانی موت کا باعث بنتے ہیں اس لئے شارع اقدس نے اسے حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ نجس بھی قرار دیا ہے تاکہ اس کے نزدیک جانے کا تصور بھی ختم ہوجائے بلکہ شریعت میں ہر اس حیوان کو بھی حرام قرار دیا ہے جو مردار خوار ہے جیسے گدھ اور کوا وغیرہ تاکہ انسان ان امراض و آفات سے محفوظ رہے۔

۶۔ شراب

ہر قسم کی شراب بلکہ ہر وہ چیز جو نشہ آور ہے اور دراصل سیال ہے وہ حرام ہونے کے ساتھ ساتھ بنابر قول مشہور و منصور نجس بھی ہے لیکن جو چیز خشک حالت میں نشہ آور ہے جیسے بھنگ اگرچہ اس میں پانی ڈال کر اسے سیال بھی بنا دیا جائے تاہم وہ نجس نہیں ہے (گو اس کی حرمت میں کوئی کلام نہیں ہے) [۱]

۱۔ بعض جاہل بھنگی چرسی یہ کہتے ہیں کہ جب بھنگ نجس نہیں تو پھر حرام کیسے ہے؟ احمقوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ کسی چیز کے حرام ہونے کے لئے اس کا نجس ہونا ضروری نہیں ہے۔ نجس العین تو صرف تین چیزیں ہیں کافر، کتا اور خنزیر۔ باقی سینکڑوں چیزیں جیسے چوہا، بلی، گیدڑ وغیرہ حرام تو ہیں مگر نجس نہیں ہیں۔ اسی طرح مٹی کا کھانا حرام ہے مگر وہ نہ صرف یہ کہ خود پاک ہے بلکہ مطہر بھی ہے (منہ عفی عنہ)

فقاع

شراب کی ایک خاص قسم ہے جو جوؤں سے بنائی جاتی ہے یہ بھی حرام اور نجس ہے اس خاص قسم کی شراب کا فقہاء نے بالخصوص اس لئے علیحدہ تذکرہ کیا ہے کہ روایات میں اس کا علیحدہ تذکرہ ہے۔

مشہور یہ ہے کہ اگر عصیر عنبی (انگور کے جوس) میں آگ پر رکھنے یا دھوپ میں پڑے رہنے یا کسی اور وجہ سے جوش پیدا ہوجائے اور اس کا قوام گاڑھا ہوجائے تو وہ بھی حرام اور نجس ہوجاتا ہے جہاں تک حرمت کا تعلق ہے وہ تو لاکلام ہے مگر جہاں تک اس کی نجاست کا سوال ہے وہ بلادلیل ہے لہٰذا قول قوی یہ ہے کہ وہ پاک ہے اگرچہ احتیاط مستحی یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔

ایضاح

اگر کسی خوردنی چیز میں کشمش ڈالی جائے اور وہ آگ کی تپش سے پھول جائے تو اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اگرچہ احوط یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔

نجاست شراب کا راز

شراب خانہ خراب کے مفاسد محتاج بیان نہیں بلکہ وہ عیاں راچہ بیان کے مصداق ہیں ظاہر ہے کہ اس سے حواس معطل، عقل و ہوش ختم، صحت تباہ اور ماں بہن کی تمیز رخصت ہو جاتی ہے اور بیسیوں قسم کے گناہوں جیسے قتل اور زنا وغیرہ کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ الغرض آج کل کی تحقیقات جدیدہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ شراب سے بڑھ کر انسانی صحت، انسانی عقل اور انسانی معاشرہ کا کوئی دشمن نہیں ہے نیز ہسپتالوں شماریات سے ثابت ہے کہ درد گردہ، تشنج دماغی، وجع المفاصل اعصابی کمزوری، نقرس کے زیادہ تر مریض شراب خوار ہوتے ہیں۔ اس لئے شریعت مقدسہ نے اسے حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ نجس بھی قرار دیا ہے تاکہ پینا تو بجائے خود کوئی کلمہ گو اس ام الخبائث کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ اسی لئے احادیث اہل بیت میں شارب خمر کو عابد وثن (بت پرست) کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

۷۔ کتا ۸۔ خنزیر

باتفاق جمیع فقہاء کتا اور سور حرام اور نجس ہیں حتی کہ ان کے وہ اجزاء بھی نجس ہیں جن میں آثار حیات نہیں ہوتے (جیسے ہڈی اور بال وغیرہ)

حرمت و نجاست کلب و خنزیر کا راز

کتا باوجود اپنی بعض خوبیوں کے انتہائی غلیظ حیوان ہے جو پاخانہ تک کھاتا ہے اس کے معدہ میں اس قدر حرارت ہے جو ہڈیوں کو بھی پگھلا کر ہضم کر دیتی ہے اسے چونکہ پسینہ نہیں آتا اس لئے اس کا تمام گندہ مواد لعاب کے ذریعے خارج ہوتا ہے طبی تحقیقات سے ظاہر ہے کہ اس میں مضر صحت جراثیم ہوتے ہیں جو مٹی کے بغیر صرف پانی استعمال کرنے سے نہیں مرتے اس لئے شارع علیہ السلام نے اس برتن میں مٹی ملنے کا حکم دیا ہے جس میں کتا منہ ڈال دے اور اس کا گوشت خون کو فاسد اور معدہ کو خراب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جسے کتا کاٹے وہ جراثیم اس کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس کی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں اور اس کا جوٹھا کھانے سے سوء ہضم عصبی کمزوری مرض سل اور دوار (سر چکرانے کا مرض) پیدا ہوتا ہے اس لئے شرع اطہر نے اسے حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ نجس بھی قرار دیا ہے علاوہ بریں کتا چونکہ اپنی قوم کا دشمن ہوتا ہے اس کا گوشت کھانے سے یہ بد صفت انسان میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

اور جہاں تک خنزیر کا تعلق ہے تو تمام عالم کے حیوانات میں اس سے بڑھ کر کوئی حیوان غلیظ نہیں ہے یہ گندگی کھاتا ہے اور گندگی میں رہتا ہے اور اس کے گوشت میں مختلف قسم کے چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں جو معدہ میں جا کر بڑے ہو جاتے ہیں اور ان سے مزید کیڑے پیدا ہوتے ہیں جو ہلاکت تک منجر ہوتے ہیں نیز اس کے جسم پر بھی مختلف قسم کے مضر صحت جراثیم ہوتے ہیں نیز سور چونکہ ایک دیوث حیوان ہے اس کا گوشت کھانے سے بے غیرتی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے شارع مقدس نے اس کی حرمت اور نجاست کا حکم صادر فرمایا ہے۔

۹۔ کافر

یعنی وہ شخص جو تمام اصول دین یا ان میں سے بعض کا منکر ہے یا جو شخص گو بظاہر اسلام کا دعوی کرتا ہے مگر اس کے بعض ضروریات کا باوجود جاننے کے منکر ہے جیسے مرزائی جو سرکار خاتم الانبیاء کی ختم نبوت کے منکر ہیں آغا خانی جو نماز روزہ وغیرہ ضروریات دین کے منکر ہیں ناصبی اور خارجی جو محبت اہل بیتؑ کے نہ صرف منکر بلکہ ان کی دشمنی کو عبادت سمجھتے ہیں غالی خدا کی خدائی و یکتائی کے منکر اور اہل بیتؑ کی ربوبیت کے قائل ہیں مفوضہ جو خدا کی خالقیت و رزاقیت وغیرہ صفات فعلیہ کا انکار کر کے یہ خدائی صفات اہل بیت میں ثابت کرتے ہیں بابی اور بہائی جو شریعت اسلامیہ کے منکر اور دین باب و بہا کے قائل ہیں اور صوفیہ حلولیہ وحدۃ الوجودیہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا مرشد میں (بلکہ ہر شئی میں حلول کر جاتا ہے) اور اس وقت اس میں اور خدا میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اور وہ ہر اوست کے قائل ہیں۔ العیاذ باللہ و غیرہم من الفرق الباطلۃ

ایضاح

اہل کتاب (مجوسی یہود' اور نصاری کی طہارت و نجاست میں قدرے اختلاف ہے مگر مشہور و منصور قول یہی ہے کہ وہ نجس ہیں اولاً" تو آیت قرآنی **انما المشرکون نجس** (کہ مشرک نجس ہیں) ان کی نجاست پر نص صریح ہے ثانیاً" سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی بکثرت احادیث صریحہ و صحیحہ اس سلسلہ میں موجود ہیں جو وافی' وسائل اور حدائق وغیرہ کتب معتبرہ میں مذکور ہیں۔ اور جن بعض آیات و روایات سے ان کی طہارت مترشح ہوتی ہے وہ سب ماؤل ہیں، و لیس ھھنا محل التفصیل

کافر کی نجاست کا راز

کافر کی نجاست پر تمام فقہاء امامیہ کا اتفاق ہے قرآن و حدیث اس کی نجاست پر متفق ہیں ظاہر ہے کہ انسانی شرف و مجد کی وجہ اس کا جوہر عقل و خرد ہے۔ **والعقل ما عبد بہ الرحمن واکتسب بہ الجنان۔** (عقل یہ ہے کہ اس کے ذریعے خالق کی عبادت کی جائے اور جنت حاصل کی جائے) لیکن جو شخص باوجود عقل و خرد رکھنے کے اپنے مالک و محسن کو نہیں پہچانتا اور اسے نہیں مانتا وہ نہ صرف یہ کہ مجد انسانی سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ حیوانات سے بھی بدتر ہو

جاتا ہے۔ اولئک کالانعام بل ہم اضل۔علاوہ بریں جو شخص کافر ہے اس کا دامن ضرور ظاہری نجاسات و کثافات سے بھی آلودہ رہتا ہے نہ وہ ٹھیک طرح بول و براز سے طہارت کرتا ہے نہ خمر و خنزیر وغیرہ سے اجتناب کرتا ہے اور اگر بالفرض ان چیزوں سے اس کا دامن صاف بھی ہو تو خود شرک جو سب نجاستوں سے بڑی نجاست ہے) سے تو ضرور اس کا دامن ملوث ہوتا ہی ہے اس لئے شارع حکیم نے اسے نجس قرار دے کر اس سے میل و محبت اور دیگر انسانی تعلقات کو ناجائز قرار دیا ہے تاکہ فتنہ و فساد کی جڑ کٹ جائے اور اس کی خباثت اعتقادی و بدنی دوسروں تک سرایت نہ کرے۔

جنب حرام کا پسینہ

اگرچہ اس کی نجاست و طہارت میں متقدمین ومتاخرین کے درمیان اختلاف ہے متقدمین میں نجاست اور متاخرین میں طہارت کی شہرت ہے۔ مگر قوی قول یہی ہے کہ جنب حرام کا پسینہ نجس ہے خواہ یہ فعل شنیع کرتے ہوئے نکلا ہو یا بعد ازاں اس فعل کی حرمت اگر ذاتی اور اصلی ہو جیسے زنا لواطت اور مشت زنی وغیرہ تب تو یہ حکم بلا اشکال ہے اور اگر اس کی حرمت عارضی ہو جیسے اپنی زوجہ کے ساتھ حیض و نفاس یا روزہ کی حالت میں مقاربت کرنا تو بھی بناء براحتیاط اس پسینہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔ واللہ العالم۔

بنا بر مشہور نجاست خور حیوان کے پسینہ کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ نجس ہے اس سے بھی اجتناب لازم ہے۔

جنب حرام اور نجاست خور کے پسینہ کی نجاست کا راز

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس فعل قبیح کی شناعت و قباحت جو فاعل تک سرایت کر گئی ہے اور شارع حکیم نے اس فعل بد سے نفرت دلانے کیلئے اس کے پسینہ کو نجس قرار دیا ہے تاکہ اس سے کلی اجتناب کا ملکہ پیدا ہو۔

اسی طرح نجاست خور کا گوشت و پوست چونکہ نجاست خوری کی وجہ سے مضبوط ہوا ہے لہٰذا اس کے اندر اب چونکہ نجاست کے تمام آثار نمودار ہو گئے ہیں اس لئے جب تک

اس کا استبراء نہیں کیا جائے گا (جس کی تفصیل مطہرات میں مذکور ہو گی) نہ اس کا گوشت حلال ہو گا اور نہ ہی پسینہ پاک ہو گا۔

کسی چیز کی نجاست ثابت ہونے کا طریقہ کار

جب کسی چیز کی نجاست ثابت کرنا ہو تو اس کے تین طریقے ہیں۔

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب تک کسی چیز کی نجاست کا یقین نہ ہو اس وقت تک اسے شرعاً" پاک ہی سمجھا جائے گا ہاں جب اس کی نجاست کا علم و یقین حاصل ہو جائے تب وہ نجس متصور ہو گی۔

۲۔ جب دو عادل آدمی کسی چیز کی نجاست کی گواہی دیں تب بھی اسے نجس تصور کیا جائے گا احتیاط یہ ہے کہ اگر ایک آدمی خبر دے دے تو بھی اس سے اجتناب کیا جائے۔

۳۔ جس شخص کے قبضہ میں جو چیز ہے اگر وہ (جیسے مالک یا نوکر وغیرہ) اس کے نجس ہونے کی خبر دے تو اس کی خبر کو شرعاً" تسلیم کرتے ہوئے اس چیز کو نجس سمجھا جائے گا۔

نجاسات کے احکام

نجاسات کے چند احکام ہیں۔

مسئلہ نمبر۱۔ اگر نجس چیز کسی پاک چیز سے اتصال پیدا کرے تو اگر ہر دو تر ہوں یا ان میں سے ایک اس طرح تر ہو کہ ایک کی تری دوسری تک پہنچ جائے تو پاک چیز نجس ہو جائے گی (جسے متنجس کہا جاتا ہے) لہٰذا اگر اس قسم کی تری کا یقین نہ ہو یا باہمی اتصال کا علم نہ ہو تو پھر وہ پاک چیز نجس متصور نہ ہو گی۔

مسئلہ نمبر۲۔ نماز اور طواف میں شرط ہے کہ آدمی کا بدن اور لباس پاک ہو لہٰذا اگر کسی شخص کا بدن یا لباس نجس ہو تو اس کو نماز و طواف کیلئے پاک کرنا واجب ہے اور اگر برتن نجس ہے تو استعمال سے پہلے اس کا پاک کرنا لازم ہے۔

مسئلہ ۳۔ نجس چیز کا کھانا پینا اور دوسروں کو کھلانا پلانا حرام ہے۔

مسئلہ ۴۔ نجس العین اشیاء کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔

مسئلہ ۵۔ البتہ اگر متنجس اشیاء کی خرید و فروخت سے کوئی عقلائی مقصد پیش نظر ہو۔ جیسے فصل کو کھاد دینا یا نجس تیل سے چراغ روشن کرنا وغیرہ) تو اس صورت میں جائز ہے۔

مسئلہ ۶۔ مساجد کو نجس کرنا حرام ہے اور اگر ان کی نجاست کا علم ہو جائے تو ان کی تطہیر واجب ہے۔

مسئلہ ۷۔ قرآن مجید کا نجس کرنا حرام ہے اور اگر خدانخواستہ کسی طرح نجس ہو جائے تو فوراً اس کا پاک کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۸۔ قرآن کا نجس سیاہی وغیرہ سے لکھنا حرام ہے اور اگر لکھا جائے تو اسے دھو ڈالنا لازم ہے۔

مسئلہ ۹۔ کفار کے ہاتھ میں قرآن دینا حرام اور ان سے واپس لینا واجب ہے۔

مسئلہ ۱۰۔ بنا براحتیاط مشاہد مقدسہ کا حکم بھی مساجد والا ہے

بعض مستثنیات کا بیان

جیسا کہ ابھی احکام نجاسات میں سے دوسرے حکم میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز و طواف واجب کے لئے نجس بدن اور لباس کا پاک کرنا واجب ہے یہ حکم اپنے مقام پر درست ہے مگر شریعت مقدسہ نے چار چیزوں کی معافی دی ہے۔

۱۔ خون اگر درہم بغلی (بنا بر احتیاط انگشت شہادت کے اوپر والے پورے سے) کم ہو اور کپڑے کو لگ جائے تو اس کی معافی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خون نجس نہیں ہے نجس ضرور ہے مگر معاف ہے لیکن حیض کے خون میں یہ رخصت نہیں ہے لہٰذا وہ قلیل بھی ہو تو اس کا دھونا لازم ہے اور بناء بر احتیاط مستحب خون استحاضہ، خون نفاس اور کافر، کلب و خنزیر کے خون کا حکم بھی خون حیض والا ہے نیز احوط یہ ہے کہ یہ درہم بغلی سے کم تر خون کی معافی صرف کپڑے تک محدود ہے لہٰذا اگر بدن پر لگ جائے یا درہم بغلی کے برابر ہو وہ خواہ کپڑے پر بھی ہوا سے دھو لینا چاہئے۔

۲۔ زخم اور پھوڑے پھنسی کا وہ خون جو عموماً رستا رہتا ہے اور اس کے بار بار دھونے اور کپڑے بدلنے میں غیر معمولی مشقت و زحمت ہوتی ہے وہ بھی معاف ہے خواہ جسم پر ہو اور خواہ

لباس پر جب تک زخم یا پھوڑا ٹھیک نہ ہو جائے ہاں البتہ احوط یہ ہے کہ دن میں ایک بار کپڑے دھولئے جائیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے۔

۳۔ وہ چیز از قسم لباس وغیرہ جس میں مرد کی نماز نہیں ہو سکتی یعنی ستر عورتین (آگا پیچھا ڈھانپنے) کے لئے کافی نہیں ہے جیسے ٹوپی' رومال' جراب اور انگوٹھی وغیرہ اگر وہ نجس ہو جائے اور حالت نماز میں بھی نمازی کے ہمراہ ہو تو اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بشرطیکہ مردار یا نجس العین کے اجزاء سے بنی ہوئی نہ ہو۔

۴۔ بچے کی تربیت کنندہ (والدہ یا دایہ) جبکہ اس کے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا ہو اور وہ بچے کے پیشاب سے نجس ہو جائے تو اسے اجازت ہے کہ شب و روز میں صرف ایک بار ان کپڑوں کو دھولے پھر ان میں نماز پڑھتی رہے۔ بہتر یہ ہے کہ دن کے آخری حصہ میں دھوئے تاکہ ظہرین اور مغربین کی نماز پاک کپڑوں میں پڑھ سکے مگر یہ حکم صرف کپڑوں سے مخصوص ہے اور مربیہ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس سے مربی اور بدن تک تجاوز کرنا جائز نہیں ہے نیز مزید احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ صرف بچے کی مربیہ تک اس رعایت کو محدود سمجھا جائے اور بچی کی مربیہ کو اس میں شامل نہ کیا جائے۔

جوٹھے پانی وغیرہ کے احکام

نجس العین (کافر' کتا' اور خنزیر) کا جوٹھا نجس ہے اور جن حیوانات یا پرندوں کا جسم پاک ہے ان کا جوٹھا بھی پاک ہے اگرچہ ان کا گوشت حرام ہو۔ ہاں البتہ بعض آثار اور اقوال کی بناء پر حرام گوشت حیوان یا پرندہ کا جوٹھا مکروہ ہے۔

نیز اس حیض والی عورت کا جوٹھا بھی مکروہ ہے جو طہارت و نجاست کا خیال نہ کرتی ہو اور مومن کا جوٹھا نہ صرف یہ کہ پاک اور جائز ہے بلکہ بعض اخبار و آثار کے مطابق اس میں ستر بیماریوں کی شفا ہے۔

مطہرات بارہ ہیں

(۱) پانی۔ (۲) زمین' (۳) آفتاب' (۴) استحالہ' (۵) انقلاب' (۶) انتقال' (۷) ذہاب دو ثلث' (۸) اسلام' (۹) تبعیت' (۱۰) زوال عین نجاست' (۱۱) استبراء حیوان' (۱۲) غیبت مسلم

ان مطہرات کی تشریح و توضیح

پانی = پانی قدرت کاملہ کی بے شمار نعمتوں میں سے وہ عظیم الشان نعمت ہے جس پر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے **وجعلنا من الماء کل شی حی** اور بڑی صحت افزا اور فرحت بخش چیز ہے پانی طب قدیم و جدید میں متعدد امراض میں مفید اور کار آمد ہے یہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی ارشاد قدرت ہے **انزلنا من السماء ماء" طهورا"** ہم نے بلندی سے پانی نازل کیا ہے جو خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرتا ہے۔ نیز ارشاد قدرت ہے۔ **"وینزل علیکم من السماء ماء لیطهر کم به"** خدا بلندی سے پانی برساتا ہے تاکہ تمہیں اس کے ذریعے سے پاک کرے اور احادیث اہل بیت میں وارد ہے۔ **"الماء کله طاهر حتی تعلم انه قذر" (کتب اربعہ)** ہر قسم کا پانی پاک ہے اور دوسری ناپاک (مگر قابل تطہیر) چیزوں کو پاک کرتا ہے جس کی بقدر ضرورت ذیل میں تفصیل درج کی جاتی ہے۔

پانی کے ساتھ پاک کرنے کی شرائط

پانی نجس چیزوں کو چار شرطوں کے ساتھ پاک کرتا ہے۔

(۱) آب مطلق ہو کیونکہ بناء بر مشہور آب مضاف گو خود پاک ہے مگر کسی نجس چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ (۲) خود پاک ہو۔ (۳) دھوتے وقت مضاف نہ ہو جائے یعنی نجس چیز کا رنگ یا بو یا ذائقہ اختیار نہ کرے۔ (۴) عین نجاست زائل ہو جائے پس اگر دھونے کے بعد بھی عین نجاست باقی ہو تو نجس شئی پاک نہ ہو گی۔

آب جاری یا آب کثیر سے پاک کرنے کا طریقہ

آب جاری یا آب کثیر سے کسی چیز کو پاک کرنے کا طریقہ بالکل آسان ہے اور وہ یہ ہے کہ نجس بدن ہو یا لباس یا برتن یا کوئی اور چیز اسے ایک بار غوطہ دینے یا آب جاری کے اندر رکھنے سے پاک ہو جاتی ہے اس میں نہ تعدد کی شرط ہے نہ کپڑے کو نچوڑنے کی ضرورت ہے اور نہ کوئی اور پابندی ہے ہاں البتہ اگر اس برتن کو پاک کرنا ہو جس میں کتے نے منہ ڈالا ہے تو اسے پہلے ایک بار مٹی سے مانجنا پڑے گا وبس۔

آب قلیل سے پاک کرنے کا طریقہ

طریقہ تطہیر کی تفصیلی کیفیت بیان کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ نجس چیز کیا ہے جس کو پاک کرنا مقصود ہے۔؟ نجس چیزیں چار قسم کی ہوتی ہیں بدن' کپڑا (از قسم لباس وغیرہ) برتن' ان کے علاوہ اور کوئی چیز۔

پھر یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ برتن کے علاوہ یہ چیزیں کس نجاست سے نجس ہوئی ہیں؟ برتن کے احکام الگ ہیں اب ہر چیز کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

اگر نجس بدن ہے یا اس کا کوئی حصہ اور اسے پاک کرنا مقصود ہے اور نجاست بھی پیشاب والی ہے تو دو مرتبہ دھونا واجب ہے اور اگر پیشاب کے علاوہ کوئی اور نجاست لگی ہوئی ہے تو ازالہ نجاست کے بعد صرف ایک مرتبہ دھونا کافی ہے اگرچہ احتیاط مستحب یہ ہے کہ دوبارہ دھویا جائے۔

اور اگر نجس کپڑا ہے اور نجاست بھی پیشاب والی ہے تو اسے دوبار دھونا واجب ہے اور آخر میں ایک مرتبہ نچوڑنا بھی واجب ہے اگرچہ ہر مرتبہ دھونے کے بعد (یعنی دو مرتبہ) نچوڑنا افضل ہے لیکن اگر ایسے بچے یا بچی کا پیشاب ہے جو ابھی شیر مادر کے سوا کوئی غذا نہیں کھاتا تو پھر بدن یا کپڑے پر صرف ایک بار پانی کا ڈال دینا کافی ہے دوبارہ دھونے یا نچوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۔ اگر بدن' کپڑا اور برتن کے علاوہ کوئی اور چیز نجس ہے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ بھی مذکورہ بالا بیان سے عیاں ہے یعنی نجاست بولی سے دوبار اور کسی دوسرے نجاست کی وجہ سے ایک بار (احتیاطاً" دوبار) دھونا ضروری اور کافی ہے۔ واللہ اعلم

برتن پاک کرنے کے احکام

۱۔ اور اگر نجس برتن کو پاک کرنا ہے تو پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ نجس کس چیز سے ہوا ہے؟ اگر کتے کے منہ ڈالنے کی وجہ سے نجس ہوا ہے۔ تو تین بار اس طرح دھونا واجب ہے کہ پہلے مٹی کے ساتھ بعد ازاں دوبار خالص پانی کے ساتھ۔ مخفی نہ رہے کہ مٹی سے دھونے کی کیفیت میں شدید اختلاف ہے کہ خشک مٹی ہو یا اس میں پانی ملایا جائے؟ اگرچہ اقوی یہ ہے کہ خشک مٹی کافی ہے مگر احوط یہ ہے کہ پہلے برتن میں خشک مٹی ڈال کر اسے خوب ہلایا جائے' پھر اسے انڈیل دیا جائے' اور پھر دو بار پانی سے دھویا لیا جائے۔

۲۔ اور اگر خنزیر کے منہ ڈالنے کی وجہ سے نجس ہوا ہے تو پھر سات بار دھونا واجب ہے۔ (اس میں مٹی سے دھونا لازم نہیں اگرچہ احتیاطاً" افضل ہے) اور یہی حکم جنگلی (بڑے) چوہے کا ہے۔

۳۔ اور اگر شراب کی وجہ سے نجس ہوا ہے تو پھر تین بار دھونا واجب ہے۔ احوط سات بار ہے۔

۴۔ اور اگر کسی اور نجاست سے نجس ہو جائے تو اظہر و احوط یہ ہے کہ تین بار دھو لیا جائے۔

سونے چاندی کے برتنوں کا حکم؟

یہاں ضمناً یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ خالص سونے چاندی کے برتن کا کھانے پینے کے سلسلہ میں استعمال شرعاً" حرام ہے۔ اور احادیث اہل بیتؑ میں ایسا کرنے پر جہنم کی تہدید و وعید وارد ہوئی ہے۔ اور اگر اس میں کچھ چاندی لگی ہوئی ہو تو پھر اس کا استعمال مکروہ ہے (اور اس صورت میں احتیاط وجوبی یہ ہے کہ چاندی والی جگہ کو منہ نہ لگایا جائے)۔ واللہ العالم۔

۲۔ زمین۔ زمین کے مطہر ہونے کے شرائط

مطہرات میں سے دوسری زمین ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں۔ **جعلت لی الارض مسجداً" و طھوراً"** کہ زمین میرے لئے جائے سجدہ اور طاہر و مطہر بنائی گئی ہے۔ پہلی امتوں میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی چیز نجس ہو جاتی تو اس مقام کو کاٹنا پڑتا تھا اور عبادت کیلئے بھی ایک جگہ مخصوص ہوتی تھی جس کے

علاوہ کسی جگہ عبادت روا نہ تھی۔ مگر پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ کی امت پر محسن حقیقی نے یہ احسان فرمایا ہے کہ پانی اور زمین کو مطہر قرار دے کر ہر پاک جگہ پر نماز و عبادت کو جائز قرار دیا ہے۔۔۔ زمین کف پا' خف اور جوتے کے تلوے کو (جبکہ نجس ہوں) پاک کرتی ہے مگر چار شرطوں کے ساتھ۔

(۱) خود زمین پاک ہو۔ (۲) خشک ہو۔ (۳) پیر وغیرہ پر عین نجاست موجود ہو جو زمین پر چلنے یا زمین پر ملنے کی وجہ سے زائل ہو۔ (۴) یہ نجاست خالص زمین پر چلنے سے زائل ہو۔

لہٰذا اگر زمین پر چوبی فرش ہو' چٹائی یا قالین وغیرہ ہوں یا روئے زمین پر سبزہ اگا ہو جس پر چلنے سے نجاست زائل ہو جائے تو پھر یہ نجس چیزیں پاک نہ ہوں گی اسی طرح پختہ اینٹ پر چلنے سے بھی نجاست کے دور ہونے میں اشکال ہے۔

اگرچہ تھوڑا سا چلنے سے عین نجاست زائل ہو جائے تو متعلقہ نجس چیز پاک تو ہو جائے گی مگر افضل یہ ہے کہ کم از کم پندرہ قدم ضرور چلا جائے۔

مذکورہ بالا تین چیزیں نجس ہو جائیں تو ان کے زمین پر چلنے یا ملنے سے پاک ہونے پر تو سب فقہاء کا اتفاق ہے مگر ان کے علاوہ جو چیزیں زمین پر لگتی ہیں جیسے لنگڑے آدمی کے عصا کا نچلا سرا' یا پاؤں کٹے کا مصنوعی پاؤں' یا جوراب وغیرہ۔ ان میں اختلاف ہے اگرچہ جوراب کے علاوہ باقی تمام اشیاء میں طہارت والا قول قوت سے خالی نہیں ہے۔ مگر عدم طہارت والا قول احتیاط کے مطابق ہے۔ واللہ العالم

۳۔ آفتاب

خدائے رحیم نے آفتاب کو ازراہ لطف و کرم ان نجس چیزوں کا مطہر قرار دیا ہے جہاں پانی یا دوسرے مطہرات کی بسہولت رسائی نہیں ہوسکتی۔ یا ان کے پہنچنے میں مشقت شدیدہ لازم آتی ہے۔ جیسے زمین' مکان' اس کی چھت اور دیواریں یا وہ لکڑی اور لوہا وغیرہ جو مکان میں لگا ہوا ہے۔ بلکہ ہر غیر منقول چیز جیسے درخت اور ان پر لگے ہوئے پھل فروٹ وغیرہ البتہ اس آخری چیز میں احتیاط کو ترک نہ کیا جائے۔ (یعنی کھانے سے پہلے ان کو دھو لیا جائے)

آفتاب کے مطہر ہونے کی شرطیں

آفتاب کی تطہیر چار شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔

ا۔ وہ نجس چیز پیشاب یا کسی اور نجاست کی وجہ سے تر ہو (اور اگر کسی وجہ سے خشک ہو جائے تو اسے تر کیا جائے۔ تاکہ آفتاب کی چمک سے خشک ہو) (۲) اگر عین نجاست موجود ہو تو پہلے اسے دور کیا جائے۔ (۳) براہ راست آفتاب کے چمکنے اور اس کی حرارت کے پڑنے سے وہ جگہ خشک ہو۔ (لہذا اگر بالواسطہ آفتاب کی حرارت سے خشک ہو تو وہ پاک متصور نہ ہو گی) (۴) تنہا آفتاب کے چمکنے اور حرارت پہنچائے جانے سے خشک ہو۔ ہاں اگر اس میں ہوا کی بھی معمولی آمیزش ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

آیا بڑے ٹاٹ اور بڑی چٹائیاں نجس ہو جائیں تو آفتاب کے چمکنے سے پاک ہو جاتی ہیں یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے اگرچہ طہارت والا قول قوت سے خالی نہیں ہے مگر احتیاط عدم طہارت میں ہے۔

۴۔ استحالہ

مطہرات میں سے چوتھا استحالہ ہے یعنی بنظر عرف ایک چیز اپنی صورت چھوڑ کر دوسری صورت اختیار کرے تو اب وہ پاک ہو جائے گی۔ کیونکہ شرعی احکام اسماء و صفات کے تابع ہوتے ہیں جیسے کسی نجس یا متنجس چیز کو آگ جلا کر راکھ بنا دے یا دھواں بنا کر اڑا دے۔ تو اس صورت میں وہ چیز پاک ہو جائے گی۔

مسائل

مسئلہ ۱ = جس نجس چیز کا آگ کے ذریعے کوئلہ بنا دیا جائے اگرچہ بنا بر اظہر وہ پاک ہو جائے گی۔ مگر احوط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔

مسئلہ ۲ = اگر نجس آٹے کی آگ پر روٹی پکائی جائے تو وہ پاک متصور نہیں ہو گی۔

مسئلہ ۳ = اگر نجس مٹی کی ٹھیکری یا اینٹ یا نجس پتھر کا نورہ یا سیمنٹ بن جائے تو اس میں اختلاف ہے کہ پاک ہو جاتا ہے یا نہ؟ مگر مشہور و منصور قول یہ ہے کہ پاک نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۴ = اگر کوئی نجس چیز نمک کی کان میں گرے اور کچھ مدت کے بعد نمک بن جائے تو پاک ہو جائے گی۔

۵۔ انقلاب

منجملہ مطہرات کے ایک انقلاب ہے یہ شراب اور عصیر عنبی کے لئے پاک کنندہ ہے یعنی جب خود بخود یا کسی خاص طریقہ سے شراب سرکہ بن جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر عصیر عنبی کسی طرح جوش مارنے کے بعد جب نجس ہو جائے (بنا بر قول نجاست) اور پھر کسی طرح سرکہ بن جائے تو وہ بھی پاک ہو جاتا ہے۔

وضاحت

اگر شراب یا عصیر عنبی شراب ہونے کے علاوہ کسی اور خارجی نجاست سے نجس ہو جائے مثلاً اس میں پیشاب یا خون کی آمیزش ہو جائے یا اسے نجس انگور، کھجور سے کشید کیا جائے۔ تو پھر بنا بر احتیاط سرکہ بننے سے پاک نہیں ہو گا۔

۶۔ انتقال

منجملہ مطہرات کے ایک انتقال بھی ہے یعنی جب کوئی نجس چیز کسی پاک چیز کی طرف اس طرح منتقل ہو جائے کہ اب اسی کا جز شمار ہونے لگے تو پاک ہو جائے گی جیسے انسان کا خون مچھر یا کھٹمل وغیرہ کی طرف منتقل ہو جائے۔ لیکن اگر اس طرح منتقل ہو کہ اس دوسری چیز کا جز شمار نہ ہو۔ جیسے انسان کا خون جونک کے شکم میں چلا جائے تو وہ پاک نہ ہو گا۔ بلکہ نجس ہی رہے گا۔

۷۔ ذہاب ثلثین۔ (دو تہائی کی کمی)

منجملہ مطہرات کے ذہاب ثلثین ہے یہ عصیر عنبی کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جب انگور کے پانی میں آگ یا دھوپ کی وجہ سے جوش پیدا ہو جائے۔ تو بناء بر اس کی نجاست کے جب اسے آگ پر رکھنے سے اس کی دو تہائی مقدار ختم ہو جائے تو باقی ماندہ مقدار پاک ہو جاتی ہے مگر قبل ازیں نجاسات میں بیان ہو چکا ہے کہ اقوی یہ ہے کہ یہ نجس نہیں ہے۔ ہاں احتیاط مستحب یہ ہے کہ اسے نجس سمجھ کر اس طریقہ سے پاک کیا جائے۔ تو اس صورت میں دو تہائی کم ہونے کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس کا پینا جائز ہو جائے گا۔ اور نجاست کا احتمال بھی ختم ہو جائے گا۔

۸۔ اسلام

منجملہ مطہرات کے ایک اسلام ہے یعنی جب کوئی کافر (بجمیع اقسامہ) کلمہ اسلام پڑھ کر کل ماجاء بہ النبیؐ کا اقرار کرلے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کے تمام اجزاء بدن اور منہ ناک سے نکلنے والے فضلات جیسے تھوک اور قے وغیرہ پاک ہو جاتے ہیں۔ ہاں اگر اس کے بدن یا لباس پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو۔ تو اس کا ازالہ ضروری ہوگا۔

۹۔ تبعیت

منجملہ مطہرات کے ایک تبعیت بھی ہے۔ تبعیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی نجس چیز کے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوسری چیز بھی پاک ہو جائے۔ اور اس کی چند صورتیں ہیں۔

تبعیت کے اقسام

۱۔ کافر کے مسلمان ہونے سے اس کے منہ ناک کے رطوبات و فضلات پاک ہو جاتے ہیں (جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا ہے)

۲۔ شراب سرکہ بن جائے تو اس کا برتن بھی پاک ہو جائے گا۔

۳۔ جس تختے پر میت کو غسل دیا جاتا ہے۔ اور آخری غسل کے بعد جہاں میت پاک ہو جائے گی وہاں وہ تختہ بھی پاک ہو جائے گا اور غسل دینے والے کے ہاتھ بھی پاک ہو جائیں گے۔

۴۔ جب کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو اس کی چھوٹی اولاد بھی پاک ہو جائے گی۔ وہ مسلمان ہونے والا خواہ ان کا باپ ہو یا جد یا ماں یا جدہ۔

۵۔ جب نجاست گرنے سے کنواں نجس ہو جائے تو جب مقررہ ڈول کھینچے جائیں تو اس کے بعد جہاں کنوئیں کا پانی پاک ہو جائے گا وہاں ڈول، کنوئیں کے اطراف، ڈول کی رسی وغیرہ متعلقہ اشیاء بھی پاک ہو جائیں گی۔

۶۔ نجاست کو زائل کرنے اور دھونے کے سلسلے میں جب مقررہ طریقے پر کسی چیز کو پاک کیا جائے تو اس کے ساتھ غاسل کے ہاتھ بھی پاک ہو جائیں گے اور تھوڑا سا پانی جو عادی طریقہ سے نچوڑنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے وہ بھی پاک ہو جائے گا۔

۷۔ بنا بر قول مشہور غیر مسلم نابالغ بچہ اپنے قید کرنے والے مسلمان کے تابع سمجھا جائے گا۔ یعنی پاک متصور ہو گا۔ بشرطیکہ وہ اظہار کفر نہ کرے۔

۸۔ دو تہائی عصیر عنبی کے کم ہو جانے کے بعد (بنا بر اس کی نجاست کے) وہ آلات (چمچے اور کڑچھے) بھی پاک ہو جائیں گے جن کے ذریعے اسے کم کیا گیا ہے۔

۱۰۔ زوال عین نجاست

منجملہ مطہرات کے ایک زوال نجاست بھی ہے۔ اس کے صرف دو مقام ہیں ایک تو حیوان کا جسم جو کسی نجاست یا متنجس کے لگنے سے نجس ہو جائے اور پھر کسی طرح عین نجاست زائل ہو جائے۔ تو جسم پاک ہو جاتا ہے۔ یا مثلاً" چوہے یا بلی یا مرغی کے منہ کے ساتھ خون یا کوئی اور نجاست لگ جائے اور پھر خود بخود یا کسی اور طریقے سے زائل ہو جائے تو ان کا منہ پاک ہو جائے گا۔ دوسرے انسانی جسم کا باطنی حصہ جیسے منہ یا ناک وغیرہ کا اندرونی حصہ مثلاً" دانتوں سے خون نکل آئے۔ اور منہ کے پانی میں تحلیل ہو جائے۔ تو منہ پاک ہو جائے گا۔ اور پانی سے دھونے کی ضرورت نہ ہو گی۔ ہاں اگر دانت مصنوعی ہوں تو پھر احتیاط یہ ہے کہ ان کو باہر نکال کر دھویا جائے (بشرطیکہ باہر نکالنے میں دقّت نہ ہو) اگر جسم یا لباس پر نجس گرد و غبار لگ جائے تو صرف جھاڑنے سے جسم یا لباس پاک ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ استبراء حیوان

منجملہ مطہرات کے ایک استبراء بھی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس حیوان کا حرام خوری کی وجہ گوشت پوست اگ آئے۔ اور اس وجہ سے اس کا گوشت حرام اور اس کے فضلات نجس ہو جائیں تو اس کا استبراء کرنے سے اس کا گوشت حلال ہو جاتا ہے اور فضلات پاک ہو جاتے ہیں یعنی اس حیوان کو حرام خوری سے روک کر صرف حلال غذا کھلائی جاتی ہے بہتر ہے کہ مختلف حیوانات کی جو مدت شرعاً" مقرر ہے اس کی پابندی کی جائے جیسے اونٹ کیلئے چالیس دن، گائے بھینس کے لئے بیس دن۔ بھیڑ بکری کے لئے دس دن اور بطخ کے لئے پانچ دن اور مرغی کیلئے تین دن ہیں۔

۱۱۔ غیبت مسلم

منجملہ مطہرات کے ایک غیبت مسلم بھی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کے کپڑے یا برتن یا بستر وغیرہ نجس ہوں تو پھر کچھ مدت کے لئے آنکھوں سے غائب ہو جائے تو چھ شرطوں کے ساتھ وہ چیزیں پاک سمجھی جائیں گی۔

غیبت مسلم کے مطہر ہونے کے شرائط

۱۔ اس شخص کو اس چیز کی نجاست کا علم ہو۔

۲۔ دوسروں کے خیال میں جس چیز کی وجہ سے وہ نجس ہے وہ شخص بھی اسے نجس جانتا ہو۔ جیسے جنب از حرام کا پسینہ مثلاً

۳۔ یہ دیکھا جائے کہ وہ اس چیز کو اس کام میں استعمال کر رہا ہے۔ جو مشروط بطہارت ہے جیسے نماز وغیرہ۔

۴۔ اس شخص کو اس بات کا بھی علم ہو کہ وہ جس کام میں اس چیز کو استعمال کر رہا ہے وہ مشروط بطہارت ہے۔

۵۔ اس بات کا احتمال ہو کہ اس شخص نے اس چیز کو پاک کیا ہوگا۔ لہٰذا اگر کسی وجہ سے یقین ہو کہ اس نے اسے پاک نہیں کیا تو اس صورت میں اسے نجس ہی سمجھا جائے گا۔

۶۔ احوط یہ ہے کہ وہ مسلمان بالغ عاقل بھی ہو۔

تتمہ بحث۔ کسی چیز کی طہارت ثابت کرنے کا طریقہ

جب کسی چیز کی نجاست کا علم و یقین ہو تو اسے اس وقت تک نجس ہی سمجھا جائے گا جب تک شرعاً اس کی طہارت ثابت نہ ہو جائے اور اس کے ثبوت کے چند طرق ہیں۔

۱۔ ذاتی علم و یقین

۲۔ دو عادل گواہ شہادت دیں (بعض علماء کے نزدیک ایک عادل گواہ کی شہادت سے بھی طہارت ثابت ہو جاتی ہے اور یہ قول بعید نہیں ہے) واللہ العالم

۳۔ وہ چیز جس کے قبضہ میں ہے وہ اس کی طہارت کی خبر دے۔

۴۔ غیبت مسلم (جس کی تفصیل اوپر مذکور ہے۔)

۵۔ اس چیز کا پاک کرنا جس کے متعلق تھا (جیسے دھوبی) وہ اس کے پاک ہونے کی خبر دے۔

۶۔ ایک مسلمان اسے پاک کرے۔ اگرچہ یہ یقین نہ بھی ہو کہ اس نے صحیح طور پر اسے پاک کیا ہے۔

نجاسات باطنیہ کا بیان

علم الاخلاق کی جلالت و شرافت محتاج بیان نہیں ہے جس پر تھوڑا سا تبصرہ مقدمہ میں کردیا گیا ہے حقیقت الامریہ ہے کہ جب تک ایک انسان اخلاق جمیلہ سے متصف اور اخلاق رذیلہ سے خالی نہ ہو اس وقت تک وہ درحقیقت انسان کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ الغرض انسان کی انسانیت کا راز علم الاخلاق کے اندر مضمر ہے۔ کما قیل ؎

اقبل علی النفس و استکمل فضائلها

فانت بالنفس لا بالجسم انسان

ظاہری نجاسات و مطہرات کی طرح اس علم الاخلاق کے اندر بھی کچھ باطنی نجاسات و مطہرات ہیں مگر چونکہ بظاہر فقہ علیحدہ علم ہے اس کی کتابیں علیحدہ مدون ہیں۔ اور علم الاخلاق الگ علم اور اس کی کتب جداگانہ ہیں اس لئے فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی فقہی کتب میں ان اخلاقی مسائل کا تذکرہ نہیں کرتے۔ جس کا نتیجہ کوئی خوشگوار نہیں نکلتا کیونکہ اگر تمام طلبہ نہیں تو اکثر کے متعلق تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ صرف و نحو اور دیگر بعض مقدماتی علوم کے علاوہ صرف فقہی کتب پڑھ پڑھا کر اور دستار فضیلت بر سر اور علم کی چادر در بر کرکے قوم و مذہب کے مصلح بن کر اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے ہیں۔ اور علم الاخلاق کی کتابوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ اس روش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بیچارے علم کے چار لفظ پڑھ کر عالم فاضل تو بن جاتے ہیں مگر اکثر و بیشتر جوہر انسانیت سے بالکل عاری ہوتے ہیں بلکہ بعض علماء نجف اشرف کے بقول اچھے خاصے حیوان مفترس (چیرنے پھاڑنے والے بھیڑیے) بن

کر واپس لوٹتے ہیں پھر ان سے اپنے ابناء قوم و ملت کی علمی و اخلاقی اصلاح کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ کیونکہ

؎ ایں خویشتن گم است کرا رہبری کند

اس لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ نئی فقہی کتب کچھ اس انداز سے مرتب کی جائیں کہ ان میں علم الاخلاق کے ضروری مسائل بھی آجائیں جہاں تک نظر قاصر کا تعلق ہے سب سے پہلے جس بزرگ کو اس بات کا احساس ہوا۔ اور پھر عملی اقدام بھی کیا وہ عالم ربانی

جناب ملا محسن فیض کاشانی ہیں جو وافی اور تفسیر صافی واصفی وغیرہ کتب مفیدہ و متعددہ کے مصنف بھی ہیں) انہوں نے اپنے فقہی رسالہ "نخبتہ العلوم معروف بہ نخبہ فیضیہ" میں ظاہری نجاسات و مطہرات کے ساتھ ساتھ علم الاخلاق کی روشنی میں باطنی نجاسات و مطہرات کا بڑے اچھے انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کے بعد ماضی قریب میں عراق کے بعض محقق اور روشن دماغ مجتہدین عظام نے مفید اضافات کے ساتھ اس سلسلہ جلیلہ کو آگے بڑھایا ہم بھی اس امر کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر انہی کی علمی روشوں اور بعض دیگر اخلاقی کتب مثل جامع السعادات اور سیرۃ النبیؐ وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے ایجاز و اختصار کے ساتھ یہاں پہلے نجاسات باطنیہ اور اس کے بعد مطہرات باطنیہ کو بیان کرتے ہیں و منہ

سو واضح ہو کہ باطنی نجاسات و کثافات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق انسانی اعضاء و جوارح کے ساتھ ہے (جسے جرائم الجوارح بھی کہا جاتا ہے) دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق انسانی قلب و دماغ کے ساتھ ہے۔ (جسے ذمائم القلب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) ان سب سے اجتناب واجب و لازم ہے تاکہ آدمی صحیح معنوں میں انسان بن کر مخدوم ملائکہ بن سکے۔ اور جہاں دین و دنیا کی سعادتوں سے اپنے دامن کو پر کرے وہاں معاشرہ کے لئے بھی اس کا وجود مفید اور کار آمد ثابت ہو سکے۔

جرائم الجوارح

جرم جوارح سے مراد ہر وہ کام ہے جو حکم خداوندی کے مخالف ہو اس کی پہلی تقسیم تو یہ ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک کا نام حق اللہ اور دوسری کا نام ہے حق العباد۔ اگرچہ ہر دو کی ادائیگی ضروری ہے مگر حق الناس کا معاملہ زیادہ سخت ہے اور اس کی دوسری تقسیم یہ ہے کہ یہ جرائم دو قسم پر منقسم ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ

گناہان صغیرہ و کبیرہ کی تعریف

گناہان صغیرہ اور کبیرہ کی توضیح میں شدید اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ کوئی گناہ بھی صغیرہ نہیں بلکہ تمام کبیرہ ہیں کیونکہ جس ذات کی مخالفت کی جا رہی ہے۔ وہ چھوٹی نافرمانی کے بھی لائق نہیں ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ تقسیم اضافی ہے۔ یعنی ہر گناہ اپنے سے بڑے گناہ کی بہ نسبت صغیرہ اور اپنے سے چھوٹے گناہ کی نسبت سے کبیرہ ہے۔ مگر تحقیقی قول یہ ہے کہ گناہ کبیرہ اس گناہ کو کہا جاتا ہے۔ جس پر قرآن و حدیث میں جہنم کی وعید و تہدید وارد ہوئی ہے۔ شریعت مقدسہ کے اس اجمال و ابہام کی بظاہر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ لوگ تمام گناہوں سے اجتناب کریں۔ بہرکیف ذیل میں بعض گناہان کبیرہ کی ایک اجمالی فہرست درج کی جاتی ہے۔ جو متعدد کتب فقہ و حدیث و اخلاق سے ماخوذ ہے۔

گناہان کبیرہ کا بیان

ا۔ خدا کی ذات، صفات، افعال، اور عبادت میں شرک کرنا۔ (۲) قتل مومن۔ (۳) زنا کاری۔ (۴) والدین کی نافرمانی۔ (۵) سود خوری۔ (۶) پاک دامن عورتوں پر تہمت زنا لگانا۔ (۷) یتیم کا مال کھانا۔ (۸) جہاد سے فرار کرنا۔ (۹) ہجرت کے بعد پھر بدویت اختیار کرنا جہاں دین میں نقص ہو یعنی ایسے دیہاتوں میں سکونت اختیار کرنا جو علم و ایمان کے آثار سے خالی ہوں۔ (۱۰) [illegible] کرنا۔ (۱۱) خدا کی رحمت سے ناامید ہونا۔ (۱۲) جادو کرنا۔ (۱۳) جھوٹی قسم کھانا۔ (۱۴) جھوٹی گواہی

دینا۔ (۱۵) سچی گواہی چھپانا۔ (۱۶) فرائض خداوندی جیسے نماز و زکوٰۃ وغیرہ کا ترک کرنا۔ (۱۷) شراب خوری۔ (۱۸) عہد شکنی کرنا۔ (۱۹) قطع رحمی کرنا۔ (۲۰) خدا اور رسولؐ اور آئمہ ھدیٰؑ پر افترا پردازی کرنا بلکہ مطلق جھوٹ بولنا۔ (۲۱) مردار' خون' خنزیر کا گوشت اور جس پر وقت ذبح غیر خدا کا نام لیا گیا ہو اس کا کھانا۔ (۲۲) جوا بازی کرنا۔ (۲۳) حرام خوری (یعنی حرام طریقے سے کمائی کرکے کھانا جیسے بول و براز' مردار اور شراب بیچنا زنا و رشوت و غنایا شطرنج کے ذریعے سے روزی کمانا۔ یہ سب حرام خوری کے افراد ہیں) (۲۴) ناپنے تولنے میں کمی کرنا۔ (۲۵) ظالموں کا کوئی عہدہ قبول کرنا۔ (۲۶) ظالموں کی ان کے ظلم میں امداد کرنا۔ (۲۷) ظالموں سے میل و محبت کرنا۔ (۲۸) تکبر کرنا۔ (۲۹) اسراف و تبذیر (فضول خرچی کرنا) (۳۰) اولیاء اللہ سے جنگ کرنا۔ (۳۱) لہو و لعب جیسے راگ و رنگ' رقص و سرور اور چنگ و رباب بجانا وغیرہ۔ (۳۲) مومن کی غیبت اور گلہ کرنا یعنی کسی کی عدم موجودگی میں اس کا وہ خلقی خلقی' حسی' نسبی' قولی' فعلی' اور دینی یا دنیوی نقص' عیب بیان کرنا جو فی الواقع اس میں موجود تو ہو مگر وہ اسے سنے تو برا منائے

ہاں البتہ چند مقامات پر غیبت جائز بھی ہے جیسے متجاہر بالفسق یا بدعتی یا ظالم وغیرہ (تفصیل کیلئے کتب مبسوطہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ (۳۳) مومن پر بہتان باندھنا یعنی اس کے متعلق ایسا بیان کرنا جو اس میں موجود ہی نہ ہو۔ (۳۴) مومن کو گالی دینا یا کسی اور طریقہ سے اس کی توہین کرنا۔ (۳۵) چغل خوری کرکے اہل ایمان کے درمیان تفرقہ بازی کرنا۔(۳۶) ہر قسم کا فتنہ و فساد پھیلانا۔ (۳۷) زنا اور لواطت کی دلالی کرنا۔ (۳۸) مسلمانوں کو دھوکہ و فریب دینا اور ان کو گمراہ کرنا۔ (۳۹) ریا کاری کرنا۔ (۴۰) گناہوں کو معمولی سمجھنا۔ (۴۱) لوگوں کو خدا کے عذاب سے بے خوف کرنا۔ (۴۲) حلال روزی کو حرام قرار دینا اور حرام کو حلال قرار دینا۔ (۴۳) مساجد میں ذکر خدا سے روکنا۔ (۴۴) حق و حقیقت کا چھپانا۔ (۴۵) کفار کی رسم و رواج کی پابندی کرنا۔ (۴۶) چوری یا ڈاکہ زنی کرنا۔ (۴۷) آیات خداوندی کو جھٹلانا۔ (۴۸) مساحقہ کرنا (عورت کا عورت سے اکتفا کرنا) (۴۹) غیر مستحق پر لعن طعن کرنا۔ (۵۰) عورت کا بلا اجازت شوہر کے گھر

سے باہر نکلنا۔ (۵۱) عورت کا پردہ نہ کرنا۔ (۵۲) داڑھی مونڈنا اور منڈوانا۔ (۵۳) دین میں بدعت ایجاد کرنا۔

یضیق عن ذکر بالطاف البیان واللہ المستعان و علیہ فی ترکہا التکلان۔

فائدہ

اس مقام پر دو چیزوں کا بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ اول یہ کہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ **ان تجتنبو اکبائر ماتنہون عنہ نکفر عنکم سیاتکم** اگر تم (باوجود قدرت بر گناہ) کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو گے تو ہم تمہاری (چھوٹی) برائیاں معاف کر دیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود قدرت محض خوف خدا کی وجہ سے گناہان کبیرہ ترک کرنے سے گناہان صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں دوسرے یہ کہ حدیث میں وارد ہوا ہے **لاصغیرۃ مع الا صرار و لا کبیرۃ مع الا ستغفار** گناہ کبیرہ استغفار کرنے سے کبیرہ نہیں رہتا (معاف ہو جاتا ہے) اور بار بار کرنے سے صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔ (بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے)۔ اس لئے جہاں گناہان کبیرہ کے ارتکاب سے اجتناب لازم ہے وہاں گناہان صغیرہ پر اصرار سے بھی احتراز ضروری ہے کیونکہ ان تمام گناہوں کے ارتکاب سے آدمی کا نور ایمان سیاہ اور حال تباہ ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس آدمی کے لئے جائز و ناجائز حلال و حرام اور گناہ و ثواب کا تصور بھی ختم ہو جاتا ہے

وغیر ذالک من الکبائر یضیق عن ذکرہا بالطاف البیان واللہ المستعان وعلیہ فی ترکہا التکلان۔

اور اس کا نتیجہ بے دینی کی موت ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ **و کان عاقبتہ الذین اساتو السئوان کذبوا بایات اللہ** (یعنی جو لوگ مسلسل برائی کرتے رہتے ہیں ان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ آیات الٰہیہ کو جھٹلا کر (یعنی کافر ہو کر) مرتے ہیں **(اعاذنا اللہ و جمیع المئومنین منہ)**

ان نجاسات کے مطہرات دوازدہ گانہ کا بیان

ا۔ خداوند عالم کے عفو و بخشش کی امید رکھنا اور اس کی رحمت و رافت سے ناامید نہ ہونا' چنانچہ خود اس کا وعدہ ہے۔ **یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسکم لاتقنطوا من رحمتہ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا**"۔ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر (گناہ کرکے) ظلم و زیادتی کی ہے۔ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ وہ سب گناہ معاف کرتا ہے۔

۲۔ استغفار کرنا' یعنی گناہ کرنے کے بعد خدا سے طلب مغفرت کرنا۔ چنانچہ خالق اکبر اپنے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکرو اللہ فاستغفرو الذنوبھم و من یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علی ماذ فعلوا وہم یعلمون۔** یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی برائی کریں یا اپنے نفسوں پر ظلم کریں تو فورا" خدا کو یاد کرتے ہیں اور خدا سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور خدا کے سوا اور کون بخش سکتا ہے۔ اور وہ گروہ گناہوں پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔

۳۔ جو فرائض ترک کیے گئے ہیں ان کی قضا بجا لا کر ان کا تدارک کرنا مثلا" نماز نہیں پڑھی گئی اس کی قضا کرنا جو روزہ نہیں رکھا اس کی قضا کرنا۔ (اور بعض صورتوں میں کفارہ بھی ادا کرنا)

۴۔ اگر مالی حقوق جیسے زکواۃ اور خمس اور کفارات ادا نہیں کیے گئے تو ان کو ادا کرنا۔

۵۔ رد مظالم کرنا اگر لوگوں کے حقوق چوری' راہزنی' اور رشوت و غصب وغیرہ کے ذریعے پامال کیے گئے ہوں تو ان کو (اصل مال موجود ہو) تو واپس کرنا ورنہ (مثلی میں) ان کا مثل اور (قیمی میں انکی) قیمت ادا کرنا یا معاف کرانا اور اگر مالک عدم پتہ ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کرنا۔

۶۔ اگر قابل قصاص جرم کا ارتکاب کیا گیا ہو تو ورثہ مقتول کے سامنے اپنے آپ کو قصاص کیلیے پیش کرنا اب ان کی مرضی کہ وہ قصاص لیں یا دیت لیں یا بالکل ہی معاف کردیں۔

۷۔ جس کو گمراہ کیا ہو۔ اس کو راہ راست کی ہدایت کرنا۔

۸۔ جس کا کوئی حق دبایا ہے یا جس کے حقوق مثلا" غیبت کرکے یا بہتان لگا کر پامال کیے ہیں ان کی اس شخص سے معافی طلب کرنا اور اگر کسی کی عزت و ناموس پر ڈاکہ ڈالا ہے تو بھی اشارہ و کنایہ سے معاف کرانا۔ کیونکہ تصریح سے فتنہ و فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

۹۔ بدی کا نیکی بجالا کر تدارک کرنا جس طرح پہلے نفس کو برائی کا مزہ چکھایا ہے اب نیکی کرکے اس کی تلخی کا مزہ چکھانا۔ مثلا" پہلے راگ و رنگ سنا ہے تو اب تلاوت قرآن کی آواز سننا۔ پہلے لہو و لعب اور سینما بینی میں راتیں گزاری ہیں تو اب اعتکاف اور تہجد گزاری میں شب باشی کرنا۔

۱۰۔ اگر وہ گناہ کسی حد شرعی کا باعث ہے۔ اور نظام شرع بھی جاری ہے تو حاکم شرع کے روبرو اپنے آپ کو پیش کرتا ورنہ صرف استغفار پر اکتفا کرتا۔

۱۱۔ وہ گوشت پوست جو حرام کی غذا کھا کر اور خالق کی نافرمانی کر کے اگایا گیا ہے اسے اطاعت خدا کر کے پگھلاتا۔

۱۲۔ سابقہ گناہ سے توبہ کرکے آئندہ اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم بالجزم کرنا حقیقت الامریہ ہے کہ مذکورہ بالا گیارہ مطہرات باطنیہ کے مجموعہ کا دوسرا نام "توبۃ النصوح" ہے۔ خالق کائنات کا ارشاد ہے۔ توبوا الی اللہ جمیعا" ایھا المؤمنون۔ اے ایمان والو تم سب کے سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ ظاہر ہے کہ جب رحیم وکریم خدا خود توبہ کرنے کا حکم دے رہا ہے تو وہ ضرور قبول بھی فرمائے گا۔ ہو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیئات۔ خدا وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی تقصیرات سے درگزر فرماتا ہے۔ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطہرین وفقنا اللہ للتوبۃ قبل الموت والادراک قبل الفوت انہ قریب مجیب۔

رذائلِ قلب کا بیان

رذائلِ قلب سے مراد وہ اخلاق رذیلہ ہیں جو حد وسط (جو کہ اخلاق کی دنیا میں صراط مستقیم کہلاتی ہے) سے افراط یا تفریط کی جانب مائل ہیں۔ جیسے قوت شہویہ مائل با فراط ہو جائے تو اس سے شرہ (کھانے پینے اور جماع کرنے کا شدید مرض) اور اگر مائل بہ تفریط ہو جائے تو اس سے خمود (کھانے اور جماع کرنے میں بالکل بے رغبتی اور قوت غضبیہ اگر مائل با فراط ہو جائے تو اس سے تہور (اجڈپن) اور اگر مائل بتفریط ہو جائے۔ تو اس سے جبن (بزدلی) پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح قوت عقلیہ کا میلان اگر افراط کی طرف ہو جائے۔ تو اس سے جربزہ پیدا ہوجاتا ہے اور اگر اس کا جھکاؤ تفریط کی جانب ہوجائے تو اس سے بلہ (بے وقوفی) پیدا ہو جاتی ہے اور اگر یہ تینوں حد وسط اور اعتدال پر قائم رہیں تو قوت شہویہ سے عفت' غضبیہ سے شجاعت اور عقلیہ سے حکمت پیدا ہوتی ہے اور انہی تینوں صفات جلیلہ کا نام علم الاخلاق میں عدالت ہے۔

ان رذائل القلب کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم کو اصول و امہات ملکات کہا جاتا ہے۔ جیسے (۱)

حب دنیا۔ (۲) شح مطاع (وہ حرص و طمع جس میں بخل کی بھی آمیزش ہو) (۳) خواہشات نفسانی کی اتباع اور (۴) اعجاب بالنفس (خود پسندی اور خود بینی و خود نمائی)

دوسری قسم ان اخلاق رذیلہ کی ہے جو ان اصول سے متفرع ہوتے ہیں جیسے غیظ و غضب، حقد و کینہ، حسد و تکبر، ریا و نفاق، بخل و حرص، اسراف و تبذیر، باطل پر اصرار یاس و ناامیدی، قساوت و سخت دلی، جہل و حماقت، عجلت و جلد بازی، جزع و فزع اور بے صبری، مکر و فریب، بے شرمی و بے حیائی وغیرہ وغیرہ۔

ان بنیادی اخلاق کی کچھ تشریح

ذیل میں ان چہارگانہ امہات صفات کی کچھ تشریح کی جاتی ہے۔

محبت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "**حب الدنیا راس کل خطیئۃ**"۔ جس قدر گناہ و عصیان ہیں وہ اسی محبت دنیا سے پھوٹتے ہیں۔

یہ آئے دن کے جھگڑے و فساد، جنگ و جدال اور قتل و قتال، یہ عیاریاں و مکاریاں اور باہمی فریب کاریاں یہ ہر روز کی ہوس رانیاں اور حرص سامانیاں یہ حقد و حسد کی تباہ کاریاں اور بخل و کنجوسی کی سیاہ کاریاں سب اسی کمبخت دنیا کے شجرہ ملعونہ کے خراب اور تلخ ثمرات ہیں۔

ایضاح

مگر مخفی نہ رہے کہ مذموم دنیا سے مراد وہ دنیا ہے کہ جس کے نہ کماتے وقت حلال و حرام کا خیال رکھا جائے اور نہ خرچ کرتے وقت جائز و ناجائز کا لحاظ کیا جائے لیکن اگر کماتے وقت بھی حدود شریعت ملحوظ رہیں اور خرچ کے وقت بھی خمس و زکوٰۃ وغیرہ مالی حقوق پوری طرح ادا کئے جائیں تو یہ دنیا عین دین ہے چنانچہ مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ دنیا طلب کرتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ حاصل ہو آپ نے فرمایا اس سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ سائل نے کہا کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت پر صرف کریں صلہ رحمی کریں، راہ خدا میں صدقہ دیں اور حج و عمرہ بجا لائیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا **لیس ھذا طلب الدنیا ھذا طلب الاخرہ** یہ دنیا کی طلب نہیں یہ تو آخرت کی طلب ہے۔

(جامع السعادات ج ۲ ص ۴۰)

۲۔ شح مطاع

حرص و لالچ جس میں بخل کی بھی آمیزش ہو اسے عربی زبان میں "شح" کہا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ صفت رذیلہ ہے جس میں بخل اور حرص ہر دو کی رذالتیں یکجا جمع ہیں۔ بخل ان بنیادی اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو اور بہت سی بد اخلاقیوں کی جڑ ہے جیسے خیانت' بد دیانتی' بے مروتی' بے رحمی' بد سلوکی اور دنائت وغیرہ اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح حرص و طمع' لالچ' تنگ نظری' کم ہمتی' اور پست طبعی بھی اسی شجرہ خبیثہ کے برگ و بار ہیں بخل درحقیقت ان قلبی بیماریوں میں سے ہے جو اعمال کی جزا و سزا پر یقین نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں اس لئے بخیل اپنی کمائی دوسرے کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ بخل کا انجام جہنم کی آگ ہے چنانچہ سورہ مدثر میں جنتیوں اور دوزخیوں کا سوال و جواب بطور مکالمہ درج ہے۔ جنتی لوگ دوزخیوں سے سوال کریں گے۔ **ما سلککم فی سقر؟ قالوا لم نک من المصلین و لم نک نطعم المسکین و کنا نخوض مع الخائضین و کنا نکذب بیوم الدین۔** تم کو کس چیز نے دوزخ میں ڈالا؟ جواب دیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور (کج) بحث کرنے والوں کے ساتھ (کج) بحث کیا کرتے تھے۔ اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے جب تک انسان اپنے حرص و آز کو روک کر اچھے کاموں میں روپیہ خرچ نہ کرے اس وقت تک کامرانی حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ **وانفقو اخیرا" لا نفسکم ومن یوق شح نفسہ فاو لئک ہم المفلحون۔** خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور جو شخص اپنے نفس کے حرص و بخل سے بچایا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں ایک اور مقام پر خدائے علیم نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ "**یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصتہ۔** دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود ان کو سخت ضرورت ہو"۔

اسی کا نام ایثار ہے۔ جو بڑی اچھی صفت ہے اور کامیابی کی ضامن ہے بنا بریں ظاہر ہے کہ جو "شح" کی پیروی کرے گا۔ وہ ہلاک و برباد ہو جائے۔ حرص کو اصول کفر میں سے قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں کہ ایمان اور شح ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے دوسری حدیث میں

وارد ہے فرمایا دو بھیڑیے جو بھیڑوں کے جھنڈ میں چھوڑ دیے جائیں وہ اتنا ان کو برباد نہیں کرتے جتنی مال و جاہ کی حرص انسان کے دین و ایمان کو برباد کر دیتی ہے۔ (جامع السعادات)

۳۔ اتباع ہوئی و ہوس

خواہشات نفسانیہ کی اتباع دائمی ہلاکت کا باعث ہے انسان کی خواہش اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ اسلام ہر خواہش کی اتباع کی ممانعت نہیں کرتا اور نہ ہی ہر خواہش کو ترک کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ بلکہ صرف بری خواہش اور نفسانی ہوا و ہوس کے ترک کرنے کا مطالبہ کرتا ہے ارشاد فرماتا ہے **ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ** (ص) خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو کہ وہ تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے **ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ**۔ اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدائی راہنمائی کے بغیر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے۔ الغرض ہوائے نفسانی تمام برائیوں کی جڑ ہے جو شخص اپنے آپ کو اس سے بچائے گا وہی جنت الفردوس میں جائے گا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ **واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی**۔ جو شخص خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے ڈرے اور اپنے نفس کو بری خواہش سے روکے تو بے شک جنت اس کا ٹھکانا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں **ان اخوف ما اخاف علیکم اثنان اتباع الھوی وطول الامل الخ** سب سے زیادہ خوفناک و خطرناک چیزیں جن کے متعلق مجھے خطرہ ہے (کہ تم ان میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جاؤ گے) وہ ہی ہیں خواہش نفس کی پیروی اور لمبی امیدیں۔ خواہش نفس آدمی کو حق سے روکتی ہے اور لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔ (نہج البلاغہ)

۴۔ عجب و خودپسندی

خود بینی و خود پسندی اپنی ذات سے غیر معمولی محبت کا نتیجہ ہے۔ انسان اپنے اندر جب خوبیاں دیکھتا ہے تو وہ ان پر ایسا فریفتہ ہو جاتا ہے کہ اپنے سوا اس کو ہر شئی حقیر اور پست نظر آتی ہے اور یہ اپنے کمالات اسے اپنے ذاتی اور خود پیدا کردہ معلوم ہوتے ہیں اس سے اس کے

اندر خودرائی اور خود نمائی کی صفت رذیلہ پیدا ہو جاتی ہے جسے "عجب" کہا جاتا ہے اور اسی سے کبرو غرور پیدا ہوتا ہے۔ ہمیشہ اس صفت بد کا ثمرہ ہلاکت ہوتا ہے۔ جنگ حنین میں مسلمان اپنی کثرت تعداد پر اترانے لگے تھے پھر اس کا جو نتیجہ نکلا ہے وہ سب کے سامنے ہے اور جب عجب کا نشہ ہرن ہوا اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کی طرح رجوع ہوئے۔ تب نصرت الہی ان کے شامل حال ہوئی۔ عجب درحقیقت فریب نفس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جب اس کا پردہ چاک ہوتا ہے تو اس کی حیثیت جلوہ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔

اخلاق مہلکہ کی کچھ توضیح

۱۔ غیظ و غضب

غیظ و غضب کی افراط بے اعتدالی بہت بڑی برائی ہے کئی دفعہ آدمی بہت سے ظالمانہ، احمقانہ کام و اقدام کر بیٹھتا ہے اور بعد میں اکثر و بیشتر پشیمان ہوتا ہے اس لئے شریعت اسلامیہ نے مسلمان کو اپنے غیظ و غضب پر قابو رکھنے پر بڑا زور دیا ہے۔ خداوند عالم نے غصہ کو دبا لینے والے مسلمان کی یہ تعریف کی ہے۔ **والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس**۔ وہ غصہ کو دبا لیتے ہیں اور (مجرموں کو) معاف کر دیتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے **فاذا ما غضبوا ھم یغفرون** (شوریٰ) جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ غصہ کی حالت میں معاف کرنا اور غصہ کو دبانا مشکل ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے پہلوان وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو پالے غصہ بہت ہی بری صفت ہے اور مزید بہت سی برائیوں کی جڑ ہے اس لئے اس سے اجتناب لازم ہے۔

۲۔ حقد و کینہ

دل میں کسی کی عداوت و دشمنی کا دیرپا جذبہ رکھنا حقد و کینہ کہلاتا ہے یہ بڑی بری صفت ہے حدیث میں وارد ہے کہ مومن بھی کینہ پرور نہیں ہو سکتا (جامع السعادات)

اس وقت اس صفت رذیلہ کی برائی اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ کینہ کسی مومن کے متعلق رکھا جائے۔ حدیث میں وارد ہے کہ کسی مومن کیلئے جائز نہیں کہ کسی مومن سے تین دن

ر سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔ بعض احادیث میں یہ وارد ہے کہ اگر یہ قطع تعلقی تین دن سے آگے بڑھ جائے تو دونوں کے عمل قبول نہیں ہوتے۔ (اصول کافی)

اس لئے خداوند عالم نے اہل ایمان کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ حقد و کینہ سے اپنے سینہ کو پاک رہنے کی دعا کیا کرتے ہیں۔ **ربنا اغفرلنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا" للذین امنوا ربنا انک رؤوف رحیم**(حشر) اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ایمان میں ہم سب سے سبقت کرنے والوں کو بخش دے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے متعلق کینہ نہ رکھ اے ہمارے پروردگار! تو بڑی نرمی والا اور بڑا مہربان ہے۔ الغرض دین دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے حقوق اللہ اور حقوق الناس۔ شرک کرنے سے حق اللہ ختم ہو جاتا ہے اور کینہ رکھنے سے حق العباد رخصت۔ حالانکہ ان دونوں حقوق سے عہدہ برآ ہونا ہی کلید جنت ہے۔

۳۔ حسد و رقابت

ایک شخص پر اگر خدا تعالیٰ کوئی احسان کرے مثلاً" اس کو علم و فضل، مال و دولت، عزت و شہرت یا کوئی اور دنیوی یا دینی نعمت عطا فرمائے اور اس شخص کے دل میں ان کو دیکھ کر یہ خواہش پیدا ہو کہ خدا اسے بھی یہ نعمتیں دے اور وہ ان کے حاصل کرنے کی کوشش بھی کرے تو یہ کوئی بداخلاقی نہیں بلکہ یہ غبطہ (رشک) ہے جو دینی امور میں پسندیدہ ہے **واسئلو اللہ من فضلہ** (نساء) "خدا سے اس کے فضل و کرم کا سوال کرو" اور دنیوی امور میں بھی چنداں مذموم نہیں ہے لیکن اگر اس کی یہ خواہش ہو۔ کہ یہ نعمتیں فلاں سے چھن جائیں اور مجھے مل جائیں تو یہ حسد ہے جو انتہائی مذموم صفت ہے اور اگر اس کے ساتھ یہ خواہش بھی ہو کہ فلاں سے یہ نعمت سلب ہو جائے۔ گو اس کو حاصل نہ ہو تو یہ حسد کی بدترین قسم ہے بداخلاقیوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک چیز حسد ہے یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس سے شاید ہی کوئی دل خالی ہو۔ حسد کے اظہار سے تمام محاسن اخلاق کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے **الحسد یاکل الحسنات کماتا کل النار الحطب**۔ "حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے" (اصول کافی)

اس لئے مسلمانوں کو حسد کرنے والوں کے شر سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے **من شر حاسد اذا حسد**۔ "میں حسد کرنے والے کے حسد سے پناہ مانگتا ہوں جبکہ حسد کرے"

دراصل یہ مذموم جذبہ خدا کی قضاء و قدر اور اس کی تقسیم پر راضی نہ ہونے کی پیداوار ہے۔ ورنہ خدا کو عادل سمجھنے والے کے دل میں کبھی حسد کا شرارہ مشتعل نہیں ہو سکتا۔ یہ مذموم صفت سب سے زیادہ اہل علم کے طبقہ میں پائی جاتی ہے حتی کہ ایک روایت میں ہے کہ حسد کے کل دس حصے ہیں۔ نو حصے تو صرف اہل علم میں تقسیم ہوئے ہیں اور صرف ایک حصہ باقی لوگوں میں تقسیم ہوا ہے۔ اس میں بھی شریک غالب اہل علم ہی ہیں (منہاج الحق) لیکن حقیقی علماء میں ہرگز حسد نہیں ہوتا اسی لئے اہل تحقیق نے اسی حسد کو علماء حق (علماء آخرت) اور علماء سوء (علماء دنیا) کے معلوم کرنے کا معیار و میزان قرار دیا ہے۔ یعنی جن میں حسد پایا جائے وہ علماء سوء میں سے ہیں اور جن کا دامن ان سے صاف ہو سمجھ لو کہ وہ علماء حق ہیں۔

۸۔ تکبر و غرور

انسان میں جب کوئی وصف باکمال پایا جاتا ہے تو قدرتی طور پر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ باکمال ہے۔ یہ اپنی عظمت کا تخیل کوئی بری چیز نہیں (بلکہ یہ ایک فطری امر ہے) لیکن جب یہ خیال ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جائے کہ جن لوگوں میں یہ وصف نہ ہو یا کم ہو ان کو حقیر سمجھنا شروع کر دے تو اس کو تکبر و غرور کہا جاتا ہے جو ایک بڑی مذموم صفت ہے اس عالم ہستی نما میں سب سے پہلے اس صفت رذیلہ کا اظہار شیطان نے کیا جس نے جناب آدم ابوالبشرؑ کے مقابلہ میں اپنے کو بہتر سمجھتے ہوئے کہا "انا خیر منہ" "میں اس سے بہتر ہوں" اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدائے جبار نے اسے ملعون و مردود قرار دے کر اپنی بارگاہ سے ہمیشہ کیلئے نکال دیا اور اس طرح اس کی ہزاروں سال کی محنت و مشقت پر پانی پھر گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص بھی تکبر کرے گا اس کا انجام شیطان سے مختلف نہیں ہو گا۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ (اصول کافی وغیرہ) تکبر کے ثمرات قبیحہ شمار ہی نہیں ہو سکتے مثلاً" ایک متکبر شخص عام لوگوں

کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا اور بات چیت کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے بلکہ اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہیں جب لوگوں سے ملے تو وہ پہلے اس کو جھک کر سلام کریں' چلنے میں سب سے آگے چلے' کسی بزم میں جائے تو صدر جلسہ بنے اور چلے تو اکڑ کر وغیرہ وغیرہ یہ بداخلاقی قریباً" قریباً" ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں پائی جاتی ہے ہاں البتہ علماء و امراء اس میں سب سے پیش پیش ہیں یہ تکبر ہی ہے جو انسان کو قبول حق سے باز رکھتا ہے ہمیشہ پیغمبروں اور دینی راہنماؤں کی دعوت کو اکثر انہی لوگوں نے ٹھکرایا ہے جو قومی سیاسی اور مذہبی یا کسی اور وجہ سے اپنے کو ان ہادیوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ خدا کو نہ تکبر پسند ہے اور نہ متکبر اس لئے وہ بار بار یہ اعلان کرتا ہے **ان اللہ لایحب المتکبرین** (نحل) خدا تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا **ان اللہ لایحب من کان مختالا" فخورا"** خدا مغرور اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا خدا نے اپنے خاص بندوں کی یہ علامت قرار دی ہے کہ وہ زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں **وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما"** (فرقان) خدائے رحمن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی اور فروتنی سے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل لوگ ان سے (کوئی جہالت کی) بات کریں تو وہ سلام کرتے ہیں اور علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

ایضاح

ہاں یہ واضح رہے کہ اچھا لباس زیب تن کرنا' اچھی خوراک کھانا اور اچھی سواری پر سوار ہونا تکبر نہیں ہے بلکہ یہ زیب و زینت اور ظاہری آرائش و زیبائش اور حسن و جمال پسندیدہ چیز ہے بلکہ دراصل تکبر یہ ہے کہ حق کو قبول نہ کیا جائے اور مخلوق خدا کو اپنے سے پست اور حقیر سمجھا جائے

۵۔ ریا و نفاق

ریا کے معنی دکھاوا اور نمائش کے ہیں انسانی اعمال کی راستی و ناراستی اور اچھائی و برائی کا دار و مدار نیت پر ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے **انما الاعمال بالنیات**۔ جو نیک کام ہو مگر وہ

خالصاً لوجہ اللہ نہ کیا جائے۔ بلکہ لوگوں کے دکھاوے کیلئے کیا جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ عمل کی ساری عمارت ہی بودی و کمزور ہو جاتی ہے بلکہ اس سے شرک خفی کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے مثلاً ایک شخص نماز تو پڑھتا ہے مگر غرض یہ نہیں کہ حکم خدا کی تعمیل ہو بلکہ مقصد یہ ہے کہ لوگ اسے نماز گزار اور پرہیزگار کہیں۔ دوسرا زکواۃ و خمس ادا کرتا ہے مگر تعمیل حکم مراد نہیں بلکہ مقصد یہ ہو کہ لوگ اسے سخی و جواد کہیں۔ تیسرا راہ خدا میں بڑی بے جگری سے لڑتا ہے جہاد کرتا ہے۔ مگر مقصد یہ نہیں کہ خدا کے دین کا بول بالا ہو بلکہ غرض یہ ہے کہ لوگ اسے شجاع و بہادر کہیں۔ تو یہ عبادت محض بے کار ہے اور جسد بے روح ہے اسی لئے روایت میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا سب سے پہلے قیامت کے دن اس شخص کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا جس نے بظاہر شہادت حاصل کی یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا اور اس پر اپنے احسانات جتا کر پوچھے گا تم نے ان سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ میں تیری راہ میں لڑا اور شہید ہوا۔ خدا کہے گا کہ جھوٹ کہتے ہو تم صرف اس لئے لڑے کہ تم کو بہادر کہا جائے اس کے بعد اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر وہ شخص لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا لوگوں کو علم سکھایا اور قرآن پڑھا اس سے اس طرح سوال کیا جائے گا اور وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے علم سیکھا علم سکھایا اور تیرے لئے قرآن پڑھا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ کہتے ہو تم نے علم اس لئے حاصل کیا کہ عالم کہے جاؤ۔ قرآن اس لئے پڑھا کہ قاری کہے جاؤ۔ پھر اسی طرح گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اس کے بعد ایک دولت مند شخص لایا جائے گا اور اس سے بھی اسی طرح سوال کیا جائے گا وہ کہے گا کہ مال خرچ کرنے کے جو طریقے تجھ کو پسند تھے میں نے سب میں اپنا مال صرف کیا۔ ارشاد ہوگا جھوٹ بکتے ہو تم نے یہ سب صرف اس لئے کیا ہے کہ لوگ تم کو فیاض کہیں پھر اسی طرح اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (سیرۃ النبیؐ جامع الاخبار وغیرہ) حدیث میں ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں شرک سے بے نیاز ہوں جو شخص ایسا عمل بجا لائے جس میں کسی اور کو بھی میرا شریک قرار دے تو وہ اسی کیلئے ہے جسے میرا شریک کیا گیا ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے (انوار نعمانیہ وغیرہ)

اس طرح اسلام میں کفر کے بعد نفاق کا درجہ ہے۔ نفاق کیا ہے؟ دل میں کفر اور زبان پر ایمان! اس کا نتیجہ یہ ہے کہ منافق کے ایمان و عمل کی حقیقت ریا اور نمائش کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتی۔ وہ دل سے تو خدا کا منکر ہے لیکن صرف خوف و خطر یا کسی اور دنیوی فائدہ کی خاطر بظاہر مذہبی اعمال بجا لاتا ہے اس لئے لازمی طور پر اس کے ان اعمال میں ریا کاری پائی جاتی ہے ارشاد قدرت ہے۔ **یا ایھا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقا تکم بالمن والا ذی کالذی ینفق مالہ ریاء الناس ولا یومن باللہ والیوم الا خرا۔** (بقرہ) اے ایمان والو اپنے صدقات و خیرات کو احسان جتا کر (اور سائل کو) اذیت پہنچا کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو محض لوگوں کو دکھاوے کیلئے مال خرچ کرتا ہے اور خدا اور یوم جزا پر یقین نہیں رکھتا۔ **ان المنافقین یخادعون اللہ وہو خادعھم واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ یراءون الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا"۔** (نساء) **ومن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا" صالحا" ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا"۔**

اس لئے منافق کا انجام بہت برا ہے ارشاد قدرت ہے **ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔**

۶۔ اسراف و تبذیر

اسراف یہ ہے کہ آدمی مال خرچ تو وہاں کرے جہاں کرنا چاہیے مگر کرے ضرورت سے زیادہ اور تبذیر یہ ہے کہ بے محل مال خرچ کیا جائے۔ ہر دو کے لئے جامع لفظ فضول خرچی ہے چونکہ عربوں میں فیاضی فضول خرچی کی حد تک پہنچ گئی تھی اس لئے اسلام نے سختی سے فضول خرچی سے روکا ہے فضول خرچی کا چونکہ نتیجہ افلاس ہے اس لئے حدیث میں وارد ہے۔ **ما افتقر من اقتصد** جو درمیانہ روی سے کام لیتا ہے وہ کبھی فقیر و قلاش نہیں ہوتا (احیاء العلوم) ارشاد قدرت ہے۔ **وات ذالقربی حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا" ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا"** (بنی اسرائیل) رشتہ دار مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو اور فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی جو لوگ شادی بیاہ' اور خوشی و غم کی تقریبوں میں اس قسم کی فضول خرچیوں کے مرتکب ہوتے ہیں وہ قرآن کی اصطلاح میں شیطان کے بھائی کہلائیں

گے یہ تعلیم فیاضی تحریک کے خلاف نہیں ہے کیونکہ فیاضی بخل اور اسراف کے درمیان کا نام ہے خدا اسی کا حکم دیتا ہے **ولا تجعل یدک مغلولۃً الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوماً محسورا**" (بنی اسرائیل) اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ (گویا) گردن میں بندھا ہے اور نہ بالکل اس طرح پھیلاؤ کہ تہی دست ہو کر قابل ملامت حالت میں بیٹھ جاؤ۔ اعتدال کی تعلیم اسلام کا خاص طرہ امتیاز ہے اس لئے اللہ نے مسلمانوں کا امتیازی وصف یہ قرار دیا ہے کہ **والذین اذا انفقوالم یسرفوا ولم یقترو او کان بین ذلک قواما**" (الفرقان) جب خرچ کریں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی بالکل تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا یہ خرچ افراط و تفریط کے درمیان ہوتا ہے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو بے شک خدا فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۷۔ کفران نعمت و ناشکر گزاری

جس طرح منعم کی نعمت کا شکر ادا کرنا بہت بڑی اخلاقی نیکی ہے جس سے علاوہ اظہار شرافت کے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے ارشاد قدرت ہے۔ **لئن شکر تم لازیدنکم** اگر تم شکریہ ادا کرو گے تو میں اور زیادہ نعمتوں سے نوازوں گا اور اس سے اخروی عذاب سے نجات ملتی ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے **مایفعل اللہ بعذابکم ان شکر تم و امنتم**۔ اگر تم شکر گزار و ایمان دار بن جاؤ تو خدا کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں سزا دے لیکن خیال رہے کہ شکریہ یہ نہیں ہے کہ صرف زبان سے دو چار رسمی لفظ ادا کر دیئے جائیں بلکہ دراصل شکریہ یہ ہے کہ منعم کی ہر عطاء کردہ نعمت کو اس کام میں صرف کیا جائے جو اس کی منشاء کے مطابق ہو۔ اس لئے شکر کی منزل بڑی مشکل ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے **وقلیل من عبادی الشکور** میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کفران نعمت (ناشکری) کس قدر اخلاقی جرم ہے۔ علاوہ اس کے کہ اس سے ناشکرے آدمی کی کمینگی ظاہر ہوتی ہے۔

اس میں چند نقصان ہیں اول یہ کہ اس سے نعمت سلب ہو جاتی ہے خداوند عالم ایک ناشکری قوم کا ذکر کرتے فرماتا ہے **فکفرت با نعم اللہ فاذا قھا اللہ لباس الجوع والخوف**۔ جب اس نے کفران نعمت کیا تو خدا نے اسے بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ **ان اللہ لا یغیر مابقوم**

حتی یغیر واما بانفسہم یعنی خدا کسی قوم کو کوئی نعمت دے کر واپس نہیں لیتا۔ جب تک وہ قوم کفران نعمت کر کے خود اس نعمت کے سلب کا سبب نہ بن جائے۔

دوئم یہ کہ آدمی اس سے اخروی عذاب و عقاب کا سزا وار بن جاتا ہے چنانچہ خالق فرماتا ہے ولئن کفر تم ان عذابی لشدید۔ "اگر تم کفران نعمت کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے"

مخفی نہ رہے کہ جس طرح منعم حقیقی کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے اسی طرح بندوں میں سے اپنے مجازی محسن کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ جو شخص بندوں میں سے اپنے محسن کا شکریہ ادا نہ کرے وہ یوں سمجھے کہ اس نے اپنے خالق کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا (المحجۃ البیضاء)

۸۔ قساوت قلبی و سنگدلی

منجملہ رذائل قلبی کے ایک قساوت قلب بھی ہے یہ بہت بڑی بری صفت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صفت کی موجودگی میں آدمی اپنے ابناء نوع کی تکلیف و مصیبت سے متاثر نہیں ہوتا حالانکہ انسانیت کا جوہر یہ ہے کہ آدمی اپنے بنی نوع انسان کے دکھ درد میں شریک ہو۔ اکثر صفات مذمومہ جیسے ظلم و ستم کرنا' ایذا رسانی کرنا' مظلوم کی فریاد رسی نہ کرنا اور فقراء و مساکین پر مہربانی نہ کرنا وغیرہ اسی بری صفت سے پیدا ہوتی ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ القلب القاسی بعید من رحمتہ اللہ سخت دل خدا کی رحمت سے دور ہے۔ (لئالی الاخبار) خداوند عالم ایک گروہ کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ثم قست قلوبکم فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ۔ پھر تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں پس وہ پتھر کی مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ بنابریں جب تک اس بری صفت سے دامن پاک نہ کیا جائے اس وقت تک انسانیت کا جوہر نہیں نکھر سکتا۔

۹۔ جہالت و نادانی

جہل یعنی نفس انسانی کا علم سے خالی ہونا اگر جاہل کو اپنی جہالت کا اعتراف ہو تو اسے جہل بسیط کہا جاتا ہے لیکن اگر اسے اپنی جہالت کا احساس ہی نہ ہو بلکہ وہ اپنے جہل کو علم خیال کرے تو یہ جہل مرکب ہے جو لاعلاج مرض ہے۔

بہرحال جہل کی مذمت کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں ہے اس سلسلہ میں یہی بات کافی ہے کہ جو جاہل ہیں وہ بھی یہ ہی کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ جہالت بری چیز ہے حقیقت یہ ہے کہ جاہل آدمی درحقیقت انسان ہی نہیں ہے کیونکہ انسان کو جو چیز دوسرے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے وہ جوہر عقل ہے اور عقل کی زیب وزینت علم سے ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص باوجود عقل و خرد رکھنے کے علم حاصل نہیں کرتا تو وہ نہ صرف یہ کہ حیوان ہے بلکہ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہے حدیث میں وارد ہے کہ چھ شخص چھ چیزوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ چھٹے نمبر پر وہ دیہاتی لوگ ہیں جو جہالت کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔(جامع السعادات ج ا ص ۱۰۱)

اسی لئے تو جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں

"فقم بعلیم ولا تطلب لہ بدلا
الناس موتی واہل العلم احیاء"

علم حاصل کرنے کیلئے آمادہ ہو جاؤ اور اس کا کوئی بدل تلاش نہ کرو کیونکہ سب لوگ مردہ ہیں اگر زندہ ہیں تو صرف اہل علم (دیوان جناب امیرؑ)

۱۰۔ عجلت و جلد بازی

عجلت بھی قلبی ذمائم میں سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جب کوئی کام کرنا چاہے تو اس کے نفع و نقصان' سود و زیاں اور آغاز و انجام پر غور کئے بغیر اقدام کر گزرے۔ ظاہر ہے کہ جو کام اس طرح بلا سوچے سمجھے کیا جائے گا اس کا نتیجہ سوائے ندامت و پشیمانی کے اور کچھ نہ ہو گا اسی لئے پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں۔ **العجلۃ من الشیطان و التانی من اللّٰہ** او **قال والتانی من الرحمن** (جامع السعادات ج ا ص ۲۷۵) اسی لئے شریعت مقدسہ میں عجلت پسندی و جلد بازی سے روکا گیا ہے اس کی بجائے تانی "توقف" سکینہ اور وقار اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

کہ تعجیل کار شیاطین بود

۱۱۔ جزع و بے صبری

دنیا میں غم و مسرت، رنج و راحت صحت و مرض، فقر و غنا اور عسر و یسر تو ہم اور لازم و ملزوم ہیں جب تک انسان دنیا کی قید حیات سے آزاد نہیں ہو جاتا اس وقت تک تکلیف و مصیبت سے کلی رہائی نہیں پاسکتا۔ تو جس طرح غم و رنج کے مواقع پر صبر و شکیبائی کا اختیار کرنا انتہائی بلند اخلاق ہے۔ کہ انسان وقتی مصیبت و تکلیف سے گھبرائے نہیں اور نہ اضطراب و بے قراری کا مظاہرہ کرے اور بلند مقصد کے حاصل کرنے میں جس قدر مشکلات و مصائب پیش آئیں ان کو خاطر میں نہ لائے اور برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز کر دے اور بڑی پامردی و ثابت قدمی سے اپنے مقصد میں مشغول رہے کہ صبر کامیابی کی کنجی ہے اس کے برعکس ایسے حالات میں آدمی مضطرب ہو جائے، گھبرا جائے، مخالفین کی طعن و تشنیع سے دل برداشتہ ہو کر پست ہمت ہو جائے اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے پر تل جائے اور پائے ثبات میں لغزش واقع ہو جائے تو یہ انتہائی اخلاقی گراوٹ کی دلیل ہے یہی ضبط نفس کا اصل موقع ہے جس سے اشخاص و اقوام میں سنجیدگی متانت اور کردار میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے کہ نفس پر اس قدر قابو ہو کہ مسرت و شادمانی کے نشہ میں فخر و غرور پیدا نہ ہو اور غم و تکلیف میں اداس و بددل نہ ہو الغرض جزع و فزع اور بے صبری کرنے سے مصیبت دور نہیں ہوتی بلکہ اس میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

دنیا کے تمام مفکرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام مشکلات و مصائب کا واحد حل صبر و ضبط میں مضمر ہے۔ **ان اللہ مع الصابرین**

۱۲۔ مکر و فریب

انسانی برادری کے باہمی معاملات میں جو چیز مرکزی حیثیت رکھتی ہے وہ دیانتداری ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے کاروبار میں ایماندار ہو جس کا جو کچھ دینا ہو ذرہ ذرہ دیدے اور ناپ تول وغیرہ میں کسی قسم کی بددیانتی نہ کرے حدیث میں وارد ہے۔ **لا یعرف المرؑ بکثرۃ الصوم والصلوٰۃ بل یعرف بالمعاملات**) انسان کی انسانیت زیادہ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے معلوم نہیں ہوتی بلکہ باہمی معاملات میں دیانتداری سے ظاہر ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص معاملات میں دیانتدار نہیں وہ صحیح معنوں میں انسان نہیں ہے جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "**من غش اخاہ المسلم فلیس بمسلم**" جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو دھوکہ دیتا ہے وہ صحیح مسلمان نہیں ہے۔ (بحار الانوار ۱۷) لہٰذا اس قلبی صفت رزیلہ سے اجتناب لازم ہے۔

۱۳۔ بے شرمی و بے حیائی

شرم و حیا جزء ایمان ہے یہی انسان کا وہ عظیم فطری وصف ہے جس سے اور بہت سی خوبیاں جنم لیتی ہیں جیسے عفت، پاکبازی، اعطاء سائل باہمی مروت اور چشم پوشی۔ اور اس کی وجہ سے انسان فواحش و منکرات سے اجتناب کرتا ہے پیغمبر اسلام فرماتے ہیں **الحیا من الایمان بمنزلتہ الراس من الجسد** حیاء کو ایمان سے وہی تعلق ہے جو سر کو جسم سے ہے فرمایا۔ **لاایمان لمن لا حیاء لہ** جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں ہے (اصول کافی)

اس حدیث شریف سے معلوم ہو گیا کہ جس شخص میں حیا نہیں ہے وہ مومن نہیں ہے اور بے حیا وہ ہے جو خواہش و منکرات کی پروانہ کرے یچ ہے۔ **اذا لم تستحی فاصنع ما شئت** بے حیا باش وہرچہ خواہی کن!

ان نجاسات قلبیہ کے مطہرات کا بیان اور انکی تشریح

انسان سے جس قدر اختیاری افعال صادر ہوتے ہیں وہ چونکہ دل کے ماتحت صادر ہوتے ہیں اس لئے دل کی طہارت و نجاست کا انسانی کردار پر لازمی اثر پڑتا ہے۔ اگر دل و دماغ پاکیزہ ہو تو اس سے اچھے کام صادر ہوتے ہیں اور اگر دل و دماغ گناہوں کی آلودگی سے نجس ہو جائیں تو پھر اس سے افعال زشت صادر ہونگے اسلئے دل و دماغ کی تطہیر ضروری ہے اور سابقہ قلبی ذمائم سے دل کو صاف کرنے کے تین طریقے ہیں۔ (۱)۔ آدمی یہ دیکھے کہ ان گناہوں کے علل و اسباب کیا ہیں۔؟ اور جب یہ معلوم ہو جائیں ________ تو پس ان کا قلع قمع کرے تاکہ ان گناہوں کی جڑا کھڑنے سے وہ گناہ خود بخود ختم ہو جائیں۔

۲۔ مذکورہ بالا اخلاق کی مذمت میں غور و فکر کرے اور ان کی اضداد اخلاق جمیلہ کی جو مدح و ثنا وارد ہوئی ہے اس پر نگاہ کرکے ان کو حاصل کرنے کی سعی و کوشش کرے۔

و بضد ہا تتبین الاشیاء

مثلاً قوت شہویہ و غضبیہ اور عقلیہ کی افراط و تفریط سے جو صفات مذمومہ (مثل شرہ، خمود، تہور، جبن، جزبزہ، بلہ، پیدا ہوتے ہیں انکی اضداد یہ ہیں۔ عفت۔ شجاعت اور حکمت نفس) اس طرح امہات مہلکات (جیسا کہ اوپر مذکور ہیں چار ہیں حب دنیا، شح مطاع، اتباع ہوئی اور اعجاب

بالنفس انکی اضداد یہ ہیں زہد، جود و سخا، تقویٰ و پرہیز گاری، انکساری و خاکساری اور جو اخلاق ذمیمہ ان ملکات کے فروع ہیں (جن کا تفصیلی تذکرہ اوپر کیا جاچکا ہے) ان کی اضداد یہ ہیں علم و بردباری عفو وصفح رفق ونصیحت، تواضع، اخلاص، سخاوت، قناعت، تمسک، رجاء، اُمید، راحت و صحت، علم وفہم، صبر وشکیبائی، دیانت وامانت، شرم وحیاء وغیرہ

۳ ۔ ان ذمائم قلبیہ سے تطہیر کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بعض دیگر مطہرات قلبیہ (اخلاقِ عالیہ) اپنے اندر پیدا کرے، جیسے رضا بقضاء اور صدق و صفا وغیرہ وغیرہ

اَب ذیل میں ان مطہرات کی قدرے تشریح کی جاتی ہے۔ اور پہلے ان تین صفاتِ جلیلہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو قوتِ شہویہ، غضبیہ، اور عقلیہ میں اعتدال و توانی سے پیدا ہوتی ہیں۔

ا۔ عفت و پاکبازی

عفت و پاکبازی ان تمام اخلاقی خوبیوں کی جان ہے جن کا تعلق عزت و آبرو سے ہے چنانچہ خداوند عالم نے قرآن میں بار بار اہل ایمان کے اس اخلاقی وصف کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ **والذین هم لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون** وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیبیوں یا اپنی مملوکہ (باندیوں) سے (ان پر کچھ الزام نہیں) لیکن جو اس کے علاوہ کے طلب گار ہوں۔ وہ حد سے باہر نکلنے والے ہیں۔ عورتوں کی عفت کے بیان میں قرآن نے ایک اور محاورہ استعال کیا ہے **حافظات للغیب** (نساء) پیٹھ پیچھے حفاظت کرنے والیاں یعنی شوہروں کی غیر حاضری میں اپنی عزت و آبرو کی پوری حفاظت کرتی ہیں اسلام میں عفت و پاکبازی کا وہ رتبہ ہے کہ وہ نبوت و امامت کا لازمی جزء ہے نبی و امام کا پورا سلسلہ نسب اس داغ سے ہمیشہ پاک ہوتا ہے عفت و پاکدامنی کے خلاف لفظ "فاحشہ" استعال کیا گیا ہے اور تمام فواحش حرام ہیں۔ اسلام نے صرف یہ کہ زنا کو حرام قرار دیا ہے بلکہ اس کے مقدمات (نظر، شہوت لمس، تقبیل وغیرہ) کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ مرد، عورت کے ناجائز تعلق کا پہلا قاصد نظر ہے۔ اس لئے شریعت نے نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ **"قل للمومنین یغضوا من ابصارهم وقل للمومنات یغضضن من ابصارهن"** اسلام نے صرف انہی اخلاقی ہدایتوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ عفت دری پر شرعی حد بھی مقرر کی ہے۔ عفت کی صفت مختلف سانچوں میں ڈھل کر مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے جیسے

پاکدامنی، پرہیزگاری جود وسخا، شرم و حیا صبر و شکر قناعت، بے طمعی خوش طبعی، ترقی کی خواہش نسل والاد کی آرزو، خانگی مسرت کی مناسب طلب وغیرہ اور جب یہی صفت افراط یا تفریط کی طرف مائل ہوتی ہے تو اس سے حرص، طمع، بے شرمی، فضول خرچی، بخل ریا و اوباشی و چاپلوسی، حسد وغیرہ جیسے اوصاف ذمیمہ پیدا ہوتے ہیں۔

۲۔ شجاعت و بہادری

شجاعت و بہادری بڑی بلند اخلاقی صفت ہے تمام مذاہب میں سے اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے اپنے پیروں میں شجاعت و دلیری کے جوہر پیدا کرنے کی مختلف طریقوں سے پوری کوشش کی ہے اسلام نے اس کی بنیاد چند مضبوط عقائد پر رکھی ہے۔

۱۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کے حکم سے ہوتا ہے

۲۔ لہٰذا فتح و نصرت اور ہزیمت و شکست بھی منجانب اللہ ہے اور حقیقی مدد بھی خدا کی طرف سے ہے۔ **وما النصر الا من عند الله ان الله عزیز حکیم** (انفال) مدد اللہ کی طرف سے ہے بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے

۳۔ ہر آدمی کی موت کا وقت مقرر ہے جو ٹل نہیں سکتا۔

۴۔ خدا کی راہ میں مارا جانا زندگی کا بہترین مصرف ہے۔ اس سے حیات جاوداں ملتی ہے۔

۵۔ بزدلی بڑا اخلاقی عیب ہے۔

۶۔ قلت و کثرت پر فتح و شکست کا دار و مدار نہیں ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مجاہدوں کی جان و مال اللہ تعالی کے ہاتھ اس کی خوشی و رضا اور جنت کے بدلہ میں بکا ہوا ہے اور وہاں ان کیلئے وہ کچھ مہیا ہے جس کے سامنے دنیا کا بڑے سے بڑا عیش و آرام بھی ہیچ ہے۔

ان الله اشتری من المؤمنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنته یقاتلون فی سبیل الله فیقتلون و یقتلون (توبہ)

"اللہ تعالی نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس قیمت پر خرید لیا ہے کہ ان کے واسطے جنت ہے وہ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں"

حضرت پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں۔ **الجنته تحت ظلال السیوف** (جنت تلواروں

کے سائے میں ہے) (انوار نعمانیہ)

یہی شجاعت ہے جو مختلف پیکروں میں ڈھل کر مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے جیسے خودداری دلیری' آزادی' حق گوئی بلند ہمتی' بردباری استقلال' ثبات قدم' وقار' صبر و سکون' طلب حق' جدوجہد' سعی و محنت اور جہاد اور یہی قوت جب اعتدال سے ہٹ کر افراط کی طرف مائل ہو جائے تو تہور بن جاتی ہے (جیسا کہ اس پر پہلے تبصرہ کیا جاچکا ہے) اور اس سے سلسلہ بسلسلہ غرور' نخوت خود پرستی' تکبر' ترفع دوسروں کی تحقیر' ظلم' قتل وغیرہ جیسی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جب یہ قوت تفریط کی طرف جھکتی ہے تو اس سے ذلت پسندی' کم حوصلگی' بے طاقتی' خوف اور دنائت جیسی صفات قبیحہ پیدا ہو جاتی ہیں۔

۳۔ علم و حکمت

قوت عقلیہ جب افراط و تفریط سے محفوظ ہو اور حد اعتدال پر قائم ہو تو اس سے حکمت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی حقائق اشیاء کا علم۔ ارشاد قدرت ہے۔ **من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا" کثیرا** (عنکبوت) جسے حکمت دی گئی ہے اسے گویا خیر کثیر عطا کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ علم تمام انسانی فضائل و کمالات سے افضل و برتر ہے اسی سے دنیا میں عزو وقار' آخرت میں (روحانی) قرب پروردگار اور ملائکہ مقربین' انبیاء مرسلین' ائمہ طاہرین کا جوار پر انوار حاصل ہوتا ہے **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** خدا تعالیٰ سے صرف اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔ "**ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون**" (بقرہ) کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوذر غفاریؓ سے فرماتے ہیں۔ "جلوس ساعۃ" **عند مذاکرۃ العلم احب الی اللہ تعالیٰ من قیام الف لیلۃ یصلی فی کل لیلۃ الف رکعۃ واحب الی اللہ من الف غزوۃ ومن قراۃ القران اثنی عشر الف مرۃ و خیر من عبادۃ سنۃ صلم نہارہا وقام لیلہا الخ** ------ اے ابوذرؓ (علماء کے پاس) ایک گھنٹہ بیٹھکر علمی مذاکرہ کرنا خدا کے نزدیک اس ایک ہزار رات کی عبادت سے بہتر ہے جس میں سے ہر رات میں ہزار رکعت نماز پڑھی جائے اور یہ مذاکرہ ہزار جہاد سے زیادہ پسندیدہ اور بارہ ہزار ختم قرآن سے زیادہ مرغوب ہے اور ایسے ایک سال کی عبادت سے برتر ہے جس میں دن کو روزہ رکھا جائے اور رات کو قیام کیا جائے الخ ------ (جامع السعادات ج ۱)

ان چار اخلاق عالیہ کا تذکرہ جو بنیادی اخلاق رذیلہ کی ضد ہیں۔

۱۔ زہد و ورع

حب دنیا کی ضد زہد ہے۔ زہد کے تین حروف میں زاء' ہا اور دال ارباب اخلاق نے زاء سے ترک زینت ہا سے ترک ہوی اور دال سے ترک دنیا مراد لی ہے۔ مقصد یہ کہ زاہد وہ ہے جو دنیا کی حقارت و پستی اور آخرت کی جلالت و بلندی کے پیش نظر سوائے مقدار ضرورت کے باقی سب دنیا و مافیہا سے اعراض کر کے ہمہ تن آخرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو جائے۔

زہد بڑا جلیل القدر عہدہ ہے جس تک ہر کس وناکس کی رسائی نہیں ہو سکتی کوئی کوئی خوش قسمت اس مرتبہ جلیلہ کو حاصل کرتا ہے پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں۔ **(اذا اراد الله بعبد خیرا" زہده فی الدنیا ورغبه فی الاخرة و بصره بعیوب نفسه)** جب خدا کسی بندے کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دنیا میں زاہد (بے رغبت) اور آخرت میں راغب کر دیتا ہے اور اسے اپنے نفس کے عیبوں سے آگاہ کر دیتا ہے نیز آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ **(من زہد فی الدنیا اُدخل الله الحکمة فی قلبه)** الخ جو شخص دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے تو خدا اس کے دل و دماغ میں حکمت بھر دیتا ہے (جامع السعادات ج ۲) خدا نے اپنے نبی خاتم رسولؐ کو خزائن و دفائن کی کنجیاں دینا چاہیں' مکہ کے پہاڑوں کو ان کی خاطر سونا بنانا چاہا مگر پیغمبرؐ نے ہر بار یہی کہا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ **"اشبع یوما" فاشکر ک وا جوع یوما" فاطلب منک"** ایک دن سیر ہو کر کھاؤں تاکہ تیرا شکریہ ادا کروں اور ایک دن بھوکا رہوں تاکہ تجھ سے مانگوں (عین الحیوۃ) نیز آنحضرتؐ نے اہل بیت اور اپنے حبداروں کے لئے عفت (عفت فرج و بطن) اور کفاف (روزی بقدر ضرورت) کا خدا سے سوال کیا ہے۔ (اصول کافی) الغرض حقیقی زہد یہ ہے کہ چونکہ زاہد کی توجہ کا مرکز خدا اور آخرت ہے اس لئے دنیا کا غنا و فقر' دنیا کی مدح و مذمت' دنیا کی عزت و ذلت اس کی نظر میں برابر ہو۔ **رزقنا الله تعالی هذه المرتبة الجلیلة۔**

۲۔ جود و سخا

یہ شح مطاع اور حرص کی ضد ہے اسلام کی بنیادی اخلاقی تعلیمات میں سے ایک سخاوت ہے سخاوت کے معنی اپنے کسی حق کو خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالے کر دینے کے ہیں اور اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔ (۱) اپنا حق کسی کو معاف کرنا۔ (۲) اپنا بچا ہوا مال کسی دوسرے کو

دینا۔ (۳) اپنی ضرورت کا خیال کئے بغیر کسی دوسرے کو دینا۔ (۴) اپنی ضرورت کو روک کر کسی دوسرے کو دینا۔ (۵) دوسرے کے لئے جسم کو خرچ کرنا۔ (۶) اپنے دماغ کی قوت کو خرچ کرنا۔ (۷) اپنی آبرو کو خطرہ میں ڈال دینا۔ (۸) اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دینا۔ (۹) دوسروں کو بچانے یا حق کی حمایت میں اپنی جان دے دینا یہ سب سخاوت کی ادنیٰ یا اعلیٰ قسمیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سخاوت اور فیاضی کی تعلیم کتنے اخلاق کی ضمنی تعلیم کو محیط ہے اور سب کا منشاء یہ ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا جائے خدا نے قرآن میں کئی جگہ اپنے نیک بندوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ **ومما رزقنا هم ینفقون** (بقرہ) ہم نے ان کو جو روزی دی ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ اسلام میں نماز کے بعد زکواۃ اہم رکن ہے۔ زکواۃ کی اصلی روح یہی سخاوت اور فیاضی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی نظر میں اس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جب تک کسی میں یہ صفت پیدا نہ ہو۔ اس میں ہم جنسوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ کفر و نفاق کے بعد مال و دولت کی محبت وہ کثیف غبار ہے جو دل کے آئینہ کو میلا کرتا ہے اور قبول حق سے روکتا ہے اسلام نے جب اصلاح کا کام شروع کیا ہے تو سب سے پہلے اسی میل کو دھونا چاہا اور جہاں جودو سخا کی برملا تعریف کی وہاں حرص و بخل کی بہت مذمت کی **ویل لکل همزه لمزة الذی جمع مالا و عدده ایحسب ان ماله خلده**۔ (ہمزہ) پھٹکار ہو ہر غیبت کرنے والے عیب جو پر۔ جس نے دولت اکٹھی کی اور اس کو گن گن کر رکھا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی یہ دولت اس کو ہمیشہ رکھے گی یہی محبت مال و منال سچائی اور نیکی کے راستہ پر چلنے سے آدمی کو روکتی ہے شیطان انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ میری چیز ہے میں دوسروں کو کیوں دوں؟ دوسروں کو دوں گا تو میں فقیر و نادار ہو جاؤں گا چنانچہ خدا خبر دیتا ہے۔ **الشیطان یعدکم الفقر و یامر کم بالفحشاء و الله یعد کم مغفرة و فضلا" والله واسع علیم** (بقرہ) شیطان تم کو محتاجی کا خیال دلاتا ہے اور تمہیں بے حیائی کی بات (بخل) کرنے کو کہتا ہے۔ مگر خدا تم سے گناہوں کی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ کشائش والا اور جاننے والا ہے۔

اسلام نے اپنی تعلیم میں انسان کے ان دونوں وسوسوں کا خاتمہ کر دیا ہے اس نے اپنے پیروں کو ایک یقین دلایا ہے کہ یہ مال حقیقت میں تمہارا نہیں ہے بلکہ وہ صرف خدا کا ہے۔ وما

لکم الا تنفقوا فی سبیل اللہ وللہ میراث السموات والارض (حدید) تم کو کیا ہو گیا جو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین و آسمان کی میراث اللہ ہی کی ہے۔ ولہ ما فی السموات والارض "جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے خدا کا ہی ہے دوسرا یقین یہ دلایا کہ تمہاری روزی سے جو کچھ دوسروں کو مل جاتا ہے وہ تقدیر الٰہی میں اسی کا حصہ تھا وہی سب کا روزی رساں ہے ومن یرزقکم من السماء و الارض ءالہ مع اللہ۔ (نحل) اور آسمان اور زمین سے تم کو کون روزی دیتا ہے؟ آیا خدا کے سوا کوئی اور خدا بھی ہے؟ ان اللہ ھو الرزاق ذوالقوۃ المتین۔ (ذاریات) نیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بے پایاں ثواب بیان فرمائے (سیرۃ النبی ج ۶)

۳۔ تقوی و پرہیزگاری

یہ اتباع ہوئی کی ضد ہے اگر حضرت رسول خدا ﷺ کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہم صرف ایک لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو ہم اس کو تقوی سے ادا کر سکتے ہیں۔ اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اقصی تقوی کی روح کو بیدار کرنا ہے۔ قرآن نے اپنی دوسری ہی سورہ میں اعلان کر دیا کہ اس سے فائدہ وہی اٹھائیں گے جو تقوی والے ہیں ھدی" للمتقین اسلام کی ساری عبادتوں کا منشاء تقوی کا حاصل کرنا ہے۔ یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (بقرہ) اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تمہارے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم تقوی حاصل کرو۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل تقوی ہی اخروی نعمتوں کے مستحق ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے ان المتقین فی مقام امین (فرقان) بے شک اہل تقوی امن وامان والے مقام میں ہونگے ان المتقین فی جنت و نعیم (طور) بے شک تقوی والے باغوں اور نعمت میں ہوں گے۔ اگرچہ اہل تقوی کو ابتداء میں کسی قدر مصیبتیں اور بلائیں پیش آتی ہیں مشتبہ اور حرام سے بچنا پڑتا ہے مگر آخری کامیابی اہل تقوی کیلئے ہے ارشاد قدرت ہے والعاقبۃ للمتقین (اعراف) آخری انجام اچھا صرف تقوی والوں کا ہے والاخرۃ عند ربک للمتقین (زخرف) جنت بھی اہل تقوی کیلئے ہے۔ تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین نیز قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل تقوی خدا کے محبوب ہیں۔

ارشاد قدرت ہے ان اولیاءہ الا المتقون۔ (انفال) تقوی والے ہی خدا کے دوست ہیں۔ ان

اللہ یحب المتقین (آل عمران) بے شک خدا تقویٰ والوں سے پیار کرتا ہے اہل تقویٰ خدا کی معیت سے سرفراز ہیں واعلموا ان اللہ مع المتقین (بقرہ) جان لو کہ بے شک خدا تقویٰ والوں کے ساتھ ہے عمل بھی اہل تقویٰ کے قبول ہوتے ہیں انما یتقبل اللہ من المتقین (توبہ) خدا صرف تقویٰ والوں ہی سے قبول کرتا ہے۔

اسلام میں برتری کا معیار؟

تقویٰ کی اسی اہمیت کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے وطن' رنگ' زبان' خاندان غرض کہ نوع انسانی کے صدہا خود ساختہ اعزازی مرتبوں کو مٹا کر صرف ایک امتیازی معیار قائم کیا ہے جس کا نام تقویٰ ہے جو ساری نیکیوں کی جان ہے چنانچہ قرآن باآواز بلند یہ اعلان کرتا ہے یایھا الناس انا خلقنا کم من ذکرو انثی وجعلنا کم شعوبا" وقبائل لتعارفوان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (حجرات)

اے لوگو! ہم نے تو کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے پھر ہم نے تم کو مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کر دیا تاکہ تمہاری باہم شناخت ہو سکے۔ تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ تقویٰ والا ہے اب رہی اس بات کی تحقیق کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

تقویٰ کیا ہے؟

اس کے لغوی معنی تو بچنے اور پرہیز کرنے کے ہیں۔ مگر اصطلاح شریعت میں تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا کو ہمیشہ حاضر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر و شر کی تمیز اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے تقویٰ کا اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ واجبات کی بجا آوری تو کیا مستحبات کو بھی ترک نہ کیا جائے اور حرام تو بجائے خود مکروہ سے بھی دامن کو بچایا جائے مگر تقویٰ کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر واجبات کو ترک نہ کیا جائے اور حرام کا ارتکاب نہ کیا جائے مذکورہ بالا حقائق سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے جو تمام نیکیوں کی محرک ہے اور سارے مذہب کی جان اور دینداری اس کی روح رواں ہے۔ رزقنا اللہ التقوی وجمیع اہل الایمان بجاہ النبی والہ سادۃ الانس والجان علیہ وعلیہم صلوت الرحمن

۴۔ انکساری اور خاکساری

یہ کبرو غرور اور اعجاب نفس کی ضد ہے یہ کبریائی خدائے تعالی کی خاص صفت ہے **ولہ الکبریا فی السموات والارض و ھو العزیز الحکیم** (جاثیہ) بڑائی اسی کیلئے ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہی زبردست حکمت والا ہے اس لئے بندوں کی یہ شان نہیں کہ کبریائی اور بڑائی کا اظہار کریں۔ خدا نے حضرت لقمانؑ کی یہ اخلاقی نصیحت جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی قرآن میں نقل فرمائی ہے جو خاکساری کے مختلف مظاہر پر مشتمل ہے۔ **ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحا" ان اللہ لا یحب کل مختال فخور واقصد فی مشیک و اغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر۔** (لقمان ۲) اور لوگوں سے بے رخی نہ کر اور زمین پر اترا کہ نہ چل کیونکہ اللہ کسی اترانے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور بات کرنے میں ہولے ہولے بول کیونکہ سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔"

بہرحال اسلام میں انکساری و خاکساری ایک شریفانہ صفت ہے لیکن یہ خیال رہے کہ خاکساری اور ذلت و دنائت اور بیچارگی میں بڑا فرق ہے۔ خاکساری کا منشاء یہ ہے کہ انسان میں کبرو غرور پیدا نہ ہوا اور ہر شخص دوسرے کی عزت کرے۔ لیکن دنائت و ذلت کا یہ مطلب ہے کہ انسان بعض اغراض فاسدہ کیلئے اپنی خود داری کے جوہر کو کھو دے کیونکہ خاکساری کی وجہ سے مرتبہ بڑھتا ہے اور دنائت و بیچارگی سے مقام گھٹتا ہے۔ یہ تھے امہات المہلکات کے اضداد اب ذیل میں ان کے فروع کے اضداد کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

فروعی اخلاق مہلکہ کی چند اضداد کا تذکرہ

۱۔ حلم و بردباری

یہ غیظ و غضب کی ضد ہے حلم و بردباری کے معنی یہ ہیں کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لیا جائے اور قصور وار سے کوئی تعرض نہ کیا جائے یہ بہت بڑی اخلاقی صفت جلیلہ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اخلاق کی یہ بہت بھاری اور دشوار تعلیم ہے جو اکثر نفوس کو بڑی شاق گزرتی ہے۔ لیکن اسلام نے اس سنگلاخ زمین کو بھی بڑی آسانی سے طے کیا ہے وہ جاہلوں اور نااہلوں کی گالی گلوچ ان کے ظلم و ستم پر صبر کرنے اور ان کو

معاف کرنے کی تعلیم دیتا ہے **خذالعفو وامر بالمعرف واعرض عن الجاهلين واما ينزغنک من الشيطان نزغ فاستعذ بالله انه سميع عليم۔** (اعراف ۲۲) معاف کرنے کی خو پکڑو اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی کرو اور اگر تم کو شیطان کی چھیڑ ابھار دے (غصہ آجائے) تو خدا کی پناہ لو وہ سننے اور جاننے والا ہے۔ خداوند عالم اپنے خاص بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس والله يحب المحسنين** (آل عمران۔ ۱۴) وہ غصہ کو دبانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں خدا احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **ولمن صبر وغفران ذالک لمن عزم الامور** (شوریٰ۔ ۴) البتہ جو شخص برداشت کرے اور باوجود انتقام لینے کی قدرت رکھنے کے معاف کرے تو بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

یہی لفظ انبیاء کے حق میں استعمال کیا گیا ہے۔ **فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل** (احقاف۔ ۴) سکون کی حالت میں درگزر کرنا چنداں مشکل نہیں۔ مگر غصہ کے وقت بے قابو نہ ہونا بڑی بات ہے خدا نے اپنے نیکوکار بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ **واذا ما غضبوا هم يغفرون** (شوریٰ۔ ۴) اور جب ان کو غصہ آجائے تو معاف کردیتے ہیں۔ صفت حلیم وہ جلیل القدر صفت ہے جس سے انبیاء و مرسلین متصف فرمائے گئے ہیں۔ جناب ابراہیمؑ کے حق میں وارد ہے۔ **ان ابراهيم لاواه حليم۔** (توبہ۔ ۴) بے شک حضرتؑ بڑے نرم دل اور بردبار تھے)

جناب اسماعیلؑ کی نسبت وارد ہے **فبشرنه بغلام حليم** (والصفت۔ ۳) ہم نے ان کو ایک بڑے بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ ایک شخص نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بار بار درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ آپ نے ہربار یہ جواب دیا۔ غصہ نہ کر (لئالی الاخبار) اور اگر غصہ آجائے تو اسے ضبط کیا جائے اور اس اشہب غیظ و غضب کے منہ میں حلم و بردباری کی لگام دی جائے۔

۲۔ عفوو درگزر

یہ انتقام کی ضد ہے ابھی اوپر حلم و بردباری کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ عفوو درگزر کی عظمت سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ عفوو درگزر خداوندعالم کی بہت بڑی صفت ہے۔ اگر وہ درگزر سے کام نہ لے۔ تو پل بھر میں یہ گناہوں سے بھری ہوئی دنیا تباہ و برباد ہوجائے۔ **وهو الذي يقبل التوبة عن عباده ويعفو عن السيئات** (شوریٰ ۔۳) "خدا وہی ہے جو اپنے بندوں

کی توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف کر دیتا ہے"او یوبقہن بما کسبو او یعفو عن کثیر (شوری ۔۴)"اگر خدا چاہے تو گنہگاروں اور بدکاروں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دے۔ اور وہ بہتوں کو معاف کر دیتا ہے" قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے اپنے کو دو جگہ "غافر" (بخشنے والا) پانچ دفعہ غفار (بڑی بخشائش والا) اور اتنے ہی دفعہ "عفو" (معاف کرنے والا) اور ستر سے زیادہ آیتوں میں "غفور" (بہت بخشنے والا) کہا ہے۔ خدا اپنی اس صفت کی تجلی اپنی مخلوق میں پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے **او تعفو عن سوء فان اللہ کان عفوا" قدیرا"** (نساء ۔۲۱) "اور کسی کی برائی معاف کر دو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے۔" اس آیت نیز درج ذیل آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگر ہم اپنے قصور واروں کو معاف کریں گے تو خدا ہمارے قصور معاف کرے گا۔ "**ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم۔ واللہ غفور رحیم**" (نور ۔۳) چاہئے کہ وہ معاف اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کرے؟ اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے" خدائے حکیم صرف یہی نہیں کہ اہل ایمان کو عفو و درگزر کرنے کا حکم دیتا ہے بلکہ وہ تو برائی کا جواب بھلائی میں دینے کی ترغیب دیتا ہے۔**ادفع بالتی ھی احسن السئیتہ نحن اعلم بما یصفون۔** (مومنون ۶) (اگر تم سے کوئی بدی کرے) تو برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو۔ جو بہت اچھا ہو۔ جو کچھ یہ لوگ تمہاری نسبت کہا کرتے ہیں ہم کو خوب معلوم ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ درگزر کرنے سے ان کے رعب داب میں فرق آجائے گا! یہ خیال بالکل غلط ہے یہ درست ہے کہ انتقام لینے سے گو فوری جذبہ کی تسکین ہوجاتی ہے۔ اور کمزوروں پر رعب بھی پڑ جاتا ہے مگر اس سے پائیدار اور شریفانہ عزت پیدا نہیں ہوتی عفوو درگزر کرنے سے پائدار عزت اور شریفانہ وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے۔ کہ جو شخص جس قدر عفوو درگزر کرتا ہے۔ اتنا ہی اس کی عزت بڑھتی ہے الغرض

در عفو لذتے است کہ در انتقام نیست!

۳۔ رفق و لطف اور نصیحت

یہ حسد کی ضد ہے حسد میں آدمی اپنے محسود کی نعمت کے زوال کی خواہش کرتا ہے اس کے دکھ درد پر خوش ہوتا ہے مگر جس چیز سے انسان کا اخلاقی حسن دو چند ہوجاتا ہے وہ لطف و نصیحت ہے کہ انسان اپنے مخالف کی بھی بھلائی چاہے اور اس کی نعمت کے بقا کا ارادہ رکھے اور اس کے

ساتھ لطف و مدارات کے ساتھ پیش آئے۔ اصل لطف و رفق یہ ہے کہ باہمی معاملات میں سختی کی بجائے نرمی اختیار کی جائے۔ جو بات کی جائے وہ نرمی سے، جو سمجھایا جائے وہ سہولت سے اور جو مطالبہ کیا جائے وہ ایسے میٹھے طریقے سے کہ جس سے پتھر بھی موم ہوجائے (کیونکہ میٹھے بول میں جادو ہے) حقیقت یہ ہے کہ حلم (بردباری) عفوو درگزر، چشم پوشی اور خوش خلقی۔ الغرض ان تمام اخلاق کے عطر کا نام ہے جن میں شان جمالی پائی جاتی ہے۔ رفق و لطف اور نرم دلی اور نرم خو ہے۔ خدا نے کئی آیات میں اپنے کو لطیف فرمایا ہے جیسے **اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء و ھو القوی العزیز** (شوری ـ ۳) اللہ اپنے بندوں لطف فرماتا ہے جسکو چاہتا ہے روزی دیتا ہے وہ قوت والا اور غالب ہے جب جناب موسیٰؑ اور جناب ہارونؑ فرعون جیسے ظالم و جابر حکمران کے دربار میں تبلیغ حق کیلئے بھیجے جاتے ہیں تو ان کو خدا یہ آداب تبلیغ سکھاتا ہے **قولا لہ قولاً** "**لینا**" **لعلہ یتذکر او یخشی**(طہ ـ ۲) تم دونوں اس سے نرم بات کرنا شاید وہ نصیحت پائے یا (خدا سے) ڈرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نرمی او نرم خوئی تبلیغ کی کامیابی کی اولین شرط ہے حضرت پیغبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس خلق عظیم سے وافر حصہ ملا تھا ارشاد قدرت ہے۔ **فبما رحمتہ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضور من حولک**" اللہ کی رحمت کے سبب تم ان کیلئے نرم دل ہوئے۔ اگر تم اکھڑ مزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہو جاتے۔ الغرض

آسائش دوگیتی تفسیرایں دو حرف است

با دوستاں تلطف بادشمناں مدا را

۴۔ تواضع

یہ تکبر کی ضد ہے ابھی اوپر جو کچھ انکساری و خاکساری کے زیر عنوان بیان کیا گیا ہے وہ تواضع کی حقیقت او فضیلت سمجھنے کیلئے کافی ہے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۔ اخلاص

یہ ریاو مداہنت کی ضد ہے ذمائم قلبیہ کے سلسلہ میں بذیل عنوان" ریاء و نفاق" اخلاص کے متعلق ضمناً" بہت کچھ بیان کردیا گیا ہے بنظر اختصار اس سے زیادہ یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

۶۔ سخاوت

یہ بخل کی ضد ہے سطور بالا میں جود و سخا کے متعلق بقدر ضرورت بہت کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی نہ ضرورت ہے او نہ ہی گنجائش

۷۔ قناعت

یہ حرص کی ضد ہے اسلامی استغنا کی بنیاد قناعت ہے یعنی جو کچھ مل جائے اس پر طمانینت حاصل کی جائے۔ اور زیادہ حرص و لالچ نہ کیا جائے۔ ارشاد قدرت ہے۔و **لا تتمنوا ما فضل اللہ بعضکم علی بعض**(نساء۔۵)اور جس چیز میں خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تم اس کی ہوس نہ کرو۔

غنی کل من یقنع = فقیر کل من یطمع

جو حریص ہے وہ باوجود غنی اور دولت مند ہونے کے بھی فقیر ہے اور جو قانع ہے وہ باوجود زیادہ مال و دولت نہ رکھنے کے بھی غنی ہے۔ کیونکہ

تو نگری بدل است نہ بمال

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں خوشخبری ہو اس شخص کو جس کو اسلام کی ہدایت ملی۔ اس کی روزی بقدر ضرورت ہے مگر خدا نے اسے اس پر قانع بنا دیا ہے (بحار الانوار ج ۱۷) کئی حدیثوں میں وارد ہے کہ جو شخص خدا کی دی ہوئی تھوڑی روزی پر راضی ہو جائے گا تو خدا اس کے تھوڑے عمل پر بھی راضی ہو جائے گا۔ (منتہی الامال ج ۲)

بہر حال لوگوں سے استغناؤ بے نیازی اور خدا کی تھوڑی بہت دی ہوئی روزی پر قناعت ہی مسلمان کا زیور ہے اور اسی میں اس کا جمال ہے اور اسی میں اس کا کمال

کہ پائی میں نے استغنا میں معراج مسلمانی

۸۔ اعتدال و میانہ روی

یہ اسراف و تبذیر کی ضد ہے سابقہ اوراق میں اسراف و تبذیر کی ضمن میں۔ اعتدال و میانہ روی کے موضوع پر بقدر ضرورت تبصرہ کیا جا چکا ہے اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اعتدال و میانہ روی اسلام کا خصوصی طغرائے امتیاز ہے یہاں اس پر اسی سے زیادہ گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔

۹۔ شکر

یہ کفران نعمت کی ضد ہے سابقہ صفحات میں کفران نعمت کے بیان کے ذیل میں شکر کا مفہوم اور اس کی فضیلت پر بہت کچھ روشنی ڈالدی گئی ہے۔ بنظر اختصار اس سے زیادہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

۱۰۔ رجاء و خوف

یہ رجاء و امیدیاس و ناامیدی کی ضد ہے۔ فلاسفہ یونان میں سے ایک گروہ رجائیت پسند تھا۔ اور دوسرا قنوطیت کا شکار۔ پہلے گروہ کو دنیا میں عیش و آرام کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا وہ کھاؤ پیو' خوش رہو اور کل کی فکر نہ کرو کی تعلیم دیتا ہے۔ جبکہ دوسرے گروہ کو دنیا تیرہ و تار اور خارزار نظر آتی ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ خاموش رہو۔ زندگی میں موت کی صورت بنالو کہ دنیا کی آخری منزل یہی ہے مگر اسلام کی تعلیم ان کی بین بین ہے۔ وہ ایک طرف دنیا کے فنا و زوال کا قصہ بار بار سناتا ہے کہ دل بادہ غفلت سے سرشار نہ ہو اور دوسری طرف وہ بندوں کو خدا کی رحمت سے ناامید بھی نہیں ہونے دیتا۔ اسلام کی شریعت میں خدا سے ناامیدی اور کفر ایک ہے اس کی تعلیم ہے۔ **ولا تمسئوا من روح اللہ انہ لا یائس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔** (یوسف) اور خدا کے فیض سے ناامید نہ ہو۔ کیونکہ خدا کے فیض سے ناامید وہی ہیں جو کافر ہیں۔ خدائے رحیم و کریم امت مرحومہ کو کس پیار سے خطاب فرماتا ہے۔ **یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمتہ اللہ۔** (زمر۔٦) "اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تم خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو" اسلام مشکل سے مشکل مقامات پر بھی مسلمان کو مایوس نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ وہ اسے اخیروقت تک خدا کے سہارے جینے کی تعلیم دیتا ہے۔

نومیدی از تو کفرو تو راضی نہ بکفر
نومیدیم دگر بتو امیدوار کرو

خلاصہ کلام یہ کہ آدمی سب لوگوں سے بڑا نیک ہو تو بھی خدا کے عذاب سے ڈرے مبادا کسی گناہ کی پاداش میں خدا اس کو گرفتار کرے۔ اور اگر ساری دنیا سے بڑا گنہگار ہے تو بھی اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور توبہ کرے شاید خدا اس کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دیدے۔

۱۱۔ رأفت و رحمت

یہ قساوت قلبی کی ضد ہے اسی صفت رزیلہ کے ذیل میں رحمت و رافت پر بقدر ضرورت تبصرہ کر دیا گیا ہے اس سے زیادہ کی اس مختصر میں گنجائش نہیں ہے۔

۱۲۔ علم و فہم

یہ جہل کی ضد ہے اس پر بالاستقلال سطور بالا میں بقدر ضرورت و گنجائش تبصرہ کر دیا گیا ہے۔

۱۳۔ تودیہ و تانی

یہ عجلت و جلد بازی کی ضد ہے اسی صفت قبیحہ کے ضمن میں تانی پر بھی بقدر وسعت و ضرورت روشنی ڈال دی گئی ہے جو ارباب عقل و فکر کیلئے کافی ہے۔

۱۴۔ صبر و ضبط

یہ جزع فزع کی ضد ہے اس موضوع پر بھی مذکورہ صفت رذیلہ کے ذیل میں سیر حاصل تبصرہ کر دیا گیا ہے مزید خامہ فرسائی کی احتیاج نہیں ہے۔

۱۵۔ دیانت و امانت

یہ مکروفریب کی ضد ہے گزشتہ اوراق میں اسی صفت سیئہ کے ذیل میں بقدر گنجائش دیانت و امانت پر تبصرہ کر دیا گیا ہے مزید ضرورت نہیں ہے۔

۱۶۔ شرم و حیا

یہ بے حیائی کی ضد ہے جہاں سابقہ صفحات میں بے شرمی و بے حیائی پر تبصرہ کیا گیا ہے وہاں شرم و حیاء کی فضیلت پر بھی مختصر سا تبصرہ کر دیا گیا ہے جو کہ ایک دیدہ بینا اور گوش شنوندہ رکھنے والوں کے لئے کافی ہے کیونکہ

عاقلاں را اشارتے کافیست

دیگر بعض مطہرات قلبیہ یا اخلاق حسنہ کا تذکرہ

۱۔ رضا بالقضا

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ جانتے ہوئے کہ دکھ ہو یا سکھ' رنج ہو یا راحت' غم ہو' یا فرحت فقر ہو یا غنا' صحت ہو یا مرض' موت ہو یا حیات' سب خدائے عادل و مہربان کی طرف سے ہیں۔ نیز یہ بھی یقین ہو کہ خدا اپنے بندوں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جس میں ان کی بہتری ہوتی ہے اگرچہ وہ اس کی مصلحت کو نہ بھی سمجھ سکیں اور یہ بھی علم ہو کہ حزن و بے قراری یا ناراضی اور اعتراض کرنے سے خدا کی قضا بدل بھی نہیں سکتی' ہر حالت میں راضی برضائے الٰہی رہے اور کسی حالت میں بھی نہ خدا پر ناراض ہو اور نہ ہی زبان اعتراض دراز کرے' اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کا دل و دماغ ہر قسم کے فکر و غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

سچ ہے کہ ۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہو گئیں

حدیث قدسی میں وارد ہے۔ خدا فرماتا ہے "**من لم یرض بقضائی ولم یصبر علی بلائی ولم یشکر نعمائی فلیخرج من ارضی و سمائی و لیطلب ربا سوای**"۔ "جو شخص میری قضا و قدر پر راضی نہیں رہ سکتا، میری نازل کردہ بلا و مصیبت پر صبر نہیں کرسکتا اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کرسکتا اسے چاہئے کہ میری زمین و آسمان سے نکل جائے اور کوئی اور پروردگار تلاش کرے"۔ (الجواہر السنیہ) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تکلیف و مصائب کے ازالہ کے جو ظاہری علل و اسباب ہیں ان کو بروئے کار نہ لائے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے۔ نہیں بلکہ مقدور بھر کوشش کرے مگر نتیجہ کو خدا پر چھوڑ دے اور اگر اس کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہو تو سمجھ لے کہ تقدیر کچھ اور ہے کیونکہ۔

۔ تدبیر کے پر جلتے ہیں تقدیر کے آگے

اور پھر صبر و شکر سے کام لے کر مہربلب ہو جائے جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ درحقیقت اسلام جس توکل و اعتماد علی اللہ پر بہت زور دیتا ہے۔ اس کا بھی صحیح مفہوم یہی ہے کہ ممکنہ سعی و کوشش

کر کے نتیجہ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔

گفت پیغمبر باآواز بلند
بر توکل زانوے اشتر بہ بند

خدا پر توکل کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو۔

۲۔ قصر امل

اخلاقی مطہرات میں سے ایک قصر الامل (امیدوں کا مختصر کرنا) بھی ہے لمبی امیدیں باندھنا کہ میں بوڑھا ہو کر یہ کروں گا اتنے سال کے بعد وہ کروں گا۔ ہنوز بڑا وقت ہے فلاں وقت ایسا کروں گا۔ یہ بڑی خطرناک قلبی بیماری ہے جس کا سبب حب دنیا اور جہالت ہے اس کا نتیجہ ترک اطاعت، حرص، طمع، آخرت کی فراموشی اور دل کی سختی ہے جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **ان اخوف ما اخاف علیکم اثنان اتباع الھوی و طول الامل اما اتباع الھوی فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الآخرۃ** (نہج البلاغہ) مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ خطرہ دو چیزوں کا ہے ایک خواہش نفسانیہ کی پیروی۔ دوسری لمبی امیدیں کیونکہ خواہش کی اتباع آدمی کو حق سے باز رکھتی ہے اور لمبی امیدیں آخرت بھلا دیتی ہیں۔ حدیث میں وارد ہے۔ "**اذا صبحت فلا تحدث نفسک بالمساء واذا امسیت فلا تحدث نفسک بالصباح**" جب صبح کرو تو نفس سے شام کی بات نہ کرو اور جب شام کرو تو صبح کی بات نہ کرو، نہ معلوم شام یا صبح ہوتے ہوتے کیا انقلاب رونما ہو جائے جو کچھ کرنا ہے آج کرلو۔ ما تدری ما اسمک غداً تجھے کیا معلوم کہ تیرا نام کل کیا ہوگا۔ (زندوں کی فہرست میں ہوگا یا مردوں کی لسٹ میں؟) لہٰذا انسان کو چاہئے کہ جب مستقبل کے بارے میں کوئی بات کرے کہ ایسا کروں گا تو "انشاء اللہ" ضرور کہے۔ اپنی امیدوں اور آرزوؤں کو جس قدر ہو سکے مختصر کرے اور وقت موت کی آمد کا منتظر رہے۔ لہٰذا عقلمندی یہ ہے کہ۔

ہرچہ گیرید مختصر گیرید
فان الموت یاتیک ولو صیرت قارونا

۳۔ صدق و سچائی

صدق و راستی تمام اخلاقی خوبیوں میں سرفہرست ہے اس کی ایک فضیلت کے نتیجے میں بہت سی اخلاقی فضیلتیں حاصل ہو جاتی ہیں انسان کے ہر قول و عمل کی درستی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کے لئے اس کا دل اور اس کی زبان باہم ایک دوسرے سے مطابق اور ہم آہنگ ہوں اسی کا نام صدق و سچائی ہے۔ صدق صفات ربانی میں سے بڑی صفت جلیلہ ہے۔ **ومن اصدق من اللہ حدیثا** (نساء۔ ۱۱) بات میں خدا سے بڑھ کر کون سچا ہے؟ اسی طرح ہادیان برحق کا پہلا وصف صدق ہے اگر ان کا دعوی دلیل سے اور احکام صدق سے خالی ہوں تو ان کی ہدایت کی عمارت دھڑام سے زمین بوس ہو جائے۔ **واذکر فی الکتب ابرٰھیم انہ کان صدیقا نبیا۔** (مریم ۔۴) یہ سچائی کہ اہمیت کی واضح دلیل ہے کہ نہ صرف یہ کہ سچائی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ تاکید بھی کی گئی ہے کہ ہمیشہ سچوں کی معیت اختیار کرو۔ **یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین۔** (توبہ۔ ۱۵) "اے ایمان والو۔ خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔" گو اس سچائی کا حقیقی صلہ تو دوسری زندگی میں ملے گا۔ **ھذا یوم ینفع الصادقین صدقھم** (مائدہ۔ ۲۶) "یہ وہ دن ہے کہ سچے بندوں کو ان کا سچ فائدہ دے گا" مگر دنیا میں بھی اس کا یہ ثمرہ ہوتا ہے کہ سب لوگ سچے آدمی پر بھروسہ کرتے ہیں لوگوں کو اس کے قول و فعل پر اعتبار ہوتا ہے اور اس طرح اس کی عزت کی جاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے۔

سچائی اختیار کرنے سے ہر نیکی کے حصول کا راستہ آسان ہو جاتا ہے اور ہر بدی کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور جھوٹ بولنے والے کا دل ہر برائی کا گھر بن جاتا ہے اس امر کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا مجھ میں چار بری خصلتیں ہیں۔ بدکار ہوں' چوری کرتا ہوں' شراب پیتا ہوں' جھوٹ بولتا ہوں' ان میں سے جس کے متعلق حکم دیں آپ کی خاطر ایک کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ فرمایا جھوٹ نہ بولا کر۔ اس نے عہد کیا اور اس کی برکت سے اس کے سب گناہ چھوٹ گئے جب بھی کسی گناہ کا ارادہ کرتا تو سوچتا کہ اگر پیغمبرؐ کی خدمت میں گیا اور انہوں نے پوچھ لیا تو اگر سچ کہا تو سزا ملے گی اور اگر جھوٹ بولا تو وعدہ خلافی ہوگی۔ (مخزن الجواہر)

صدق کے اقسام

گو سچائی کے عام معنی تو سچ بولنے کے لئے جاتے ہیں مگر اسلام کی نگاہ میں اس کے بڑے وسیع معنی ہیں جس کے اندر زبان کی سچائی' دل کی سچائی اور عمل کی سچائی تمام داخل ہیں۔

زبان کی سچائی

زبان سے جو بولا جائے وہ سچ بولا جائے۔ کوئی لفظ خلاف صداقت نہ نکلے یہ سچائی کی مشہور قسم ہے جس کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے وعدہ پورا کرنا' قول و قرار کو نباہنا اسی میں داخل ہے یہ سچائی ایمان کی علامت اور جھوٹ نفاق کے ہم معنی ہے خدا فرماتا ہے۔ **لیجزی اللہ الصادقین بصدقہم ویعذب المنافقین ان شاء** (احزاب۔۳) تاکہ خدا سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقین کو اگر چاہے تو سزا دے" اس آیت میں صادق کا مقابل منافق کو قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدق ایمان کا اور کذب نفاق کا سرمایہ ہے اس کی تائید اس حدیث نبویؐ سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا کہ جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ایک ہو اس میں ایک نشانی پائی جاتی ہے۔ امانت میں خیانت' بولنے میں جھوٹ' وعدہ خلافی (خصال شیخ صدوقؒ) **انما یفتری الکذب الذین لا یومنون۔** (جھوٹ صرف بے ایمان ہی بولتے ہیں) (اعاذنا اللہ منہ)

دل کی سچائی

صدق کی یہ قسم اور اخلاص ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یعنی جو کچھ زبان سے نکلے دل کی تہہ میں بھی وہی ہو اسی لئے خدا نے منافقین کے زبانی سچ (اقرار رسالت) کو بھی جھوٹ کہا ہے کیونکہ وہ دل کی گہرائیوں سے نہیں نکلا تھا ان المنافقین لکذبون۔ (منافقون)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری عمل باطنی اوصاف کے مطابق ہو مثلاً" اگر بظاہر نماز خشوع و خضوع سے پڑھی جارہی ہے تو دل میں بھی خشوع و خضوع موجود ہو اور اس سے صرف نمائش مقصود نہ ہو۔ بلکہ حقیقی عبادت مطلوب ہو۔

عمل کی سچائی

اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جب زبان سے خدا کو خدا' رسولؐ کو رسولؐ اور امامؑ کو امامؑ مان لیا تو اب اپنے عمل و کردار سے بھی اس اقرار کی تصدیق و تائید کی جائے۔ چنانچہ خدا

فرماتا ہے۔ انما المؤمنون الذین امنو باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون (حجرات۔۲) مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا اور اللہ کے راستہ میں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں سچے۔" ظاہر ہے کہ ان کو حقیقی سچا اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے دل و زبان سے جو اقرار کیا تھا اپنے عمل سے اس کا اظہار کرکے اس کی تصدیق کردی بہر حال جب ان تینوں قسموں میں کوئی کامل ہو تو وہ کامل راست بازاور صادق سمجھا جائے گا۔ اللھم ارزقنا صدق الحدیث۔

خوش کلامی و خوش اخلاقی

خوش کلامی کا مقصد یہ ہے کہ باہمی گفتگو میں ایک دوسرے کے ادب کو ملحوظ رکھا جائے اور خندہ پیشانی سے بات چیت کی جائے تاکہ آپس میں خوشگوار تعلقات پیدا ہوں اور مہر و محبت میں اضافہ ہو۔ خدا فرماتا ہے۔ وقولوا للناس حسنا" (بقرہ۔ ۱۰) لوگوں سے اچھی بات کہو۔ سلام کرنا' حال پوچھنا' شکریہ ادا کرنا' دعائیں دینا' نصیحت کرنا' اچھی باتوں کی تلقین کرنا' اسی صفت کے مختلف مظاہر ہیں اور اسی کو شریعت میں "حسن خلق" کہا جاتا ہے۔ رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ مایوضع فی میزان امرءیوم القیامتہ افضل من حسن الخلق۔ قیامت کے دن حسن خلق سے افضل کوئی چیز انسان کے میزان عمل میں نہیں رکھی جائے گی۔ نیز فرمایا۔ یا بنی عبدالمطلب انکم لن تسعوا الناس باموالکم فالقوھم بطلاقتہ الوجہ وحسن البشر "اے اولاد عبدالمطلب! تم میں یہ وسعت تو نہیں کہ تمام لوگوں کو مال دو (اور خوش کرو) لیکن ان سے خندہ پیشانی اور خوش روئی سے ملاقات کرو۔ (جامع السعادات) حسن خلق میں دنیا و آخرت کی تمام خیرو خوبیاں موجود ہیں اس کے برعکس ------- بدخلقی' بدگوئی' بدکلامی اور عیب جوئی وغیرہ جس سے باہمی میل ملاپ کی بجائے باہمی عداوت' نفرت' حسد اور پھوٹ پیدا ہوتی ہے یہ شیطان کا کام ہے ارشاد قدرت ہے۔ (قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن ان الشیطان۔ ینزغ بینھم ان الشیطان کان للانسان عدوا مبینا۔ (بنی اسرائیل) اے رسول! میرے بندوں سے کہدو کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہے۔ بے شک شیطان آپس میں لڑاتا ہے کیونکہ شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدکلامی' گالی گلوچ' تنابز بالالقاب یعنی ایک دوسرے کو برے اور تحقیر آمیز خطابوں سے پکارنا بدزبانی اور فحاشی سب شیطانی انگیخت کا نتیجہ ہے۔

قرآن و حدیث میں جو جا بجا بدکلامی اور بد زبانی کی ممانعت کی گئی ہے اس کے مصالح و حکم بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

۱۔ گالی گلوچ میں لوگ تعدی کرتے ہیں اگر ایک شخص ایک گالی دے گا تو دوسرا دو دے گا۔

۲۔ بد زبان آدمی معاشرتی زندگی کے فوائد سے محروم ہو جاتا ہے۔ لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیتے ہیں۔

۳۔ بد زبانی دور جہالت کی یادگار اور تہذیب و شائستگی کے خلاف ہے۔

۴۔ بد زبانی' اسلامی اخلاق' رفق' تلطف' شرم و حیا وغیرہ کے خلاف ہے۔

۵۔ گالی گلوچ سے لوگوں کے دلوں کو اذیت پہنچتی ہے جس سے احتراز لازم ہے۔

۶۔ بد زبانی سے بے شرمی کے الفاظ زبان سے نکلتے ہیں جس سے ان افعال زشت کی جرأت ہوتی ہے۔ اور یہ شرافت کے بھی خلاف ہے۔

۷۔ بد زبانی لڑائی کا پیش خیمہ ہے حالانکہ مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔ الغرض بد خلقی انسان کو خلق و خالق سے دور کر دیتی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ فرماتے ہیں۔ **سوء الخلق یفسد العمل کما یفسد الخل العسل۔** بد خلقی عمل کو اس طرح خراب کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (اصول کافی)

نیز فرمایا۔ بدخلق آدمی کی توبہ مقبول نہیں ہوتی۔ عرض کیا گیا کیوں؟ فرمایا وہ ایک گناہ سے توبہ کرنے نہیں پاتا کہ بدخلقی کی وجہ سے اس سے بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (انوار نعمانیہ) یعنی وہ توبہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔

بہر حال حسن خلق اور خوش کلامی انسانیت کی جان اور ایمان کی روح رواں ہے۔ خدا سب اہل ایمان کو یہ دولت عطا فرمائے اور بد خلقی سوہان روح اور بلائے بے درمان ہے۔ خدا سب اہل ایمان کو اس سے بچائے آمین۔ بجاہ النبیؐ والہ الطاہرین۔

بیت الخلاء کے احکام و آداب

پیشاب و پاخانہ کرنے کے چند احکام و آداب ہیں ان میں سے کچھ واجبات ' محرمات' مستحبات اور کچھ مکروہات' چنانچہ دو امر واجب ہیں اور دو حرام' دس مستحب ہیں اور دس مکروہ۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

واجبات تخلی

پہلا واجب یہ ہے کہ ناظر محترم سے آگا پیچھا ڈھانپا جائے۔ اگرچہ وہ ناظر طفل ممیز ہی کیوں نہ ہو۔

مسائل

مسئلہ ۱۔ اس سلسلہ میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح مرد پر مرد اور عورت کی شرم گاہ پر نظر کرنا حرام ہے اسی طرح عورت پر بھی عورت اور مرد کی شرم گاہ پر نگاہ کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ ۲۔ ناظر محترم سے مراد یہ ہے کہ دیکھنے والا طفل غیر ممیز' شوہر' زوجہ' مملوکہ اور محلّلہ کے علاوہ کوئی اور ہو۔

دوسرا واجب یہ ہے کہ استنجاء کیا جائے یہ استنجاء اگر پیشاب کے لئے ہے تو سوائے پانی کے اور کسی چیز سے روا نہیں ہے اور اگر پاخانہ کے لئے ہے تو پانی کے علاوہ تین پاک ڈھیلوں' کپاس کے تین گولوں اور کپڑے کے تین ٹکڑوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ بنابر مشہور نجاست مقام خروج سے ادھر ادھر تجاوز نہ کر چکی ہو۔ ورنہ پانی سے ہی استنجاء کرنا لازم ہوگا اور جہاں ڈھیلوں وغیرہ سے استنجاء جائز ہے وہاں بھی پانی استعمال کرنا افضل ہے اور ڈھیلے اور پانی دونوں کو جمع کرنا اکمل ہے۔

مسئلہ = استنجاء میں اگرچہ اقوی یہ ہے کہ ایک دفعہ دھونا کافی ہے مگر احوط دوبار اور افضل تین بار ہے۔

محرمات تخلی

اس سلسلہ میں دو چیزیں حرام ہیں۔ اول پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا۔ اس سلسلہ میں صحراء اور مکان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے ہر دو کے احکام یکساں ہیں اگر کسی مسجد یا مکان میں بیت الخلاء اس طرح بنا ہوا ہو کہ پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ ہوتی ہو تو وہاں پیشاب وغیرہ کرنا حرام ہے ہاں جب قبلہ سے انحراف کیا جائے تو پھر جائز ہے۔"

دوئم = گوبر' ہڈی اور روٹی یا کسی اور قابل احترام چیز سے جیسے خاک شفاء' اوراق قرآن یا ایسے کاغذ جن پر علوم دینیہ لکھے ہوئے ہوں پاخانہ صاف کرنا (بلکہ آخری صورتوں میں تو کفر و ارتداد

کا اندیشہ ہے بلکہ یقین ہے اگر عالما" عامدا" ایسا کیا جائے۔ (واللہ العاصم!

مستحبات تخلی

اگرچہ بعض علماء کرام نے مستحبات کی تعداد سینتالیس اور مکروہات کی اٹھارہ تک پہنچائی ہے مگر چونکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے متعلق کوئی نص وارد نہیں ہے اور بعض ایسے ہیں جو دوسرے بعض میں داخل ہیں اس لئے ہم نے ان تمام کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف چند مشہور مستحبات کا ذکر کیا ہے اگرچہ ان میں بھی بعض غیر منصوص ہیں ہم نے قاعدہ تسامح در ادلہ سنن کے پیش نظر ان کو بیان کیا ہے اور وہ دس ہیں۔

۱۔ کوئی ایسی جگہ تلاش کی جائے کہ اسے پیشاب کرتے ہوئے کوئی نہ دیکھے (خواہ دوری کی وجہ سے یا پستی کی وجہ سے یا دیوار وغیرہ کی وجہ سے)

۲۔ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت، نکلتے وقت، پاخانہ پر نظر کرتے وقت اور طہارت کرتے وقت ائمہ اطہار علیہم السلام سے منقول شدہ دعائیں پڑھی جائیں (کیونکہ خدا تعالیٰ کا ذکر ہر حال میں مستحسن ہے)

چنانچہ داخل ہونے کی دعا یہ ہے جو کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ **بسم اللہ وباللہ اللھم انی اعوذبک من الخبث المخبث الرجس النجس الشیطان الرجیم۔"**

باہر نکلنے کی دعا یہ ہے۔ **بسم اللہ والحمد للہ الذی عافانی من الخبیث الخبث واماط عنی الاذی**

۔ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب پاخانہ پر نظر پڑے تو یہ دعا پڑھے۔ **اللھم ارزقنی الحلال و جنبنی الحرام۔** نیز انہی حضرت سے منقول ہے کہ طہارت کرتے وقت یہ دعا پڑھے۔ **اللھم حصن فرجی واعفہ واستر عورتی وحرمنی علی النار۔**

(مخفی نہ رہے کہ یہ دعائیں اور ان کے علاوہ اور بہت سی ادعیہ جات باختلاف الفاظ دوسری کتب معتبرہ کے علاوہ کتب اربعہ میں بھی موجود ہیں۔ (منہ عفی عنہ)

۳۔ پاخانہ پھرتے وقت تقنع کیا جائے۔ (سر، ناک، منہ اور کان ڈھانپے جائیں۔)

۴۔ مشہور صرف سر کا ڈھانپنا ہے۔

۵۔ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں داخل کیا جائے اور نکلتے وقت پہلے دایاں نکالا جائے بخلاف آداب مسجد کے کہ وہاں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں اور نکلتے وقت پہلے بایاں نکالنا مستحب ہے۔

۶۔ بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھا جائے تاکہ فراغت میں آسانی ہو۔

۷۔ استنجا کرتے وقت دھونے کی ابتداء مقعد سے کی جائے بعد میں مخرج بول کو دھویا جائے۔

۸۔ بیت الخلاء سے نکلتے وقت پیٹ پر ہاتھ پھیر کر یہ دعا پڑھی جائے۔

الحمد لله الذی اخرج عنی اذاہ وابقی فیّ قوتہ فیا لہا من نعمتہ لا یقدر القادرون قدرہا۔

۹۔ ڈھیلے وغیرہ موجود ہوں تب بھی ان پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ پانی کو ترجیح دی جائے۔

۱۰۔ استبرار کیا جائے۔ (یہ صرف مردوں کے لیے ہے۔)

استبرا کرنے کا طریقہ اور فائدہ

استبراء کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی سے مقعد کے پاس سے لے کر خصیوں کے نیچے تک تین مرتبہ زور سے سونتا جائے اس کے بعد کلمہ شہادت کی انگلی عضو مخصوص کے نیچے اور انگوٹھا اوپر رکھ کر تین مرتبہ سر حشفہ تک زور سے سونتا جائے۔ بعد ازاں ایک بار سر حشفہ کو جھٹکا دے دیا جائے۔

اس طرح استبراء کرنے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ ایسا کرنے سے پیشاب والی نالی اس کے قطروں سے خالی ہو جاتی ہیں جس سے آدمی پیشاب کی کئی بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے اگر اس کے بعد کوئی مشتبہ رطوبت خارج ہوئی تو نجس متصور نہیں ہوگی اور نہ ہی اس سے وضو باطل ہوگا۔

مکروہات تخلی

تخلی کے مکروہات بھی دس ہیں۔

۱۔ گھاٹ کے کنارے، شارع عام اور پھل دار درختوں کے نیچے پیشاب کرنا۔

۲۔ سورج یا چاند کی طرف منہ کرکے کرنا۔

۳۔ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنا۔

۴۔ بائیں ہاتھ سے کرنا جبکہ اس میں کوئی ایسی انگوٹھی ہو جس پر مقدس نام کندہ ہو (بشرطیکہ اسے نجاست نہ لگے ورنہ حرام ہے) یا اس کا نگینہ زمزم کے پتھر کا ہو۔ ایسی صورت میں انگوٹھی اتار کر داہنے ہاتھ میں پہن لینی چاہیے۔ یا اتار کر جیب میں ڈال لینی چاہیے۔

۵۔ قبروں پر پیشاب کرنا۔

۶۔ ہوا کے رخ پر بیٹھ کر پیشاب

۷۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔

۸۔ اس حالت میں کچھ کھانا۔

۹۔ ذکر خدا کے علاوہ بلا ضرورت کلام کرنا۔

۱۰۔ جاری یا کھڑے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا' بالخصوص کھڑے ہوئے پانی میں کراہت شدید ہے۔

فائدہ

پانچ صورتوں میں پیشاب کرنا مستحب ہے۔ نماز سے پہلے' سونے سے پہلے' مجامعت سے پہلے' مجامعت کے بعد' سواری پر سوار ہونے سے پہلے جبکہ بعد میں اترنا مشکل ہو۔

مخفی نہ رہے کہ عام حالات میں پیشاب و پاخانہ روکنا مکروہ ہے اور جب ایسا کرنا مضر صحت ہو تو پھر حرام ہے۔

"وضو کے اسرار، اسباب، غایات، شرائط، کیفیت اور احکام

ذیل میں وضو کے بعض اسرارو رموز بیان کئے جاتے ہیں سب کے احصاء و بیان کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

بعض اسرار وضو کا بیان

حدث (وہ باطنی کثافت جو موجب وضو یا غسل ہوتی ہے) کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حدث اصغر (جو موجب وضو ہوتا ہے) (۲) حدث اکبر (جو موجب غسل ہوتا ہے) اور بناء بر تحقیق قول کے چونکہ وضو اور غسل کا وجوب نفسی نہیں بلکہ غیری ہے یعنی یہ واجب لذاتہ و لنفسہ نہیں ہیں بلکہ ان کا وجوب لغیرہ ہے یعنی صرف واجبی نماز اور واجبی طواف وغیرہ جیسے امور کی ادائیگی کے لئے واجب ہوتے ہیں جو مشروط بالطہارت ہیں۔

پہلا راز:۔ نماز کیا ہے؟ یہ بندہ کا اپنے آقا و مولی کے انعام و احسان کا شکریہ ادا کرنے اور مزید انعام و اکرام کا امیدوار بن کر اس کی بارگاہ قدس میں حاضری و حضوری کا نام ہے جس طرح (بلا تشبیہ) شاہان دنیا میں سے کسی بادشاہ کے دربار میں جانا مقصود ہو تو اس بات کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے کہ کہیں حاضر ہونے والے کے جسم و لباس پر کوئی ایسی چیز (از قسم نجاست و کثافت) نہ ہو جو بادشاہ کی ناگواری طبع کا باعث بنے اسی طرح یہاں چونکہ احکم الحاکمین اور بادشاہوں کے بادشاہ کی بارگاہ معلی میں حاضر ہونا ہے۔ اس لئے شریعت مقدسہ نے واجب قرار دیا کہ انسان کا نہ صرف دل و دماغ، اخلاق رذیلہ سے پاک ہو بلکہ اس کا جسم و لباس بھی ہر قسم کی ظاہری و باطنی نجاست و کثافت سے صاف ہو۔

دوسرا راز:۔ جن اسباب سے وضو واجب ہوتا ہے۔ ان میں بول، براز، نیند اور بیہوشی وغ شامل ہیں (جیسا کہ اس کی تفصیل بعد ازیں آرہی ہے) ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے دل ... کثافت اور بدن میں سستی پیدا ہو جاتی ہے اور منہ ہاتھ وغیرہ دھونے اور پانی چھڑکنے سے جا

جسم میں تازگی پیدا ہوتی ہے وہاں دل و دماغ میں بھی بالیدگی پیدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس سے نہ صرف غفلت اور نیند بلکہ بے ہوشی بھی دور ہو جاتی ہے اسی لئے اطباء بے ہوش کے ان اعضاء پر پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں کہ اس سے حرارت غریزی تازہ اور قوی ہوتی ہے اور طبیعت میں فرحت و شادمانی پیدا ہوتی ہے نمازی نے چونکہ اس بادشاہ حقیقی کے دربار میں حاضر ہونا ہے جسے نیند تو کیا اونگھ بھی نہیں آتی (**لا تاخذہ سنۃ ولا نوم**) اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ وضو (یا غسل) کرکے نفس کی سستی' کاہلی اور جسم و روح کی کثافت دور کرلی جائے تاکہ آدمی اس بڑی سرکار کے دربار میں حاضر ہونے کے قابل ہوسکے۔

اس لئے خالق حکیم نے حکم دیا ہے "**لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری**" نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ **حتی تعلموا ما تقولون** ہاں اس وقت نماز پڑھو جب تمہارے دل و دماغ کو معلوم ہو کہ تم زبان سے کیا کہہ رہے ہو۔ جب مدہوش آدمی دنیوی بادشاہوں کے دربار میں نہیں جاسکتا تو بادہ غفلت سے سرشار انسان خدا کی بارگاہ میں کیونکر حاضر ہوسکتا ہے؟

تیسرا راز:۔ بدن و روح کے درمیان جو رشتہ و علاقہ ہے وہ ناقابل انکار ہے مشاہدہ اس بات کا شاہد ہے کہ ان میں سے جب کوئی ایک کسی چیز سے متاثر ہوتا ہے تو دوسرے پر بھی اس کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے اس لئے جب معصیت کی وجہ سے دل کا نور اور کسالت وغیرہ سے جسم کا سرور سلب ہو جاتا ہے تو وضو کرنے سے یہ نور و سرور عود کر آتا ہے چنانچہ بدن کے دھونے سے روح اس طرح شاداں و فرحاں ہو جاتی ہے اور اس کی ساری کسلمندی اس طرح دور ہو جاتی ہے کہ گویا اس کے بندھن کسی نے کھول دیئے ہیں (مقاربت کے بعد غسل کرنے میں یہ چیز اور بھی نمایاں ہے) یہ نور گو آج محسوس نہیں ہوتا مگر بروز قیامت حسی طور پر ظاہر ہوگا۔ جیسا کہ کتب فریقین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان کے اعضاء وضو سے نور چمک رہا ہوگا۔ (بحار الانوار' صواعق محرقہ وغیرہ)

چوتھا راز:۔ طبی تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ انسانی جسم کے اندر سے بعض اوقات کچھ زہریلے مواد نکلتے رہتے ہیں اور ہاتھ پاؤں' منہ اور سر پر جم جاتے ہیں اس لئے ان اعضاء میں

سے بعض اعضاء کے دھونے اور بعض کے مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ زہریلا مواد ختم ہوجائے اور جسم تر و تازہ ہو جائے۔۔۔

ارشاد رضویؑ سے مذکورہ بالا رموز و اسرار کی تائید مزید

حضرت امام رضا علیہ السلام وضو کے حکم و اسرار کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ **(انما امرنا بالوضو وبدی بہ لان یکون العبد طاہرا اذا قام بین الجبار عند منا جاتہ ایاہ مطیعالہ فیما امرہ نقیا من الادنس والنجاسۃ مع مافیہ من ذہاب الکسل وطرد النعاس وتزکیۃ الفواد وللقیام بین یدی الجبار (عیون اخبار الرضا' علل الشرائع)** یعنی وضو کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ بندہ ہر قسم کی نجاست و کثافت سے پاک صاف ہو کر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوسکے اور حاضری دینے والے کی کسلمندی' نیند دور ہو جائے اور دل پاک و پاکیزہ ہو جائے تاکہ اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں کھڑا ہونے کے لائق ہوسکے۔

پانچواں راز۔ منہ ہاتھ دھونے اور سر پاؤں کا مسح کرنے کے متعلق

مذکورہ بالا چوتھی وجہ میں بھی گو اس طرف خفیف سا اشارہ پایا جاتا ہے مگر یہاں ان مخصوص اعضاء کے دھونے یا مسح کرنے پر قدرے تفصیل سے تبصرہ کیا جاتا ہے۔ اس تخصیص میں بظاہر یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ سارے بدن میں یہی اعضاء ہیں جو مخالفت خدا میں بڑی تیزی سے حرکت میں آتے ہیں چہرہ میں منہ اور منہ میں زبان' ناک اور آنکھ پائی جاتی ہیں زبان سے فحش بکا جاتا ہے غیبت اور چغل خوری کی جاتی ہے۔ حتی کہ کلمہ کفر کہا جاتا ہے ناک سے بلا اجازت شرعی بعض غلط چیزیں سونگھی جاتی ہیں اور آنکھ سے وہ چیزیں دیکھی جاتی ہیں جن کا دیکھنا شرعاً" حرام ہے۔ یہ آنکھ ہی ہے جسے زنا کا پہلا قاصد کہا جاتا ہے جب زبان سے کوئی کلمہ نکلتا ہے اور غلط نظر پڑتی ہے تو دست درازی کے لئے ہاتھ آگے بڑھتا ہے اور قدم چلنے لگ جاتے ہیں۔ سر کا براہ راست گو کوئی قصور نہیں سوائے اس کے کہ یہ زبان اور آنکھ وغیرہ اس سے ملی ہوئی ہیں۔ اس لئے ان میں مسح کو کافی سمجھا گیا اور منہ اور ہاتھوں کا دھونا واجب قرار دیا گیا تاکہ ان اعضاء کے گناہوں سے صحیح توبہ ہو جائے۔

روایت صادقؑ سے اسکی تائید مزید

مذکورہ بالا مطلب کی تائید مزید اس روایت صادقؑ ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ چند یہودیوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان مخصوص اعضاء وضو کا دھونا یا مسح کرنا کیوں واجب ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ جب ابلیس نے جناب آدم کو شجرہ ممنوعہ کے قریب جانے کی انگیخت کی تو پہلے انہوں نے درخت پر للچائی ہوئی نظر ڈالی جس سے چہرہ کی رونق ختم ہو گئی۔ پھر قدم بڑھائے پھر ہاتھ سے پھل توڑ کر کھایا۔ جس سے لباس اور زیور جسم سے اتر گئے، تب ہاتھ سر پر رکھا اور رونا شروع کیا۔ جب خدائے حکیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو ان پر اور ان کی ذریت پر ان اعضا میں سے منہ ہاتھ کا دھونا اور سر اور پاؤں کا مسح کرنا واجب قرار دیا۔ (علل الشرائع)

وضو کے اسباب یا نواقض کا بیان

اس اعتبار سے کہ ان امور کی وجہ سے وضو واجب ہوتا ہے۔ ان کو اسباب اور موجبات وضو کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے کہ اگر باوضو آدمی سے ان میں سے کوئی چیز صادر ہو جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان کو نواقض وضو بھی کہہ دیا جاتا ہے اور وہ کل چھ ہیں۔

مسائل:

اول و دوم، پیشاب اور پاخانہ جبکہ اپنے عادی و طبعی راستہ سے خارج ہوں۔

مسئلہ نمبر۱۔ اگر کسی وجہ سے عادی راستہ بند ہو جائے اور کسی اور مقام سے بول و براز آنا شروع ہو جائے تو اس صورت میں سب فقہاء کے اتفاق کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس کا حکم عادی راستہ والا ہوگا۔

مسئلہ نمبر۲۔ اگر طبعی راستہ بند نہ ہو بلکہ کھلا ہو اور ویسے کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے غیر طبعی

راستہ سے بول و براز خارج ہو جائے تو اس صورت میں اظہر یہ ہے کہ اس سے وضو واجب نہیں ہوتا اور نہ ٹوٹتا ہے اگرچہ احوط یہ ہے کہ اس صورت میں وضو کیا جائے۔

سیوم۔ ریح ۔ جو طبعی مقام سے خارج ہو بشرطیکہ معدہ یا انتڑیوں سے خارج ہو عام اس سے کہ اس کا احساس آواز کے ذریعہ سے ہو یا بو سے یا کسی اور طرح سے اس کے خارج ہونے کا یقین ہو جائے۔

چہارم نیند ۔ جو کہ عقل و فکر کو معطل کردے اور اس کی علامت یہ ہے کہ آنکھ اور کان پر غالب آجائے یعنی آنکھ دیکھنا اور کان سننا چھوڑ دے۔ لہٰذا اس اونگھ سے وضو نہیں ٹوٹتا جبکہ آنکھ تو بند ہو جاتی ہے مگر کان آواز سن رہے ہوتے ہیں۔

پنجم ۔ بنابر احتیاط وہ چیز جو عقل کو زائل کردے جیسے غشی' بے ہوشی اور نشہ کی وجہ سے مدہوشی۔ جنون کا حکم بھی نیند والا ہے اگرچہ اس سلسلہ میں سوائے شہرت کے کوئی مستند نص موجود نہیں ہے۔

ششم ۔ استحاضہ قلیلہ ہر نماز کے واسطے بلکہ متوسطہ نماز صبح کے علاوہ دوسری نمازوں کے لئے اور کثیرہ عصرو عشاء کے سوا باقی نمازوں کے لئے یہ آخری دو قسمیں (متوسطہ اور کثیرہ) تو موجب غسل بھی ہیں مگر اس کے ساتھ بنابر مشہور وضو بھی کرنا پڑتا ہے۔

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ اگر بہت سے اسباب وضو جمع ہو جائیں تو بھی صرف ایک وضو بہ نیت رفع حدث کافی ہے۔

مسئلہ ۲۔ جب انسان نے وضو کیا ہوا ہو اور اسے شک لاحق ہو جائے کہ ان نواقض میں سے کوئی چیز اس سے صادر ہوئی ہے یا نہ؟ تو اس شک کی کوئی پروا نہ کرے اور اپنے کو باوضو ہی سمجھے۔

مسئلہ ۳۔ اگر مقام پیشاب سے کچھ مشتبہ رطوبت خارج ہو تو اگر صحیح طریقہ پر استبراء کرلیا گیا ہو تو اس سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کما تقدم۔

مسئلہ ۴۔ پہلے نجاسات و مطہرات کے سلسلے میں بیان ہوچکا ہے کہ مذی' وذی اور ودی سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی اس سے جسم و لباس نجس ہوتا ہے۔

مسئلہ ۵۔ جس آدمی کو سلس البول کا مرض ہو اگر تو اسے اس قدر وقفہ مل سکے کہ مختصر ترین نماز (مستحبات کے بغیر) طہارت کے ساتھ پڑھ سکے تو یہ مقدم ہے اور اگر اتنی فرصت بھی نہ ملے تو پھر ایک تھیلی بنوائے جس میں کپاس بھری ہوئی ہو اور اس کو عضو مخصوص کے اوپر باندھے اور پھر نماز ظہر و عصر کو ایک وضو سے اور مغرب و عشاء کو ایک وضو سے ملا کر پڑھے اور نماز صبح کے لئے علیحدہ وضو کرے۔

مسئلہ ۶۔ جو شخص کثرت اسہال کے مرض میں مبتلا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تو اسے اس قدر وقفہ ملتا ہے کہ مختصر سی واجبی نماز پڑھ سکتا ہے تو اسے مقدم رکھے۔ ورنہ وضو کرکے نماز شروع کردے اور اگر اثناء نماز میں حدث صادر ہو جائے تو وہیں اسی حالت میں وضو کرکے اور وہیں سے نماز شروع کرکے پوری کرے ہاں البتہ اگر اسہال کی اتنی کثرت ہو کہ بار بار وضو کرنے سے عسرو حرج لازم آئے تو پھر ایک وضو ہی کافی ہے۔ (نیز لنگوٹ بھی باندھ لے تاکہ نجاست باہر سرایت نہ کرے۔)

حدث والے آدمی پر کیا حرام ہے

جس شخص کو وضو نہ ہو اس پر چند چیزیں حرام ہیں۔ نماز پڑھنا' طواف کرنا' قرآن مجید کے حروف کو مس کرنا' ہر وہ کام جو مشروط بطہارت ہے اس کا انجام دینا۔

غایات وضو

یعنی وہ اغراض و مقاصد جن کی خاطر وضو کیا جاتا ہے۔ سابقہ مبحث میں یہ امر بیان کیا جاچکا ہے کہ وضو اور غسل واجب یا مستحب لنفسہ نہیں ہیں بلکہ واجب یا مستحب لغیرہ ہیں۔

غایات واجبہ

بنابریں بالاصل وضو صرف دو صورتوں میں واجب ہے اولؔ نماز واجب عام اس سے کہ ادا ہو یا قضا یا اجارہ کی ہو دومؔ طواف واجب کے لئے' ہاں اگر نذر (منت) عہد اور قسم کی وجہ

سے قرآن مجید کے حروف کا مس کرنا واجب ہو جائے تو بنا بر مشہور اس کے لئے بھی وضو واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر قرآن مجید کو نجس جگہ سے نکالنا ہو یا نجس شدہ مصحف کو پاک کرنا چاہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کا ہاتھ یا کوئی اور جزبدن حروف سے مس ہو تب بھی وضو واجب ہوگا۔

غایات مستحبہ

یہ غایات کم و بیش پچیس ہیں۔ (۱) مستحبی نماز کے لئے۔ (۲) مستحبی طواف کے لئے۔ (۳) مساجد میں داخل ہونے کے لئے۔ (۴) ہاتھ لگائے بغیر تلاوت قرآن کے لئے۔ (۵) باطہارت سونے کے لئے تاکہ اس کا سونا بھی عبادت شمار ہو۔ (۶) محتلم کے لئے اگر غسل سے پہلے مجامعت کرنا چاہے۔ (۷) نماز جنازہ کے لئے۔ (۸) کسی دینی یا دنیوی حاجت میں جدوجہد سے پہلے تاکہ حاجت روا ہو جائے۔ (۹) جنب آدمی کے لئے جبکہ غسل سے پہلے میت کو غسل دینا چاہے۔ (۱۰) غسل میت دینے والے کیلئے جبکہ غسل سے پہلے مقاربت کرنا چاہے۔ (۱۱) ایک بار مقاربت کرنے کے بعد دوبارہ مقاربت کے لئے۔ (۱۲) حاملہ سے مجامعت کرنے کے لئے۔ (۱۳) جن مناسک حج میں طہارت شرط نہیں ان کی بجا آوری کے لئے اور وہ طواف واجب اور اس کی نماز کے علاوہ تمام دوسرے مناسک ہیں۔ (۱۴) سفر سے آتے اور اہل و عیال پر وارد ہونے کے لئے۔ (۱۵) میت کو قبر میں اتارنے کے لئے۔ (۱۶) ہمیشہ باطہارت رہنے کے لئے جو باعث طول عمر و خیر و برکت ہے اور اگر اسی طہارت کی حالت میں موت واقع ہو جائے تو یہ شہادت کی موت ہوگی۔ (۱۷) تجدید کے لئے (یعنی اگرچہ سابقہ وضو موجود ہو تب بھی موجودہ نماز کے لئے وضو پر وضو کرنا بالخصوص نماز مغرب، عشاء اور صبح کے لئے مزید تاکید وارد ہے۔) **الوضو علی الوضوء نور علی نور۔** (۱۸) ایک کنیز سے مجامعت کرنے کے بعد دوسری سے مقاربت کے لئے۔ (۱۹) حیض والی عورت کے لئے جبکہ اوقات نماز میں مصلی پر بیٹھ کر ذکر خدا کرنا چاہے۔ (۲۰) غسل میت کے بعد۔ (۲۱) کتابت قرآن کے لئے۔ (۲۲) سجدہ تلاوت قرآن کے لئے۔ (۲۳) مذی خارج ہونے کے بعد۔ (۲۴) تعقیبات پڑھنے کے لئے۔ (۲۵) زیارات ائمہ اطہار پڑھنے یا مشاہد مقدسہ میں داخل ہونے کے لئے۔ **الی غیر ذلک من المواضع التی یطلع علیها المتتبع۔**

شرائط وضو کا بیان

اور یہ شرائط وضو کل بارہ ہیں

(۱) یہ کہ بناء بر مشہور آب مطلق سے کیا جائے کیونکہ بناء پر مشہور اور ہمارے نزدیک احتیاطاً آب مضاف سے وضو اور غسل نہیں ہو سکتا۔(۲) وہ پانی پاک ہو۔ اسی طرح اعضا وضو بھی پاک ہونے چاہیں اور اگر عمداً نجس پانی سے وضو کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ یہ فعل حرام کا ارتکاب ہوگا بلکہ وضو بھی باطل ہوگا اور جہالت کی صورت میں گو گناہ نہ ہوگا مگر انکشاف حقیقت کے بعد وضو باطل متصور ہوگا۔ (۳) اعضاء وضو پر کوئی ایسی چیز (تنگ انگوٹھی اور چھلا وغیرہ) نہ ہو جو پانی کو چمڑے تک پہنچنے سے مانع ہو۔ ورنہ اس کا اتارنا یا اسطرح ہلانا واجب ہوگا کہ پانی اس کے نیچے پہنچ جائے۔ (۴) پانی' ظرف اور وضو کرنے کی جگہ غصبی نہ ہو ورنہ بنابر مشہور وضو باطل سمجھا جائے گا۔ (علی الاحوط) (۵) وضو کا یہ برتن سونے یا چاندی کا نہ ہو۔ (۶) وہ پانی پہلے ظاہری نجاست کے ازالہ میں استعمال نہ کیا گیا ہو۔ (۷) پانی کے استعمال کرنے سے کوئی شرعی یا عقلی مانع از قسم مرض یا شدت پیاس وغیرہ موجود نہ ہو۔ ورنہ اس کا فرض وضو کی بجائے تیمم سے تبدیل ہو جائے گا۔ (۸) اتنا وقت ہو کہ وضو کرکے کم از کم ایک رکعت نماز وقت کے اندر پڑھی جا سکتی ہو ورنہ وضو کی جگہ تیمم لازم ہوگا۔ (۹) حالت اختیاری میں وضو خود کرنا واجب ہے لہٰذا اگر کوئی دوسرا شخص کسی کو وضو کرائے تو وضو باطل سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی دوسرا شخص صرف پانی حاضر کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اگر کوئی دوسرا شخص متوضی کے ہاتھ پر پانی ڈالے تو یہ بھی صرف مکروہ ہے اس سے وضو باطل نہیں ہوگا۔ (۱۰) ترتیب۔ یعنی پہلے منہ اس کے بعد ہاتھ دھوئے جائیں اس کے بعد سر کا مسح اور بعد ازاں پاؤں کا مسح یکبارگی کیا جائے اور احوط یہ ہے کہ پہلے دائیں کا پھر بائیں کا کیا جائے اگر اس ترتیب کی خلاف ورزی کی گئی تو اگر ہنوز اعضائے وضو خشک نہیں ہوئے یعنی موالات فوت نہیں ہوئی تو پھر وضو کو وہاں سے ٹھیک

مستحبی میں نیت استحباب کا کرنا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ صرف قربۃ الی اللہ کی نیت کافی ہے اور پھر اس سے واجبی اور مستحبی نماز وغیرہ وہ سب امور جو مشروط بطہارت ہیں ادا کئے جاسکتے ہیں اور یہی حکم ہر عبادت کی نیت کا ہے کہ اس میں صرف قصد قربت کافی ہے۔

کیفیت و ترکیب وضو

وضو کے ارکان چار ہیں اول منہ کا اس طرح دھونا کہ اس پر دھونا صادق آجائے۔ منہ کی مقدار یہ ہے کہ طول میں پیشانی کی طرف سے سر کے بال اگنے سے لیکر ٹھوڑی تک اور عرض میں جتنی مقدار انگوٹھا اور درمیانی انگلی کے گھیرے میں آجائے۔ دراصل طول بھی اتنا ہی بنتا ہے اور اس طرح ایک دائرہ بن جاتا ہے۔

طور پر بجا لا جائے جہاں سے ترتیب میں خرابی واقع ہوئی تھی اور اگر موالات فوت ہوگئی ہے تو یہ وضو باطل سمجھا جائے گا اور از سر نو کرنا پڑے گا۔ (۱۱) موالات یعنی سابقہ عضو خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کو دھویا جائے اگر اثنائے وضو میں پانی ختم ہو جائے یا اور کوئی کام درپیش آجائے اور نیا پانی آنے یا کام کے انجام پانے تک سابقہ اعضا خشک ہو جائیں تو وضو باطل ہو جائے گا اور از سر نو کرنا پڑے گا۔ (۱۲) نیت اور اس سے مراد یہ ہے کہ وضو وغیرہ کرتے وقت اس کا قصد ہو اور یہ ایک فطری امر ہے جس کے بغیر کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں البتہ اس میں قصد قربت ضروری ہے یعنی اس کا اصل داعی اور محرک حکم خدا کی تعمیل ہو یہ سمجھ کر کہ وہ محسن و منعم حقیقی ہے اور منعم کا شکریہ ادا کرنا عقلاً و شرعاً واجب و لازم ہے یہ نیت کی معراج کمال ہے اور اگر اس سے مقصد جنت کا حصول یا جہنم سے فرار ہو تب بھی صحیح ہے اگرچہ یہ نیت کا ادنیٰ درجہ ہے بہرحال نیت میں خلوص ضروری ہے یعنی صرف خالق کی خوشنودی کے پیش نظر ہو اگر اس میں ریاء و سمعہ کی آمیزش ہوگئی تو وضو ہو یا کوئی بھی اور عمل ضائع و اکارت ہو کر رہ جائے گا۔ بنابریں تحقیق وہ ساری بحث بے کار ہو کر رہ جاتی ہے کہ نیت کس طرح کرنا چاہیئے۔ کیا الفاظ ادا کرنے چاہئیں (کیونکہ نیت ان رسمی الفاظ کی ادائیگی کا نام نہیں ہے) کب شروع کرنی چاہیئے؟ کب تک رہنی چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح واجبی وضو میں نیت وجوب اور

مسائل و احکام

مسئلہ ۱ = انگوٹھے اور انگلی سے مراد متناسب الاعضا آدمی کا انگوٹھا یا انگلی ہے لہٰذا اگر کسی شخص کا انگوٹھا یا انگلی عام عادی مقدار سے بہت لمبا ہے یا بہت چھوٹا ہے تو وہ معیار نہیں ہے۔

مسئلہ ۲ = مذکورہ بالا مقدار میں سے اگر بقدر سوزن بھی کچھ جگہ خشک رہ گئی تو وضو باطل ہوگا۔ ہاں بطور مقدمہ طول و عرض میں تھوڑی سی زائد مقدار کو بھی شامل کرلینا چاہئے تاکہ یقین حاصل ہو جائے کہ واجبی مقدار دھل گئی ہے۔

مسئلہ ۳ = آنکھ اور ناک کے اندرونی حصہ کا دھونا واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۴ = اگر ڈاڑھی بڑی اور گھنی ہو تو بالوں کی وجہ سے جو چہرا چھپا ہوا ہے اس تک پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ ۵ = منہ کا اوپر سے نیچے کی طرف دھونا واجب ہے لہٰذا اگر نیچے سے اوپر کی جانب دھویا جائے تو اس سے وضو باطل ہو جاتا ہے۔ (علی الاحوط بل الاقوی)

دوم = دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سے لیکر انگلیوں کے سروں تک اس طرح دھونا کہ اس پر دھونے کا اطلاق ہوسکے۔ بشرطیکہ پہلے دائیں اور اس کے بعد بائیں کو دھویا جائے۔

احکام و مسائل

مسئلہ ۱ = کہنیوں سے انگلیوں کی طرف دھونا واجب ہے اگر اس کا الٹ کیا گیا تو وضو باطل ہو جائے گا۔ [1]

11-8

---

[1] آیت مبارکہ "فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق" میں لفظ "الی" مع (ساتھ) کے معنی میں ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دھوؤ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت۔ اب رہی اس دھونے کی کیفیت کہ آیا ابتدا انگلیوں سے کی جائے اور انتہا کہنیوں پر۔ یا اس کے برعکس ابتداء کہنیوں سے کی جائے اور انتہا انگلیوں پر؟ آیت مبارکہ اس سلسلہ میں خاموش ہے کیونکہ آیت میں یہ تو

مسئلہ ۲ = جس آدمی کا ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں۔ اس کو کیا کرنا چاہئے اس کی چند صورتیں ہیں۔ کہنی کے نیچے سے ہاتھ کٹا ہو اس صورت میں باقیماندہ حصہ کا دھونا واجب ہے' کہنی کے اوپر سے کٹا ہو۔ اس صورت میں احوط یہ ہے کہ اس حصہ کو دھو لیا جائے جو اوپر باقی ہے اگرچہ واجب نہیں ہے۔ کاندھے کے پاس سے کٹا ہو۔ اس صورت میں دھونے کا وجوب ساقط ہے۔ کہنی سے کٹا ہو تو دھونے کا وجوب ساقط ہے مگر احوط یہ ہے کہ اسکے بالائی حصہ کو دھو لیا جائے۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۳ = اگر کسی شخص کا کہنی کے نیچے زائد ہاتھ ہو یا کوئی گوشت کا لوتھڑا زائد ہو تو اس کا دھونا بھی واجب ہے۔

سیوم = سر کا مسح کرنا

وضو کی باقی ماندہ تری سے سر کے اگلے حصہ کا احتیاط وجوبی کی بناء پر اوپر سے نیچے کی طرف اس طرح مسح کرنا کہ اس پر مسح صادق آئے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ

مذکور نہیں کہ "من الاصابع الی المرافق" ظاہر ہے کہ جب تک کلام میں "من" ابتدائیہ موجود نہ ہو اس وقت تک "الی" سے انتہا کے معنی نہیں سمجھے جاسکتے لہٰذا حقیقت حال کو سمجھنے کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو دیکھنا پڑے گا اور اسی کے مطابق عمل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی سیرت سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدا کہنیوں سے کرنا چاہئے اور انتہا انگلیوں پر کیونکہ تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۶۳ طبع مصر میں مذکور ہے کہ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا توضاء ادار الماء علی مرفقہ جناب رسولؐ خدا جب وضو فرماتے تھے تو پہلے کہنیوں پر پانی ڈالتے تھے۔ اسی لئے شیعیان علیؑ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور ائمہ اہل بیتؑ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

(منہ عفی عنہ)

مسائل و احکام

مسئلہ ۱ = سر کے چار حصے ہیں اگلا' پچھلا' دایاں اور بایاں اگرچہ سر کے چوتھے اگلے حصہ پر جہاں جس مقدار میں مسح کرلیا جائے۔ کافی ہے مگر احوط یہ ہے کہ پیشانی کے اوپر عرض میں بقدر تین انگشت بستہ اور طول میں بقدر ایک انگلی مسح کیا جائے۔

مسئلہ ۲ = سر کے چمڑے پر مسح ضروری نہیں ہے۔ بلکہ سر کے اگلے حصہ کے بالوں پر بھی کرلیا جائے تو کافی ہے۔ بشرطیکہ بال اس قدر لمبے نہ ہوں کہ اگر ان کو کھینچا جائے تو دوسرے حصہ تک پہنچ جائیں۔

مسئلہ ۳ = اگر سر پر اس قدر تیل وغیرہ کی تراوت یا پانی کی تری ہو کہ مسح کا اثر ظاہر نہ ہو تو بنابر احتیاط واجب پہلے محل مسح کو خشک کرلیا جائے اور اگر وہ تری اتنی معمولی ہے کہ مسح کی رطوبت کا اثر نمایاں ہو جائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

چہارم = دونوں پاؤں کا مسح کرنا لہ

سر کے بعد وضو کی باقی ماندہ تری سے دونوں پاؤں کی انگلیوں سے لے کر کعبین تک اس طرح مسح کیا جائے کہ اس پر مسح کا اطلاق ہوسکے مگر ساری ہتھیلی سے افضل ہے۔

لہ مسح پا کے متعلق قرآنی فیصلہ

قدیم الایام سے سنی و شیعہ کے درمیان یہ مسئلہ معرکۃ الاراء چلا آرہا ہے کہ آیا وضو میں پاؤں کا مسح فرض ہے یا دھونا؟ چنانچہ شیعہ خیر البریہ مسح کرنے اور اہل سنت دھونے کے قائل ہیں اور یہ اختلاف بظاہر آیہ وضو (**یا ایھا الذین امنو اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا بروؤسکم و ارجلکم الی الکعبین**)میں وارد شدہ لفظ (ارجلکم) کی قرات میں اختلاف پر مبنی ہے چنانچہ قراء سبعہ میں سے چار قاریوں (ابن کثیر' ابو عمرو' حمزہ اور عاصم) نے اسے "لام" کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے (تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ ۵۴۵ طبع مصر) اور یہی ائمہ اہل بیت کی قرات ہے (ملاحظہ ہو جامع البیان جریر ج ۱۰ صفحہ ۵۵ طبع مصر) اور باقی تین قاریوں نے اسے "لام" کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے چنانچہ اگر اسے لام کی زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو بلا اشکال اس سے پاؤں کا مسح ثابت ہوتا ہے (کیونکہ بنابریں "ارجل" (پاؤں) حکم مسح (فامسحوا)

مسائل و احکام

مسئلہ ۱ = اگرچہ انگلیوں سے لے کر پاؤں کی درمیانی ابھری ہوئی ہڈی تک مسح کرنا کافی ہے کیونکہ بنابر تحقیق "کعبین" انہی دو ہڈیوں کو کہتے ہیں مگر احوط یہ ہے کہ بند پا تک کیا جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) کے ذیل میں آتے ہیں اور اگر اسے لام کی زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں پاؤں کا دھونا ظاہر ہوتا ہے (کیونکہ بنابریں "ارجل" (پاؤں) دھونے کے حکم (فاغسلوا) کے ذیل میں آتے ہیں) لیکن حق یہ ہے کہ "ارجلکم" کی لام کو خواہ زیر سے پڑھا جائے یا زبر سے بہرحال پاؤں کا مسح قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ زیر کی صورت میں تو ظاہر ہے کہ "ارجلکم" کا عطف "برؤسکم" کے لفظ پر ہے جو کہ "فامسحوا" کا مفعول ہے اور زبر کی صورت میں اس طرح کہ اس کا عطف "برؤسکم" کے محل پر ہے جو کہ مفتوح (زبر کے ساتھ) ہے اور اس کا عطف "وجوھکم" پر کرکے (جو کہ فاغسلوا کا مفعول ہے) اور معطوف علیہ (وجوھکم) کے درمیان ایک اجنبی جملہ (فامسحوا برؤسکم) کا فاصلہ لازم آتا ہے جو کہ نحوی نقطہ نگاہ سے بالکل غلط ہے جیسا کہ کبیری شرح منیۃ المصلی ص ۱۵ طبع لاہور میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے ثانیاً" جب کوئی آقا اپنے غلام کو دو مختلف حکم دے اور کوئی چیز دوسرے حکم کے تحت میں واقع ہو تو عقلاء روزگار اس کا تعلق دوسرے جملہ سے ہی قائم کرتے ہیں جیسے کوئی آقا اپنے غلام کو یوں دو حکم دے "اضرب زیدا و بکرا واکرم خالدا و عمروا"۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ مارو' زید و بکر کو اور اکرام کرو خالد اور عمرو کا۔ تو اس صورت میں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہاں "عمروا" "اضرب" (مارو) کے حکم میں داخل ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ "مارو زید و بکر کو اور اکرام کرو خالد کا اور عمرو یعنی مارو عمر کو۔ تو اس طرح یہ کلام فصاحت کے درجہ سے گر جائے گا یا اگر کوئی متکلم یوں خبر دے کہ اکرمت زیدا" وبکرا" و مررت بخالد و عمرو (یا عمروا) تو اس کا صاف و صریح مفہوم یہی ہوگا کہ میں نے زید و بکر کا اکرام کیا اور خالد و عمرو کے پاس سے گزرا۔ اس کا یہ مطلب کوئی صحیح الدماغ آدمی نہیں لے گا کہ اکرام کیا میں نے زید و بکر کا اور گزرا میں خالد کے پاس سے اور عمرو۔ یعنی عمرو کا اکرام کیا۔ اسی طرح اس آیت وضو میں خالق

مسئلہ ۲ = اگرچہ مسح پا میں بنا برا قوی عکس جائز ہے یعنی "کعبین" سے انگلیوں تک بھی مسح کرنا جائز ہے مگر احوط یہ ہے کہ ابتداء انگلیوں سے کی جائے۔

مسئلہ ۳ = اگرچہ اظہر یہ ہے کہ دونوں پاؤں کا یکبارگی مسح کرنا جائز ہے مگر احوط یہ ہے کہ پہلے دائیں پاؤں کا کیا جائے پھر بائیں کا۔ مگر بائیں کا مقدم کرنا بہر حال ناجائز ہے اور ناکافی بھی۔

حکیم نے اپنے اہل ایمان بندوں کو دو متضاد حکم دیئے ہیں ایک دھونے کا دوسرا مسح کرنے کا۔ ظاہر ہے کہ "ارجلکم" دوسرے حکم کے ذیل میں واقع ہے تو اس کا تعلق بھی اسی سے ہوگا۔ ورنہ خالق رحمن کا کلام معجز نظام درجہ فصاحت و بلاغت سے ساقط ہو جائے گا۔ "ارجلکم" کی زبر کو اس بات کا قرینہ بھی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس کا تعلق پہلے حکم (دھونے) سے ہے جبکہ اس زبر کی معقول وجہ موجود ہے کہ اس کا عطف "بروسکم" کے محل پر ہے (جو کہ مفعول ہونے کی وجہ سے نصب (زبر) ہے۔ کمالا یخفی علی اہل العلم والفضیلۃ۔

یہ تو تمام صرفی و نحوی بحث تھی اب آیئے ذرا سنت نبویہ اور سیرت ائمہؑ و صحابہ کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لیں سو کتب فریقین سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو میں پاؤں کا مسح کرتے تھے یہاں صرف اہل سنت کی دو چار مستند کتابوں کے حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔ ۱۔ عباد بن تمیم اپنے والد (تمیم صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ **رأیت رسول اللہ یتوضأو یمسح بالماء علی لحیتہ ورجلیہ**۔ یعنی میں نے جناب رسولؐ خدا کو اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے پانی سے ڈاڑھی اور پاؤں کا مسح کیا۔ (یعنی ہاتھ کا پانی خشک ہونے کی صورت میں ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر تری حاصل کر کے پاؤں کا مسح کیا) کنز العمال ج ۵ ص ۱۰۲ بحوالہ مسند ابی شیبہ، بغوی، باوردی، طبرانی اور ابو نعیم، قال فی الاصابۃ رجالہ ثقات)

۲۔ **ان النبیؐ توضأ فغسل وجھہ ویدیہ ومسح راسہ ورجلیہ**۔ یعنی جناب رسول خدا نے اس طرح وضو کیا کہ منہ اور ہاتھوں کو دھویا اور سر اور پاؤں پر مسح کیا۔ کنز العمال ج ۵ ص ۱۰۸)

۳۔ عباد بن تمیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ " **رأیت رسول اللہ یتوضأو یمسح بالماء**

مسئلہ ۴ = مسح سر کا ہو یا پاؤں کا اس میں یہ شرط ہے کہ ہاتھ کو سر اور پاؤں پر پھیرا جائے۔ نہ یہ کافی ہے کہ صرف ہاتھ رکھ دیا جائے اور نہ یہ کافی ہے کہ سر اور پاؤں کو ہلایا جائے۔

بقیہ حاشیہ ۱۲۲

علیؑ زجلیہ۔ میں نے جناب رسولؐ کو اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ پاؤں پر مسح کر رہے تھے۔ (اصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱ ص ۱۸۵۔ بذیل ترجمہ تمیم بن (زید انصاری و کذا فی نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۴) ۴ رفاعہ بن شداد بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اس وقت تک کسی شخص کی نماز نہیں ہو سکتی جب تک وہ اسی طرح کامل وضو نہ کرے جس طرح خدا نے حکم دیا ہے یعنی منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور سر اور پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے۔ (عینی شرح بخاری ج ۱ ص ۶۵۵، شرح معانی الاثار ج ۱ ص ۲۱ کنز العمال ج ۴ ص ۹۹ تفسیر در منثور ج ۲ ص ۲۶۴ وغیرہ) اسی طرح کتب اہل سنت سے جناب امیر علیہ السلام کا وضو میں پاؤں کا مسح کرنا ثابت ہے چنانچہ فتح الباری شرح البخاری ج ۲۴ باب شرب الماء قائماً" میں آنجنابؑ کا اس طرح وضو کرنا درج ہے۔ فغسل وجھہ و یدیہ و مسح علی راسہ و رجلیہ" یعنی جنابؑ نے منہ اور ہاتھ دھوئے اور سر اور پاؤں پر مسح کیا۔ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۳۵ ترجمان القرآن نواب صدیق حسن خان ص ۸۴۲ وغیرہ کتابوں میں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا مذہب بھی یہی بیان کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ میں سے جو ایک کا مذہب ہو وہی سب کا ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو دراسات اللبیب ص ۳۵ طبع لاہور) نیز اہل سنت کی کتابوں میں ایسے بہت سے صحابہ کے نام بھی ملتے ہیں جو وضو میں پاؤں پر مسح کرتے تھے اور دھونے والوں پر اعتراض کرتے تھے جیسے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرؓ اور انس بن مالک وغیرہم۔ ابن عباس کا قول ہے" ابی الناس الا الغسل ولا اجد فی کتاب اللہ الا المسح" یعنی عام لوگوں نے تو سوائے دھونے کے انکار کر دیا ہے۔ مگر میں اللہ کی کتاب میں مسح کے سوا کچھ نہیں پاتا (تفسیر در منثور ج ۲۔ ص ۲۶۲) نیز انہی جناب کا یہ قول مشہور ہے کیا الوضوء غسلتان و مسحتان وضو دو دھونے (منہ اور ہاتھ) اور دو مسح (سر اور پاؤں) کا نام ہے (تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۲۷۰ تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۴۲ وغیرہ) پاؤں کے مسح کی تائید مزید اس بات سے بھی

مسئلہ ۵ = جیسا کہ اوپر مذکور ہے مسح صرف وضو کے بعد ہاتھوں پر موجود تری سے کرنا لازم ہے۔ لہٰذا اگر آب جدید سے مسح کیا جائے تو باطل متصور ہوگا۔ ہاں اگر بوجہ شدت گرما ہاتھوں کی تری خشک ہو جائے تو پھر ڈاڑھی یا ابرو وغیرہ اعضاء وضو سے نئی تری حاصل کی جاسکتی ہے اگرچہ احوط یہ ہے کہ ڈاڑھی کو مقدم رکھ کر اس کے بعد صرف ابرو اور پلک چشم پر اکتفا کیا جائے۔(واللہ العالم)

مسئلہ ۶ = خف یا جوراب پر مسح کرنا جائز نہیں ہے بلکہ انہیں اتار کر پاؤں پر کرنا واجب ہے[1]

ہوتی ہے کہ تیمم جو کہ وضو کا بدل ہے (جو کہ پانی کے نہ ملنے یا اسکے ضرر رساں ہونے کی صورت میں کیا جاتا ہے) صرف منہ اور ہاتھوں پر کیا جاتا ہے (جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں) اور جن اعضاء کا وضو میں مسح کیا جاتا ہے ان پر تیمم نہیں کیا جاتا منصف مزاج لوگوں کی تسلی کیلئے یہ چند حقائق کافی ہیں جو حضرات مزید تفصیلات دیکھنا چاہیں وہ ہماری کتاب تجلیات صداقت کا مطالعہ فرمائیں۔ (منہ عفی عنہ)

---

[1] "خفوں اور جورابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے پاؤں کے مسح کرنے کا حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خف ہو یا جوراب پاؤں میں داخل نہیں ہے اس لئے مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۲۳ طبع مصر پر مرقوم ہے کہ "ان رسول اللہ ما مسح علی الخفین" جناب رسول خدا نے بھی خفین پر کبھی مسح نہیں کیا تھا۔ برادران اسلامی کی یہ روش نا قابل فہم ہے کہ اگر پاؤں میں خف ہوں تو ان پر مسح کافی ہے اور اگر خف نہ ہوں تو پھر پاؤں کا دھونا واجب! کیونکہ اگر بقول ان کے وضو میں پاؤں کا دھونا واجب ہے تو پھر بہرحال انہیں دھونا چاہئے اور اگر ہمارے نظریہ کے مطابق پاؤں کا مسح واجب ہے تو پھر بہرحال ان پر مسح کرنا چاہئے یہ دو رنگی کیسی ہے یہ بھی واضح ہے کہ پاؤں میں خف یا جواب کا ہونا کوئی ایسا شرعی عذر بھی نہیں ہے کہ اس کے اتارنے سے عسر و حرج یا مشقت شدیدہ لازم آتی ہو۔ جس کی وجہ سے شرعی حکم اولی کو ثانوی حکم کے ساتھ تبدیل کیا جاسکے۔ کمالا یخفی (منہ عفی عنہ)

وضوئے جبیرہ کا طریقہ

اعضائے وضو یا (غسل) میں سے اگر کسی عضو پر ہڈی کے ٹوٹنے یا پھوڑا پھنسی نکلنے کی وجہ سے پٹی بندھی ہوئی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ پٹی دھونے والے عضو پر ہوگی یا مسح والے حصہ پر پہلی صورت کی پھر دو شقیں ہیں یا تو اس زخم وغیرہ کے لئے پانی مضر ہوگا یا مضر نہ

ہوگا۔ پس اگر مضر ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ دوسرے عضو کو دھو کر اس جگہ پر صرف بطور مسح ہاتھ پھیرے اور اگر پانی مضر نہ ہو تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو باسانی پٹی کھل سکے گی یا نہ؟ پہلی شق میں پٹی کھول کر اس جگہ کو دھویا جائے گا اور دوسری شق میں پٹی پر اس قدر پانی ڈالا جائے گا کہ وہ پٹی کے نیچے چمڑے تک پہنچ جائے اور مسح کی صورت میں

اگر وہ پٹی اعضائے مسح پر ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے اوپر مسح کیا جائے گا اور مزید احتیاط کی خاطر اگر اس صورت میں تیمم بھی کرلیا جائے تو اولیٰ ہے۔

وضو کے احکام

مسئلہ ۱ = اگر آدمی کو شک لاحق ہو جائے کہ فلاں عضو کو دھویا ہے یا نہ یا فلاں عضو کا مسح کیا ہے یا نہ؟ تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) اگر ابھی وضو کرنے میں مشغول تھا۔ (یا بنابر احتیاط اسی جگہ پر موجود تھا جہاں وضو کیا ہے) کہ یہ شک پڑ گیا تو عضو مشکوک کو اس طرح دھوئے یا اس طرح

مسح کرے کہ ترتیب بحال رہے بشرطیکہ ہنوز سابقہ اعضا خشک نہ ہوئے ہوں ورنہ دوبارہ وضو کرنا پڑے گا۔ (۲) اگر وضو سے فارغ ہو چکنے اور اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو چکنے یا کسی دوسری چیز میں (مثلاً نماز میں) مشغول ہونے کے بعد یہ شک پڑے تو یہ شک ناقابل توجہ ہے لیکن اگر وضو کے بعد کسی عضو کے چھوٹنے کا یقین ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر سابقہ عضو خشک نہیں ہوا تو پھر تو اس چھوٹے ہوئے عضو اور اس کے بعد والے اعضاء کو دھویا جائے لیکن اگر سابقہ عضو خشک ہو جائے تو از سر نو وضو کیا جائے۔

مسئلہ ۲ = اگر کسی آدمی کو وضو' اس کے شرائط اور اس کے احکام وغیرہ میں بہت شک پڑتا ہے یعنی کثیر الشک ہے تو اس کو اپنے شک کی پروا نہیں کرنا چاہئے۔

مسئلہ ۳ = اگر کسی آدمی کو اپنے وضو کا یقین ہو لیکن کسی حدث (مبطل وضو چیز) کے صادر ہونے میں شک ہو تو اس کو اس شک کی پروا نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح اگر حدث کے سرزد ہونے کا یقین ہو مگر طہارت کرنے میں شک ہو تو اسے اپنے آپ کو محدث سمجھنا چاہئے۔

مسئلہ ۴ = اگر ایک آدمی کو طہارت کرنے کا بھی یقین ہو اور حدث کے سرزد ہونے کا بھی یقین ہو مگر یہ معلوم نہ ہو کہ طہارت پہلے کی تھی اور حدث بعد میں صادر ہوا ہے یا صورت حال اس کے برعکس ہے تو اگر یہ شک نماز پڑھنے سے پہلے پڑے تو اسے وضو کرلینا چاہئے اور اگر اثناء نماز میں پڑے تب بھی نماز توڑ کر اسے وضو کرنا چاہئے لیکن اگر نماز سے فراغت کے بعد پڑے تو پڑھی ہوئی نماز درست ہے البتہ آئندہ نماز کے لئے وضو کرلینا چاہئے۔

مسئلہ ۵ = اگر کسی شخص کو وضو کے بعد اس کے ٹوٹنے میں شک پڑ جائے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ باوضو ہے۔

مسئلہ ۶ = اگر ایک شخص نے پیشاب کے بعد استبراء نہیں کیا تھا اور اب مقام بول سے مشتبہ رطوبت خارج ہو جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وہ پیشاب ہے یا کوئی اور چیز؟ تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا لیکن اگر استبراء کیا ہوا ہے تو اس سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔)

مستحبات وضو (مع اپنے مختصر اسرار و رموز کے)

وضو کے مستحبات پندرہ ہیں جو ذیل میں مختصر سے اسرار و رموز کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ وضو والے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا۔ سو کر اٹھنے اور پیشاب کرنے کے بعد ایک بار اور پاخانہ پھرنے کے بعد دوبار۔ پہلی صورت میں اس کی وجہ یہ ہے کہ سونے کی حالت میں معلوم نہیں ہے کہ اسکے ہاتھ کہاں لگے ہوں اور دوسری دونوں صورتوں میں اس لئے

کہ نجاست وھمیہ اور نفرت قلبیہ زائل ہو جائے۔ مخفی نہ رہے کہ بظاہر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ استحباب اس صورت میں ہے کہ ظرف وضو کھلے منہ والا ہو جس میں ہاتھ ڈال کر وضو کیا جاتا ہو دوسرے یہ استحباب صرف ایک ہاتھ کے ساتھ مخصوص ہے جسے برتن میں ڈالنا ہے مگر فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہرصورت دونوں ہاتھوں کا دھونا مستحب لکھا ہے۔ وہو الاحوط =

۲۔ وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔ اس سے بھی افضل یہ دعا ہے بسم اللہ وباللہ اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنے سے سارا جسم پاک اور صاف ہو جاتا ہے ویسے بھی ہر اچھے کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرنا مستحب ہے تاکہ اس میں خیرو برکت ہو بعض روایات میں اس کی اس قدر تاکید وارد ہوئی ہے کہ اگر بسم اللہ کے بغیر وضو کیا جائے تو اس کا اعادہ کرنا چاہئے۔ (الاستبصار)

۳۔ داہنے ہاتھ سے چلو بھرنا حتیٰ کہ جب خود داہنے ہاتھ کو دھونا ہو تب بھی افضل ہے کہ پہلے داہنے ہاتھ میں پانی لے کر بائیں پر ڈالنا چاہئے اور پھر اس سے دایاں ہاتھ دھویا جائے۔ وجہ ظاہر ہے کہ

۔ وارد فضیلت یمین بریسار

اسی لئے ہر اچھا کام داہنے ہاتھ سے کرنا شرعاً" مرغوب ہے۔

۴۔ تین بار کلی کرنا تاکہ منہ صاف ہو جائے اور اس کی بدبو وغیرہ دور ہو جائے تاکہ آدمی حقیقی شہنشاہ سے مخاطبہ کے قابل ہو جائے اور منہ کے گناہوں کا کفارہ بھی ادا ہو جائے۔

۵۔ مسواک کرنا حدیث میں وارد ہے کہ مسواک کرنا انبیاء و مرسلینؑ کے اخلاق جمیلہ میں سے ہے۔ احادیث میں اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ اس کے طبی فوائد محتاج بیان نہیں ہیں اس سے دانت صاف ہوتے ہیں منہ کے رطوبات فاسدہ خارج ہوتے ہیں اگر دانت صاف نہ ہوں تو غذا کے ساتھ گندا مواد معدہ میں جاتا ہے جس سے نظام ہضم بگڑ جاتا ہے بالخصوص پائیوریا

کا سمی اثر سارے جسم میں سرایت کر جاتا ہے جس سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔

۶۔ تین بار ناک میں پانی ڈالنا تاکہ ناک کا گرد و غبار دور ہو جائے۔ دماغ میں ٹھنڈک پہنچ جائے اور مزید برآں ناک کے گناہوں کا کفارہ بھی بن جائے۔

۷۔ وضو ایک مد پانی (قریباً ۱۲ چھٹانک) سے کیا جائے۔ تاکہ اسراف و اقتار سے دامن بچ جائے۔ حضرت رسولؐ خدا فرماتے ہیں کہ **الوضو بمد والغسل بصاع و سیاتی اقوام من بعدی یستقلون ذلک فاولئک علی خلاف سنتی۔ والثابت علی سنتی معی فی خطیرۃ القدس** وضو ایک مد کے ساتھ اور غسل ایک صاع (قریباً تین سیر) پانی کے ساتھ ہے میرے بعد کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے۔ جو اس مقدار کو قلیل سمجھیں گے وہ میری سنت کے خلاف ہوں گے اور جو میری سنت پر قائم رہے گا۔ وہ جنت القدس میں میرے ہمراہ ہوگا۔ (الفقیہ)

۸۔ مرد بازو دھوتے وقت بیرونی حصہ پر پانی ڈالے اور عورت اندرونی حصہ پر اور اس مسئلہ میں پہلے اور دوسرے دھونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۹۔ وضو کرتے وقت آنکھیں کھولنا تاکہ ان میں صاف اور ستھرا پانی پڑنے سے ان کے امراض و اقذار دور ہو جائیں۔ موجودہ طبی ترقی کے دور میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آنکھوں کی کئی بیماریوں کا علاج صاف پانی کے چھینٹے مارنے میں پوشیدہ ہے حدیث میں وارد ہے کہ وضو کرتے وقت آنکھیں کھلی رکھو تاکہ وہ جہنم کی آگ نہ دیکھیں۔ (الوسائل)

۱۰۔ بنابر اقوی و اشہر منہ اور ہاتھوں کا دوبار دھونا' پہلی بار بالاتفاق واجب ہے اور دوسری بار مستحب ہے۔ احادیث میں اسے اسباغ الوضوء (یعنی وضوئے کامل) قرار دیا گیا ہے چونکہ دوسری بار دھونے کے استحباب میں فقہاء کے درمیان شدید اختلاف ہے اس لئے بعض علماء کی یہ تحقیق و تاویل بظاہر قابل قبول ہے کہ دوسری مرتبہ سنت کا مطلب دوسرا چلو ہے نہ کہ دوسرا دھونا۔ یعنی پہلا چلو واجب اور دوسرا مستحب ہے بایں ہمہ احوط استحبابی یہ ہے کہ ایک ایک چلو پر اکتفا کیا جائے۔

۱۱۔ رو بقبلہ بیٹھ کر وضو کرنا۔ تاکہ باعث یمن اور برکت ہو۔

۱۲۔ حضور قلب کے ساتھ وضو کرنا اور وضو کرتے وقت یہ سوچنا کہ کس احکم الحاکمین کے دربار

گوہر بار میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہا ہے تاکہ اس کے اندر خشوع و خضوع پیدا ہو۔ روایات میں وارد ہے کہ جب ائمہ اطہار علیہم السلام وضو فرماتے تھے تو شدت خوف و خشیت الٰہی سے ان کا رنگ مبارک زرد ہو جاتا تھا اور جسم اقدس میں کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ (مستدرک الوسائل وغیرہ)۔

۱۳۔ وضو کے بعد سورہ انا انزلنا پڑھنا' حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص وضو کے وقت سورہ قدر پڑھے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے کہ گویا ابھی شکم مادر سے باہر آیا ہے۔ (بحار الانوار ج ۱۸)

نیز علامہ مجلسی نے البلد الامین وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو شخص وضوئے کامل کے بعد انا انزلنا پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اللھم انی اسئلک تمام الوضو و تمام الصلوۃ و تمام رضوانک و تمام مغفر تک

۱۴۔ نیز وضو کے بعد آیت الکرسی پڑھنا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ فرمایا جو شخص وضو کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو خداوند عالم اسے چالیس سال کی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا' چالیس درجے بلند کرے گا اور چالیس حور العین کے ساتھ اس کی تزویج فرمائے گا۔ (حدائق ناضرہ)

۱۵۔ وضو کرتے وقت ان دعاؤں کا پڑھنا جو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام سے مروی ہیں مثلاً" جب وضو کرنے کا ارادہ کرے اور پانی پر نظر پڑے تو پڑھے۔ **بسم اللہ و باللہ والحمد للہ الذی جعل الماء طھورا ولم یجعلہ نجسا**"۔ پھر جب وضو سے پہلے ہاتھ دھونے لگے تو کہے **اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین**۔ کلی کرتے وقت یہ دعا پڑھے۔ **اللھم لقنی حجتی یوم القاک واطلق لسانی بذکرک**۔ ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ پڑھے۔ **اللھم لا تحرم علی ریح الجنۃ واجعلنی ممن یشم ریحھا وروحھا وطیبھا**۔ منہ دھوتے وقت یہ دعا پڑھے۔ **اللھم بیض وجھی یوم تسود فیہ الوجوہ ولا تسود وجھی یوم تبیض فیہ الوجوہ**۔ دایاں بازو دھوتے وقت یہ کہے۔" **اللھم اعطنی کتابی بیمینی والخلد فی الجنان بیساری و حاسبنی حسابا" یسیرا**"۔ بایاں بازو دھوتے وقت یہ پڑھے۔ ("**اللھم لا تعطنی کتابی بشمالی ولا من وراء ظھری ولا**

تجعلہا مغلولتہ الی عنقی واعوذ بک من مقطعات النیران) سر کا مسح کرتے وقت یہ پڑھے۔ (اللھم غشنی برحمتک وبر کاتک وعفوک) اور پاؤں کا مسح کرتے وقت یہ دعا پڑھے۔ اللھم ثبتنی علی الصراط یوم تزل فیہ الاقدام واجعل سعی فیما یرضیک عنی یا ذالجلال والاکرام۔

روایت میں وارد ہے کہ ایک بار حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ سے پانی منگوا کر بطریق معلوم وضو فرمایا اور ساتھ ساتھ مذکورہ بالا دعائیں بھی پڑھتے گئے آخر میں سر اٹھا کر جناب محمدؑ کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا! یا محمد! من تو ضا مثل وضوئی وقال مثل قولی خلق اللہ لہ من کل قطرۃ ملکا یقدسہ ویسبحہ ویکبّرہ فیکتب اللہ لہ ثواب ذلک الی یوم القیامتہ۔ اے محمدؑ! جو شخص میری طرح وضو کرے اور میری طرح یہ دعائیں پڑھے تو خدا اس کے آب وضو کے ہر ہر قطرہ سے ایک فرشتہ خلق فرمائے گا جو اس کی تسبیح و تقدیس و تکبیر کرے گا اور اس کا ثواب قیامت تک اس آدمی کے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔ (ثواب الاعمال شیخ صدوق، فروع کافی، فقیہ و تہذیب الاحکام وغیرہا)

مکروہات وضو

وضو میں بنابر مشہور آٹھ امور مکروہ ہیں۔ (۱) مقدمات قریبہ جیسے ہاتھ پر پانی ڈالنے میں دوسرے سے مدد لینا۔ کیونکہ عبادت خالصاً" لوجہ اللہ اور بلا شرکت غیرے ہونی چاہیے۔ (۲) بنابر مشہور وضو کی تری کو رومال وغیرہ سے خشک کرنا مکروہ ہے مگر یہ کراہت ثابت نہیں ہے۔ (۳) اس برتن سے وضو کرنا جس میں سونے چاندی کی کچھ آمیزش ہو کہ اس سے دنیا کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ (۴) دھوپ میں گرم شدہ پانی سے وضو کرنا کہ اس سے بیماری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ (۵) اس پانی سے وضو کرنا جس میں (نجاست کے بغیر) خود بخود بدبو پیدا ہوگئی ہو۔ کہ اس سے طبیعت متنفر ہوتی ہے اور مختلف بیماریوں کا باعث ہے۔ (۶) اس آب قلیل سے وضو کرنا جس میں سانپ یا بچھو یا چھپکلی مرجائے تاکہ اس کے زہریلے اثر سے محفوظ رہے۔ (۷) اس حیض والی عورت کے جوٹھے پانی سے وضو کرنا جو طہارت کے معاملہ میں سہل انگیزی کرنے میں متہم ہے۔ (۸) ہر حرام گوشت حیوان کے جوٹھے پانی سے وضو کرنا جبکہ اس کا جسم پاک ہو۔ وجہ

ظاہر ہے۔

؎ آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است

ثواب وضو

مناسب ہے کہ اس مبحث کے اختتام پر وضو کا کچھ ثواب بیان کر دیا جائے۔ (۱) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **من توضاء فاحسن الوضوء استوجب رضوان اللہ الا کبر وقال انی لاعرف امتی یوم القیامۃ باثار الوضوء وقالؐ تاتی امتی یوم القیامۃ غراء محجلین من اثار الوضوء۔** فرمایا جو شخص احسن طریقہ پر وضو کرے وہ خدا کی بڑی رضا مندی کا مستحق بن جاتا ہے نیز فرمایا میں بروز قیامت اپنی امت کو وضو کے آثار سے پہچانوں گا۔ کیونکہ میری امت کے اعضاء وضو روشن ہوں گے۔ (مستدرک الوسائل بحوالہ لب اللباب راوندی)

۲۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ **لا یحافظ علی الوضو الا کل مومن۔** وضو کی محافظت صرف مومن ہی کرتا ہے۔ (مستدرک الوسائل)

(۳) حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **من توضاء للمغرب کان وضوئہ کفارۃ لما مضی من ذنوبہ فی نہارہ ما خلا الکبائر و من توضاء لصلوۃ الصبح کان وضوئہ کفارۃ لما مضی من ذنوبہ فی لیلتہ ما خلا الکبائر۔** یعنی جو شخص نماز مغرب کے لئے وضو کرتا ہے تو یہ وضو سوائے گناہان کبیرہ کے اس کے دن کے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور جو شخص نماز صبح کے لئے وضو کرتا ہے تو یہ سوائے گناہان کبیرہ کے اس کے رات کے سب گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (ثواب الاعمال)

(۴)۔ ایک حدیث میں ہے۔ **من توضاء فاحسن الوضوء خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ۔** جو شخص احسن اور عمدہ طریقہ پر وضو کرے وہ گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے آج شکم مادر سے پیدا ہوا ہے۔ (مستدرک الوسائل)

(۵) اس سلسلہ میں حضرت امیر علیہ السلام کی ایک حدیث ابھی اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ (کتب اربعہ)

غسل جنابت اسکے اسرار' اسباب' غایات' واجبات اور احکام وغیرہ کا بیان

قبل ازیں وضو کے ذیل میں بیان کیا جاچکا ہے کہ حدث کی دو قسمیں ہیں ایک حدث اصغر (جو وضو کرنے سے زائل ہو جاتا ہے) دوسرا حدث اکبر (جو غسل کرنے سے زائل ہوتا ہے) اس طرح طہارت کی بھی دو قسمیں ہو جائیں گی۔ (۱) طہارت صغریٰ (۲) طہارت کبریٰ۔ اب جبکہ ہم بفضلہ تعالیٰ طہارت صغریٰ کے بیان سے فارغ ہوچکے ہیں تو طہارت کبریٰ کا بیان شروع کرتے ہیں سو واضح ہو کہ غسل دو قسم کے ہیں۔ (۱) غسل واجب' (۲) غسل مستحب' غسلہائے واجب دراصل چھ ہیں۔ (۱) غسل جنابت' (۲) غسل حیض' (۳) غسل نفاس' (۴) غسل استحاضہ' (۵) غسل مس میت اور (۶) غسل میت۔

اغسال واجبہ کا بیان

اگرچہ کبھی کبھار نذر اور قسم وغیرہ کی وجہ سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے مگر اس کا وجوب چونکہ عارضی ہے اس لئے ہم نے اس کا شمار اغسال واجبہ میں نہیں کیا۔ بہرکیف یہاں پہلے غسل جنابت اور اس کے متعلقات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

غسل جنابت کے وجوب کے اسرار و رموز

پہلا راز:۔ مادہ منویہ چونکہ سارے جسم سے نکلتا ہے اسی لئے خدائے حکیم نے اس کا نام قرآن میں "سلالہ" رکھا ہے۔ **"ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین"** ہم نے انسان کو مٹی کے کھچے ہوئے جوہر سے پیدا کیا ہے۔ الغرض منی تمام بدن کا نچوڑ ہے جو بدن سے رواں ہو کر پشت کے راستہ سے عضو مخصوص سے باہر نکلتی ہے اس لئے اس کے نکلنے کے بعد سارا جسم کمزور اور سست پڑ جاتا ہے بالخصوص اس کا دماغ اور اعصاب پر خاص اثر پڑتا ہے اس لئے شریعت مقدسہ نے سارے جسم کا غسل واجب قرار دیا ہے تاکہ اس کی وجہ سے پیدا شدہ اندرونی کثافت و بیرونی نجاست اور کمزوری و کاہلی دور ہو جائے۔ بخلاف پیشاب و پاخانہ کے جو سارے جسم سے خارج نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ ہر اس غذا کے فضلے ہیں جو منہ سے داخل ہوئی کچھ حصہ جزو بدن بن گیا اور باقی حصہ فضلہ بن کر دوسرے راستہ سے خارج ہوگیا۔ علاوہ بریں چونکہ

جنابت والی کیفیت تو کبھی کبھار طاری ہوتی ہے اور بول و براز کا سلسلہ قریباً" ہر وقت جاری رہتا ہے لہٰذا اگر ان کی وجہ سے غسل واجب قرار دیا جاتا تو ناقابل برداشت تکلیف لازم آتی جو خدا کی رحمت واسعہ کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ اس لئے ان کے لئے صرف وضو واجب قرار دیا گیا۔

دوسرا راز۔ ماہر طبیبوں اور قابل ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ جماع سے بدنی قوت کی جو تحلیل ہوتی ہے اور طبیعت میں کمزوری واقع ہوتی ہے پانی سے غسل کرنے سے وہ تحلیل شدہ قوتیں بحال ہو جاتی ہیں کمزوری دور ہو جاتی ہے اور جسم و جان میں فرحت و انبساط کی لہر دوڑ جاتی ہے لہٰذا چونکہ غسل جسم و روح ہر دو کے لئے مفید ہے اس لئے شارع علیہ السلام نے بحکم پروردگار اسے واجب قرار دیا ہے۔

تیسرا راز۔ مادہ منویہ کے خروج کے وقت جسم کے سارے مسامات کھل جاتے ہیں اور پسینہ وغیرہ کے ذریعہ اندرونی حصہ کے گندے مواد نکل کر جسم کے بیرونی حصہ پر جم جاتے ہیں جن کی وجہ سے مختلف امراض کے پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے شریعت طاہرہ نے غسل کو واجب قرار دیا ہے تاکہ یہ درپیش خطرہ ٹل جائے اور جسم صحیح و سالم رہے۔

چوتھا راز۔ جنابت کی وجہ سے انسان کے اندر ایک ایسی کثافت پیدا ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے انسان پاکیزہ نفوس یعنی ملائکہ کرام سے دور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس حالت میں انسان کو مقدس مقامات جیسے مساجد وغیرہ میں داخل ہونے اور عبادت خدا بجالانے سے روک دیا جاتا ہے اس لئے طہارت کبریٰ کا حکم دیا گیا تاکہ یہ بُعد اور دوری دور ہو اور قرب معنوی اور روحانی حاصل ہو اور انسان خالق کائنات جیسی پاک ذات سے مخاطب ہونے کے قابل ہو سکے۔

غسل جنابت کے اسباب

بالاتفاق غسل جنابت کا سبب دو چیزیں ہیں۔

اول منی کا نکلنا' منی خواہ مقاربت کی وجہ سے خارج ہو یا کسی اور وجہ سے حالت بیداری میں خارج ہو یا حالت خواب میں حالت اختیاری میں خارج ہو یا حالت بے اختیاری میں بہرحال اس کے نکلنے سے غسل جنابت واجب ہو جاتا ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱ = اگر انسان کو یقین ہو جائے کہ خارج ہونے والی رطوبت منی ہے تو پھر اس پر جنابت والے تمام احکام مترتب ہوں گے۔ اگرچہ اس میں مادہ منویہ والے علامات نہ بھی پائے جاتے ہوں اور اگرچہ یہ مادہ بقدر سر سوزن ہی ہو اور اگر یہ شک ہو کہ یہ مادہ منویہ ہے یا کوئی اور مادہ ہے تو پھر علامات کے ذریعے اس کی تشخیص کی جائے گی اور وہ علامات صحیح المزاج آدمی میں تین ہیں۔ (۱) شہوت و التذاذ کے ساتھ نکلے۔ (۲) اس کے نکلنے کے بعد جسم ڈھیلا پڑ جائے۔ (۳) ٹپک کر نکلے اور مریض میں صرف پہلی دو علامات کافی ہیں وہاں بوجہ کمزوری ٹپک کر نکلنا شرط نہیں ہے۔

مسئلہ ۲ = اگر انسان حالت خواب یا بیداری میں یہ محسوس کرے کہ منی اپنی جگہ سے حرکت کر چکی ہے لیکن باہر خارج نہ ہو تو اس صورت میں غسل واجب نہ ہوگا اور یہی حکم اس صورت کا ہے جبکہ شک ہو کہ منی باہر نکلی ہے یا نہ؟ (کہ اس سے غسل واجب نہ ہوگا)

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی انسان سوئے اور اسے احتلام کا کوئی احساس نہ ہو لیکن بیدار ہونے پر اپنے کپڑے پر منی دیکھے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اسے یقین ہو جائے کہ وہ منی اسی کی ہے تو اس پر غسل واجب ہو جائے گا اور ہر اس نماز کی قضا بھی واجب ہوگی جس کے متعلق یقین ہو کہ وہ کپڑے کی نجاست کی حالت میں پڑھی گئی ہے اور اگر یہ یقین نہ ہو تو پھر غسل واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ ۴ = اگر ایک کپڑا دو یا دو سے زائد اشخاص میں مشترک ہے یعنی سب باری باری اسے استعمال کرتے ہیں تو اگر اس پر منی لگی ہوئی ہو تو کسی پر بھی غسل واجب نہ ہوگا (احتیاط چیزے دیگر است)

مسئلہ ۵ = اگر عادی مقام کے علاوہ کسی اور جگہ سے اپنی مقررہ علامات کے ساتھ منی خارج ہو تو بنابر مشہور و منصور اس پر منی کے احکام مترتب ہوں گے۔

دوم جماع = غسل جنابت کا دوسرا سبب مجامعت ہے خواہ منی خارج ہو یا نہ ہو پس جب

سرحشفہ یا مقطوع الحشفہ کے باقی ماندہ عضو کی اتنی مقدار مقام مخصوص میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱ = جب اس طرح جماع ثابت ہو جائے تو غسل جنابت فاعل و مفعول ہر دو پر واجب ہو جائے گا اور اس سلسلہ میں صغیر و کبیر' دیوانہ و فرزانہ' با اختیار و بے اختیار بلکہ بنابر مشہور مسلم و کافر[1] کے درمیان بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

مسئلہ ۲ = جب اس بات میں شک ہو کہ شرعی جماع ثابت ہوا ہے یا نہ؟ یعنی آیا سرحشفہ غائب ہوا ہے یا نہ؟ تو غسل جنابت واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ ۳ = منی خارج ہونے کے بعد بطور استبراء پیشاب کرنا مستحب ہے اگر اس کے بعد کوئی مشتبہ رطوبت خارج ہوئی تو اسے پاک سمجھا جائے گا لیکن اگر پیشاب کے بعد استبراء نہ کیا گیا تو خارج ہونے والی رطوبت منی کے حکم میں سمجھی جائے گی۔

غسل جنابت کے اغراض و غایات

جیسا کہ وضو کی بحث میں بیان کیا جاچکا ہے کہ بنابر مشہور و منصور وضو اور غسل کا وجوب نفسی نہیں بلکہ غیری ہے۔

---

[1] کیونکہ بنابر قول مشہور کفار فروع دین کے اسی طرح مکلف ہیں جس طرح اصول دین کے ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ حالت کفر میں ان کے اعمال و عبادات صحیح نہیں ہیں۔ مگر اسکے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ کفار فروع دین کے مکلف نہیں ہیں۔ نتیجہ دو باتوں میں ظاہر ہوگا۔ اول' دنیا میں کہ اسلام لانے کے بعد جن باتوں کی شریعت مقدسہ نے ان کو معافی دی ہے جیسے نماز' روزہ وغیرہ کی قضا مثلاً" تو وہ تو معاف باقی جن چیزوں کی معافی ثابت نہ ہوئی جیسے غسل جنابت وغیرہ وہ کرنا پڑے گا۔

تو اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کہ جو غرض و غایت وضو کے وجوب کی ہے وہی غرض و غایت غسل کے وجوب کی بھی ہے۔ یعنی وہ چیزیں جن کی بجا آوری غسل پر موقوف ہے وہ دو تو وہی ہیں جو وضو میں تھیں یعنی ایک نماز واجبی کی ادئگی دوسرے طواف کعبہ کی بجا آوری۔

۳۔ ہاں البتہ غسل میں ایک اور غرض و غایت زیادہ ہے اور وہ ہے ماہ رمضان کا روزہ رکھنا یا اس کی قضا کرنا کیونکہ ماہ رمضان یا کسی قضا کے روزہ کی صحت اس بات پر موقوف ہے کہ صبح صادق کے وقت آدمی پاک ہو۔ لہٰذا جو شخص رات کو جنب ہو اور پھر جان بوجھ کر اسی حالت میں رہے یہاں تک صبح صادق طلوع ہو جائے تو اس کا روزہ باطل متصور ہو گا ور اس پر علی الاقوی قضا و کفارہ ہردو واجب ہوں گے۔ بالاصل تو یہی تین اغراض ہیں لیکن کبھی بالعرض منت وغیرہ کی وجہ سے بھی واجب ہو جاتا ہے۔ جیسے حروف قرآنی کو مس کرنے کی منت مانی جائے یا قسم کھائی جائے تو منت پوری ہونے کی صورت میں جنب پر غسل واجب ہو جائے گا تاکہ حروف و نقوش قرآنی کو مس کر کے ایفاء نذر کر سکے۔

تبصرہ

جہاں تک مستحبی نماز اور طواف کا تعلق ہے تو گو غسل جنابت ان کی صحت کی شرط ہے تاہم واجب نہیں ہے کیونکہ جب یہ نماز و طواف خود واجب نہیں ہیں تو ان کے لئے غسل کس طرح واجب ہو سکتا ہے؟

غسل جنابت کے محرمات

یعنی وہ چیزیں جو جنب آدمی پر حرام ہیں اور وہ پانچ ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کے حروف کو کسی بھی جزو بدن سے مس کرنا نیز خدا وند عالم کے ذاتی و صفاتی اسماء

"بقایا حاشیہ از صفحہ ۱۳۵"

دوم' آخرت میں کہ مشہور قول کی بناء پر ان کو دوہرا عذاب و عقاب ہوگا ایک ترک اصول کا دوسرا ترک فروع کا اور دوسرے قول کی بناء پر صرف اصول دین کے ترک پر اکہرا عذاب ہوگا۔

وعندی فی ہذہ المسئلۃ اشکال ولیس ھھنا محل تحقیق الکلام والتفص والا برام واللہ العالم بحقائق الاحکام (منہ عفی عنہ)

مقدسہ کا بھی یہی حکم ہے اور فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم نے بغرض تعظیم و تکریم انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے اسماء مبارکہ کا بھی احتیاطاً یہی حکم قرار دیا ہے۔

۲۔ مساجد میں ٹھہرنا اور احتیاطاً ائمہ علیہم السلام کے مشاہد مقدسہ کا بھی یہی حکم ہے۔

۳۔ مسجد الحرام اور مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرنا تو بجائے خود ان سے گزرنا بھی حرام ہے جبکہ دوسرے مساجد سے گزرنا جائز ہے۔

۴۔ حالت جنب میں مساجد کے اندر جا کر کوئی چیز رکھنا۔

ظاہر ہے کہ یہ احکام مساجد کے احترام کے پیش نظر مقرر کئے گئے ہیں چونکہ ان کی اصل غرض و غایت عبادت پروردگار ہے لہذا جنب آدمی کے لئے ایسی حالت میں ان میں سے بعض کے اندر داخل ہونا اور بعض میں ٹھہرنا علی قدر المنازل حرام قرار دیا گیا۔

۵۔ وہ چار قرآنی سورتیں جن میں سجدہ واجب ہے یعنی سورہ الم سجدہ (پارہ ۲۱) سورہ حم سجدہ (پارہ ۲۴) سورہ النجم (پارہ ۲۷) سورہ اقرا (پارہ ۳۰) پس ان سورتوں کا بلکہ علی الاحوط ان کے بعض اجزاء کا پڑھنا بھی حرام ہے اگرچہ اقوی یہ ہے کہ یہ حرمت صرف ان آیات کے ساتھ مخصوص ہے جن میں سجدہ وارد ہے واللہ العالم

غسل جنابت کے مکروہات

یعنی وہ چیزیں جو جنب آدمی کے لئے مکروہ ہیں وہ چھ ہیں

۱۔ کھانا پینا۔ اگرچہ ہاتھ دھونے، کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سے یہ کراہت زائل ہو جاتی ہے مگر افضل یہ ہے کہ اس غرض کے لئے کامل وضو کیا جائے اگر ایسا نہ کیا جائے تو فقر اور بھلبہری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

۲۔ سونا۔ ہاں البتہ وضو کر لینے سے یہ کراہت خفیف ہو جاتی ہے اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اسی نجاست کی حالت میں اسکی موت واقع ہو اور یہ بات عند اللہ پسندیدہ نہیں ہے۔

۳۔ مشہور یہ ہے کہ ان سورتوں کے علاوہ جن میں واجبی سجدے ہیں باقی سورتوں میں سے سات یا زیادہ سے زیادہ ستر آیات سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے۔ اگرچہ یہ قول احتیاط کے مطابق ہے مگر ان مخصوص سورتوں کے علاوہ باقی قرآن کی تلاوت کا جواز علی الاطلاق قوت سے خالی نہیں ہے کیونکہ ذکر خدا ہر حال میں مباح ہے اور بعض روایات صحیحہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔

۴۔ اصل قرآن مجید کے علاوہ اسکی جلد، ورق اور حاشیہ وغیرہ کو چھونا اور اس کا اٹھانا یا گردن میں ڈالنا یہ کراہت صرف قرآن مجید کے مزید احترام کی خاطر مقرر کی گئی ہے۔

۵۔ خضاب لگانا۔ جیسا کہ خضاب لگائے ہوئے آدمی کے لئے اپنے آپ کو اس وقت تک جنب کرنا مکروہ ہے۔ جب تک خضاب اپنا رنگ نہ پکڑ لے۔

۶۔ جو آدمی احتلام کی وجہ سے جنب ہو اس کے لئے قبل از غسل یا وضو مجامعت کرنا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک بار احتلام سے جسم میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا اثر تولیدی جرثوموں پر پڑتا ہے یعنی وہ کمزور ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے مولود پر بھی لازماً" اثر پڑتا ہے اس لئے وضو یا غسل کر کے اس کا سد باب کر لینا چاہئے۔

غسل جنابت کے واجبات و شرائط

غسل کے واجبات اور شرائط بعینہ وہی ہیں جو وضو کے ہیں جیسے نیت کرنا بنا پر مشہور پانی کا آب مطلق اور پاک ہونا اور پانی اور مقام غسل کا غصبی نہ ہونا وغیرہ وغیرہ ہاں یہاں صرف دو باتوں میں فرق ہے اول یہ کہ غسل میں موالات کی شرط نہیں ہے دوم یہاں اوپر سے نیچے کی طرف دھونا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا الٹا کرنا بھی مباح ہے تفصیل کے لئے شرائط وضو کی طرف رجوع کیا جائے۔

غسل جنابت کے مستحبات

غسل جنابت کے مستحبات بناء بر مشہور دس ہیں۔

۱۔ منی نکلنے کے بعد پیشاب کے ذریعہ استبراء کرنا تاکہ اگر نالی میں کچھ منی کا بقیہ موجود ہے تو وہ خارج ہو جائے۔

۲۔ برتن میں ہاتھ ڈالنے او غسل کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو تین بار دھویا جائے اس کے بعد جس سے ظاہری نجاست زائل کی جائے اور پھر غسل کیا جائے۔ اگرچہ اکثر روایات سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اس کشادہ برتن کے ساتھ مختص ہے جس میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا جائے تاکہ نجاست وھمیہ دور ہو جائے مگر فقہاء کرام نے یہ استحباب مطلقاً" ذکر کیا ہے اگرچہ غسل ارتماسی ہی کیوں نہ کرنا ہو بہر حال یہ قول اگرچہ دلیل سے خالی ہے مگر احتیاط کی مطابق ہونے کی بنا پر قابل قبول ہے۔

۳۔ ہاتھ دھونے اور ظاہری نجاست کو زائل کرنے کے بعد کلی کرنا ور ناک میں پانی ڈالنا۔ اگرچہ ایک ایک دفعہ کافی ہے مگر تین تین دفعہ ایسا کرنا افضل ہے۔

۴۔ بناء مشہور ہاتھ دھونے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا (اگرچہ اس کے بعد پڑھنے سے بھی یہ مستحب ادا ہو جاتا ہے) کیونکہ جس کام کی ابتداء بسم اللہ سے نہ کی جائے وہ ناقص ہوتا ہے۔

۵۔ غسل ترتیبی میں ہاتھ سے جسم کا ملنا تاکہ سارے جسم تک باآسانی پانی پہنچ جائے۔

۶۔ ان چیزوں کو حرکت دینا جن کو حرکت دیئے بغیر بھی پانی ان کے نیچے جسم تک پہنچ جاتا ہے جیسے کھلی انگوٹھی، کھلا کنگن، یا پیٹ وغیرہ کا لٹکا ہوا چمڑہ تاکہ ہر ہر جزء بدن تک پانی کے پہنچنے کا یقین کامل حاصل ہو جائے۔

۷۔ غسل میں موالات اگرچہ واجب نہیں مگر فقہاء نے اسے مسارعت الی الخیر کے تحت مستحب قرار دیا ہے۔ مگر یہ اور اس سے پہلے مستحب نمبر۶ پر کوئی نص موجود نہیں ہے۔

۸۔ ایک صاع (قریباً" تین سیر) پانی سے غسل کرنا جیسا کہ مستحبات وضو میں بھی اس کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔

۹۔ سر کو تین مرتبہ اور بدن کے دونوں حصوں کو دو دو مرتبہ دھونا۔

۱۰۔ غسل کرتے وقت اور اس کے بعد آئمہ اطہار علیہم السلام سے منقول شدہ دعائیں پڑھنا مثلاً" غسل جنابت کرتے وقت یہ دعا پڑھنا۔ **اللھم طھر قلبی و تقبل سعی واجعل ما عندک خیرا لی اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین۔** اور غسل کے بعد یہ دعا پڑھنا **اللھم طھر قلبی وزک عملی واجعل ماعندک خیرالی اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین** (کتاب مقنعہ شیخ مفید)

غسل جنابت کی کیفیت

پوشیدہ نہ رہے غسل جنابت کے دو طریقے ہیں پہلا غسل ترتیبی اور دوسرا غسل ارتماسی اور ان میں سے افضل غسل ترتیبی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ظاہری نجاست کو دور کرنے کے بعد نیت کر کے پہلے سر کو گردن سمیت دھویا جائے اس کے بعد جسم کا دایاں حصہ اور بعد ازاں بایاں حصہ اگرچہ واجب ایک ایک مرتبہ دھونا ہے مگر مستحب یہ ہے کہ سر کو تین بار اور دونوں حصوں کو دو دو بار دھویا جائے اور غسل ارتماسی کا طریقہ یہ ہے کہ بدن سے

نجاست زائل کرنے کے بعد نیت کر کے یکبارگی آب کثیر میں اس طرح غوطہ لگایا جائے کہ سارا جسم پانی میں چھپ جائے اور اگر پاؤں زمین پر ہوں تو ان کو بھی اوپر اٹھا لیا جائے تاکہ ان کے نیچے بھی پانی پہنچ جائے۔

غسل جنابت کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ قبل ازیں وضو کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ نیت میں وجوب یا استحباب کا قصد کرنا ضروری نہیں ہے لہٰذا اگر صرف بقصد قربت مطلقہ غسل کیا جائے تو کافی ہے خواہ وقت عبادت داخل ہونے کے بعد کیا جائے یا اس سے پہلے۔

مسئلہ ۲۔ غسل ترتیبی میں بہتر یہ ہے کہ جس جانب کو دھویا جائے دوسری جانب کی تھوڑی سی مقدار اس میں شامل کر لی جائے تاکہ ہر طرف کے مکمل دھلنے کا یقین کامل ہو جائے۔

مسئلہ ۳۔ اگر غسل کے بعد معلوم ہو کہ بدن کا کچھ حصہ خشک رہ گیا ہے تو اگرچہ روایات سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ صرف اسی خشک جگہ کو دھو لینا کافی ہے۔ مگر بنابر قول مشہور احوط یہ ہے کہ اس جگہ کو اس طرح دھویا جائے کہ ترتیب بحال رہے مثلاً اگر وہ خشک جگہ جسم کے داہنے حصہ میں ہے تو اس کے دھونے کے بعد بائیں حصہ کو بھی دوبارہ دھو لیا جائے۔ وھکذا

مسئلہ ۵۔ جنب حرام کا پسینہ چونکہ احتیاط واجب کی بناء پر نجس ہے لہٰذا اگر گرم پانی سے غسل کیا جائے تو چونکہ فوراً پسینہ آجانے کی وجہ سے جسم پھر نجس ہو جائے گا اس لئے طہارت حاصل نہ ہو سکے گی لہٰذا ایسا شخص یا تو ٹھنڈے پانی سے غسل کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر گرم پانی میں غسل ارتماسی کرے اور اگر ترتیبی کی فضیلت حاصل کرنا چاہے تو پانی کے اندر نیت کر کے ایک بار سر و گردن کو دوسری بار داہنی طرف کو اور تیسری بار بائیں جانب کو حرکت دے۔

مسئلہ ۶۔ اگر جسم پر کوئی ایسی چیز ہے جو پانی کو اس کے نیچے پہنچنے سے مانع ہے تو اسے غسل سے پہلے اتار دینا چاہئے لہٰذا اگر غسل ارتماسی کرنے کے بعد معلوم ہو کہ بدن کا کچھ حصہ خشک رہ گیا ہے تو دوبارہ غسل کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۷۔ غسل کرتے وقت ان چھوٹے چھوٹے بالوں کو تو دھونا چاہئے جو جزو بدن سمجھے جاتے ہیں۔ مگر لمبے لمبے بالوں کا دھونا ضروری نہیں ہے۔ جبکہ ان کے نیچے والے چمڑے تک پانی با آسانی پہنچ جائے۔

مسئلہ ۸۔ جس شخص کے ذمہ چند غسل ہوں تو سب کی نیت سے ایک ہی غسل کرنا کافی ہے۔

مسئلہ ۹۔ نہ صرف غسل جنابت بلکہ بنابر اقوی ہرواجبی غسل کے بعد یا اس سے پہلے وضو کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ متعدد روایات اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ "**ای وضوء انقی من الغسل**" کونسا وضو غسل سے زیادہ باعث طہارت ہے اور بہت سے علماء محققین مثل عالم ربانی شیخ یوسف بحرانی، فاضل صمدانی شیخ عبداللہ مامقانی اور عالم آل عبا شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء وغیرہم اسی کے قائل ہیں۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر غسل کرتے وقت حدث اصغر صادر ہو جائے (جو موجب وضو ہوتا ہے) تو اس میں شدید اختلاف ہے کہ آیا اس سے غسل باطل ہو جائے گا یا نہ تو اقوی یہ ہے کہ اس سے غسل باطل نہیں ہوگا۔ البتہ احتیاطاً بعد میں وضو کر لیا جائے لیکن احوط و افضل یہ ہے کہ اس غسل کو مکمل کرنے کے بعد وضو کیا جائے اور بعد ازاں اس غسل کا اعادہ کر لیا جائے۔ **واللہ العالم**

مسئلہ ۱۱۔ اگر غسل کے بعد کچھ مشتبہ رطوبت خارج ہو جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکے۔ کہ وہ منی ہے یا پیشاب یا کوئی اور چیز؟ تو اگر غسل سے پہلے پیشاب کے ذریعے استبراء کر لیا تھا تو پھر غسل صحیح ہے ورنہ دوبارہ غسل کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۱۲۔ اگر حمام میں غسل کرتے وقت اجرت نہ دینے کا قصد کرے یا حرام رقم سے ادا کرنے کا ارادہ ہو تو بنابر مشہور اس کا یہ غسل باطل متصور ہوگا۔ **واللہ العالم بحقائق احکامہ اونوابہ القائمون مقامہ**

غسل حیض کے اسرار و رموز، اس کے اسباب اور احکام کا بیان

غسل حیض کے اسرار

جہاں تک غسل حیض و نفاس وغیرہ کے وجوب اور اس کے اسرار و رموز کا تعلق ہے تو علاوہ ان حکم و مصالح کے جو غسل جنابت کے باب میں مذکور ہیں اس کی ایک حکمت اور مصلحت تو یہ ہے کہ خدائے حکیم نے قرآن کریم میں حیض کو (اور نفاس بھی در حقیقت خون حیض ہی ہوتا ہے) گندگی (اذی) قرار دیا ہے اور جب ایسی گندگی کئی بار صادر ہو اور جسم اس سے آلودہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کثافت سے نفس انسانی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے کیونکہ جسم و

روح کے درمیان جو ربط و تعلق ہے وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے اس لئے شرع اطہر میں یہ غسل واجب قرار دیا گیا ہے تاکہ وہ کثافت نفسی دور ہو جائے علاوہ بریں یہ حقیقت بھی نا قابل انکار ہے کہ جسم سے اس قسم کا خون نکلنے سے اعصاب میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ تو پانی سے غسل کرنے سے جہاں ظاہری و باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے وہاں وہ اعصابی کمزوری بھی دور ہو جاتی ہے اور اعصاب حسب سابق طاقتور و توانا اور ترو تازہ ہو جاتے ہیں۔

غسل حیض کے اسباب

غسل حیض کا سبب صرف ایک ہے اور وہ ہے خون حیض کا آنا و بس

خون حیض کی حد بندی

خون حیض وہ خون ہے جو خدائے حکیم نے بعض مصالح کے پیش نظر عورت کے رحم میں پیدا کیا ہے جو عورت کو بلوغ کے بعد اور سن یأس سے پہلے غالباً" ہر ماہ ایک بار آتا ہے جو غالباً" سیاہی مائل، گاڑھا اور گرم، قدرے زور اور سوزش سے نکلتا ہے اور وہ تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ سن یأس اس سن کو کہا جاتا ہے جس تک پہنچنے کے بعد قدرتی طور پر حیض کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور وہ سن بناء بر مشہور قرشیہ و ہاشمیہ عورت میں ساٹھ سال اور غیر قرشیہ میں پچاس سال ہے۔ لہٰذا وہ خون جو نو سال سے پہلے لڑکی کو آئے یا مذکورہ بالا سن یأس کے بعد عورت کو آئے وہ خون حیض نہ ہو گا بلکہ کسی اور عارضہ کی وجہ سے ہو گا۔ قرشیہ عورت وہ ہے جس کا سلسلہ نسب شرعی طریقہ سے نضر بن کنانہ (جد قریش) تک پہنچ جائے۔

مسئلہ ۲۔ ایک لڑکی کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی عمر مکمل نو سال کی ہو چکی ہے یا نہ اگر وہ خون دیکھے اور اس میں حیض والی علامات موجود ہوں تو اسے خون حیض تصور کیا جائے گا اور اسے اس لڑکی کی بلوغت کی اور اس کے نو سالہ ہونے کی علامت سمجھا جائے گا اس بنا پر کہ علی الاطلاق نو سال کی عمر کو لڑکی کی بلوغت کے لئے کافی سمجھا جائے اس کی تحقیق باب الصوم میں پیش کیا جائے گی۔ انشاء اللہ

مسئلہ ۳۔ جب تک عورت کو سن یأس تک پہنچنے کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اسے جو

خون آئے گا سے خون حیض ہی سمجھا جائے گا۔

مسئلہ ۴۔ تحقیق قول کے مطابق خون حیض حمل کے ایام میں بھی آسکتا ہے جبکہ زیادہ مقدار میں موجود ہو لہٰذا اگر یہ خون عورت کے ایام عادت میں آئے تو حاملہ عورت بھی احکام حیض پر عمل کرے گی۔

مسئلہ ۵۔ خون حیض کے رنگ اور قوام کے متعلق ابھی اوپر جو علامتیں بیان کی گئی ہیں یہ تغلیبی ہیں حتمی نہیں ہیں لہٰذا جو خون عورت کو ایام عادت میں آئے اسے خون حیض ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ اس میں یہ علامات نہ بھی پائی جاتی ہوں اور جو ایام عادت کے بعد آئے اسے حیض نہیں سمجھا جائے گا اگرچہ اس میں خون حیض والی علامات موجود ہی ہوں۔

مسئلہ ۶۔ مشہور یہ ہے کہ حیض میں کم از کم تین دن خون کا مسلسل آنا شرط ہے۔ لہٰذا اگر تین دن سے کم آئے اور پھر رک جائے خواہ چند دن کے بعد پھر آبھی جائے مگر وہ خون حیض نہ ہوگا لیکن اقوی یہ ہے کہ اس میں تسلسل شرط نہیں ہے لہٰذا اگر ایک دو روز خون آکر رک جائے اور دو چار دن کے بعد پھر آنا شروع ہو جائے اور دس دن کے اندر اندر ختم ہو جائے یعنی پہلے خون اور موجودہ خون اور درمیان کے خالی دنوں کی مجموعی تعداد دس دن سے زائد نہ ہو تو پہلا اور پچھلا خون خون حیض سمجھا جائے گا لہٰذا ان دنوں میں عورت اپنے آپ کو حائض سمجھ کر احکام حیض پر عمل کرے گی اور خالی دنوں میں پاک عورتوں کی طرح نماز روزہ وغیرہ کی پابندی کرے گی جیسا کہ صحیحہ یونس از صادق آل محمد علیہ السلام اس پر بالصراحت دلالت کرتی ہے اور احوط یہ ہے کہ درمیان کے خالی دنوں میں حائض کے تروک اور پاک عورت کے اعمال کو جمع کرے مثلاً" قرآنی حروف کو مس نہ کرے مسجد میں داخل نہ ہو اور مرد سے جمع نہ ہو وغیرہ وغیرہ اور نماز پڑھے روزہ رکھے وغیرہ وغیرہ۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۷۔ اگر باکرہ لڑکی کو پردہ بکارت زائل ہونے کے بعد خون آنا شروع ہو جائے اور پھر طول پکڑ جائے اور علامات خون سے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ خون بکارت ہے یا خون حیض؟ تو اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عورت کو تھوڑی سی کپاس اندام نہانی میں رکھے اور کچھ دیر کے بعد نکال کر دیکھے پس اگر تو خون طوق کے مانند گول دائرہ کی شکل میں صرف کپاس کے اطراف میں لگا ہے تو وہ خون بکارت ہے اور اگر ساری کپاس کو لگا ہے تو وہ خون حیض ہے۔ (کما ورد فی الاخبار عن السادۃ الاطہار)

مسئلہ ۸۔ اگر خون حیض کا کسی اندرونی زخم یا پھوڑے وغیرہ کے خون سے اشتباہ ہو جائے تو تہذیب الاحکام کی ایک روایت اور مشہور فتوی کے مطابق عورت کو چاہئے کہ وہ چت لیٹ کر اندام نہانی میں انگلی داخل کرے پس اگر دائیں جانب سے خون نکلے تو وہ خون حیض ہے اور اگر بائیں طرف سے خارج ہو تو وہ زخم یا پھوڑے وغیرہ کا خون ہے لیکن فروع کافی کی روایت اور بعض علماء کا فتوی اس کے برعکس ہے اس لئے یہ مسئلہ اشکال و تردد سے خالی نہیں ہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۹۔ دو حیضوں کے درمیان کم از کم دس دن کا فاصلہ ضروری ہے جسے اقل طہر کہا جاتا ہے اور زیادہ فاصلہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر خون حیض و استحاضہ میں اشتباہ ہو جائے تو خون کی مقررہ علامات کی طرف رجوع کر کے فیصلہ کیا جائے گا۔

غسل حیض کے غایات

غسل حیض کی غرض و غایت وہی ہے جو غسل جنابت کے سلسلہ میں بیان ہو چکی ہے۔ یعنی واجبی نماز اور واجبی طواف کی ادائیگی کے لئے واجب اور دیگر وہ مستحبی امور جو مشروط بطہارت ہیں ان کی انجام دہی کے لئے مستحب ہے اسکی باقی تفصیلات وضو اور غسل کے مقام میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

حائض کے محرمات

حیض والی عورت پر بعینہ وہی چیزیں حرام ہیں جو جنب مرد و عورت پر حرام ہیں جیسے قرآن مجید کے حروف کا مس کرنا' مساجد میں ٹھہرنا اور مسجد الحرام و مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزرنا بنا بر مشہور ان سورتوں کا پڑھنا جن میں واجبی سجدے ہیں اور بناء بر اقوی صرف ان کی آیات سجدہ کا پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔

ان محرمات کے علاوہ یہاں دو چیزیں مزید حرام ہیں

اول۔ یہ کہ حالت حیض میں اس سے مقاربت کرنا حرام اور باعث کفارہ گناہ ہے اگرچہ بقدر ختنہ کے دخول ہو اور انزال بھی نہ ہو پھر جتنی بار مقاربت کی جائے گی اتنی بار کفارہ لازم ہو گا اور وہ حیض کے پہلے حصہ میں ایک دینار درمیانی حصہ میں نصف دینار اور آخری حصہ میں ربع دینار

ہے۔ ہاں جب خون حیض بالکل ختم ہو جائے مگر ہنوز غسل نہ کیا ہو تو اندام نہانی کو صاف کرنے کے بعد مقاربت کرنا حرام نہیں ہے بلکہ صرف مکروہ ہے۔

دوم۔ تین شرطوں کے ساتھ حیض والی عورت کو طلاق دینا صحیح نہیں ہے اول یہ کہ عورت مدخولہ ہو۔ دوم یہ کہ شوہر حاضر ہو یا بحکم حاضر میں ہو۔ یعنی گو ہو تو غیر حاضر مگر اتنا قریب ہو یا اس قدر وافر وسائل حاصل ہوں کہ وہ باآسانی عورت کی کیفیت معلوم کر سکتا ہو (یہ تفصیل باب الطلاق میں بیان کی جائے گی انشاء اللہ)

سوم۔ حالت حمل میں نہ ہو۔ لہذا اگر عورت غیرمدخولہ ہے یا شوہر اس طرح غیر حاضر ہے کہ وہ عورت کی کیفیت معلوم نہیں کر سکتا تو پھر طلاق صحیح ہو گی اگرچہ فی الواقع حالت حیض میں ہی واقع ہو یا حالت حمل میں طلاق دی جائے اگرچہ اس وقت عورت حائض ہی ہو (کیونکہ حمل کے ساتھ بھی حیض جمع ہو سکتا ہے جیسا کہ ابھی اوپر اس کی تحقیق گزر چکی ہے) تو بھی طلاق صحیح ہو گی۔

حائض کے مکروہات

حائض کے لئے وہی چیزیں مکروہ ہیں جو جنب کے لئے مکروہ ہیں (جنکی تفصیل جنابت کے ضمن میں گزر چکی ہے) جیسے قرآن مجید کی جلد یا اس کے حاشیہ کو چھونا' قرآن کا اٹھانا اور خضاب لگانا' سور عزائم (جن میں واجبی سجدے ہیں) کے علاوہ بنا بر مشہور سات یا ستر آیات سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرنا وغیرہ ہاں البتہ یہاں ایک مکروہ زائد ہے اور وہ یہ ہے کہ خون حیض کے ختم ہونے کے بعد مگر غسل کرنے سے پہلے اس سے مقاربت کرنا مکروہ ہے۔

مستحبات حائض

حائض کے لئے مستحب ہے کہ وہ اوقات نماز میں قربت مطلقہ کی نیت سے وضو کرے اندام نہانی والی کپاس اور خرقہ تبدیل کر کے رو بقبلہ ہو کر مصلائے عبادت پر بیٹھے اور بقدر ادائے نماز تسبیح و تقدیس اور تہلیل و تکبیر کر کے ذکر خدا کرے بعض علماء (جیسے شیخ صدوق) ایسا کرنے کے وجوب کے قائل ہیں مگر اظہر و اشہر استحباب ہی ہے اور تسبیحات اربعہ کا پڑھنا افضل ذکر ہے اس کے علاوہ غسل حیض میں وہ تمام چیزیں مستحب ہیں جو غسل جنابت میں مستحب ہیں جیسے غسل سے پہلے ہاتھوں کا دھونا' کلی کرنا اور جسم پر ہاتھ پھیرنا وغیرہ۔ تفصیل غسل جنابت کے

مستحبات کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

غسل حیض کی کیفیت

غسل حیض کی کیفیت اور اس کے اقسام (ترتیبی و ارتماسی) بعینہ غسل جنابت والے ہیں الغرض غسل حیض کی وہی کیفیت ہا ترکیب' وہی واجبات اور وہی مستحبات و آداب ہیں جو سابقہ اوراق میں غسل جنابت کے ذیل میں مذکور ہیں یہاں ان کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے (فراجع هناک تجد التفصیل الجمیل ان شاء اللہ الجلیل

حائض کے اقسام و احکام

حائض عورتیں تین قسم کی ہیں اول مبتدءہ دوم ذات العادۃ سوم مضطربہ

ہر ایک قسم کی تعریف

۱۔ مبتدءہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کو پہلی بار خون حیض آئے۔

۲۔ ذات العادۃ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو برابر دو ماہ تک معین وقت اور معین دنوں میں خون حیض دیکھے مثلاً" ایک ماہ کی یکم کو خون حیض دیکھے جو برابر پانچ تاریخ تک جاری رہنے کے بعد قطع ہو جائے پھر دوسرے ماہ بھی ایک سے پانچ تک دیکھے ایسی عورت کو صاحب عادت وقتیہ و عددیہ کہا جاتا ہے پھر صاحب عادت کی دو قسمیں اور بھی ہیں۔ پہلی صرف صاحب عادت وقتیہ یہ اس عورت کو کہا جاتا ہے۔ یہ جو مسلسل دو ماہ تک ایک ہی وقت میں خون حیض دیکھے مگر اس کے دن کم و زیادہ ہوتے رہیں مثلاً" اسے ایک ماہ کی یکم تاریخ سے پانچ تاریخ تک حیض آئے اور دوسرے کی یکم سے آٹھ تک دوسری صرف صاحب عادت عددیہ یہ اس عورت کو کہا جاتا ہے۔ جسے مسلسل دو ماہ تک معین دنوں میں خون حیض آئے مگر اس کا وقت اولتا بدلتا رہے جیسے ایک ماہ کی یکم سے چھ تک اسے خون حیض آئے اور دوسرے ماہ کی دس سے سولہ تک آئے۔

۳۔ مضطربہ۔ اس عورت کو کہا جاتا ہے جسے چند ماہ سے خون حیض آ رہا ہو۔ مگر وقت یا ایام کے لحاظ سے اس کی کوئی عادت مستقر نہ ہوئی ہو یا پہلے اس کی عادت تھی مگر اب وہ گردش ایام سے اپنی عادت بھول گئی ہو یا اس میں گڑ بڑ ہو گئی ہو۔ اس طرح مستقل اور ضمنی قسمیں شامل کر کے حائض کی کل چھ قسمیں بن جاتی ہیں ان اقسام میں سے ہر ایک قسم کے احکام الگ الگ ہیں جنہیں ہم بالاختصار ذیل میں درج کرتے ہیں۔

مبتدأۃ کے احکام

جس عورت کو پہلی بار خون آئے اس کی شرعی تکلیف یہ ہے کہ وہ خون حیض دیکھتے ہی ان تمام عبادات وغیرہ کو ترک کر دے۔ جو مشروط بطہارت ہیں اب اگر یہ خون دس دن پورے ہونے سے پہلے رک جائے تو احتیاطاً" استبراء کرے اور اس کا[۱] افضل طریقہ یہ ہے کہ کسی دیوار سے پیٹ لگا کر اور ایک ٹانگ اٹھا کر دیوار سے لگائے اور تھوڑی سی کپاس داہنے ہاتھ میں لے کر اندام نہانی میں رکھے اور چند منٹ کے بعد نکال کر دیکھے اگر کپاس خون سے آلودہ نکلے تو اس وقت تک صبر کرے کہ کامل پاکیزگی حاصل ہو جائے یا دس دن گزر جائیں۔ اور اگر کپاس صاف نکلے تو غسل حیض کر کے عبادت شروع کر دے۔

اور اگر یہ خون دس دن سے بڑھ جائے تو یہ کتنے دن اپنے آپ کو حائض سمجھے اور کتنے دن مستحاضہ؟ اس سلسلہ میں مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ یہ عورت پہلے تو خون کی علامات کی طرف رجوع کرے۔ لہٰذا جس خون میں حیض کی علامات پائی جائیں اسے حیض قرار دے اور جس میں خون استحاضہ کی علامتیں موجود ہوں اسے استحاضہ قرار دے لیکن اگر سارا خون ایک جیسا ہو یا جس خون میں حیض کی علامات پائی جاتی ہیں۔ وہ تین دن سے کم ہو یا دس دن سے زیادہ تو اب کیا کرے؟ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اپنی پدری و مادری یا صرف پدری یا صرف مادری رشتہ دار عورتوں کی عادت کی طرف رجوع کرے۔ اگر ان سب کا ایک عادت پر اتفاق ہو۔ تو یہ بھی اتنے دن اپنے کو حائض سمجھے اور اگر ان میں اختلاف ہو جائے (کسی کی عادت کچھ ہو اور کسی کی کچھ اور) تو پھر روایات کی طرف رجوع کرے۔ یعنی پہلے ماہ دس دن اپنے کو حائض سمجھے اور دوسرے ماہ تین دن تیسرے ماہ پھر دس دن اور چوتھے ماہ تین دن ھکذا یا ہر ماہ چھ دن اپنے کو حائض سمجھے یا ہر ماہ سات دن اور باقی ایام میں استحاضہ والے احکام پر عمل کرے۔ لیکن اظہر یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں علامات خون کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ مبتدأۃ سب سے پہلے اپنی رشتہ دار خواتین کی طرف رجوع کرے۔ اور ان کے مطابق ہر ماہ مقررہ دن

---

[۱] مخفی نہ رہے کہ عورت جس طرح چاہے یہ استبراء کر سکتی ہے۔ یہ استبراء صرف اسی طریقہ میں منحصر نہیں ہے جو کتاب میں مذکور ہے بلکہ عورت کو اختیار ہے کہ جس قدیم یا جدید طریقہ سے چاہے یہ معلوم کرے ہاں البتہ افضل طریقہ یہی ہے جو اخبار میں وارد ہے۔ (منہ عفی عنہ)

اپنے کو حائض قرار دے اور دوسرے دنوں میں اپنے کو مستحاضہ سمجھے ہذا ھو المستفاد من اخبار الائمتہ الاطہارؑ واللہ العالم بالا حکام و الا سرار

صاحب عادت وقتیہ وعددیہ کے احکام

ایسی عورت کے متعلق فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ وہ اپنی عادت کے ایام میں (یا ان ایام سے ایک دن پہلے یا ایک دو دن بعد خون دیکھتے ہی اپنے آپ کو حائض سمجھے گی اگرچہ اس خون میں خون حیض کی علامات نہ بھی پائی جاتی ہوں) احکام حیض پر عمل درآمد کرے گی اب اگر عادت کے مطابق خون منقطع ہو گیا تو فبہا ورنہ اگر اس سے آگے بڑھ گیا اور قطع نہ ہوا تو بنا بر احتیاط وجوبی ایک دو بلکہ تین دن تک استظہار اور خون قطع ہونے کا انتظار کرے گی۔ اگر اس اثنا میں خون قطع ہو گیا تو فھو المراد۔ ورنہ اس کے بعد والے احکام پر عمل کرے گی اب اگر دسویں روز سے خون نے تجاوز نہ کیا اور اس کے اندر اندر منقطع ہو گیا تو بنا بر مشہور سب خون حیض سمجھا جائے گا۔ اور اس اثنا میں اس نے اس خون کو استحاضہ سمجھ کر جو روزے رکھے ہیں ان کی قضا کرے گی اور اگر دسویں دن سے خون تجاوز کر گیا تو اس صورت میں صرف ایام عادت کو حیض اور باقی سب کو خون استحاضہ سمجھا جائے گا اور بنا بریں ایام عادت کے ایک دو دن بعد بطور استظہار و انتظار جو نماز روزہ ترک کیا ہے اسکی قضاء واجب ہو گی مگر جہاں تک نظر قاصر کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ احادیث اہل بیتؑ میں یہ دسویں روز کے اندر ختم ہونے یا نہ ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے۔ وہاں تو صرف یہ مذکور ہے کہ اگر خون ایام عادت سے تجاوز کر جائے۔ تو ایک' دو دن یا زیادہ سے زیادہ تین دن تک انتظار کرنے کے بعد عورت استحاضہ کے احکام پر عمل کرے گی خواہ اب وہ خون دس دن کے اندر ختم ہو جائے۔ یا اس سے تجاوز کر جائے اور یہی قول قوی ہے۔ ہاں البتہ احوط یہ ہے کہ قول مشہور کے مطابق عمل کیا جائے۔ واللہ العالم۔

صاحب عادت وقتیہ کے احکام

جس عورت کا صرف وقت حیض معین ہے اور دن کم و بیش ہوتے رہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ عادت کے دنوں میں یا ان سے ایک دو دن پہلے یا ایک دو دن بعد جب بھی خون دیکھے تو اگرچہ اس میں خون حیض کی علامات موجود نہ ہوں۔ اپنے آپ کو حائض سمجھ کر احکام حیض پر عمل کرے اب اگر یہ خون دس دن کے اندر اندر قطع ہو گیا تو یہ تمام خون حیض متصور ہو گا۔ اور اگر دس دن سے آگے تجاوز کر گیا تو پھر علامات کی طرف رجوع کرے پس جس خون میں حیض والی علامات پائی جائیں۔ اسے حیض قرار دے اور جس میں استحاضہ والی علامات موجود ہوں اسے استحاضہ سمجھے اور اگر علامات سے مسئلہ حل نہ ہو سکے تو پھر روایت صادقؑ کے مطابق ہر ماہ سات دن اپنے کو حائض سمجھے اور باقی دنوں میں مستحاضہ واللہ العالم۔

صاحب عادت عددیہ کے احکام

جس عورت کے حیض کا صرف عدد معین ہے مگر وقت معین نہیں ہے اس کا حکم یہ ہے۔ کہ خون دیکھتے ہی اپنے آپ کو حائض تصور کرے اور عبادات شرعیہ ترک کر دے اور اپنے مقررہ ایام کی تعداد کے مطابق اپنے کو حائض قرار دے۔ اب اگر خون اس کی عادت کے ایام کے اختتام پر قطع ہو جائے تو نعما ورنہ اگر تجاوز کر جائے تو پھر خون کی علامات کی طرف رجوع کرے لہذا جس خون میں علامات حیض پائی جائیں اسے حیض اور جس میں استحاضہ کی علامتیں موجود ہوں اسے استحاضہ تصور کرے۔ اور اس کے مطابق عمل درآمد کرے اور اگر علامات اس طرح مشتبہ ہوں کہ ان سے حقیقت حال کا انکشاف نہ ہو سکے تو پھر اگر دس دن کے اندر خون قطع ہو گیا تو سب حیض ورنہ پھر حسب سابق بروایت یونس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ہر ماہ سات دن اپنے کو حائض سمجھے اور باقی دنوں میں مستحاضہ۔

مضطربہ کے احکام

دوسرے معنی کے لحاظ سے (جو سطور بالا میں مذکور ہیں) مضطربہ کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ جسے نہ وقت یاد ہو اور نہ ہی عدد (اسے متحیرہ بھی کہا جاتا ہے)۔

۲۔ جسے وقت تو یاد ہو مگر عدد یاد نہ ہو۔

۳۔ جسے عدد تو یاد ہو مگر وقت یاد نہ ہو۔ بنا بریں صاحب عادت کی مذکورہ بالا دو آخری قسمیں بھی مضطربہ میں داخل ہو جائیں گی) مضطربہ کی آخری دو قسموں کے احکام تو سطور بالا میں مذکور ہیں البتہ اسکی پہلی قسم (جو مضطربہ کی فرد کامل ہے) اس کا حکم وہی ہے جو اس کی دوسری دونوں قسموں کا ہے یعنی پہلے تو وہ علامات خون کے ذریعے سے حیض و استحاضہ کے درمیان تمیز قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اور اگر اس سے مطلب برآری نہ ہو بایں وجہ کہ جس خون میں علامات حیض ہیں وہ تین دن سے کم ہو یا دس دن سے زائد ہو (حالانکہ خون حیض نہ تین دن سے کم ہوتا ہے اور نہ ہی دس دن سے زائد) یا اس میں خون حیض و استحاضہ والی کوئی علامت نہ پائی جائے تو پھر حسب روایت سابقہ ہر ماہ سات دن اپنے کو حائض تصور کرے۔ اور باقی ایام میں استحاضہ کے احکام پر عمل کرے۔

تبصرہ

عام فقہاء نے اس مقام پر مضطربہ کی تمام اقسام میں یہ لکھا ہے کہ جب علامات کے ذریعہ سے تمیز حاصل نہ ہو سکے تو پھر مضطربہ روایات کی طرف رجوع کرے گی یعنی ہر ماہ اپنے آپ کو سات دن یا چھ دن یا ایک ماہ میں دس دن اور دوسرے میں تین دن حائض سمجھے اور باقی ایام میں مستحاضہ۔ مگر اس طرح روایات کی طرف رجوع کرنے کا حکم روایات سے صرف مبتدءۃ کے لئے ثابت ہے مضطربہ کے متعلق صرف ایک حدیث وارد ہے جو بروایت یونس جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے اور فروع کافی اور تہذیب الاحکام وغیرہ میں مذکور ہے اور اس میں بھی ہر ماہ اپنے کو صرف سات دن حائض قرار دینے کا حکم ہے فتدبر و تشکر۔

غسل حیض اور حائض کے احکام و مسائل

مسئلہ ا۔ مبتدیہ اور مضطربہ (جس میں وہ عورت بھی داخل ہے جسے وقت حیض یاد نہ ہو) کے لئے استظہار مستحب ہے۔ یعنی جونہی ان کو خون شروع ہو وہ اپنے کو حائض نہ سمجھیں بلکہ تین دن تک اپنے کو مستحاضہ سمجھ کر اس کے مطابق عبادت بجا لائیں اگر تین دن کے اندر اندر خون رک جائے تو ان کا عمل اور طریقہ کار درست متصور ہو گا اور اگر تین دن سے تجاوز کر گیا وہ پھر اپنے کو حائض سمجھ کر عبادت ترک کر دیں اور اس اثناء میں اگر روزہ رکھا ہے تو اس کی قضا کریں اور احوط یہ ہے کہ وہ ان دنوں میں ان خاص چیزوں سے بھی اجتناب کریں جو حائض پر حرام ہیں (جس کی تفصیل اوپر مذکورہ ہے)

مسئلہ ۲۔ جو عورت صاحب عادت ہے خواہ وقتیہ و عددیہ ہو یا صرف وقتیہ یا فقط عددیہ اگر وہ مسلسل دو ماہ تک اپنی سابقہ عادت کے خلاف مگر ایک انداز پر خون حیض دیکھے تو اس کی سابقہ عادت تبدیل ہو جائے گی۔ اور موجودہ عادت قرار پائے گی اور اگر موجودہ روش یکساں نہ ہوئی تو پھر وہ مضطربہ بن جائے گی اور اس کے مطابق عمل کرے گی۔

مسئلہ ۳۔ اگر ایک عورت اپنے آپ کو حائض سمجھ کر عبادت ترک کر دے اور بعد میں معلوم ہو جائے کہ وہ خون حیض نہ تھا تو ترک شدہ نماز و روزہ کی قضا کرے گی اور اگر اس کے برعکس ایک عورت اپنے خون کو خون حیض نہ سمجھ کر عبادت بجا لائے تو بعد میں معلوم ہو کہ وہ خون حیض تھا تو اس صورت میں وہ روزہ کی قضا کرے گی۔

مسئلہ ۴۔ جس وقت عورت کو خون حیض شروع ہو تو اس وقت اگر کسی نماز کا اس قدر وقت گذر چکا تھا کہ وہ اپنی حالت کے مطابق وضو یا غسل کر کے قصر یا تمام نماز پڑھ سکتی تھی مگر اس نے پڑھنے میں سستی کی اور نہ پڑھی پھر حیض شروع ہو گیا تو پاک ہونے کے بعد اس نماز یا ان نمازوں کی قضا اس پر واجب ہو گی۔

مسئلہ ۵۔ ایک عورت ایسے وقت میں خون حیض سے پاک ہو کہ غسل کر کے اور دیگر لوازمات مہیا کر کے پوری نماز یا کم از کم اس کی ایک رکعت وقت کے اندر پڑھ سکتی ہو تو اس پر وہ نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر غفلت کر کے نہیں پڑھے گی تو اس کی قضا واجب ہو گی۔

مسئلہ ۶۔ حیض سے پاک ہونے کے بعد عورت پر ان دنوں کے قضا شدہ روزوں کی قضا واجب ہے کیونکہ وہ سال میں صرف ایک بار آتے ہیں لہذا ان کی قضا میں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی باقی رہی نماز تو جہاں تک نماز پنجگانہ کا تعلق ہے تو اس کی قضا تو بالاتفاق واجب نہیں ہے (کیونکہ یہ ہر شب و روز میں پانچ مرتبہ ہمیشہ واجب ہے اس طرح ہر ماہ انکی قضا میں مشقت شدیدہ لازم آتی ہے) ہاں البتہ نماز طواف' نذر معین کی نماز اور نماز آیات کی علی الاحوط قضا واجب ہے۔ واللہ العالم۔

غسل استحاضہ کے اسباب و غایات اور احکام وغیرہ کا بیان

غسل استحاضہ کے بعض اسرار

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ خون استحاضہ نسوانی بیماری کا نتیجہ ہے جس کے علاج معالجہ میں بڑی بڑی بھاری رقمیں صرف کرنا پڑتی ہیں لیکن شریعت مقدسہ نے استحاضہ والی عوت کے لئے جو قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں کہ کہیں اسے بار بار وضو کرنا پڑتا ہے کہیں بار بار غسل کرنا پڑتا ہے اور کہیں بار بار اندام نہانی کو دھونا پڑتا ہے (جیسا کہ عنقریب اسکی تفصیل آرہی ہے) جب ان قواعد کی حکمت اور فلاسفی پر غور و فکر کیا جاتا ہے۔ تو عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ آج ڈاکٹر بڑی بڑی تحقیقات دقیقہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس مرض کا بہترین علاج پانی ہے۔ لیکن وہ شخص جس نے کسی دنیوی معلم سے ایک حرف نہیں پڑھا تھا اور نہ اس عہد میں علمی و طبی چہل پہل تھی اسے کس نے بتایا تھا کہ ایسے احکام وضع کرے اور یہ فرمائے۔ "لم تفعله المراة احتسابا" الا عوفيت من ذالک" جو عورت بھی خلوص نیت کے ساتھ اپنے اس شرعی وظیفہ پر عمل کرے گی وہ اس مرض سے شفایاب ہو جائے گی۔ (وسائل الشیعہ) کیا یہ بات اس نبیؐ فداہ ابی و امی کی نبوت و رسالت کی ناقابل رد روشن دلیل نہیں ہے؟ من فلک الطریق فالطلب الیقین بصدق النبوة

خون استحاضہ کی حد بندی

یہ خون ایک ردی خون ہے جو کسی عارضہ کی وجہ سے عورت کے رحم سے خارج ہوتا ہے یہ غالبا" زرد رنگ کا' پتلا اور ٹھنڈا ہوتا ہے جو کمزوری سے نکلتا ہے اس کے قلیل اور کثیر کی کوئی حد نہیں ہے یا ایک لحظہ بھی ہو سکتا ہے اور مدت العمر تک بھی طول کھینچ سکتا ہے۔ اور نہ اس میں سن و سال کی کوئی قید ہے لہذا یہ سن بلوغ سے پہلے بھی آسکتا ہے اور سن یأس کے بعد بھی خلاصہ کلام یہ کہ ہر وہ خون جو نہ خون حیض ہو نہ خون نفاس نہ خون بکارت اور نہ ہی کسی جرح و قرح (زخم اور پھوڑے) کا خون ہو تو وہ خون استحاضہ سمجھا جائے گا۔

غسل استحاضہ کے اسباب

غسل استحاضہ کا سبب صرف خون استحاضہ ہے بشرطیکہ وہ متوسط ہو یا کثیرہ (جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے)

غسل استحاضہ کے غایات

غسل استحاضہ ان چیزوں کے لئے واجب ہوتا ہے جن کی بجا آوری مشروط بطہارت ہے

جیسے نماز' طواف' مس کتابت قرآن وغیرہ (جن کی تفصیل غسل جنابت کے غایات کے ذیل میں درج کی جاچکی ہے)

مستحاضہ کے محرمات

استحاضہ والی عورت جب تک اس کے احکام پر عمل نہ کرے تب تک اس پر بعینہ وہی چیزیں حرام ہیں جو جنب والی اور حائض پر حرام ہوتی ہیں ہاں جب وہ اپنے شرعی وظیفہ پر عمل کرے (جو ذیل میں مذکور ہے) تو پھر وہ سب چیزیں جو اس پر حرام ہیں حلال ہو جائیں گی۔

استحاضہ کے اقسام

بناء بر مشہور و منصور خون استحاضہ کے تین اقسام ہیں (۱) صغریٰ (۲) وسطیٰ (۳) کبریٰ بالفاظ دیگر قلیلہ' متوسط اور کثیرہ۔

یہ اقسام معلوم کرنے کا طریقہ اور ان اقسام کی تعریف

اب اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ موجودہ خون استحاضہ کونسی قسم میں داخل ہے؟ تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ عورت تھوڑی سی کپاس کچھ وقت کے لئے (جو نہ تو بالکل مختصر ہو اور نہ ہی بہت طویل) اندام نہانی پر رکھے اور پھر اٹھا کر دیکھے اگر خون کپاس کے صرف ایک حصے پر لگے اور اندر نہ گھسے تو اسے استحاضہ قلیلہ کہا جائے گا اور اگر خون کپاس کے اندر گھس جائے اور اسے تر بھی کر دے مگر باہر نہ نکلے تو اسے متوسط سمجھا جائے گا ور اگر کپاس کے اندر گھسے اور اسے پر کرنے کے بعد اس سے باہر بھی بہہ نکلے تو اسے کثیرہ قرار دیا جائے گا۔

ان اقسام کے احکام

ان ہر سہ اقسام کے احکام الگ الگ ہیں جو بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کئے

جاتے ہیں مگر ان سب کے علیحدہ علیحدہ احکام بیان کرنے سے پہلے ان سب کے ایک مشترکہ وظیفہ کا بیان فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مستحاضہ عورت کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی نجاست مقام مخصوص تک ہی محدود رہے۔ باقی جسم و لباس کو نہ لگے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ عورت ایک دھاگہ یا رومال کمر کے ساتھ باندھے اور اندام نہانی پر کپاس کا ٹکڑا رکھ کر اوپر سے رومال یا کپڑے کا ٹکڑا اس طرح کس کر باندھے کہ اس کا پہلا سرا بطور لنگوٹ پیٹ کی طرف سے مذکورہ دھاگہ وغیرہ سے باندھ کر دوسرا سرا پشت والی جانب سے باندھ دے۔

استحاضہ قلیلہ کے احکام

اس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز فریضہ کے لئے الگ الگ وضو کرے اور جو کپاس اندام نہانی پر رکھی ہوئی ہے اس کو تبدیل کرے یا اسے پاک کر کے دوبارہ باندھے۔

مسئلہ ۱۔ اگرچہ اقوی یہ ہے کہ جو نماز فریضہ کے لئے وضو کیا جائے اس سے اس نماز کے نوافل بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ مگر احوط یہ ہے کہ ہر دو رکعت نماز نافلہ کے لئے الگ وضو کیا جائے۔

مسئلہ ۲۔ جو وضو نماز فریضہ کے لئے کیا جائے۔ اس سے اس نماز کے اجزاء منسیہ (بھولے ہوئے اجزاء جیسے سجدہ یا تشہد وغیرہ) کی قضا کی جا سکتی ہے۔ اور سجدہ سہو بھی کیا جا سکتا ہے۔

استحاضہ متوسطہ کے احکام

اس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے کپاس تبدیل کرے یا اسے پاک کرے۔ نماز صبح کے علاوہ دوسری تمام فریضہ نمازوں کے لئے الگ الگ وضو کرے اور نماز صبح کے لئے غسل بھی کرے اور اسی سے نماز پڑھے۔

استحاضہ کثیرہ کے احکام

اس کا حکم یہ ہے کہ کپاس تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ اوپر والا کپڑا بھی تبدیل کرے یا اسے پاک کرے اور صبح والے غسل کے علاوہ دوسرا غسل نماز ظہر و عصر کے لئے اور تیسرا غسل نماز مغرب و عشاء کے لئے بھی کرے اور ہر دو نمازوں کو اس طرح جمع کر کے پڑھے کہ ظہر و مغرب کو تھوڑی دیر سے اور عصر و عشاء کو قدرے سویرے پڑھے تاکہ دونوں نمازیں وقت فضیلت پر ادا کی جائیں۔

بعض امور کی وضاحت

یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ اول یہ کہ قلیلہ و متوسطہ میں صرف کپاس تبدیل کرنے یا پاک کرنے اور کثیرہ میں اس کے ساتھ ساتھ اوپر والا خرقہ بھی تبدیل یا پاک کرنے کا حکم صرف فقہاء میں مشہور ہے لیکن اس کے متعلق کوئی نص موجود نہیں ہے شاید انہوں نے اس حکم کی بناء اس چیز پر رکھی ہے کہ خون استحاضہ کی نجاست چونکہ مغلّظ ہے اس لئے وہ دوسرے خون کی طرح معاف نہیں حالانکہ نجاسات کے ضمن میں بیان کیا جاچکا ہے کہ سوائے خون حیض کے باقی ہر خون جو درہم بغلی (انگوٹھے یا بنابر احتیاط انگشت شہادت کے اوپر والے پور سے کم ہو تو وہ معاف ہے۔ (یعنی اگر وہ کپڑے پر لگا ہوا ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہے) لہٰذا خون استحاضہ کو خون حیض کے ساتھ ملحق کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کے متعلق کوئی نص موجود ہے۔ بنابریں اقوی یہ ہے کہ یہ کپاس و خرقہ کی تبدیلی یا ان کا پاک کرنا ضروری نہیں ہے ہاں احوط یہ ہے کہ حکم مشہور کے مطابق عملدرآمد کیا جائے۔ واللہ العالم

دوم۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ متوسطہ اور کثیرہ میں غسل کے ساتھ ساتھ ہر نماز کے لئے وضو بھی ضروری ہے مگر ہم احکام حیض کے ضمن میں بیان کرچکے ہیں کہ اظہر و اقوی یہ ہے کہ ہر غسل واجب وضو سے بے نیاز کر دیتا ہے یعنی اس کی موجودگی میں وضو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے ہم نے وضو کا ذکر نہیں کیا ہاں اگر کوئی شخص احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو غسل سے پہلے وضو کرلے۔ اگرچہ یہ احتیاط بھی اشکال سے خالی نہیں ہے کیونکہ بعض روایات میں ان واجبی اغسال سے پہلے یا ان کے بعد وضو کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص مزید احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو وہ اس طرح کرے کہ غسل کرنے کے بعد عمداً کوئی حدث اصغر جیسے بول و براز یا ریح وغیرہ صادر کرے اور اس کے بعد وضو کرکے نماز پڑھے۔ واللہ العالم

استحاضہ کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ فقہاء کرام نے بیان کیا ہے کہ استحاضہ والی عورت کو چاہئے کہ اگر قلیلہ والی ہے تو وضو کے بعد اور متوسطہ و کثیرہ والی ہے تو غسل کے بعد فوراً" نماز میں مشغول ہو جائے ہاں البتہ مستحبی مقدمات مثل اذان و اقامت وغیرہ یا نماز کے داخلی اذکار کی بجاآوری میں کوئی حرج نہیں ہے چونکہ یہ مسئلہ نص سے خالی ہے لیکن احتیاط کے مطابق ہے اس لئے اس کے موافق عمل کرنا انسب ہے بنابریں اگر وضو اور نماز یا غسل اور نماز میں کافی فاصلہ ہوجائے تو بناء بر احتیاط اسے دوبارہ وضو یا غسل کرنا چاہئے۔

مسئلہ ۲۔ مذکورہ بالا مسئلہ کی ایک فرع یہ ہے کہ عورت استحاضہ متوسطہ یا کثیرہ کا غسل نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے نہیں کرسکتی اور اگر کرلے تو احتیاطاً" وقت داخل ہونے کے بعد اس کا اعادہ کرے۔ ہاں البتہ اگر صبح صادق سے تھوڑا سا پہلے نماز تہجد کے لئے غسل کرے اور جونہی نماز صبح کا وقت داخل ہو تو اس میں مشغول ہوجائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر استحاضہ کی نوعیت بدل جائے تو اس کے احکام بھی بدل جائیں گے۔ مثلاً" جو عورت صبح کے وقت استحاضہ قلیلہ والی تھی وہ نماز صبح کے بعد متوسطہ والی ہوجائے تو اسے نماز ظہر و عصر کے لئے ایک غسل کرنا پڑے گا اور اگر نماز ظہرین کے بعد کثیرہ والی بن جائے تو اسے نماز مغرب و عشاء کے لئے ایک اور غسل بھی کرنا پڑے گا اور اگر قلیلہ والی صبح کے بعد کثیرہ ہوجائے تو اسے ایک غسل نماز ظہرین کے لئے اور دوسرا نماز مغربین کے لئے کرنا پڑے گا اور اگر ظہرین کے بعد کثیرہ ہوجائے تو پھر اسے نماز مغربین کے لئے ایک غسل کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۴۔ سابقہ مسئلہ کے برعکس اگر وہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف تنزل کر آئے مثلاً" استحاضہ کثیرہ والی عورت متوسطہ ہوجائے یا متوسطہ والی قلیلہ والی بن جائے تو اس کے بعد جو پہلی نماز پڑھے گی۔ اس کے لئے اعلیٰ والا عمل ہی کرے گی اس کے بعد دوسری نمازوں کے لئے موجودہ حالت کے مطابق عمل کرے گی۔ مثلاً" کثیرہ والی نماز صبح کے بعد متوسطہ ہوجائے تو نماز ظہر کے لئے ایک غسل کرے گی اور دوسری نمازوں کے لئے صرف وضو اور اگر ظہر کے لئے غسل نہ کرسکے تو عصر کے لئے کرے گی اور اگر اس کے لئے بھی نہ کرسکے تو پھر مغرب کے لئے کرے گی اور اگر کسی وجہ سے اس کے لئے بھی نہ کرسکی تو پھر عشاء کے لئے کرے گی۔

مسئلہ ۵۔ اقویٰ یہ ہے کہ استحاضہ کثیرہ میں روزہ کی صحت کے لئے فقط دن (صبح اور ظہرین) والے غسل کافی ہیں ہاں احوط یہ ہے کہ جس رات کی صبح کو روزہ رکھنا ہے اس رات کا غسل بھی کیا جائے اور اگر یہ مغرب و عشاء والا غسل نہ کرے مگر صبح صادق سے پہلے نماز تہجد کے لئے غسل کرے تو بھی کافی ہے۔

مسئلہ ۶۔ جب خون استحاضہ بالکل ختم ہوجائے تو اگر قلیلہ تھا تو آئندہ نماز کے لئے صرف وضو کرنا پڑے گا اور اگر متوسطہ یا کثیرہ تھا تو پھر غسل کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۷۔ اگر استحاضہ متوسطہ یا کثیرہ والی عورت اپنے شرعی وظیفہ کے مطابق غسل کرلے اور اس کے بعد اسے بالکل خون نہ آئے تو یہی غسل کافی ہوگا اور غسل جدید کی ضرورت نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۸۔ جب استحاضہ والی عورت اپنے شرعی وظیفہ کے مطابق اس طرح عمل کرے کہ اس کے لئے نماز پڑھنا جائز ہوجائے یعنی غسل وغیرہ بجا لائے تو اس کے لئے وہ تمام امور بھی حلال ہوجائیں گے۔ جو پہلے اس پر حرام تھے مثلاً" مسجد میں داخل ہونا اور ٹھہرنا' قرآنی حروف کو چھونا اور سور عزائم (جن میں چار واجبی سجدے ہیں) کا پڑھنا وغیرہ حتیٰ کہ شوہر کے لئے اس کے ساتھ مقاربت کرنا بھی حلال ہوجائے گی الغرض اپنا شرعی وظیفہ ادا کرنے کے بعد وہ پاک متصور ہوگی۔

مسئلہ ۹۔ مستحاضہ پر نماز آیات واجب ہے لہٰذا وہ اس کی ادائیگی اپنی حالت کے مطابق وضو یا غسل کرے گی۔

مسئلہ ۱۰۔ استحاضہ قلیلہ' متوسطہ اور کثیرہ والی عورت کے جو شرعی وظائف ہیں اگر وہ ان کے مطابق عمل نہ کرے تو نہ اس کی نماز صحیح ہوگی' نہ روزہ اور نہ ہی حرام امور میں سے کوئی امر اس کے لئے حلال ہوگا۔ کما لا یخفی

غسل نفاس کے اسرار' اسباب' غایات اور احکام وغیرہ کا بیان

۱۔ غسل نفاس کے اسرار

خون نفاس چونکہ دراصل خون حیض ہی ہوتا ہے جو اکثر حمل کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے اسی لئے اس کے اکثر و بیشتر احکام وہی ہیں جو حیض کے ہیں۔ اس لئے اس غسل کے وجوب کے وہی اسرار و رموز ہیں جو (علاوہ غسل جنابت کے اسرار کے) غسل حیض کے سلسلہ میں بیان کئے جاچکے ہیں اس لئے یہاں ان کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ غسل نفاس کے اسباب =

غسل نفاس کا سبب صرف ایک ہے اور وہ ہے خون نفاس کا آنا۔ اب رہا یہ سوال کہ خون نفاس کیا ہے؟ اس کا جواب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ خون نفاس کی حد بندی

وہ خون جو عورت کو بچہ کی ولادت کے ساتھ یا ولادت کے بعد آتا ہے وہ خون نفاس کہلاتا ہے جو کم سے کم ایک لحظہ ہو سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بنابر مشہور دس دن ہوتا ہے بناء بریں وہ خون جو عورت کو درد زہ کے وقت یا اس سے پہلے آئے وہ خون نفاس نہ ہوگا بلکہ بناء بر اقویٰ وہ خون استحاضہ ہوگا اور جو خون بچہ کے پہلے جزء کے نکلنے کے ساتھ آئے وہ بنابر اقویٰ خون نفاس ہے۔ اسی طرح جو خون دس دن کے بعد آئے وہ بنابر مشہور نفاس نہیں ہے۔ (اس میں جو تھوڑا سا اختلاف ہے اس کے متعلق ذیل میں وضاحتی بیان آرہا ہے)

۴۔ نفاس والی عورت کے محرمات

جو امور حائض پر حرام ہیں جیسے مسجد میں ٹھہرنا یا مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں داخل ہونا' قرآنی حروف کو مس کرنا' اس سے مقاربت کرنا اور اسے طلاق دینا وغیرہ وہ سب امور بعینہٖ نفاس والی عورت پر بھی حرام ہیں۔

۵۔ نفاس والی عورت کے مکروہات

جو چیزیں حیض والی عورت کے لئے مکروہ ہیں جیسے قرآن مجید کی جلد اور اس کے حاشیہ کا چھونا اور خضاب لگانا وغیرہ وہ تمام نفاس والی عورت کے لئے بھی مکروہ ہیں۔ (تفصیل مقام مذکور پر مذکور ہے)

۶۔ نفاس والی عورت کے مستحبات

جو چیزیں حائض کے لئے مستحب ہیں جیسے اوقات نماز میں وضو کر کے مصلائے عبادت پر بیٹھ کر ذکر خدا کرنا وغیرہ وہ سب نفاس والی عورت کے لئے مستحب ہیں۔ حذو النعل بالنعل

غسل نفاس کے غایات

غسل نفاس کی وہی غرض و غایت ہے جو غسل حیض کی مثلاً" نماز و روزہ وغیرہ عبادات کی بجا آوری جس طرح اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

نفاس کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر ولادت کے وقت یا ولادت کے بعد کچھ دیر خون آئے اور اس کے بعد بند ہوجائے تو عورت کو چاہئے کہ غسل کر کے اپنی عبادات شروع کردے اگر اس کے بعد پھر خون آنا شروع ہوجائے اور دس دن کے اندر اندر ختم ہوجائے تو بناء بر مشہور اس صورت میں دس دن کی پوری مدت ہی مدت نفاس سمجھی جائے گی لیکن احوط یہ ہے کہ اس درمیانی مدت میں (جس میں خون بند رہا ہے) طاہرہ والے اعمال اور حائض والے تروک پر عمل کرے اور اگر اس اثناء میں ماہ رمضان کے روزے رکھے ہیں تو ان کی قضا بھی کرے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ ولادت کے ساتھ خون کا آنا ضروری نہیں ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ایک عورت کو سرے سے خون نفاس نہ آئے اس طرح اگر ایک عورت بچہ کی ولادت کے وقت خون نہیں دیکھتی اور نہ ہی دس دن کے عرصہ میں اسے خون آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کا خون نفاس نہیں ہے اس لئے اسے پاک عورت والے اعمال بجالانے چاہئیں۔

مسئلہ ۳۔ اگر کسی عورت کا حمل ساقط ہوجائے تو اس وقت جو خون آئے آیا وہ خون نفاس ہے یا نہ؟ اس میں تفصیل ہے اگر تو بچہ کی خلقت مکمل ہوچکی تھی اگرچہ ہنوز اس میں روح داخل نہ ہوئی ہو تب تو بالاتفاق اس خون کو خون نفاس سمجھا جائے گا اور اگر ہنوز اس کی خلقت مکمل نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ ابھی تک خون منجمد تھا تو بناء بر مشہور اگر خود عورت کو یقین ہو یا چار قابل دایوں کے کہنے سے اطمینان ہوجائے کہ اس خون منجمد سے انسان کی نشوونما ہونے والی تھی تو پھر بھی اس خون کو (جو سقط کے ساتھ یا اس کے بعد آئے) نفاس ہی سمجھا جائے گا مگر اس میں اشکال ہے اولاً تو اس یقین و اطمینان کا حاصل ہونا محال عادی ہے۔ ثانیاً احادیث میں بچہ کی ولادت کے ساتھ یا اس کی ولادت کے بعد آنے والے خون کو خون نفاس کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ خون بستہ ہے، بچہ نہیں ہے لہٰذا اس خون کو خون نفاس قرار نہیں دیا جاسکتا اس لئے اس خون کو استحاضہ قرار دینا انسب ہے اور اگر ایسی عورت مزید احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو نفساء (نفاس والی عورت) کے تروک اور مستحاضہ (استحاضہ والی عورت) کے وظائف پر عمل کرے۔

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی عورت بظاہر خون نفاس سے پاک ہوجائے مگر اسے خیال ہو کہ ہنوز اندام نہانی کی فضا میں خون موجود ہے تو اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑی سی کپاس لے

کر اپنی اندام نہانی میں رکھے اور تھوڑی دیر کے بعد نکال کر دیکھے اگر صاف نکلے تو غسل نفاس کر کے عبادات بجالائے اور اگر خون آلود ہو تو پھر انتظار کرے۔

مسئلہ ۵۔ اگر عورت کا خون نفاس وقت ولادت سے شروع ہو کر دس دن سے تجاوز کر جائے تو اب کتنے دنوں کو نفاس قرار دے اور کتنے دنوں کو استحاضہ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس عورت کی حیض میں عادت عددیہ معین تھی تو بقدر عادت ایام کو نفاس قرار دے اور اگر اس کی عادت والی مدت میں خون بند نہ ہو تو مزید ایک دو دن تک استظہار و انتظار کرے یعنی ان میں عبادت نہ کرے اور اگر اب بھی بند نہ ہوا تو پھر باقی ایام کو استحاضہ سمجھ کر اس کے وظائف پر عمل کرے مگر بنا بر احتیاط دس روز تک نفاس والے تروک کو بھی ترک کرے۔ اب اگر خون دس دن سے بڑھ جائے تو ایام عادت کے بعد سب خون استحاضہ سمجھا جائے گا اور انتظار والے دو دنوں میں جو عبادت نہیں کی تھی اس کی قضا کرنا پڑے گی اور اگر اس کی حیض میں عادت عددیہ معین نہ ہو یعنی مبتدیہ ہو یا مضطربہ یا صرف صاحب عادت وقتیہ تو ان سب صورتوں میں وہ دس دن تک تو نفاس والے احکام پر عمل کرے اور اس کے بعد اپنے کو مستحاضہ سمجھ کر اس کے وظائف بجالائے۔ لیکن چونکہ مدت نفاس میں شدید اختلاف ہے اگرچہ مشہور یہی ہے کہ اس کی اکثر مدت دس دن ہے مگر بہت سی احادیث سے یہ مدت ۱۸ دن ظاہر ہوتی ہے اور بعض بڑے بڑے فقہاء (جیسے جناب سید مرتضیٰ" ابن بابویہ" اور علامہ حلی" بھی اس کے قائل ہیں اس لئے احوط یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں ایسی عورت (مبتدیہ مضطربہ اور صاحب عادت وقتیہ) دس دن کے بعد اٹھارہویں دن تک استحاضہ کے وظائف پر عمل بھی کرے اور جو مخصوص چیزیں نفاس والی عورت پر حرام ہیں ان سے اجتناب بھی کرے۔ واللہ العالم

غسل مس میت کے اسرار' اسباب' غایات اور احکام

ا۔ غسل مس میت کی حکمتیں

اس غسل کی مختلف اخبار و آثار سے مختلف حکمتیں واضح و آشکار ہوتی ہیں مثلاً" ایک یہ ہے کہ آدمی کی موت واقع ہوجانے کے بعد اس کے جسم پر خطرناک قسم کے جراثیم نمودار ہوجاتے ہیں اور جو شخص میت کو مس کرتا ہے وہ اسے بھی چمٹ جاتے ہیں اس لئے میت کو مس کرنے پر غسل مس میت واجب ہوجاتا ہے تاکہ وہ جراثیم زائل ہوجائیں اور

ان کی وجہ سے صحت کو جو خطرہ لاحق ہوگیا تھا وہ ٹل جائے دوسری حکمت یہ مترشح ہوتی ہے کہ شریعت مقدسہ میں غسل مس میت کو واجب قرار دے کر انسانی کبرو نخوت کا خاتمہ کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ وہ اپنے آغاز و انجام پر غور کرے کہ اس کی ابتداء ایک ایسے نطفۂ گندیدہ سے ہوئی ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ خارج ہوجائے تو غسل جنابت واجب ہوجاتا ہے اور انجام اس کا یہ ہے کہ اگر مرے ہوئے کتے کو ہاتھ لگ جائے تو صرف ہاتھ کا دھونا واجب ہے لیکن اگر عام انسان کے جسم کو مرنے کے بعد ہاتھ لگ جائے تو غسل مس میت واجب ہوجاتا ہے۔ جب بڑے سے بڑا متکبر مزاج آدمی بھی اس بات پر غور کرے گا تو اس کے پندار کا نشہ ہرن ہوجائے گا۔ واللہ العالم

۲۔ غسل مس میت کے اسباب

غسل مس میت کا سبب صرف ایک ہے اور وہ ہے انسانی میت کا دو شرطوں کے ساتھ مس کرنا اول یہ کہ میت ٹھنڈی ہوچکی ہو دوم یہ کہ ابھی اس کو مکمل غسل میت نہ دیا گیا ہو عام اس سے کہ میت مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ عورت کی ہو یا مرد کی صغیر کی ہو یا کبیر کی۔ لہٰذا اگر میت کو اس وقت چھوا جائے جبکہ ابھی وہ گرم ہو یا اسے اس وقت مس کیا جائے جب اسے غسل میت مکمل دیا جاچکا ہو تو اس صورت میں غسل مس میت واجب نہ ہوگا۔

۳۔ غسل مس میت کے غایات

بناء بر مشہور میت کو مس کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور موجب غسل ہوتا ہے نتیجہ یہ کہ ہر وہ واجبی عبادت جس کی ادائیگی حدث اصغر سے طہارت پر موقوف ہے جیسے واجبی نماز و طواف وغیرہ انکی ادائیگی کے لئے غسل مس میت واجب ہے اور وہ عبادات جو واجب تو نہیں مگر ان کی بجا آوری حدث اصغر کے ازالہ پر موقوف ہے جیسے مستحبی نماز و طواف وغیرہ تو ان کے لئے گویہ غسل واجب تو نہیں مگر ان کی صحت اور ادائیگی کی شرط ضرور ہے بنا بریں جب یہ حدث اصغر کے حکم میں ہے تو وہ امور جو حدث اکبر کی وجہ سے حرام ہوتے تھے جیسے عام مساجد میں ٹھہرنا اور مسجد الحرام و مسجد نبویؐ میں داخل ہونا اور سور عزائم کا پڑھنا وغیرہ وہ سب امور اس آدمی کیلئے مباح ہونگے جس پر غسل مس میت واجب ہے ہاں البتہ وہ امور جو وضو پر موقوف ہیں جیسے قرآن مجید کے حروف کو مس کرنا وہ اس پر اس وقت تک حرام رہیں گے جب تک غسل مس میت نہ کرلے (وفیہ مالا یخفیٰ)

۴۔ غسل مس میت کی کیفیت

غسل مس میت کی کیفیت وہی ہے جو غسل جنابت کی ہے اور اسکو اس کی طرح ترتیبی اور ارتماسی کے طور پر کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ غسل مس میت کے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر چار ماہ کا بچہ جس میں روح داخل ہو چکی تھی، حمل سقط ہو جائے تو اس کی میت کو مس کرنے سے غسل مس میت واجب ہوجائے گا اور اگر اس سے کم عمر ہو یعنی ہنوز اس میں روح داخل نہ ہوئی ہو۔ تو اس کے مس کرنے سے بنا بر اقوی غسل مس میت واجب نہ ہوگا۔ ہاں احتیاط مستحب یہ ہے کہ اس صورت میں غسل کر لیا جائے۔

مسئلہ ۲۔ اگر ابھی میت کے تینوں غسل مکمل نہ ہوئے ہوں اور اس حالت میں کوئی شخص اس میت کو مس کرے تو بنا بر اقوی اس شخص پر غسل مس میت واجب ہوجائے گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر کسی شرعی عذر کی بنا پر میت کو غسل کی بجائے تیمم کرایا گیا ہو تو ایسی میت کو مس کرنے سے غسل مس میت واجب ہو گا یا نہ؟ اس میں قدرے اشکال ہے احتیاط واجب یہ ہے کہ غسل کرنا ترک نہ کیا جائے۔

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی شخص زندہ یا مردہ انسان کے جسم کے کسی جدا شدہ ٹکڑے کو مس کرے تو آیا اس صورت میں غسل مس میت واجب ہوگا یا نہ ؟ تو اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر گوشت کے اس ٹکڑے میں ہڈی موجود ہے تو پھر غسل مس میت واجب ہوگا اور اگر اس میں ہڈی نہ ہو تو پھر واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ ۵۔ اگر زندہ یا مردہ انسان کی جدا شدہ ہڈی کو مس کیا جائے تو اظہر یہ ہے کہ غسل مس میت واجب نہ ہوگا ہاں احتیاط استحبابی یہ ہے کہ غسل کرلیا جائے بالخصوص جبکہ مردہ کی ہڈی کو چھوا جائے۔

مسئلہ ۶۔ علی الاظہر شہید کی میت کو مس کرنے سے غسل مس میت واجب نہیں ہوتا کیونکہ جب وہاں میت کے پاک ہونے کی وجہ سے خود غسل میت واجب نہیں ہے تو اس کے چھونے سے غسل مس میت کس طرح واجب ہو سکتا ہے ؟

غسل میت' اسکے اسرار' غایات' واجبات' مستحبات اور احکام کا بیان

قبل اس کے کہ متعلقہ موضوع کے متعلقہ مباحث کو ضبط تحریر میں لایا جائے پہلے یہاں چند امور کا بطور تمہید مختصراً" بیان کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

۱۔ بیماری کے بعض فوائد و عوائد

حقیقت حال سے جاہل و غافل لوگ اس ناگہانی موت کو اچھا سمجھتے ہیں جو بیماری کی تکلیف برداشت کرنے کے بغیر آجائے حالانکہ یہ خیال سراسر غلط ہے احادیث میں ایسی موت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ (**اعاذ نا الله و جمیع المومنین منہ بجاہ النبیؐ والہ الطاہرینؑ**) بیماری کے بہت سے فوائد ہیں منجملہ ان کے بعض یہ ہیں۔ (۱) کہ اس کی وجہ سے غفلت کے پردے چاک ہوتے ہیں۔ (۲) دنیا کی بے ثباتی ثابت ہوتی ہے۔ (۳) آخرت کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ (۴) توبہ و استغفار کرنے کا موقع ملتا ہے۔ (۵) کسی سے کچھ لینا ہے یا کسی کو کچھ دینا ہے تو اس کی ادائیگی کا یا معافی طلب کرنے کا وقت مل جاتا ہے۔ (۶) اس سے موت یاد آجاتی ہے اسی لئے مرض کو رائد الموت (موت کا پیشرو ایلچی) قرار دیا گیا ہے کہ وہ زبان حال سے کہتی ہے کہ خواب غفلت سے جاگو کہ (الرحیل قریب) نیز موت کو بکثرت یاد کرنے کے خود بے شمار فوائد ہیں۔ (۷) بہر حال اس سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ معمولی بخار سے کئی سالوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (۸) اخروی درجات بلند ہوتے ہیں جبکہ تین دن کے بخار سے ستر سال کی عبادت کا ثواب مل جاتا ہے مومن کا بستر بیماری پر رونا خدا کی تسبیح اس کی داد و فریاد اسکی تہلیل اور اس کی نیند عبادت شمار ہوتی ہے۔ (۹) مومنین کو عیادت کرکے بے پایاں ثواب و سعادت حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے چنانچہ بعض روایات میں وارد ہے کہ جو شخص مریض کی عیادت کرتا ہے خداوند عالم اس کی موت کے بعد ایک فرشتے کو متوکل کرتا ہے جو قبر میں قیامت تک اس کی مزاج پرسی کرتا رہے گا۔ (ثواب الاعمال) دوسری روایت میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ (۱۰) مریض کی عیادت کرنے سے دس حسنات لکھے جاتے ہیں دس درجے بلند ہوتے ہیں۔ اور دس گناہ معاف ہوتے ہیں اور ایک روایت میں تو یہاں تک وارد ہے کہ خدا اس کے لئے ستر ہزار فرشتے متوکل فرماتا ہے جو اس کیلئے دعا و استغفار کرتے ہیں (حدائق ناظرہ) ان تمام حقائق کو تفصیلاً" اور مستند روایات کے ساتھ دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ وصیت کرنے کی تاکید

شریعت مقدسہ میں وصیت کرنے کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ الوصیۃ حق علی کل مسلم "وصیت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے" بعض میں وارد ہے کہ تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو وصیت کے بغیر مرجائیں اور بعض اخبار میں یہ موجود ہے کہ مومن کو چاہیے کہ جب رات کے وقت بستر خواب پر سوئے تو اپنا وصیت نامہ لکھ کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دے۔ اگرچہ ہر حال میں وصیت کرنا مستحسن ہے مگر بیماری کی حالت میں تو اور بھی مؤکد ہے بہرکیف وصیت میں چند چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے بہتر ہے کہ وصیت تحریری شکل میں کی جائے۔ جس میں (۱) اپنے عقائد ایمانیہ بیان کر کے ان پر اہل ایمان کی تصدیق ثبت کرائی جائے۔ (۲) اگر کچھ حقوق اللہ اسکے ذمہ ہیں تو ان کی ادائیگی کے متعلق اپنے ورثہ کو تاکید کرے۔ (۳) کسی کا حق العباد اس کے ذمہ ہے تو اسے ادا کرنے یا اس سے معافی طلب کرنے کا تذکرہ کیا جائے۔ (۴) اپنے بیوی بچوں کے متعلق مناسب ہدایات درج کی جائیں۔ (۵) جن لوگوں کو اس کی وراثت سے کچھ نہیں ملتا جیسے پوتے پوتیاں یا دور کے رشتہ دار یا بیوی (جسے غیر منقولہ جائداد سے کچھ نہیں ملتا) ان کے حق میں کچھ وصیت کی جائے۔ (۶) غرباء مساکین اور یتامیٰ و بیوگان کے لئے کچھ مال کی وصیت کی جائے اور بالخصوص۔ (۷) اپنے مال میں سے کچھ حصہ صدقہ جاریہ جیسے مساجد و مدارس بنانے اور علوم دینیہ کی نشرواشاعت کرنے اور ———— اس قسم کے دیگر رفاہی کاموں کیلئے مخصوص کیا جائے۔ (۸) اگر صاحب جائداد ہے تو ایسے امور خیریہ کے لئے کچھ جائداد وقف کر جائے۔ وفقنا اللہ لما یحب ویرضی انہ خیر موفق معین

۳۔ کیا میت کے سب احکام واجب کفائی ہیں؟

مشہور بین العلماء یہ ہے کہ مرنے والے کے احتضار (جانکنی کے وقت) سے لیکر اس کے کفن دفن تک تمام احکام و فرائض واجب کفائی ہیں یعنی صرف ان لوگوں پر واجب ہیں جنہیں مرنے والے کی موت کا علم ہو جائے ہاں اگر ان میں سے چند آدمی ان فرائض کو انجام دے دیں تو دوسروں سے یہ وجوب ساقط ہو جائے گا اور اگر ان میں سے کوئی بھی ان کو ادا نہیں کرے گا۔ تو پھر سب کے سب ترک واجب کے مرتکب قرار پا کر گنہگار ہوں گے لیکن جو کچھ خانوادہ عصمت و طہارت کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پہلے پہل ان تمام خطابات اور ان نواہی کا

روئے سخن مرنے والے کے ورثہ کی طرف ہے اور یہ تمام فرائض انہی کے متعلق ہیں اسی لئے حکم ہے کہ اگر کوئی دوسرا میت کو غسل دینا چاہے یا اس پر نماز جنازہ پڑھنا چاہے تو پہلے ولی و وارث سے اجازت حاصل کرلے ہاں اگر مرنے والے کا کوئی ولی ووارث نہ ہو یا وہ اپنے فرائض کی بجا آوری سے انکار کردے یا ان میں کوتاہی کرے تو پھر البتہ دوسرے اہل اسلام و ایمان پر ان فرائض کی ادائیگی عائد ہوگی۔ واللہ العالم

۴۔ وقت احتضار کے واجبات و آداب

احتضار جسے نزع اور سکرات موت بھی کہا جاتا ہے یعنی جان کنی کا وقت وہ مشکل اور کٹھن مرحلہ ہے (خداوند عالم سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے طفیل اسے سب اہل ایمان پر آسان فرمائے جس کا تصور بھی لرزہ براندام کرنے کیلئے کافی ہے اس تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جسم میں کپکپی اور تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور اس وقت کی بے کسی و بے بسی پر بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ (۱) اللہ' اللہ وہ وقت بھی کتنا تکلیف دہ اور اندوہناک وقت ہوگا جب ہاتھ تو ہوں گے مگر ہلنے سے قاصر اور قدم تو ہوں گے مگر چلنے سے عاجز اسی طرح دوسرے اعضاء و جوارح ہوں گے مگر حس و حرکت سے درماندہ گھربار چھٹ رہا ہوگا اہل و عیال اور اعزا و احباب کی مفارقت کا صدمہ دامن گیر ہوگا۔ پیش آمدہ سفر کی درازی کے منازل کی دشوار گزاری اور سب پر مستزاد اپنی بے مائیگی اور زاد سفر کی کمی کا احساس دل و دماغ کو پاش پاش کررہا ہوگا اعزا و اقارب موجود ہیں مگر سب سرگریباں دوست و احباب موجود ہیں مگر سب بت بنے انگشت بدنداں۔ الغرض سب کے سب اس کی امداد و اعانت اور فریاد رسی و داد رسی سے بے بس خداوند عالم نے اس وقت کا نقشہ اپنے آخری کلام معجز نظام میں بایں الفاظ کھینچا ہے۔ **فلو لا اذا بلغت الحلقوم وانتم حینئذ تنظرون ونحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون فلو لا ان کنتم غیر مدینین ترجعونہا ان کنتم صادقین۔** (الواقعہ ۱۹) تو کیا جب جان گلے تک پہنچتی ہے اور تم اس وقت (کی حالت) پڑے دیکھا کرتے ہو اور ہم اس مرنے والے کے لئے تم سے بھی

---

(۱) چنانچہ یہ سطور لکھتے وقت اس راقم آثم پر یہی کیفیت طاری ہے۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم   زانکہ من بندۂ گنہگارم عفی عنہ'

زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا تو اگر تم کسی کے دباؤ میں نہیں ہو (تو اگر اپنے دعوی میں) تم سچے ہو تو روح کو پھیر کیوں نہیں دیتے ایک اور مقام پر خالق اکبر نے اس کیفیت کی اس طرح تصویر کشی کی ہے۔ **کلا اذا بلغت التراقی وقیل من راق وظن انہ الفراق والتفت الساق بالساق الی ربک یومئذن المساق** (القیامۃ) سن لو جب جان بدن سے کھچ کی ہنسلی تک آپہنچے گی اور کہا جائے گا اس وقت کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے اور مرنے والے نے سمجھا کہ سب سے جدائی ہے اور موت کی تکلیف سے) پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی اس دن تجھ کو اپنے پروردگار کے حضور میں چلنا ہے۔ (ترجمہ فرمان)

بہرحال اس وقت گو مرنے والے کے ورثہ اور دوست' احباب اسے موت کے آہنی پنجوں سے بچا تو نہیں سکتے مگر مرنے والے کی سہولت کی خاطر اتنا تو کرسکتے ہیں کہ جب وہ دم توڑ رہا ہو تو اس کو رو بقبلہ کردیں یعنی اس کو چت لٹا کر اس کی چارپائی کو اس طرح رکھیں کہ اس کے پاؤں اس طرح قبلہ کی جانب ہوں کہ اگر وہ اٹھ کر بیٹھے تو اس کا منہ سیدھا قبلہ کی طرف ہو۔ یہ حکم وجوبی ہے اور مرد و زن اور صغیر و کبیر سب کے لئے برابر ہے۔

احتضار کے مستحبات و آداب

یہاں کچھ مستحبات و آداب بھی ہیں ان کو بھی بجا لانا چاہئے اور اس سعادت سے نہ مرنے والے کو محروم رکھنا چاہئے اور نہ خود محروم رہنا چاہئے۔

۱۔ منجملہ اور مسائل کے ایک مسئلہ یہی ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ مخالفین اہل حق پر تابڑ توڑ حملے کیا کرتے ہیں کہ اس طرح کعبہ کی ہتک کی جاتی ہے کعبہ کی طرف پیر کئے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہ ہے کہ تعظیم وہ ہوتی ہے جس کا شریعت میں حکم دیا گیا ہو اور توہین وہ ہوتی ہے جس سے شریعت مقدسہ میں روکا گیا ہو بنابریں ہم بڑی فراخدلی کے ساتھ اس حکم سے دست بردار ہونے کے لئے تیار ہیں مگر ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ زبان اعتراض دراز کرنے والے ذرا اپنی کتابوں سے ہی سہی پیغمبر اسلامؐ کا کوئی ایسا فرمان ہمیں دکھا دیں جس میں کعبہ کی طرف پاؤں کرنے سے روکا گیا ہو۔ **ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین** دوسری گذارش یہ ہے کہ جناب پیغمبر اسلامؐ کا یہ فرمان ہے کہ **انما الا عمال بالنیات** تمام اعمال و افعال کا دارو مدار نیت پر ہے بنابریں ہم جو میت کے پاؤں قبلہ کی طرف کرتے ہیں تو اس سے ہمارا اصل

اولؔ۔ مرنے والے کو چند چیزوں کی تعلیم و تلقین کی جائے۔ (الف) شہادتین کی تلقین یعنی اسے **اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمد عبدہ ورسولہ** کی تعلیم دی جائے۔

(ب) آئمہ اطہار علیہم السلام کی امامت و ولایت کا نام بنام اقرار کرایا جائے۔

(ج) اسے کلمات فرج پڑھائے جائیں حدیث میں وارد ہے کہ **من کان اخر کلا مہ لاالہ الا اللہ دخل الجنۃ** جس شخص کا آخری کلام اقرار توحید ہو گا وہ داخل جنت ہو گا۔ (مستدرک الوسائل) اور دوسری مذکورہ بالا چیزوں کی تعلیم و تلقین اخروی نجات اور عدیلہ عندالموت سے حفاظت کا باعث ہے کلمات فرج کے الفاظ' ان کی کمی و بیشی اور ان کی تقدیم و تاخیر میں اختلاف ہے مگر من باب التسلیم جو مروی الفاظ پڑھ لئے جائیں کافی ہیں ویسے ایک روایت صحیحہ میں یہ الفاظ مذکور ہیں۔ **لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم لا الہ الا اللہ العلی العظیم سبحان اللہ رب السمٰوٰت السبع ورب الا رضین السبع و ما فیھن وما بینھن ورب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین۔** بعض روایات میں العرش العظیم کے بعد اور والحمد للہ سے پہلے وسلام علی المرسلین بھی وارد ہے۔ (د) نیز اس دعا کا پڑھانا بھی وارد ہے۔ **اللھم اغفرلی الکثیر من معا صیک واقبل**

بقیہ حاشیہ صفحہ
مقصد مرنے والے کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ہوتا ہے نہ کہ پاؤں۔ مگر اس حالت میں اس کا آسان طریقہ وہی ہے جو کتاب میں درج ہے اس لئے اس کو اس طرح لٹایا جاتا ہے چنانچہ بستر گیر بیمار کی نماز کے متعلق فریقین کے فقہاء نے بالصراحت لکھا ہے کہ بیمار کو اس طرح لٹایا جائے کہ اس کی ٹانگیں قبلہ کی طرف ہوں کہ اگر اٹھ کر بیٹھے تو رو بقبلہ ہو جیسا کہ جامع الرموز شرح وقایہ ص ۱۱۳ ھدایہ اولین ص ۱۴۱ اور فتاوی سراجیہ ص ۲۲ پر لکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ

ع: ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

ع: چست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

منی الیسیر من طاعتک لا الہ الا اللہ یا من یقبل الیسیر و یعفو عن الکثیر اقبل منی الیسیر واعف عنی الکثیر انک انت العفو الغفور۔ اس سلسلہ کی روایات سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ تاامکان مرنے والے کو بھی یہ تمام الفاظ دہرانے چاہیں۔ دوم موت واقع ہونے تک ان کلمات مبارکہ کا تکرار کرنا چاہیے۔

دوم۔ اگر مرنے والے کی جانکنی کا مرحلہ سخت ہو جائے تو اس کی چارپائی کو اس جگہ لیجانا چاہیے جس جگہ وہ نماز پڑھا کرتا تھا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس طرح کرنے کا فائدہ یہ ہو گا کہ اگر اس کی موت کا وقت نہیں آیا تو اس کی تکلیف میں تخفیف ہو جائے گی اور اگر اس کی موت کا وقت آچکا ہے تو باآسانی موت واقع ہو جائے گی۔ (طب الائمہ)

سیوم۔ سورہ یاسین اور سورہ صافات پڑھی جائیں ہر دو کی مشترکہ فضیلت تو یہ ہے کہ مرنے والے کی روح باآسانی قبض ہو جاتی ہے اور یس کی فضیلت میں ایک روایت مصباح کفعمی میں وارد ہے اور سورہ صافات کے متعلق وارد ہے کہ اس سے مرنے والا شیاطین کے شر اور شرک کے ضرر سے محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح اور بعض سورِ قرآنیہ اور آیات فرقانیہ کی تلاوت کرنے کا بھی حکم وارد ہوا ہے۔

چہارم۔ مرنے والے کے جسم کو ہاتھ نہ لگایا جائے کہ اسے اس سے تکلیف ہوتی ہے

پنجم۔ ویسے تو ہر شخص کو خداوندعالم سے حسن ظن رکھنا چاہیے مگر مرنے والے کیلئے خصوصی ہدایت ہے کہ وہ خدا سے حسن ظن رکھے اور اس کی رحمت واسعہ کا امیدوار رہے چنانچہ امالی شیخ طوسیؒ میں ایک روایت موجود ہے۔ کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ مرنے والے کے حسنِ ظن کی قیمت بہشت ہے۔

ششم۔ جنب آدمی اور حیض والی عورت مرنے والے کے پاس نہ جائیں احادیث میں وارد ہے کہ اس سے ان ملائکہ کو اذیت پہنچتی ہے جو وہاں موجود ہوتے ہیں۔

ہفتم۔ مرنے والے کو توبہ و استغفار کرنے کی تلقین کی جائے کیونکہ روایات میں وارد ہے کہ جب تک روح بدن سے کھچ کر حلق تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور قبول ہو سکتی ہے رزقنا اللہ التوبۃ قبل الموت والمغفرۃ بعد الموت۔

ہشتم۔ جب موت واقع ہو جائے تو میت کی آنکھیں بند کی جائیں، منہ بند کر دیا جائے اور دونوں ہاتھ اس کے پہلوؤں کے ساتھ دراز کر دیے جائیں تاکہ اس کا منظر قبیح نہ ہو جائے۔

نہم۔ مرنے کے بعد اسے تنہا نہ چھوڑا جائے حدیث میں وارد ہے کہ اگر میت کو تنہا چھوڑا جائے تو شیطان اس سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔

دہم۔ فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کے وقت مرے تو اس کے پاس چراغ روشن کیا جائے مگر احادیث سے اس بات کا استفادہ مشکل ہے کیونکہ ان میں تو صرف یہ وارد ہے کہ مرنے والا جس مکان میں رہتا تھا وہاں چراغ روشن کیا جائے چنانچہ اصول کافی میں وارد ہے کہ جس مکان میں حضرت امام محمد باقرؑ کی وفات ہوئی تھی وہاں مدت العمر حضرت امام جعفر صادقؑ چراغ روشن کیا کرتے تھے۔ اسی طرح جہاں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا وہاں حضرت امام موسی کاظمؑ پابند سلاسل ہو کر عراق تشریف لے جانے تک برابر چراغ روشن کیا کرتے تھے۔ واللہ العالم

یازدہم۔ بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ میت کے پاس بالخصوص قبر کے پاس قرآن خوانی کی جائے۔ چنانچہ ایک روایت میں وارد ہے کہ جناب سیدہ عالم سلام اللہ علیہا نے جناب امیر علیہ السلام کو وصیت کی تھی کہ میری قبر کے پاس آکر قرآن کی تلاوت کرنا۔ (مستدرک الوسائل)

دوازدہم۔ مرنے کے بعد تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے یہاں تک کہ بعض روایات میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص دن میں مرے تو اس کے کفن دفن میں رات کا انتظار نہ کیا جائے اور اگر رات کو مرے تو اسکی تجہیز و تدفین میں دن کا انتظار نہ کیا جائے ہاں البتہ اگر موت میں اشتباہ ہو جیسا کہ سکتہ یا دیگر بعض امراض قلبیہ میں ہوتا ہے تو پھر اس وقت تک تاخیر واجب ہے جب تک اسکی موت کا یقین نہ ہو جائے (واللہ الموفق)

غسل میت اور اس کے بعض اسرار و رموز

میت کو غسل دینا بالاتفاق واجب ہے اور اس کے اندر بہت سے مصالح اور اسرار و رموز پوشیدہ ہیں جن میں سے بعض کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

پہلی رمز۔ جدید طبی انکشافات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔ کہ موت کے بعد جسم انسانی پر مختلف قسم کے خطرناک جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں ان کا قلع قمع کرنے کیلئے غسل میت فرض کیا گیا ہے۔

دوسری رمز۔ بیماری اور تکلیف کی وجہ سے مرنے والے کے جسم پر مختلف قسم کی کثافتیں جمع ہو جاتی ہیں ان کے ازالہ کیلئے غسل واجب کیا گیا ہے تاکہ مرنے والا جنت الفردوس جیسے پاک و پاکیزہ مقام میں داخل ہونے کے قابل ہو سکے۔

تیسری رمز۔ چونکہ مرنے والے نے اہل آخرت ملائکہ مقربین اور دیگر معصومین علیہم السلام سے ملاقات کرنا ہے اس لئے واجب ہے کہ پاک و پاکیزہ ہو کر جائے تاکہ ان سے ملاقات کرنے کے لائق ہو سکے۔

چوتھی رمز۔ چونکہ مرنے والے نے رب العالمین اور احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اس لئے عقلاً و شرعاً واجب و لازم ہے کہ وہ ہر قسم کی جسمانی و روحانی کثافت و غلاظت سے پاک و صاف ہو کر حاضر ہو۔ **"الی غیر ذالک من المصالح والاسرار التی لا یخفی علی المتامل و فیما ذکرنا کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ"**

غاسل کے احکام

غسل میت کے سلسلہ میں تین مرحلوں میں گفتگو کی جاتی ہے پہلا مرحلہ غاسل (غسل دینے والے) دوسرا مغسول (جس کو غسل دیا جاتا ہے) اور تیسرا خود کیفیت غسل سے متعلق ہے چنانچہ ذیل میں پہلے غاسل کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ ۱۔ اس بحث کی ابتداء میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ میت کے تمام احکامات' وقت احتضار سے لیکر کفن دفن تک واجب کفائی ہیں۔ مگر خاندان عصمت و طہارت کے ارشادات سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان سب احکام کے پہلے پہل مخاطب مرنے والے کے ولی و وارث ہیں ہاں اگر وہ نہ ہوں یا ہوں مگر اپنے فرض کی انجام دہی سے انکار کر دیں تو پھر حاکم شرع (نبیؐ و امامؑ یا ان کے نائب خاص و عام) پر اس فرض کی انجام دہی عائد ہو گی اور اگر وہ بھی موجود نہ ہوں تو پھر ان عام اہل ایمان کا فرض ہے کہ جن کو مرنے والے کی موت کا علم ہو جائے کہ وہ اس فریضہ کو انجام دیں۔

بہرحال اسی مسئلہ کی یہ پہلی فرع ہے کہ میت کی وراثت لینے میں جو شخص سب سے اولی ہے میت کے تمام فرائض کی انجام دہی بھی اسی پر فرض ہے اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ وراثت میں وارثوں کے تین طبقے ہیں طبقہ اولی جس میں میت کی اولاد اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد اور والدین شامل ہیں۔ دوسرا طبقہ جس میں میت کے بھائی بہنیں یا ان

کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد اور جد و جدہ داخل ہیں اور تیسرا طبقہ جس میں چچا' ماموں خالہ اور پھوپھی اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد۔ تو جس طرح وراثت کا یہ ضابطہ ہے کہ جب تک پہلے طبقہ کا ایک شخص بھی موجود ہو دوسرے طبقہ کو میراث نہیں ملتی اور جب تک دوسرے طبقہ کا ایک فرد بھی موجود ہو تو تیسرے طبقہ تک نوبت نہیں پہنچتی۔ یہی قانون یہاں غسل میت کے سلسلہ میں بھی جاری ہو گا۔ اس سلسلہ میں بناء بر اقوی میت اور غاسل میں ذکوریت اور انوثیت میں مماثلت کی بھی کوئی شرط نہیں ہے ہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ اگر مرنے والی عورت ہے اور وارث مرد ہے یا مرنے والا مرد ہے اور وارث عورت تو اس صورت میں وہ خود غسل نہیں دیں گے بلکہ دوسرے سے دلوائیں گے لیکن اس سے ان کی ولایت تو ساقط نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر ایک ہی طبقہ میں مرد بھی موجود ہوں اور عورتیں بھی تو مرد عورتوں پر مقدم سمجھے جائیں گے البتہ اس قاعدہ میں صرف ایک استثناء ہے اور وہ یہ کہ اگر بیوی مرجائے اور اس کا شوہر موجود ہو یا شوہر مرجائے اور اس کی بیوی موجود ہو تو یہ ایک دوسرے کے فرائض موت انجام دینے میں سب وارثوں پر مقدم ہیں ہاں البتہ اس بات میں اخبار و اقوال میں قدرے اختلاف ہے کہ یہ ہر دو ایک دوسرے کو مجردا" عن اللباس بھی غسل دے سکتے ہیں یا کپڑوں کے ساتھ ؟ اظہر یہ ہے کہ عاریا" عن اللباس غسل دے سکتے ہیں ہاں احوط یہ ہے کہ غسل دیتے وقت میت پر کپڑا ڈالکر اور اسکے اندر ہاتھ لے جا کر غسل دیں اور اگر مزید احتیاط کریں تو ہاتھوں پر بھی کپڑا لپیٹ لیں اور ظاہر یہ ہے کہ غسل کے مکمل ہونے کے ساتھ وہ کپڑا بھی خود بخود پاک ہو جائے گا۔

مخفی نہ ہے کہ جو عورت طلاق رجعی کے بعد ہنوز عدت کے اندر ہے اس کا حکم زوجہ والا ہے نیز بناء بر مشہور اس اطلاق نصوص کے سلسلہ میں آزاد اور کنیز اور عقد دائمی اور عقد منقطع میں بھی کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح غسل دہندہ کا مسلمان ہونا نیز عاقل اور بنابر مشہور بالغ اور اثنا عشری ہونا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ ۲۔ نصوص و فتاوی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غاسل و مغسول کے درمیان ذکوریت اور انوثیت میں اتحاد ضروری ہے۔ یعنی مرد کو مرد اور عورت کو عورت غسل دے ہاں البتہ اس سلسلہ میں زن و شوہر کے علاوہ جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے دو صورتوں کا اور استثناء کیا گیا ہے

اول یہ کہ جن عورتوں کے ساتھ مرد ایسی نسبی یا رضاعی قرابت قریبہ رکھتا ہے (جیسے حقیقی بھائی، بہن اور ماں بیٹی یا رضاعی ماں بہن اور بیٹی وغیرہ یا ایسی سببی رشتہ داری رکھتا ہے جیسے ساس اور بہو وغیرہ کہ جسکی وجہ سے وہ کبھی بھی ان سے نکاح نہیں کر سکتا اور یہی حکم عورت کا ہے کہ جن مردوں سے نسبی یا سببی رشتہ داری کی بنا پر نکاح نہیں کرسکتی وہ ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں لیکن دو شرطوں کے ساتھ بنابر مشہور و منصور اس صورت میں جبکہ مماثل یعنی مرد کیلئے مسلمان مرد اور عورت کیلئے مسلمان عورت موجود نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ کپڑوں کے باہر سے دیں نہ کہ ننگی حالت میں دوم یہ کہ جب مرنے والا لڑکا تین سال کا یا اس سے کم عمر کا ہو یا مرنے والی لڑکی تین یا تین سال سے کم عمر کی ہو تو یہاں بھی مماثلت کی شرط نہیں ہے بلکہ اس صورت میں لڑکے کو عورتیں اور لڑکی کو مرد اور وہ بھی مجردا" عن الثوب غسل دے سکتے ہیں۔

مسئلہ ۳۔ جب کوئی مرد یا عورت مرجائے اور کوئی مماثل موجود نہ ہو اور نہ ہی مذکورہ بالا محارم میں سے کوئی غیر مماثل محرم موجود ہو تو اس کے غسل کے بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ آیا اسے غیر مماثل اور غیر محارم (مثلاً مرنے والے مرد کو اجنبی عورتیں یا مرنے والی عورت کو اجنبی مرد) کپڑوں کے اوپر سے غسل دیں؟ یا اسے تیمم کرائیں یا صرف اس کے منہ ہاتھ کو دھوئیں یا اس کو غسل کے بغیر دفن کر دیا جائے؟ اس میں قدرے اختلاف ہے مگر مشہور و منصور قول یہ ہے کہ اس صورت میں (خدا نکند) اسے بغیر غسل ہی نماز جنازہ پڑھ کے دفن کر دیا جائے واللہ العالم۔

مسئلہ ۴۔ اگر غسل کے سلسلے میں مرنے والے کا کوئی مماثل موجود نہ ہو اور نہ ہی محارم میں سے کوئی غیر مماثل موجود ہو مگر اہل کتاب (یہود و نصاریٰ میں سے مماثل موجود ہوں تو آیا ان سے غسل دلوایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ پہلے ان کو کہا جائے گا کہ وہ خود غسل کریں اس کے بعد ان سے میت کو غسل دلوایا جائے گا یہ حکم مشہور بین الفقہاء ہے اور اس کے متعلق کتب معتبرہ میں دو روائتیں موجود ہیں۔ اگرچہ دونوں روائتیں ضیعف ہیں کیونکہ ایک روایت کے اکثر راوی افطحی (عبداللہ افطح بن امام جعفر صادقؑ کی امامت کے قائل) ہونے کی وجہ سے بد عقیدہ ہیں اور دوسری کے اکثر راوی زیدی (زید بن امام زین العابدینؑ کی امامت کے قائل) ہیں مگر اظہر و اشہر قول یہ ہے کہ اہل کتاب نجس ہیں (انما المشرکون نجس) اس لئے یہ حکم اشکال و تردد سے خالی نہیں ہے واللہ العالم و علمہ اتم۔

مغسول سے متعلقہ احکام کا بیان

ہر وہ شخص جو بظاہر اصول اسلام کا اقرار کرتا ہے اور بعض ضروریات دین کا انکار کرنے کی وجہ سے خوارج ' نواصب اور غالیوں کی طرح محکوم با لکفر بھی نہیں ہے تو اس کو غسل دینا واجب ہے اگرچہ اصول ایمان کا اقرار نہ کرتا ہو لہٰذا جو لوگ حقیقی کافر و مشرک ہیں یا شرعاً" ان کے ساتھ ملحق ہیں۔ ان کو غسل میت دینا یا کفن دینا یا دفن کرنا یا دیگر اسلامی احکام کا ان پر جاری کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ وہ مسلمانوں کے انتہائی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں حتی کہ ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ ا۔ جو شخص مسلمان کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ خواہ بچہ ہو یا دیوانہ بلکہ اگر چار ماہ یا اس سے زائد کا حمل بھی ساقط ہو جائے تو اس کا بھی غسل و کفن اور دفن واجب ہے۔

شہید کے مسائل:

مسئلہ نمبرا۔ جو شخص ایسے شرعی جہاد اور وہ بھی معرکہ جنگ کے اندر جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے جو نبیؐ یا امامؑ کے حکم سے کیا گیا ہو یا ایسے دفاعی جہاد میں شہید ہو جو کہ مرکز اسلام کی حفاظت کی خاطر کیا گیا ہو جبکہ کفار نے اس پر ہلہ بول دیا ہو تو اسکو نہ غسل دیا جائے گا نہ حنوط اور نہ کفن بلکہ اس پر صرف نماز جنازہ پڑھ کے اسے اس کے خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیا جائے گا ہاں اگر اس کے جسم پر چمڑے کی کوئی چیز ہو جیسے خف ٹوپی اور پوستین وغیرہ تو ان کو اتار لیا جائے گا مگر یہ کہ ان کو خون لگا ہوا ہو تو اس صورت میں انکو نہیں اتارا جائے گا مگر شرعی جہاد کے علاوہ اس کی دو شرطیں اور بھی ہیں۔ اول یہ کہ معرکہ جنگ میں جاں بحق ہوا ہو لہٰذا اگر اس کو وہاں سے اٹھا کر کہیں ادھر ادھر لے جایا گیا اور وہاں جاکر اس نے دم توڑا تو اس پر شہید والے احکام مترتب نہیں ہوں گے۔ دوم مسلمان اس کے پاس اس وقت پہنچیں جبکہ وہ دم توڑ چکا ہو اور اگر اس وقت پہنچیں جبکہ ہنوز اس میں کچھ رمق حیات باقی تھے تو پھر بھی علی الاشہر والاظہر اس پر شہید والے مذکورہ بالا ظاہری احکام جاری نہیں ہوں گے (گو وہ شہید ہے)

مسئلہ ۲۔ اگر شہید کا لباس اتار لیا گیا ہو تو پھر اسے کفن دینا واجب ہے ورنہ اس کا خون اس کا غسل اور اس کا خون آلود لباس اس کا کفن سمجھا جائے گا۔

مسئلہ ۳۔ جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہونے والے کے علاوہ بعض اور مرنے والوں کو بھی احادیث میں شہید کہا گیا ہے جیسے وہ شخص جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے یا جو دریا میں ڈوب کر مرجائے یا جو عورت نفاس کی حالت میں مرجائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو شہادت کا درجہ اور ثواب ملے گا مگر شہید راہ خدا والے ظاہری احکام ان پر مترتب نہیں ہوں گے۔

جس شخص کو درندے کھا جائیں اس کے احکام

مسئلہ ۱۔ مشہور بین الفقہا یہ ہے کہ اگر کسی میت کے جسم کا صرف بعض حصہ ملے تو دیکھا جائے گا کہ آیا اس حصہ میں سینہ موجود ہے یا وہ حصہ ہی صرف سینہ ہو تو پھر اس پر پورے جسم والے احکام مترتب ہوں گے۔ یعنی اسے غسل و کفن دیا جائے گا۔ اور نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کیا جائے گا اور اگر اس حصہ میں سینہ نہیں لیکن اس میں کوئی ہڈی ہے تو پھر اسے صرف غسل دے کر اور کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا مخفی نہ رہے کہ مذکورہ بالا دوسرے احکام کا تو احادیث میں تذکرہ موجود ہے مگر دونوں صورتوں میں غسل دینے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اگرچہ احوط یہی ہے کہ قول مشہور کے مطابق عمل کیا جائے۔

مسئلہ ۲۔ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس آدمی کو درندے کھا جائیں (خدا سب کو محفوظ رکھے) اور اس کا صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ملے جس پر کوئی گوشت نہ ہو تو اس ڈھانچہ کا حکم بھی اصل جسم والا ہے کہ اسے غسل و کفن دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کیا جائے گا۔

شرعی واجب القتل کے احکام

مسئلہ ۱۔ اجماع کی حد تک مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ جس شخص کو زنا کرنے یا نفس محترمہ کو قتل کرنے اور پھر شرعی طریقہ پر جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد رجم کرنا یا قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ تو رجم یا قتل سے پہلے (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ غسل میت کرکے حنوط لگائے اور کفن پہن لے اس کے بعد اس کو سنگسار یا قتل کیا جائے گا بعد ازاں اس کو غسل میت دینے کی ضرورت نہیں ہے صرف اس پر نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا جائے گا اور اگر اس نے پہلے غسل نہیں کیا تھا تو پھر اسے غسل دیا جائے گا اگر اس مسئلہ پر سب فقہاء کا

اتفاق نہ ہوتا تو اس میں مناقشہ کرنے کی بڑی گنجائش تھی کیونکہ یہ حکم بظاہر شرعی قواعد کے خلاف ہے ظاہر ہے جو نجاست موت کے بعد طاری ہوتی ہے وہ سابقہ غسل سے تصوّر نہیں ہو سکتی نیز اس فتویٰ کا ماخذ صرف ایک روایت ہے جو کافی میں .بسند ضعیف اور فقیہ میں مرسلاً" منقول ہے اور اس کے خلاف بہت سی احادیث صریحہ و صحیحہ موجود ہیں کہ ہر مرنے والے مسلمان کو غسل دینا واجب ہے اور یہ روایت ان کی مخصص بننے کی اہلیت نہیں رکھتی بہرحال احتیاط اس میں ہے کہ موت کے بعد اس کو دوبارہ بھی غسل دیا جائے۔ (واللہ العالم)

حالت احرام میں مرنے والے کے احکام و مسائل۔

اگر کوئی شخص حالت احرام میں مرجائے احرام خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا اور پھر عمرہ مفردہ ہو یا حج تمتع کا اس کے باقی سب احکام دوسرے اموات والے ہیں صرف ایک بات میں فرق ہے کہ اس کو کافور سے حنوط نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی اور خوشبو اسے لگائی جائے گی۔

مسئلہ ۱۔ محرم (احرام والے شخص) کے حکم میں ان لوگوں کو شامل نہیں کیا جائے گا جن پر احرام کے علاوہ کسی اور وجہ سے خوشبو لگانی حرام ہو جیسے عدت وفات والی عورت یا اعتکاف میں بیٹھنے والا مرد کیونکہ ہمارے مذہب میں قیاس جائز نہیں ہے اور اس مسئلہ میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ ظاہر یہ ہے کہ جسم کے وہ اعضاء جن کا غسل و کفن واجب ہے (جن کی تفصیل اوپر مذکور ہے) ان کا حکم بھی پورے جسم والا ہے لہٰذا ان کو بھی حنوط نہیں کیا جائے گا۔

غسل میت کا احکام

کیفیت غسل بیان کرنے سے پہلے اس غسل کے شرائط' واجبات' مستحبات اور مکروہات کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

غسل میت کے شرائط

سو واضح ہو کہ غسل میت کے بنابر مشہور شرائط وہی ہیں جو وضو اور غسل جنابت کے ہیں جیسے نیت کرنا' پانی اور مقام غسل کا پاک ہونا اور غصبی نہ ہونا وغیرہ اگرچہ یہ فتویٰ اشکال سے خالی نہیں ہے کیونکہ وضو ہو یا غسل جنابت یہ سب رفع حدث (باطنی کثافت کے ازالہ) کے لئے کئے جاتے ہیں جن میں قصد قربت وغیرہ شرائط کا ہونا ضروری ہے مگر غسل میت رفع خبث

(ظاہری نجاست کے ازالہ) کے لئے کیا جاتا ہے کیونکہ بنابر مشہور و منصور مرنے سے انسان کا جسم نجس ہو جاتا ہے۔ (اسی لیے تو غسل مس میت واجب ہے) اور ظاہر ہے کہ ظاہری نجاست کا ازالہ (جیسے اگر نجس کپڑا وغیرہ پاک کرنا ہو تو وہ ان شرائط میں سے کسی ایک شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے تاہم چونکہ فتوائے مشہور احتیاط کے مطابق ہے لہٰذا اسی کے مطابق عمل کرنا انسب ہے (واللہ العالم)

بناء بریں اگر ایک ہی شخص غسل دے یعنی پانی بھی وہی ڈالے اور وہی میت کو الٹے پلٹے تو وہی غسل کی نیت کرے گا لیکن اگر دو شخص غسل دے رہے ہوں یعنی ایک پانی ڈالنے والا ہو دوسرا میت کے الٹنے پلٹنے والا ہو تو اب نیت کس کو کرنی چاہئے؟ اگرچہ بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نیت پانی ڈالنے والے کو کرنی چاہئے کیونکہ دراصل غاسل وہی ہے مگر احادیث اہل بیتؑ میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل غاسل وہ ہے جو میت کو الٹ پلٹ رہا ہے اور اس کی کثافت اپنے ہاتھوں سے دور کر رہا ہے لہٰذا نیت اسی کو کرنی چاہئے اور اگر مزید احتیاط کے لئے پانی ڈالنے والا بھی نیت کرلے تو بہتر ہے نیز مشہور یہ ہے کہ آب سدر، آب کافور اور آب خالص سے غسل دیتے وقت ہر بار الگ الگ نیت کرنا چاہئے۔ مگر ہم وضو کے مسئلہ میں نیت کے متعلق جو تحقیق ذکر کر چکے ہیں اس کے مطابق یہ بحث بالکل ہی عبث ہو کر رہ جاتی ہے ظاہر ہے کہ غسل میت ایک فعل ہے (جو تین اغسال کا مجموعہ ہے) لہٰذا اس کی بجا آوری کے لیے ایک ہی محرک و داعی کافی ہے اور وہ ہے تعمیل حکم شریعت بقصد قربت و بس۔ اسکے علاوہ کسی چیز کا وجوب ثابت نہیں ہے واللہ العالم۔

غسل میت کے واجبات

غسل میت کے واجبات آٹھ ہیں۔

۱۔ تین غسل دینا، آب سدر، آب کافور اور آب خالص سے

۲۔ اغسال میں ترتیب یعنی پہلا آب سدر سے دوسرا آب کافور سے اور تیسرا آب خالص سے دینا۔

۳۔ وقت احتضار کی طرح میت کو رو بقبلہ کر کے غسل دینا۔

۴۔ غسل دیتے وقت میت کی شرمگاہ کو کپڑے کے قطعہ سے ڈھانپنا ہاں اس سے زن و شوہر

کے لئے ہے تو پھر بعض نجاسات کا پہلے زائل کرنا چہ معنی دارد؟۔

مگر چونکہ قول مشہور احتیاط کے مطابق ہے اس لئے اس کی پیروی کرنا اولیٰ ہے۔

غسل میت کے مستحبات

غسل میت کے مستحبات چودہ ہیں۔

۱۔ ہر سہ اغسال میں سے ہر غسل سے پہلے اسی پانی سے میت کے ہاتھوں کا آدھی کہنیوں تک اور شرمگاہ کا تین تین بار دھونا۔

۲۔ ہر غسل میں ہر ہر حصہ بدن (سر اور دائیں بائیں جانب) کا تین تین بار دھونا۔

۳۔ جس عضو کو دھونا شروع کیا جائے اس کی تکمیل تک پانی کی دھار کو قطع نہ کرنا۔

۴۔ میت کی انگلیوں اور دوسرے جوڑوں کو نرم کرنا (لیکن اگر بہت سخت ہو جائیں تو پھر ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے)

۵۔ غسل دہندہ کو غسل دیتے وقت بالخصوص میت کی شرمگاہ دھوتے وقت ہاتھ پر کپڑے کا ٹکڑہ لپیٹنا۔

مستثنیٰ ہیں اگرچہ وہاں بھی یہ امر مستحب ہے اور تین سال یا اس سے کم عمر کی بچی، بچہ (کما تقدم)

۵۔ اعضائے غسل میں ترتیب یعنی پہلے سر پھر داہنی جانب اور اس کے بعد بائیں جانب کو غسل دینا۔

۶۔ اظہر و اشہر یہ ہے کہ سدر (بیری کے پتے) اور کافور اتنی مقدار میں نہ ڈالے جائیں کہ آب مطلق آب مضاف بن جائے بعض روایات میں سدر کے سات پتے ڈالنے کا تذکرہ ہے۔ بہر کیف اتنی مختصر مقدار ڈالی جائے کہ پانی پر آب سدر و آب کافور کا اطلاق ہو سکے لا ینبغی بان الاشہر ہو الاحوط۔

۷۔ مشہور یہ ہے کہ اگر سدر و کافور نہ مل سکے تو ان کی بجائے آب خالص سے تین غسل دینے واجب ہیں مگر اظہر یہ ہے کہ اس صورت میں غسل سدر و کافور کا وجوب ساقط ہو جائے گا اور فقط آب خالص سے ایک غسل دینا کافی ہو گا اگرچہ احوط یہ ہے کہ قول مشہور کی اتباع کی جائے۔

۸۔ مشہور یہ ہے کہ غسل میت سے پہلے بدن سے ظاہری نجاست کا ازالہ واجب ہے اگرچہ اس کے وجوب میں کلام کی بڑی گنجائش ہے کیونکہ جب خود غسل میت ظاہری نجاست کے ازالہ

۸۔ غسل دیتے وقت منقولہ دعاؤں کا پڑھنا مثلاً "یہ دعا جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا (اگر مومن) مومن کو غسل دیتے وقت یہ دعا پڑھے تو اس کے گناہ کبیرہ کے سوا ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ "**اللهم ان هذا بدن عبدک المومن قد اخرجت روحه و فرقت بينهما فعفوک عفوک**" (وسائل الشیعہ)

دوسری روایت میں وارد ہے کہ جو مومن مومن کو غسل دیتے وقت یہ پڑھے۔ "**یا رب عفوک عفوک**" تو خدا اسے معاف ہی کر دے گا مناجات موسوی میں وارد ہے کہ جناب موسیٰ نے عرض کیا یا اللہ جو شخص میت کو غسل دے اس کا اجر و ثواب کیا ہے؟ ارشاد قدرت ہوا۔ **اغسله من ذنوبه كيوم ولدته امه**۔ میں اس کو گناہوں سے اسی طرح پاک کر دیتا ہوں جس طرح اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ (ثواب الاعمال)

۹۔ لکڑی کے پھٹے پر غسل دینا بہتر ہے کہ یہ تختہ بلند جگہ پر رکھا جائے اور پاؤں والی جانب قدرے پست ہو تاکہ غسل دیتے وقت اسکے نیچے پانی جمع نہ ہو جائے۔

۱۰۔ غسل کے پانی کے لئے گڑھا کھودنا جس میں پانی جمع ہو۔

۱۱۔ غسل کے بعد مقام دبر پر کچھ کپاس رکھنا تاکہ اگر کچھ غلاظت خارج ہو تو اس سے میت کا بدن اور کفن ملوث اور نجس نہ ہو جائے۔

۱۲۔ غسل دینے والے کا میت کے ایک جانب کھڑا ہو کر غسل دینا اور اسی طرح میت کے اوپر کھڑا نہ ہونا کہ میت اس کی دو ٹانگوں کے درمیان آجائے کہ اس میں سوء ادبی پائی جاتی ہے۔

۱۳۔ پہلے دو غسلوں (آب سدر و کافور) میں میت کے پیٹ کو نرمی کے ساتھ ملنا تاکہ اگر پیٹ میں کچھ کثافت ہے تو وہ خارج ہو جائے البتہ آخری غسل کے بعد ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

۱۴۔ غسل کے بعد تولیہ وغیرہ سے بدن کو خشک کر کے پھر کفن پہنانا چاہیے۔

غسل میت کے مکروہات

اس عمل کے مکروہات چھ ہیں۔

۱۔ غسل دیتے وقت میت کو بٹھانا کیونکہ اس طرح میت کو اذیت ہوتی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

۲۔ میت کے سر، بغل اور زیر ناف وغیرہ مقامات سے بال مونڈنا یا ڈاڑھی کو کنگھی کرنا اور ناخن کاٹنا اور اگر ایسا کیا جائے یا خود کچھ بال وغیرہ ٹوٹ جائیں تو ان کو میت کے ہمراہ رکھ دینا چاہئے۔

۳۔ آگ سے گرم شدہ پانی سے غسل دینا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔
لا تعجّل له بالنار (فروع کافی)

میت کے لئے آگ کی جلدی نہ کرو طبی طور پر بھی ٹھنڈا پانی بڑے فوائد کا حامل ہے۔

۴۔ غسل دینے والے کا میت کو اپنی ٹانگوں کے درمیان رکھنا۔

۵۔ میت کو کافور کے سوا کوئی اور خوشبو لگانا۔

۶۔ غسل کا پانی بیت الخلا میں ڈالنا۔

غسل میت کی کیفیت

اوپر جو حقائق بیان کئے گئے ہیں ان سے غسل میت کی کیفیت خود بخود واضح و آشکار ہو جاتی ہے خلاصہ مطلب یہ کہ میت کو تین غسل دینے واجب ہیں پہلا آب سدر[۱] سے دوسرا آب کافور سے اور تیسرا آب خالص سے لہٰذا غسل شروع کرنے سے پہلے تین بار میت کے ہاتھ اور شرمگاہ کو دھویا جائے بعد ازاں اصل غسل شروع کیا جائے اور ہر غسل میں تین تین بار پہلے سر اور پھر دائیں اور بائیں جانب کو دھویا جائے۔

(۱) آب سدر و کافور سے غسل دینا جناب رسول خدا کے ارشاد سے ثابت ہے چنانچہ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۴۹ طبع مصر میں ام عطیہ انصاریہ سے مروی ہے کہ ایک محترمہ کا انتقال ہو گیا تو جناب رسول خدا تشریف لائے اور فرمایا۔ **اغسلنها ثلاثا او خمسا او اکثر من ذالک ان رء یتن ذالک بماء و سدر واجعلن فی الاخرة کافورا" او شیئا من کافور۔**

اسے تین یا پانچ یا اس سے بھی زیادہ غسل دو اور یہ غسل آب خالص، آب سدر سے دو اور آخر مین قدرے کافور ڈال دو ویسے عقل سلیم سے بھی اسکی تائید مزید ہوتی ہے قبل ازیں غسل میت کے اسرار و رموز کے ضمن میں واضح کیا جا چکا ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد اس کے جسم پر مختلف قسم کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کا قلع قمع جب ہی ہو سکتا ہے کہ آب خالص کے ساتھ ساتھ آب سدر و کافور سے بھی غسل دیا جائے کیونکہ جراثیم کشی میں آب سدر و کافور کو خصوصی دخل ہے (منہ عفی عنہ)

اس غسل کے بعض مسائل

مسئلہ ۱۔ اگر غسل دینے والا خود میت کا شرعی ولی نہ ہو تو پھر ولی سے اجازت حاصل کرے۔

مسئلہ ۲۔ میت کو غسل دینے اور اس کے دیگر واجبات پر اجرت لینا حرام ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ میت مرد کی ہے یا عورت کی تو اسے مرد اور عورت ہر دو غسل دے سکتے ہیں لیکن کپڑے کے اوپر سے۔

مسئلہ ۴۔ اگر غسل دینے سے میت کے گوشت کے گرنے کا اندیشہ ہو جیسے چیچک زدہ یا آگ میں جلا ہوا آدمی تو اس صورت میں مشہور یہ ہے کہ اسے غسل کے عوض تیمم کرایا جائے مگر احوط یہ ہے کہ اگر ہاتھ لگانے سے گوشت گرنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں اس پر پانی ڈالنے پر اکتفا کیا جائے لیکن اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو پھر تیمم کرایا جائے مگر اس صورت میں بھی بعض روایات سے غسل دینے کا ہی وجوب ظاہر ہوتا ہے چنانچہ اُن میں وارد ہے کہ غسل دینے سے کچھ گوشت پوست گر جائے تو اسے کفن میں رکھ دیا جائے اس لئے یہ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے۔ (واللہ العالم بحقائق احکامہ)

مسئلہ ۵۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو یا استعمال میں کوئی مانع ہو تو پھر غسل کے عوض میت کو تیمم کرایا جائے گا۔

مسئلہ ۶۔ اگر مرنے والے کے ذمہ کوئی غسل واجب ہو جیسے جنب آدمی مرجائے یا حیض و نفاس والی عورت مرجائے تو صرف ایک غسل میت دینا ہی کافی ہے اس سے سب حدث رفع ہو جائیں گے۔

مسئلہ ۷۔ اگر حاملہ عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں کامل بچہ زندہ موجود ہو تو اس کا شکم چاک کرکے بچہ کو واجباً نکالا جائے اور پھر اس جگہ کو سی کر غسل و کفن دیا جائے۔

مسئلہ ۸۔ اگر جنب آدمی میت کو غسل دینا چاہئے تو پہلے وضو کرے پھر غسل دے۔

مسئلہ ۹۔ اسی طرح اگر غسل دینے والا غسل سے پہلے جماع کرنا چاہے تو اسے بھی پہلے وضو کر لینا چاہئے۔

کفن کے احکام

جس میت کو غسل میت دینا واجب ہے اسے کفن دینا بھی واجب ہے اور مومن کو کفن دینے میں بڑا ثواب ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "من کفن مومنا" کان کمن ضمن کسوتہ الی یوم القیامۃ جو شخص کسی مومن کو کفن دے وہ ایسا ہے کہ گویا قیامت تک وہ اس کے لباس کا ضامن ہوگیا ہے۔ (کافی)

واجبات کفن

اس بات پر تمام علماء و فقہاء کا اتفاق ہے کہ میت مرد کی ہو یا عورت کی۔ کفن کے واجبی اجزاء صرف تین ہیں۔ (۱) بڑی چادر جس میں اسے لپیٹا جائے۔ (۲) قمیص جو کاندھوں سے لیکر نصف ساق تک ہو۔ (۳) لنگی جو ناف سے لیکر گھٹنے تک ہو اگر نصف ساق بلکہ قدم تک ہو تو افضل ہے اور اگر تینوں پارچات نہ مل سکیں تو جس قدر مل جائیں۔ اس مقدار پر اکتفا کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر ایک ہی کپڑا ملے تو اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔

۲۔ میت مرد کی ہو یا عورت کی۔ اسے خالص ریشم کا کفن نہ دیا جائے کیونکہ ریشم کا کفن بالاتفاق حرام ہے۔

۳۔ احتیاط واجب یہ ہے کہ کفن چمڑے کا بھی نہ ہو۔

۴۔ کفن پاک ہو۔

۵۔ حلال و جائز ہو کیونکہ غصبی کفن حرام ہے۔

کفن کے مستحبات

۱۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی زندگی میں کفن تیار کر کے رکھے کیونکہ ایسا کرنے سے اس کا شمار غافلوں میں نہیں ہو گا اور جب بھی کفن پر نظر ڈالے گا تو ایک نیکی اس کے نامہ اعمال میں درج ہو جائے گی جیسا کہ اخبار اہل بیتؑ میں وارد ہے (فروع کافی)

۲۔ کفن عمدہ کپڑے سے تیار کرایا جائے کیونکہ احادیث میں وارد ہے کہ اگر مرنے والوں کے کفن اچھے ہوئے تو وہ قیامت کے دن ان پر فخر و مباہات کریں گے بعض روایات میں یوں وارد ہے۔ (اجیدوا اکفان موتاکم فانھا زینتھم)

اپنے مردوں کے کفن اچھے بناؤ کیونکہ یہ ان کی زینت ہیں۔

۳۔ اس کپڑے سے کفن تیار کیا جائے جس میں احرام باندھ کر حج یا عمرہ ادا کیا جا چکا ہو۔

۴۔ کپاس کے بنے ہوئے اور وہ بھی سفید کپاس کے بنے ہوئے کپڑے کا کفن دیا جائے۔

۵۔ مذکورہ بالا تین واجب کپڑوں کے علاوہ مرد، عورت ہر دو کے لئے یمنی چادر کا اضافہ مستحب ہے اور اگر وہ دستیاب نہ ہو سکے تو اس کے عوض ایک چادر کا اضافہ کیا جائے۔

۶۔ مرد و عورت ہر دو کے لئے ایک ران پیچ کا اضافہ جو قریباً" تین ساڑھے تین ہاتھ لمبا اور ایک بالشت یا ڈیڑھ بالشت چوڑا ہو۔ مرد کے صرف پیچھے اور عورت کے آگے اور پیچھے سے کچھ کپاس رکھ کر اوپر سے اسے ران پیچ کے ساتھ دونوں رانوں کو خوب کس دیا جائے۔

۷۔ مرد کے لئے عمامہ اور اس کے عوض عورت کے لئے دوپٹہ اور سینہ بند مستحب ہے عمامہ اس طرح باندھا جائے کہ دو چار پیچوں کے بعد اسکے دونوں سرے قینچی کی طرح سینہ پر ڈال دئے جائیں یعنی بایاں سرا دائیں پر اور دایاں سرا بائیں پر۔

جریدتین کے احکام

۸۔ مستحبات کفن میں جریدتین کا ذکر بھی مناسب ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ تر کھجور کی شاخوں کے دو ٹکڑے کاٹ کر بطور جریدتین میت کے کفن میں رکھے جائیں جن کا طول ایک بالشت کافی ہے اور اگر ایک ہاتھ کے برابر ہوں تو افضل ہے حدیث میں وارد ہے کہ جب تک جریدتین تر رہیں آدمی عذاب سے محفوظ رہتا ہے اس کی وجہ احادیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ جب جناب آدمؑ جنت سے نکل کر زمین پر آئے تو ان کو وحدت و تنہائی سے وحشت و گھبراہٹ لاحق ہوئی بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ جنت کے درختوں میں سے کوئی درخت دنیا میں بھیجے تب خدا نے کھجور کو نازل کیا۔ جناب آدمؑ اس سے بہت مانوس ہو گئے حتیٰ کہ بوقت وفات اپنی اولاد کو وصیت کی کہ میری موت کے بعد اس کے دو ٹکڑے میرے کفن میں رکھے جائیں کیونکہ جس طرح میں دنیا میں اس کے ساتھ مانوس رہا ہوں اسی طرح امید ہے کہ قبر میں بھی مانوس رہوں گا اس طرح یہ سنت قرار پا گئی اور بعد والے انبیاء برابر اس پر عمل کرتے رہے (وسائل) اگر کھجور نہ مل سکے تو پھر اس کی جگہ سدر (بیر) یا انار یا پھر کسی بھی تر درخت کی دو دو شاخیں رکھی جا سکتی ہیں۔

۹۔ ویسے تو جریدتین ہر طرح کفن میں رکھے جاسکتے ہیں مگر ان کے رکھنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ ایک جریدہ کفن میں میت کی داہنی جانب ہنسلی کی ہڈی کے پاس جسم سے ملا کر اور دوسرا بائیں

جانب تہمند باندھنے کی جگہ یا گھٹنوں کے اوپر ران اور پنڈلی کے درمیان یا قمیض اور بڑی چادر کے درمیان زیر بغل پہلو میں رکھ دیا جائے۔ **کما قال الصدوقؒ فی المقنعۃ وعلیہ العمل الیوم)**

۱۰۔ کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بڑی چادر چارپائی وغیرہ پر بچھا دی جائے اور اگر دوسری مستحبی چادر بھی ہو تو وہ بھی اس کے اوپر بچھا دی جائے) اس کے اوپر قمیص رکھی جائے اس کے اوپر لنگی اس کے اوپر ران پیچ اور عورت کا سینہ بند اور عمامہ یا دوپٹہ سرہانے کی جانب رکھ دیا جائے پھر میت کو اوپر لٹایا جائے تو سب سے پہلے ران پیچ کسا جائے اس کے بعد لنگی (تہبند) بندھائی جائے اس کے بعد عورت کا سینہ بند باندھا جائے اور سب کے آخر میں بڑی چادر اس طرح اوڑھائی جائے کہ پہلے بایاں حصہ دائیں جانب پر ڈالا جائے اور پھر دایاں سرا بائیں جانب پر ڈال دیا جائے۔

۱۱۔ کفن پر مختلف عبارات وادعیہ جات لکھی جاتی ہیں اصل تو صرف اس قدر ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے فرزند جناب اسماعیل کے کفن کے کنارہ پر لکھا تھا **اسماعیل یشھد ان لا الٰہ الا اللہ**۔ بعد ازاں علماء کرام نے محمد رسول اللہ اور ائمہ اطہارؑ کے اسماء مبارکہ لکھنے کا اضافہ کر دیا کتاب مُجتنۃ الامان کی بعض روایات سے دعائے جوشن کبیر کے کفن پر لکھنے کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے بلکہ بعض اثار سے کتابت قرآن کی بھی فضیلت مترشح ہوتی ہے لہٰذا اسماعیل کی جگہ مرنے والے کا نام لکھ کر کلمہ شہادت لکھنا چاہیئے۔

۱۲۔ افضل یہ ہے کہ یہ کلمات وادعیہ جات تربت حسینیہؑ (خاک شفا سے) لکھے جائیں جیسا کہ احتجاج طبرسی کی بعض توقیعات مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

کفن کے مکروہات

کفن کے سلسلے میں چند چیزیں مکروہ ہیں۔

۱۔ سیاہ رنگ کے کپڑے کا کفن دینا۔

۲۔ کتان (پٹ سن) کے کپڑے کا کفن دینا۔

سے۔ اہل سنت کی کتابوں سے بھی اسکی فضیلت ثابت ہوتی ہے اگر وہ اہل حق کی ضد میں اس سنت رسولؐ کو ترک کر دیں تو یہ اور بات ہے؛ چنانچہ بخاری و مسلم میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ ایسی دو قبروں کے پاس سے گزرے جن پر عذاب ہو رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے کھجور کی شاخ کے دو حصے کیئے اور قبروں میں گاڑ دیئے صحابہ نے سبب دریافت کیا تو فرمایا مجھے امید ہے کہ جب تک یہ شاخ خشک نہ ہوگی ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ ایسا ہی کنز العمال ج ۸ ص ۱۳۰ میں مروی ہے پیغمبر خاتمؐ کے اسی قول و فعل کا اثر و نتیجہ تھا کہ جناب بریدہ اسلمی نے وصیت کی تھی کہ مجھے ایک قبری جریدتین،، کہ میری قبر میں جریدتین رکھنا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (شرح الصدور سیوطی طبع لاہور ص ۱۲۱) کذا فی البخاری فی باب الجرید علی القبر (منہ عفی عنہ)

۳۔ بناء بر مشہور کافور کے علاوہ کفن یا میت کو کوئی اور خوشبو لگانا۔

۴۔ کفن کو عود یا صندل وغیرہ کی دھونی دینا۔

۵۔ میت کی قمیص میں آستین لگانا ہاں اگر کسی شخص کو (جیسے شہید) اس کے پرانے قمیص میں کفن دیا جائے تو پھر آستین کے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کے کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۶۔ میت کے کانوں، آنکھوں اور منہ پر کافور لگانا اور جن بعض اخبار سے ان اعضاء پر کافور لگانے کا جواز بلکہ استحباب ظاہر ہوتا ہے وہ بوجہ مخالفین کے نظریہ کے موافق ہونے کے محمول بر تقیہ ہیں۔

کفن کے بعض احکام

مسئلہ ۱۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ زوجہ کا کفن اس کے شوہر پر فرض ہے بشرطیکہ وہ استطاعت رکھتا ہو بلکہ فقہاء نے تو تجہیز و تدفین کے تمام اخراجات شوہر پر واجب قرار دیئے ہیں مگر چونکہ اس سلسلہ میں کوئی نص موجود نہیں ہے اس لئے یہ وجوب اشکال سے خالی نہیں ہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۲۔ اگر کفن دینے کا کوئی اور انتظام نہ ہو تو نصوص معصومینؑ اور فتاوی علماء متقدمین و متاخرین اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے پہلے مرنے والے کا کفن اس کے اصل ترکے سے لیا جائے گا اس کے بعد اگر اس کے ذمہ قرضہ ہو تو وہ ادا کیا جائے گا بعد ازاں اگر اس نے کوئی وصیت کی تھی تو اس پر عمل کیا جائے گا اس کے بعد اگر کچھ مال بچا تو وہ ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر غسل و کفن دینے کے بعد میت کے جسم سے کوئی غلاظت نکلے اور جسم کو لگ جائے تو جب تک میت کو قبر میں نہ اتارا جائے اس کا پاک کرنا لازم ہے۔

مسئلہ ۴۔ اگر مذکورہ بالا غلاظت کفن کو بھی لگ جائے تو مشہور یہ ہے (جو کہ بعض روایات سے بھی مستفاد ہے) کہ اگر قبر میں اتارنے سے قبل ایسا اتفاق ہو تو کفن کا پاک کرنا ضروری ہے اور اگر قبر میں اتارنے کے بعد یہ صورت حال پیش آئے تو پھر نجس مقام کو کاٹ دینا چاہیے۔ (واللہ العالم)

حنوط میت کے احکام و مسائل

منجملہ واجبات میت کے ایک حنوط بھی ہے جب غسل میت سے فراغت ہو جائے تو کفن

دینے سے پہلے یا اس کے ساتھ یا اس کے بعد میت کے اعضائے سجدہ (یعنی پیشانی' دونوں ہاتھوں کی ہتھیلوں دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کے انگوٹھوں کے سرے) پر اس قدر کافور پیس کر لگایا جائے کہ اس پر کافور لگانا صادق آجائے اگرچہ افضل یہ ہے کہ مقدار ۱/۳/۱۳ درہم ہو اور ایک درہم قریباً" ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے اور اگر اتنا میسر نہ ہو تو پھر چار مثقال یا چار درہم اور اسکی کم از کم مقدار ایک مثقال ہے اور ایک مثقال قریباً" ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے اور اگر اعضاء سبعہ سے کچھ بچ جائے تو اسے میت کے سینہ پر ڈال دیا جائے۔

مسئلہ ا۔ واجب ہے کہ کافور پاک ہو' مباح ہو اور علی الاحوط اس قدر کہنہ نہ ہو کہ اس کی خوشبو ختم ہو چکی ہو ورنہ علی الاحوط کافی نہ ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ مستحب ہے کہ کافور کے ساتھ تھوڑی سی خاک شفا مخلوط کر لی جائے جیسا کہ بعض توقیعات مقدسہ سے ظاہر ہوتا ہے (احتجاج طبرسی وغیرہ)

مسئلہ ۳۔ کافور کو پیس کر کفن پر چھڑکنا مستحب ہے۔

مسئلہ ۴۔ احوط یہ ہے کہ حنوط کرنے کی ابتداء پیشانی سے کی جائے اس کے بعد ترتیب ضروری نہیں ہے۔

نماز جنازہ کا بیان

نماز میت' اسکی کیفیت' کس پر پڑھی جائے؟ کون پڑھائے اور اسکے دیگر متعلقہ احکام کا بیان

کس آدمی کی نماز جناہ واجب ہے

غسل میت کی طرح نماز میت بھی ہر اس شخص پر واجب ہے جو اصول اسلام کا اظہار و اقرار کرتا ہے اور خوارج' نواصب اور غلاۃ وغیرہ کی طرح بعض ضروریات دین کا انکار کرنے کی وجہ سے محکوم بہ کفر نہیں ہے چنانچہ طلحہ بن زید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا "صل علی من مات من اھل القبلتہ و حسابہ علی اللہ۔ اہل قبلہ میں سے جو شخص بھی مرجائے تم اس کی نماز (جنازہ) پڑھو اور اس کا حساب کتاب خدا کے ذمہ ہے (تہذیب الاحکام) ہاں البتہ اگر میت مومن کی ہے تو اس پر پانچ تکبیریں[لے] پڑھی جائیں گی اور اگر غیر مومن کی ہے تو اس پر صرف چار تکبیریں پڑھی جائیں گی۔

[لے] چونکہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر قائم ہے (نماز' روزہ' حج' زکواۃ اور محبت اہل بیت) اور ۔۔۔
(باقی اگلے صفحہ پر)

کس سن و سال کے بچہ پر نماز میت واجب ہے؟

اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے مشہور و منصور قول یہ ہے کہ چھ سال کے بچہ پر واجب ہوتی ہے جیسا کہ محمد بن مسلم کی صحیح السند روایت میں وارد ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں

بقیہ حاشیہ ص ۱۸۵

نمازیں پانچ ہیں اس لئے ہر ایک رکن یا ہر ایک نماز کی جگہ نماز جنازہ کی ایک تکبیر مقرر کی گئی ہے (علل الشرائع) صاحب نیل الاوطار نے ج ۳ ص ۲۹۵ طبع مصر پر اعتراف کیا ہے کہ عترت رسولؐ کا مذہب یہی پانچ تکبیر ہے کتب فریقین سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کے لئے دعائے خیر کرنے کی ممانعت نہیں کی گئی۔ اس وقت تک برابر وہ ہر میت پر پانچ تکبیر نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ البتہ اس ممانعت کے بعد اہل ایمان پر پانچ تکبیر اور اہل نفاق پر چار تکبیریں پڑھتے تھے۔ (ملاحظہ ہو فروع کافی ج ۱ ص ۹۵ طبع لکھنؤ۔ (کتاب شیعہ) کنز العمال ج ۸ ص ۱۱۳ نیز صحیح مسلم، ص ۳۱ ج ۱ اور سنن ابی داؤد ص ۸۲۵ (کتب اہل سنت میں) بروایت زید بن ارقم آنحضرت کا پانچ تکبیریں پڑھنا مروی ہے۔

اسلامی برادری کی پہلی خلافت کے دور میں بھی یہی طریقہ کار رائج رہا۔ (ملاحظہ ہو کنز العمال ص ۱۱۳۔ ۱۱۴ ج ۸ حتی کہ جناب ثانی نے کسی خاص مصلحت کے ماتحت (جو انہی کو معلوم ہوگی) پانچ تکبیر کو بالکل موقوف کرکے ہر خاص و عام پر چار تکبیروں کو رائج کیا اور بزور طاقت لوگوں کو اس پر مجتمع کیا۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء ص ۱۳۷ طبع جدید، پر اولیات عمر کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں۔ "**واول من جمع الناس فی صلوۃ الجنائز علی اربع تکبیرات**" یعنی حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو نماز جنازہ کی چار تکبیروں پر جمع کیا" ایسا ہی فاضل شبلی نعمانی نے اپنی کتاب "الفاروق" کے ص ۲۵۳ طبع لاہور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے ان ناقابل رد حقائق کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ نماز جنازہ میں سنت رسول مقبولؐ پانچ تکبیریں ہیں یہ چار تکبیروں پر اجماع و اتفاق بعد کی اختراع و ایجاد ہے جسے شریعت کی اصطلاح میں "بدعت" کہا جاتا ہے جس کے بارے میں بانی اسلامؐ کا فیصلہ یہ ہے "**کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ سبیلھا الی النار**" ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا راستہ دوزخ کی طرف جاتا ہے۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۴۸ طبع حیدر آباد دکن ملاحظہ ہو)

؎ کیا لطف جو غیر پردہ کھولے = جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

(منہ عفی عنہ)

نے امام عالی مقام کی خدمت میں عرض کیا کہ بچہ پر کب نماز میت واجب ہوتی ہے؟ فرمایا **اذا عقل الصلوٰۃ** جب وہ نماز کو سمجھے میں نے عرض کیا "**متی یعقل الصلوٰۃ**" کہ وہ کب نماز کو سمجھتا ہے؟ فرمایا "**لست سنین** جب چھ سال کا ہو جائے۔ (استبصار) اور اس سے کم عمر بچہ پر نماز جنازہ کا وجوب تو کجا استحباب بھی ثابت نہیں ہے اگرچہ مشہور ضرور ہے۔

مسئلہ ا۔ اگر کسی حادثہ کی وجہ سے مرنے والے کی میت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور صرف بعض حصے ملیں اور بعض نہ ملیں یا گوشت و پوست درندے کھا جائیں اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ جائے تو اس کے غسل و کفن اور نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اس میں فی الجملہ اختلاف ہے اور جو امر مختلف اقوال و اخبار میں غور و فکر کرنے سے پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ہڈیوں کا پورا ڈھانچہ مل جائے یا جسم کا وہ حصہ مل جائے جس میں دل ہوتا ہے یعنی جسم کا بالائی نصف حصہ یا صرف سینہ تو اس کا غسل و کفن اور اس پر نماز جنازہ واجب ہوگی۔ باقی اعضاء و جوارح کے متعلق ناقابل جمع حد تک اقوال و اخبار میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ واللہ العالم

کون نماز جنازہ پڑھائے

جیسا کہ غسل میت کے سلسلہ میں قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ میت کے تمام احکام از قسم غسل و کفن اور نماز جنازہ وغیرہ میں وہ شخص سب پر مقدم ہے جو میت کی وراثت حاصل کرنے میں سب پر مقدم ہے اور باپ بیٹے کے معاملہ میں' شوہر بیوی کے معاملہ میں سب پر اور اگر وارث متعدد ہوں تو مرد عورت پر مقدم ہے اور اگر خود ان میں نماز پڑھانے کی اہلیت نہ ہو۔ تو پھر وہ مقدم ہوگا۔ جسے وہ مقدم کریں گے اور اگر مرتبہ ولایت میں تمام ورثہ مساوی ہوں تو پھر ان مرجحات کی طرف رجوع کیا جائے گا جو نماز جماعت کے سلسلہ میں اختلاف آئمہ کی صورت میں مذکور ہیں اور اگر نبی یا امام موجود و حاضر ہوں تو وہ سب پر مقدم ہیں۔

نماز جنازہ کی کیفیت کا بیان

باقی رہا اس نماز کی کیفیت کا بیان تو جو کچھ فقہاء عظام کے کلام اور اخبار اہل بیت علیہم السلام سے واضح و عیاں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے پانچ تکبیر نماز جنازہ کی نیت سے تکبیرۃ الاحرام کہی جائے اس کے بعد شہادتیں بیان کی جائیں دوسری تکبیر کے بعد درود و سلام پڑھا جائے۔ تیسری تکبیر کے بعد اہل ایمان کے حق میں دعا کی جائے۔ چوتھی تکبیر کے بعد حاضر میت کے حق

میں دعائے خیر کی جائے اور پانچویں تکبیر پر نماز جنازہ ختم کردی جائے۔ ہاں افضل یہ ہے کہ امام اور ماموم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں جب تک ان کے سامنے سے جنازہ اٹھا نہ لیا جائے اور اس وقت یہ آیت پڑھی جائے۔ **ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار** بناء بر مشہور و منصور تکبیروں کے درمیان مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق ادعیہ کا پڑھنا واجب ہے مگر ان کے لئے کوئی مخصوص الفاظ نہیں ہیں اسی لئے اخبار و آثار میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں بطریق مشہور بعض ادعیہ یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ پہلی تکبیر کے بعد پڑھیں۔ **اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ وان الموت حق والجنۃ حق والنار حق والبعث حق وان الساعۃ آتیۃ لا ریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور** دوسری تکبیر کے بعد کہیں "**اللھم صلی علی محمد وال محمد وبارک علی محمد وال محمد وارحم محمداً وال محمد کافضل ما صلیت وبارکت ورحمت وترحمت وسلمت علی ابراھیم وال ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید**" تیسری تکبیر کے بعد پڑھیں۔ **اللھم اغفرلی ولجمیع المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات تابع اللھم بیننا وبینھم فی الخیرات انک مجیب الدعوات و ولی الحسنات یا ارحم الراحمین۔**

پھر چوتھی مرتبہ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہے اور یہ دعا پڑھے :

اللھم ان هٰذا عبدك وابن / هٰذِهِ أمتك وابنة عبدك وابن / وابنة امتك نزل / نزلت

بك وانت خیر منزولٍ به اللّٰھم انا لا نعلم منه / منها

الا خیرا وانت اعلم به / بها منا اللّٰھم ان كان محسنا / كانت محسنة

فزدنی احسانه وان كان / احسانها وان كانت مسیئا مذنبا / مسیئة مذنبة فتجاوز عن

سیئاته واحشره / سیئاتها واحشرها مع النبی والائمة الطیبین الطاهرین

اس کے بعد پانچویں تکبیر کہہ کر نماز جنازہ کو ختم کرے۔ بعد ازاں **ربنا اتنا الخ** پڑھیں اگر میت عورت کی ہو تو اس آخری دعا کے بعض فقروں کو خط کشیدہ الفاظ کی شکل میں پڑھیں اور اگر میت مجہول الحال کی ہو یا مستضعف کی ہو۔ (جو نہ تو اولیاء اللہ کی معرفت رکھتا ہو اور نہ ان سے عداوت رکھتا ہو) تو چوتھی تکبیر کے بعد یہ پڑھیں۔ "**اللھم اغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم**" اور اگر نابالغ بچہ یا بچی کی میت ہو تو پھر چوتھی تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھیں۔ "**اللھم اجعلہ لابویہ و لنا سلفا" وفرطا" واجرا**"[۹۲]

نماز جنازہ کے واجبات

نماز جنازہ میں بناء بر مشہور چھ امور واجب ہیں جن میں سے اگرچہ بعض امور کے واجب ہونے کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں ہے مگر احتیاط کا تقاضا ہے کہ ان پر عمل کیا جائے۔ (۱) نیت' (۲) نماز پڑھنے والے کا رو بقبلہ ہونا (۳) بصورت امکان بحالت قیام پڑھنا' (۴) قابمقدور ستر عورتین کرنا' (۵) میت کا رو بقبلہ ہونا۔ یعنی اس کا سر اس طرح پیشنماز کی دائیں طرف اور ٹانگیں اس کی بائیں جانب ہوں کہ اگر دائیں کروٹ پر لیٹے تو اس کا منہ قبلہ کی جانب ہو (۶) نماز جنازہ کا غسل و کفن کے بعد پڑھنا۔

نماز جنازہ کے مستحبات

نماز جنازہ میں چھ امور مستحب ہیں۔ (۱) پیشنماز کا مرد کی میت کی کمر کے بالمقابل اور عورت کی میت کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہونا' (۲) باطہارت ہو کر پڑھنا' (۳) جوتا اتار کر پڑھنا' (۴) ہر میت پر علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھنا اور اگر کسی وجہ سے چند جنازوں پر اکٹھی پڑھنی پڑ جائے تو پھر جنازوں کے رکھنے میں یہ ترتیب ملحوظ رکھنا کہ پہلے (پیشنماز کی جانب) مرد کا جنازہ رکھا جائے اس کے بعد سال کے بچہ کا۔ پھر غلام کا' پھر خنثی کا پھر اختی کا پھر چھ سال سے کم عمر کے بچہ کا پھر بچی کا' (۵) ہر تکبیر کے بعد رفع یدین کرنا۔ (۶) جب تک جنازہ اٹھا نہ لیا جائے اس وقت تک امام و ماموم کا اپنی جگہ پر کھڑے رہنا۔ ہاں اگر کوئی اور اٹھانے والا نہ ہو تو پھر بعض ماموم آگے بڑھ کر جنازہ اٹھا سکتے ہیں۔

نماز جنازہ کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ میت پر ایک بار نماز جنازہ پڑھنے کے بعد آیا دوبارہ پڑھنا مکروہ ہے یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے مشہور یہی ہے مگر مختلف اخبار و اثار میں غور و فکر کرنے سے جو کچھ واضح و آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مرنے والا کسی خاص و مجد و شرف کا مالک و حامل ہو تو پھر جائز ہے جیسا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جناب حمزہؓ پر اور حضرت امیر علیہ السلام نے جناب سہل بن حنیف پر کئی بار نماز جنازہ پڑھی تھی ورنہ مکروہ ہے۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۲۔ جو شخص نماز جنازہ میں شامل نہیں ہوسکا یہاں تک کہ میت کو دفن کردیا گیا آیا وہ اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہ؟ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اور یہ اختلاف اثار میں بظاہر اختلاف کا نتیجہ ہے کہ بعض سے جواز اور بعض سے عدم جواز مترشح ہوتا ہے جمع بین الاخبار کے طور پر یہ احتمال بعید نہیں ہے کہ جن روایات سے جواز ظاہر ہوتا ہے ان سے مراد صرف دعائے خیر کرنا ہے اور جن سے عدم جواز ظاہر ہوتا ہے ان سے مراد باقاعدہ نماز جنازہ پڑھنا ہے۔ وہو الاحوط۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ جو شخص اس وقت نماز جنازہ میں شامل ہو جبکہ پیش نماز بعض تکبیریں پڑھ چکا ہو۔ تو اسے چاہئے کہ پیش نماز کے فارغ ہونے کے بعد پے در پے باقی ماندہ تکبیروں کو پڑھ کر نماز ختم کردے۔ اسکے لئے درمیانی دعاؤں کا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۔ نماز جنازہ ہر وقت پڑھی جاسکتی ہے حتی کہ وہ پانچ وقت جن میں نماز نافلہ پڑھنا مکروہ ہے (جیسے طلوع و غروب آفتاب اور دوپہر وغیرہ) ان اوقات میں بھی اس کا پڑھنا جائز ہے جب تک کہ نماز فریضہ حاضرہ کا وقت تنگ نہ ہو جائے۔ ورنہ پھر وہ مقدم ہوگی اور احوط یہ ہے کہ اگر نماز حاضرہ کا وقت فضیلت ختم ہو رہا ہو تو پھر اسے پہلے پڑھ لیا جائے۔ مگر یہ کہ تاخیر سے میت کا نقصان ہو تو اس صورت میں نماز حاضرہ کو وقت فضیلت سے موخر کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۵۔ نماز جنازہ میں اگر مقتدی صرف ایک ہو تو پیش نماز کے پیچھے کھڑا ہوگا۔ (بخلاف دوسری نماز باجماعت کے کہ اس میں اگر مقتدی ایک ہو تو پیش نماز کے پہلو میں کھڑا ہوتا ہے) اور اگر مرد بھی ہوں اور عورتیں بھی تو عورتیں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوں گی۔

توضیح = مخفی نہ رہے کہ ہمارے مذہب حق میں غائب کی نماز جنازہ کا کوئی تصور اور جواز نہیں ہے اور نجاشی کے جس واقعہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ آنحضرتؐ کا اس کے حق میں صرف دعائے خیر کرنا ثابت ہے نہ کہ باقاعدہ نماز جنازہ پڑھنا۔ کما لا یخفی علی من جال خلال تلک الدیار و الا مصار واللہ العالم۔

دفن میت کا بیان

منجملہ میت کے احکام کے ایک یہ بھی ہے کہ غسل و کفن اور نماز جنازہ کے بعد اسے اس طرح زمین میں دفن کیا جائے کہ اس کا جسم درندوں سے اور لوگوں کا دماغ اس کی بدبو سے محفوظ ہو جائے نیز بنا بر مشہور و منصور واجب ہے کہ اسے داہنی کروٹ پر رو بقبلہ دفن کیا جائے۔

دفن میت کے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر زمین کے سخت اور پتھریلی یا برفانی ہونے کی وجہ سے قبر کا کھودنا ممکن نہ ہو تو پھر میت کا وہاں منتقل کرنا لازم ہے جہاں قبر کھودنا ممکن ہو اور اگر کسی وجہ سے ایسا بھی ممکن نہ ہو تو پھر میت کو زمین پر رکھ کر اس پر قبر نما مکان بنا دینا کافی ہے جس سے دفن کرنے کا مقصد حاصل ہو جائے۔

مسئلہ ۲۔ اگر میت کو لکڑی کے تابوت میں رکھ کر قبر میں دفن کیا جائے (جیسا کہ ہمارے ملک اور دیگر بعض ممالک میں امراء و رؤسا میں مروج ہے) تو جائز ہے مگر شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الخلاف میں اس کے مکروہ ہونے پر اجماع کا دعوی کیا ہے۔

مسئلہ ۳۔ قبلہ رو دفن کرنے کا وجوب چند مقامات پر ساقط ہے۔

(الف) جبکہ قبلہ کی سمت باوجود کوشش کے معلوم نہ ہو سکے۔

(ب) جبکہ ایسا کرنا ممکن نہ ہو جیسے کوئی شخص کنویں وغیرہ میں گر کر مرجائے اور وہاں سے اس کو نکالا نہ جا سکے۔

(ج) جو شخص کشتی یا بحری جہاز پر سوار ہو اور اسی اثناء میں مرجائے تو اگر تو اسے خشکی پر لے جا کر دفن کرنا ممکن ہو تو پھر تو ایسا کرنا واجب ہے لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اس طرح کیا جائے گا کہ اسے غسل و کفن دیکر اور نماز جنازہ پڑھ کر کسی بڑے سے مٹکے میں ڈال کر اور اس کا

منہ بند کر کے سمندر میں ڈال دیا جائے گا یا اس کے پاؤں کے ساتھ کوئی وزنی چیز باندھ کر اسے سمندر کی لہروں کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ واللہ العالم۔

تشیع جنازہ کا ثواب

تشیع جنازہ کا (خصوصا" جب کہ جنازہ کسی مومن کا ہو) احادیث میں بہت ثواب وارد ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص جنازہ کی تشیع کرے اور دفن سے پہلے واپس پلٹ آئے تو خدا اسے ثواب کا ایک قیراط عطا فرمائے گا اور جو دفن تک موجود رہے اسے دو قیراط عطا فرمائے گا پھر فرمایا ایک قیراط کوہ احد کے برابر ہوتا ہے (اصول کافی)

نیز انہی امام عالی مقامؑ سے مروی ہے فرمایا حضرت موسیٰؑ نے خدا سے جو مناجات کی تھی اس میں یہ بھی تھا کہ یا اللہ! جو شخص جنازہ کی مشایعت کرے اسے کیا ثواب ملے گا؟ ارشاد رب العزت ہوا کہ میں اپنے کئی فرشتے موکل کروں گا جن کے ہاتھ میں جھنڈے ہوں گے جو بروز حشر قبر سے لیکر میدان محشر تک اس کی مشایعت کریں گے (ثواب الاعمال) اصول کافی میں ان فرشتوں کی تعداد ستر لکھی ہے نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جب مومن کو قبر میں اتارا جاتا ہے تو خداوند عالم کی طرف سے جو پہلا تحفہ اسے دیا جاتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے جنازہ کی مشایعت کرنے والوں کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (کافی)

تشیع جنازہ کے آداب

مخفی نہ رہے کہ یہ

بے پایاں ثواب اس وقت ملے گا جب مشایعت کے آداب و مستحبات کو ملحوظ رکھا جائے گا اور وہ بارہ ہیں اول یہ کہ مشایعت کرنے والے کو جنازہ کے دائیں بائیں یا پیچھے چلنا چاہیے چونکہ جنازہ کے آگے چلنا مکروہ ہے۔

دوم۔ مشایعت کرنے والا موت کو یاد کرے اور سوچے کہ آخر ایک دن اس کا بھی انجام یہی ہوگا۔ ولنعم ما قیل ۔

کل ابن انثی وان طالت سلامتہ = یوما" علی لتہ الحدباء محمول

سوم۔ افضل یہ ہے کہ جب تک میت کو لحد میں نہ اتار دیا جائے اس وقت تک مشایعت کرنے والا نہ بیٹھے۔

چہارم۔ جنازہ لے کر چلنے میں جلد بازی نہ کی جائے بلکہ سکینہ ووقار کے ساتھ میانہ روی کے ساتھ چلا جائے۔

پنجم۔ مشایعت کرنے والا کسی سواری پر سوار نہ ہو بلکہ پیدل چلے۔

ششم۔ جب جنازہ پر نظر پڑے یا جب جنازہ اٹھائے تو یہ دعا پڑھے۔ **اللہ اکبر ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ اللھم زدنا ایمانا وتسلیما" الحمد للہ الذی تعزز با القدرۃ و قہر العباد بالموت** (کافی)

ہفتم۔ دفن میت سے پہلے واپس نہ لوٹے ہاں اگر کسی وجہ سے اس سے پہلے لوٹنا چاہے تو پھر میت کے سرپرست سے اجازت لیکر ایسا کرے۔

ہشتم۔ دو جنازوں کو خصوصا" جبکہ ایک جنازہ مرد کا ہو اور دوسرا عورت کا ہو۔ ایک چارپائی پر نہ اٹھایا جائے کیونکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

نہم۔ مشایعت کرنے والے کے کاندھوں پر چادر ہو ہاں البتہ صاحب مصیبت چادر اتار سکتا ہے۔

دہم۔ اگر کسی آدمی کو ایک طرف دعوت ولیمہ دی جائے جس کا قبول کرنا سنت ہے اور دوسری طرف تشیع جنازہ کی طرف بلایا جائے تو مشایعت کو مقدم سمجھے۔

یازدہم۔ مرنے والے کے ورثاء کو چاہئے کہ اس کی موت کی اہل ایمان و اسلام کو اطلاع دیں تاکہ وہ شمولیت کرکے جہاں خود ماجور و مثاب ہوں وہاں ان کی دعا و استغفار سے میت کو بھی فائدہ پہنچے۔

دوازدہم۔ جنازہ میں تربیع مستحب ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ افضل طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کو چار آدمی ہر چہار جانب سے اٹھائیں اور اکمل یہ ہے کہ ہر مشایعت کرنے والا چاروں طرف سے باری باری کاندھا دے اور اس کی کیفیت بنابر مشہور یوں ہے کہ اٹھانے کی ابتدء چارپائی کی اگلی دائیں جانب سے کی جائے جو میت کی بائیں جانب ہے اپنے بائیں کاندھے کے ساتھ پھر چارپائی کی پچھلی دائیں جانب بعد ازاں جنازہ کے پیچھے سے ہو کر چارپائی کی بائیں پچھلی جانب کو اٹھایا جائے اور آخر میں اگلی بائیں جانب پر اس سلسلہ کو ختم کیا جائے۔ مگر اظہر یہ ہے کہ میت کے دائیں کندھے سے ابتداء کی جائے۔ (جو کہ چارپائی کی بائیں جانب ہے اپنے دائیں کاندھے کے

ساتھ) پھر میت کے دائیں پاؤں والی جانب کو اٹھائے پھر جنازہ کے پیچھے سے ہو کر میت کے بائیں پاؤں والی طرف کو اٹھائے اور اختتام بائیں کاندھے والی جانب پر کرے۔ اور اگر کوئی شخص مزید احتیاط کرنا چاہے تو پھر ہر دو طریقہ پر عمل کرے۔ (واللہ العالم)

قبر کھودنے کے مستحبات

مومن کی قبر کھودنا بڑا کار ثواب ہے پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں جو شخص کسی مسلمان کی قبر کھودے خدا اس کیلئے جنت میں گھر تعمیر کرے گا۔ (مستدرک الوسائل) مستحب ہے کہ قبر کی گہرائی متوسط القامت آدمی کی ہنسلی کی ہڈی تک (جو قریباً" تین ہاتھ بنتی ہے) کھودی جائے۔ اس سے زیادہ گہری قبر کھودنا مکروہ ہے' مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اگر زمین بہت نرم نہ ہو تو قبر میں لحد بنانا افضل ہے۔ ہاں اگر زمین نرم ہو (جس کے گرنے کا اندیشہ ہو) تو پھر لحد کے بغیر بنائی جائے۔ لیکن ائمہ اہل بیت کے روایات اور ان کے عمل کو بادی النظر میں دیکھا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہر حالت میں لحد کے بغیر سیدھی قبر بنانا افضل ہے۔

لحد کے بارے میں ہمارے سلسلہ سند سے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ملتا کہ ابو طلحہ انصاری نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبر مقدس کی لحد بنائی تھی۔ (فروع کافی) مگر اس روایت میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ حضرت رسول خدا یا حضرت امیرالمومنینؑ کے حکم کے تحت ایسا کیا گیا تھا؟ اس کے برخلاف حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام رضا علیہ السلام کا یہ وصیت کرنا کہ ہماری قبریں لحد کے بغیر بنائی جائیں (جیسا کہ فروع کافی عیون اخبار الرضا اور آمالی وغیرہ میں مذکور ہے سیدھی (چیرویں) قبر بنانے کی افضلیت کی واضح دلیل ہے ہاں البتہ مستدرک الوسائل میں بعض اثار ایسے بھی موجود ہیں جن سے لحد کا استحباب ظاہر ہوتا ہے اس لئے مسئلہ قالب اشکال میں پڑ جاتا ہے اگرچہ قول مشہور بعض وجوہ کی بنا پر قوت سے خالی نہیں ہے۔

بہرحال اگر لحد بنائی جائے جو قبر کی جانب قبلہ ہوتی ہے تو وہ طول و عرض میں اتنی ہو کہ میت باآسانی اسمیں سما سکے۔ اور گہرائی میں اسقدر ہو کہ میت اس میں اٹھ کر بیٹھ سکے۔ اور اگر لحد نہ بنائی جائے جسکی طرف ہمارا طبعی میلان زیادہ ہے تو پھر قبر کے وسط میں لحد کی مانند جگہ تیار کی جائے (جس کو ضریح کہا جاتا ہے) اور اسے اوپر سے سیمنٹ کی بڑی بڑی سلوں سے بند کر کے اوپر مٹی ڈال دی جائے۔ اللہ العالم۔

دفن کے آداب

واضح ہو کہ دفن میت کے آداب و مستحبات چودہ (۱۴) ہیں۔

اول = جب قبر تیار ہو جائے تو میت کو یکبارگی لا کر اس میں دفن نہ کیا جائے بلکہ جب جنازہ قبر سے دو تین ہاتھ کے فاصلے پر پہنچے تو اسے تھوڑی دیر کیلئے رکھ دیا جائے پھر اٹھا کر قبر کے کنارے پر تھوڑی دیر توقف کیا جائے تاکہ میت قبر میں اترنے کی تیاری کر لے مگر بناء بر مشہور (جس پر بعض آثار ضعیفہ بھی دلالت کرتے ہیں) مرد کی میت کو قبر کی پائنتی کی طرف اور عورت کی میت کو لحد والی طرف یعنی قبلہ کی جانب رکھا جائے پھر تیسری بار بطریق معلوم قبر میں اتارا جائے۔

دوم = اگر مرد کی میت ہے تو اسے پائنتی کی طرف سے (جہاں جنازہ رکھا ہوا ہے طول میں قبر کے اندر داخل کیا جائے یعنی پہلے اس کے سر کو قبر میں اتارا جائے پھر دوسرے دھڑ کو اور اگر میت عورت کی ہے تو اس کو قبلہ کی طرف سے "عرض" میں یکبارگی قبر میں اتارا جائے۔

سوم = جب قبر پر نظر پڑے تو یہ دعا پڑھی جائے۔ "اللھم اجعلھا روضۃ من ریاض الجنۃ ولا تجعلھا حفرۃ من حفر النیران"

چہارم = اگر میت عورت کی ہے تو اجنبی مرد کا اسے قبر میں اتارنا مکروہ ہے بلکہ چاہیے کہ اس کا شوہر یا اس کے محارم اتاریں اور اگر ان میں سے کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر اجنبی کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر مرد کی میت ہے تو اس کے والد کا قبر میں اترنا مکروہ ہے۔

پنجم = جو شخص قبر میں اترے اسے چاہئے کہ سر سے عمامہ اور پاؤں سے جوتا اتار دے اور قمیض وغیرہ کے بٹن کھول دے۔

ششم = جب میت کو قبر میں اتارنے کیلئے پکڑیں تو یہ دعا پڑھیں

بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ اللھم الی رحمتک لا الی عذابک۔

بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ۔ اللھم افسح لہ فی قبرہ والحقہ بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وصالحی شیعتہ واھدنا وایاہ الی صراط مستقیم۔ اللھم عفوک عفوک

ہفتم = جب لحد میں (یا ضریح میں) میت کو روبقبلہ داہنی کروٹ پر لٹا چکیں تو کفن کے

بند کھول دیں اور میت کا داہنا رخسار کفن سے نکال کر زمین پر رکھ دیں۔

ہشتم = میت کا لحد یاضریح میں روبقبلہ لٹانے کے بعد اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر

سورہ فاتحہ سورہ قل اعوذ برب الفلق' قل اعوذ برب الناس اور آیۃ الکرسی پڑھیں۔ اس کے

بعد یہ دعا پڑھیں۔

"بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ اللھم افسح لہ فی قبرہ والحقہ بنبیہ محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ و صالحی شیعتہ واھدنا وایاہ الی صراط مستقیم۔ اللھم عفوک عفوک

تلقین میت کا بیان :-

بعدازاں اپنا دایاں ہاتھ میت کے داہنے کاندھے پر رکھ کر کہے " یافلان (یہاں میت کا نام لیا جائے۔) قل رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و محمد نبیا و بعلی اماما۔ (اور اسی طرح آخری امام زمانہ تک سب آئمہ کے نام گنوائے جائیں) پھر بائیں ہاتھ سے میت کے بائیں کاندھے کو پکڑ کر ھلائے اور اپنا منہ اس کے کان کے قریب لیجا کر کہے یا فلان بن فلان اذا سئلت فقل اللہ ربی و محمد نبیی و الاسلام دینی و القرآن کتابی و علی امامی (امام زمانہ تک تمام آئمہ علیہم السلام کا ذکر کرے مثلاً والحسن امامی والحسین امامی وعلی بن الحسین امامی و ھکذا) بعدازاں کہے افھمت یافلان (یہاں میت کا نام لے۔) روایت میں ہے کہ اس وقت مرنے والا کہتا ہے ہاں ! اس وقت تلقین پڑھنے والا کہے۔ ثبتک اللہ بالقول الثابت و ھداک اللہ الی صراط مستقیم عرف اللہ بینک و بین اولیائک فی مستقر من رحمتہ۔

اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اللھم جاف الارض عن جنبیہ واصعد بروحہ الیک و لقہ منک برھانا اللھم عفوک عفوک۔ پھر جب لحد (یا ضریح) کا دہانہ اینٹ یا مٹی کے ڈھیلے وغیرہ سے (گو مٹی افضل ہے) بند کیا جائے تو اس وقت یہ دعا پڑھیں۔ اللھم صل وحدتہ و انس وحشتہ و امن روعتہ و اسکن الیہ من رحمتک رحمۃ تغنیہ عن رحمۃ من سواک فانما رحمتک للظالمین۔ جب اس کام

سے فارغ ہو کر قبر سے باہر نکلنے لگیں تو یہ دعا پڑھیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اللھم ارفع درجتہ فی اعلیٰ علیین و اخلف علیٰ عقبہ فی الغابرین و عندک نحتسبہٗ یا رب العالمین۔ پھر جب قبر پر کف دست سے مٹی ڈالنا شروع کریں تو اس وقت یہ دعا پڑھیں: اللھم ایماناً بک و تصدیقاً بکتابک ھذا ما وعدنا اللہ و رسولہٗ و صدق اللہ و رسولہٗ

اور اس وقت یہ دعا پڑھے۔ "اللھم ایمانا" بک و تصدیقا بکتابک ھذا ما وعدنا اللہ و رسولہ وصدق اللہ ورسولہ"

امامؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس طرح میت پر مٹی ڈالے اور یہ دعا پڑھے تو ہر ہر ذرہ کے عوض خدائے رحیم و کریم اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی درج فرماتا ہے۔

یہ ہے اس سلسلہ میں مختلف اور متعدد روایات معتبرہ کا خلاصہ اور لب لباب جو بالاختصار پیش کر دیا گیا ہے اور اگر اس مقام پر وہ مفصل تلقین پڑھ دی جائے جو عام مروجہ کتب میں مرقوم ہے تو وہ بھی صحیح ہے۔

نہم = میت کے سر کے نیچے مٹی کا چھوٹا سا تکیہ بنا دیا جائے اور پس پشت کوئی ڈھیلا وغیرہ رکھ دیا جائے تاکہ پشت کے بل نہ ہو جائے یا دیوار قبر کے ساتھ اسکی پشت لگا دی جائے۔

دہم = قبر میں میت کے منہ کے بالمقابل کربلا معلی کی خاک شفا رکھی جائے (جیسا کہ تہذیب الاحکام اور احتجاج طبرسی کی توقیع مبارکہ سے ظاہر ہے) اور بعض کتب میں مرقوم ہے کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کے زمانہ میں ایک فاجرہ عورت تھی جو کہ زنا کرتی تھی اور اگر اسکے نتیجہ میں کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو اسے جلا دیتی تھی پس جب وہ مرگئی تو اس کو کئی بار دفن کرنے کی کوشش کی گئی مگر ہر بار اسے قبر باہر پھینک دیتی تھی جب امام عالی مقام کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کی قبر میں تھوڑی سی سید الشہداؑ کی خاک شفا رکھ دو چنانچہ جب ایسا کیا گیا تو قبر نے اسے قبول کر لیا (خزینۃ الجواہر وغیرہ)

یازدہم = قبر میں اتارنے والا باطہارت ہو۔

دوازدہم = قبر میں داخل ہونے والا قبر کی پائنتی کی طرف سے نکلے کیونکہ ہر چیز کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور یہ قبر کا دروازہ ہے۔

سیزدہم = حاضرین میں سے ہر شخص کم از کم تین تین مٹھی مٹی کی سیدھی یا الٹی ہتھیلی سے ڈالے

چہاردہم = میت کے قریبی رشتہ داروں کے لئے میت پر مٹی ڈالنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے۔

دفن کے بعد والے آداب

مخفی نہ ہے کہ وہ آداب و مستحبات جن کا تعلق دفن میت کے بعد والے حالات سے ہے دس ہیں۔

اول = یہ کہ قبر مربع (چوکور) اور مسطح (ہموار) بنائی جائے اور سطح زمین سے صرف بقدر چار انگشت بستہ یا کشادہ یا زیادہ سے زیادہ ایک بالشت تک بلند بنائی جائے لہذا مسنم (کوہان والی) قبر بنانا مکروہ ہے اسے احادیث میں یہود کا شعار قرار دیا گیا ہے اسی طرح جص اور سیمنٹ وغیرہ سے پکی قبر بنانا بھی مکروہ ہے۔ ہاں البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ پہلے پہل پکی قبر بنانا مکروہ نہیں ہے بلکہ جو ایک بار گر جانے کے بعد دوبارہ بنایا جائے تب پکی بنوانا مکروہ ہے یہ تاویل جمعا بین الاخبار بعید نہیں ہے واللہ العالم

دوم = یہ کہ جب قبر پر مٹی ہموار کر دی جائے تو اس پر پانی چھڑکا جائے اور اس کا افضل طریقہ یہ ہے کہ پانی ڈالنے والا قبر کے پاس رو بقبلہ کھڑا ہو کر سر سے شروع کر کے پاؤں تک لے جائے اور پھر وہاں سے اس سلسلہ کو

وہاں تک پہنچائے جہاں سے شروع کیا تھا اور بہتر یہ ہے کہ اس اثنا میں پانی کی دھار ٹوٹنے نہ پائے بعد ازاں باقی ماندہ پانی کو وسط قبر پر انڈیل دیا جائے۔

سیوم = پانی چھڑک چکنے کے بعد حاضرین رو بقبلہ بیٹھ کر اور قبر پر کشادہ انگلیوں کے ساتھ اس طرح ہاتھ رکھ کر کہ قبر پر انگلیوں کے نشان پڑ جائیں یہ دعا پڑھیں۔ **اللھم جاف الارض عن جنبیہ واصعد بروحہ الیک ولقہ منک رضوانا اللھم عفوک عفوک**۔ اسی طرح مندرجہ ذیل دعا کا پڑھنا بھی وارد ہے۔ **اللھم ارحم غربتہ وصل وحدتہ وانس وحشتہ واسکن الیہ من رحمتک ما یستغنی بہا عن رحمتہ من سواک والحقہ بمن کان یتولاہ**۔ اس کے بعد سات مرتبہ سورہ القدر (انا انزلنا) پڑھیں مخفی نہ رہے کہ قبر پر یہ آخری دعا اور سورہ قدر کا پڑھنا صرف اسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جب بھی قبور مومنین کی زیارت کی جائے تو اسی طریقہ پر عمل کرنا چاہئے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص مومن کی قبر کے پاس سات مرتبہ سورہ قدر پڑھے خدا اسے اور اہل قبر کو بخش دیتا ہے اور اگر اس کے ساتھ آیتہ الکرسی بھی شامل کرلی

جائے تو اس کا بڑا ثواب وارد ہے۔

چہارم = دوسری تلقین پڑھنا۔ جب مذکورہ بالا تمام امور انجام پذیر ہو جائیں اور لوگ چلے جائیں تو مرنے والے کا سب سے قریبی رشتہ دار (یا جسے وہ اجازت دے) قبر کے پاس باقی رہ جائے اور قبر کے پاس منہ لے جا کر (اور ایک روایت کے مطابق قبر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر) بلند آواز سے یہ تلقین پڑھے۔ یا فلان بن فلان یا فلانتہ بنت فلان (یہاں میت اور اس کے باپ کا نام لیا جائے) **هل انت علی العهد الذی فارقتنا من شهادة ان لا اله الا الله وحده لا شریک له وان محمدا عبده ورسوله سید المرسلین وان علیا امیر المومنین وسید الوصیین وان ما جاء به محمد صلی الله علیه واله حق وان الموت حق وان البعث حق وان الله یبعث من فی القبور۔**

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میت کو یہ تلقین پڑھائی جائے تو منکر نکیر سے کہتا ہے چلو ہم چلیں کیونکہ مرنے والے کو تو دلیل کی تعلیم و تلقین کر دی گئی ہے۔ (کتب اربعہ)

پنجم = مرنے والے کا نام و نشان کسی تختی وغیرہ پر کندہ کر کے قبر پر نصب کیا جائے۔

ششم = اعزا و اقارب کی موت پر صبر و ضبط سے کام لیا جائے۔ ہاں البتہ رونا بے صبری میں داخل نہیں ہے۔ مگر کپڑے پھاڑنے' بال نوچنے اور ران پر ہاتھ مارنے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

ہفتم = اہل اسلام و ایمان کو چاہئے کہ مصیبت زدہ کو تعزیت و تسلی دیں اور پرسہ دے کر اس کے غم کو کم کر کے انسانی ہمدردی کا ثبوت پیش کریں کہ اس کے بڑے بڑے ثواب بے حساب وارد ہوئے ہیں۔

ہشتم = دفن کی پہلی رات دو رکعت نماز وحشت القبر پڑھی جائے جسکی پہلی رکعت میں الحمد کے بعد ایک مرتبہ آیتہ الکرسی اور دوسری رکعت میں الحمد للہ کے بعد دس مرتبہ سورہ انا انزلنا فی لیلتہ القدر پڑھی جائے اور سلام کے بعد اس طرح اس کا ثواب میت کو ہدیہ کیا جائے۔ **اللهم صل علی محمد وال محمد وابعث ثوابها الی قبر فلان۔**

نہم = مرنے والے کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو چاہئے کہ تین دن تک مصیبت زدہ لوگوں کے طعام کا انتظام کریں (نہ یہ کہ آج کل کے رسم و رواج کے مطابق الٹا ان کے ہاں مرغ پلاؤ اڑائیں اور ان کا بیڑہ بٹھائیں کہ یہ شرعاً مکروہ ہے اور زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے)

دہم = نصوص و فتاوی اس بات پر متفق ہیں کہ اہل ایمان کی قبور کی زیارت کرنا مستحب ہے اور بے حساب ثواب کے علاوہ اس سے بے شمار دینی اور دنیوی فوائد و عوائد حاصل ہوتے ہیں اگر ایک آدھ قبر ہو تو اس پر فاتحہ پڑھنے کا طریقہ سطور بالا میں ادب سوم کے ذیل میں گزر چکا ہے اور اگر کسی قبرستان میں جا کر عمومی فاتحہ پڑھنا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس طرح اہل قبور کو سلام کرے۔ **السلام علی اھل الدیار من المومنین والمسلمین انتم لنا فرط ونحن انشاء اللہ بکم لا حقون۔** یا یوں سلام کرے۔**السلام علیکم من دیار قوم مومنین وانا انشاء اللہ بکم لا حقون۔** بعد ازاں آیۃ الکرسی پڑھ کر سب مومنین کو ایصال ثواب کرے کہ اس کی بڑی فضیلت وارد ہے چنانچہ مجموعہ شیخ ورام میں آنحضرتؐ سے منقول ہے فرمایا "جو شخص آیۃ الکرسی پڑھ کر اہل قبور کو بخش دے خدا اس کے ہر ہر حرف کے عوض ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو قیامت تک اس کے لئے تسبیح و تقدیس کرتا رہے گا"۔ اسی طرح سب اہل قبور کے لئے سورہ قل ہو اللہ احد کا گیارہ بار پڑھ کر ایصال ثواب کرنا بھی بڑی فضیلت رکھتا ہے اور حدیث صحیح میں اس دعا کا پڑھنا بھی وارد ہوا ہے۔ **اللھم جاف الارض عن جنوبھم وصاعد الیک ارواحھم ولقھم منک رضوانا واسکن من رحمتک ما تصل بہ وحدتھم وتونس وحشتھم انک علی کل شئی قدیر۔** (واللہ الموفق)

مکروہات دفن

دفن کے سلسلے میں دس چیزیں مکروہ ہیں۔

اول = ایک قبر میں دو مردوں کو دفن کرنا۔

دوم = باپ کا بیٹے کی قبر میں اترنا کیں اس کے جزع فزع کرنے کی وجہ سے اجر کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

سوم = رشتہ داروں کا میت پر مٹی ڈالنا جو کہ قساوت قلبی کا باعث ہے۔

چہارم = قبر کی مٹی کے علاوہ اور مٹی قبر پر ڈالنا۔

پنجم = ایک بار قبر کے کہنہ ہو جانے کے بعد اس کی تجدید کرنا۔

ششم = قبر پر قبہ اور عمارت تعمیر کرنا ہاں بنابر مشہور انبیاءؑ و ائمہؑ کے قبور مقدسہ ان ہر دو مکروہات سے مستثنیٰ ہیں۔ واللہ العالم

ہفتم = قبر کا پختہ بنانا۔

ہشتم = قبر پر بیٹھنا یا ٹیک لگانا۔

نہم = قبرستان میں پیشاب و پاخانہ کرنا۔

دہم = قبر کو مسنم (کوہان دار) بنانا۔ الی غیر ذالک من المکروہات

اغسال مستحبہ کا اجمالی بیان

غسل جمعہ اور اسکے احکام = اغسال زمانیہ (جن کا تعلق کسی خاص وقت سے ہے) میں سے جو غسل سب سے زیادہ اہم ہے وہ غسل جمعہ ہے اس کے وجوب اور سنت ہونے میں فقہاء کے درمیان شدید اختلاف ہے بعض اعلام جیسے ثقتہ الاسلام کلینیؒ رئیس المحدثین شیخ صدوقؒ اور فخر المجتہدین شیخ بہائیؒ وغیرہم اعلی اللہ مقامہم اس کے وجوب کے قائل ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ متعدد روایات میں اس غسل پر لفظ وجوب کا اطلاق کیا گیا ہے جیسا کہ زرارہ کی صحیح روایت میں ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔ الغسل واجب یوم الجمعتہ (فروع کافی، خصال شیخ صدوقؒ وغیرہ) اسی طرح سفر و حضر میں اس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تہذیب الاحکام) اور پانی نہ ملنے کی صورت میں پانی خرید کر غسل کرنے کی تاکید وارد ہوئی ہے اور اگر غسل کے بغیر نماز پڑھی جائے اور بعد میں وقت کے اندر پانی دستیاب ہو جائے تو غسل کرکے اس کے اعادہ کرنے کا ارشاد ہوا ہے۔ (استبصار) اور اگر جان بوجھ کر نہ کیا جائے تو استغفار کرنے کا امر موجود ہے۔ (وسائل الشیعہ) اور اگر کسی وجہ سے بروز جمعہ یہ غسل نہ کیا جاسکے۔ تو ہفتہ کے دن اس کی قضا کرنے کی تاکید مزید کی گئی ہے۔ (فروع کافی) اگر ان تمام امور کو پیش نظر رکھا جائے تو وجوب والا قول قوت سے خالی نظر نہیں آتا۔

لیکن ان روایات کے بالمقابل کچھ ایسی روایات معتبرہ بھی موجود ہیں جن سے اس کا سنت موکدہ ہونا ظاہر ہوتا ہے جیسے علی بن ابی حمزہ کی روایت جس میں وارد ہے کہ میں نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے پوچھا آیا عیدین کا غسل واجب ہے فرمایا سنت ہے پھر غسل جمعہ کے متعلق دریافت کیا فرمایا۔ "ھو السنتہ" (الوافی) الوسائل وغیرہ) اسی طرح کئی احادیث میں اس کو دیگر مستحبی اغسال کے درمیان شمار کیا گیا ہے اور بعض اخبار میں ہے کہ وضو میں جو کچھ نقص اور کمی رہ جاتی ہے اس غسل کو اس کا تکملہ قرار دیا گیا ہے اور بعض روایات میں عورتوں کے لئے اس کے نہ کرنے کی رخصت وارد ہوئی ہے۔ (خصال شیخ صدوقؒ) وغیر ذالک من

الوجوب۔ بنابریں اس کے وجوب کا فتویٰ دینا تو مشکل ہے۔ اگرچہ "ھو السنۃ" کی یہ تاویل ممکن ہے کہ اس کا وجوب قرآن سے نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے مگر اس قسم کی تاویل پہلی وجوب والی حدیثوں پر بھی ممکن ہے کہ وہ شدت استحباب پر محمول ہیں بہرحال چونکہ اس کی سرحد وجوب کے ساتھ ضرور ملتی ہے اس لئے احتیاط وجوبی یہ ہے کہ حتی الامکان سفر و حضر ہر حال میں اس کو ترک نہ کیا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۱۔ غسل جمعہ کا وقت طلوع صبح صادق سے لے کر زوال آفتاب تک ہے اور اگر زوال سے پہلے نہ کیا جاسکے تو شام تک قربت مطلقہ کی نیت سے کیا جاسکتا ہے اور بصورت دیگر بروز ہفتہ اس کی قضا کی جائے۔

مسئلہ ۲۔ جس شخص کو خطرہ ہو کہ جمعہ کے دن اسے پانی نہیں مل سکے گا تو جمعرات کو غسل جمعہ کرسکتا ہے پھر اگر جمعہ کے دن پانی مل جائے تو اس کا اعادہ کرے ورنہ اسی سابقہ غسل پر اکتفا کرے۔

رجب کے تین نیمہ شعبان کے ایک اور ماہ رمضان کے چودہ اغسال کا بیان

جو کچھ نصوص اہل بیتؑ سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رجب المرجب کی پہلی، پندرہویں اور آخری تاریخ کو غسل مستحب ہے اور ماہ شعبان میں صرف ایک غسل مستحب ہے اور وہ ہے شب نیمہ شعبان کا غسل۔

اسی طرح ماہ رمضان میں چودہ غسل مستحب ہیں۔ پہلی تاریخ (بوقت شب) پندرہویں، سترہویں، انیسویں اور ۲۱ سے لے کر ۳۰ تک ہر شب مگر ان سب میں سے زیادہ تاکید انیسویں، اکیسویں اور تیسویں تاریخ کے تین غسلوں کی وارد ہوئی ہے۔

ماہ شوال کے دو غسلوں کا بیان

ماہ شوال میں دو غسل مستحب ہیں یعنی عید الفطر کی رات اور عید الفطر کے دن۔

ماہ ذی الحجہ کے پانچ غسلوں کا بیان

ماہ ذی الحجہ میں پانچ غسل مستحب ہیں۔ (۱) آٹھویں (یوم الترویہ) (۲) نویں (یوم عرفہ) (۳) دسویں (عید قربان) (۴) اٹھارویں (عید غدیر) اور (۵) چوبیسویں (عید مباہلہ) کے دن

چھ اغسال مکانیہ کا بیان

وہ غسل جن کا تعلق کسی خاص مکان کے ساتھ ہے وہ چھ ہیں۔ (۱) حرم کے اندر داخل ہونے کے لئے (مکہ کے ہر چہار طرف سے بارہ بارہ میل کی مسافت کو حرم کہا جاتا ہے۔ (۲) مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے' (۳) مسجد الحرام میں داخل ہونے کے لئے' (۴) خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کے لئے' (۵) مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لئے اور (۶) مسجد نبویؐ میں داخل ہونے کے لئے۔

گیارہ اغسال فعلیہ کا بیان

وہ غسل جن کا تعلق کسی پہلے یا پچھلے فعل اور کام کے ساتھ ہے وہ گیارہ ہیں۔

۱۔ غسل احرام حج یا عمرہ (جو احرام باندھنے سے پہلے کیا جاتا ہے)

۲۔ غسل زیارت جو حضرت رسولؐ خدا اور دیگر ائمہ ھدی علیہم السلام کی زیارت کے وقت کیا جاتا ہے۔

۳۔ نماز کسوف کی قضا کے لئے بشرطیکہ تمام قرص گرفتہ ہوا ہو اور جان بوجھ کر بروقت نماز نہ پڑھی گئی ہو۔

۴۔ غسل توبہ جو توبہ کرنے سے پہلے کیا جاتا ہے۔

۵۔ غسل نماز حاجت جو نماز حاجت پڑھنے سے پہلے کیا جاتا ہے۔

۶۔ غسل نماز استخارہ جو نماز استخارہ پڑھنے سے قبل کیا جاتا ہے۔

۷۔ غسل رویت مصلوب عمداً" یعنی جو شخص کسی پھانسی پر لٹکے ہوئے شخص کو جان بوجھ کر دیکھے اس کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔

۸۔ چھپکلی کو مارنے کا غسل

۹۔ تربت حسینیہؑ کے بغرض شفا بطریق مخصوص حاصل کرنے کے وقت غسل

۱۰۔ غسل نماز استسقاء جو نماز طلب باراں پڑھنے سے پہلے کیا جاتا ہے۔

۱۱۔ غسل مولود جو بچہ کو اس کی ولادت کے بعد دیا جاتا ہے یہ ہیں کل چوالیس عدد وہ غسل جن کا نصوص و فتاویٰ کے اندر ذکر موجود ہے۔ ان کے علاوہ کچھ اور غسل بھی بعض فقہاء کی کتابوں میں مذکور ہیں مگر چونکہ وہ منصوص نہیں ہیں اس لئے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ان اغسال کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ جو غسل کسی زمانہ کے ساتھ خاص ہیں وہ حدث اکبر یا اصغر کے صادر ہونے سے باطل نہیں ہوتے۔ ان سے مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ خاص میں طہارت کی جائے جو ایک بار غسل کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ بخلاف اغسال مکانیہ اور فعلیہ کے کہ ان سے بظاہر مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی جب اس متبرک مکان میں داخل ہو یا وہ اس خاص عمل کو بجالائے تو اس وقت اسے غسل والی طہارت حاصل ہو۔ بنابریں اگر غسل کے بعد اور اس مکان میں داخل ہونے یا وہ کام انجام دینے سے پہلے اس سے کوئی حدث سرزد ہو جائے تو غسل ٹوٹ جائے گا اور اس کا اعادہ کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۲۔ جو غسل کسی زمان سے متعلق ہیں ان کا اس زمان کے کسی حصہ میں کرلینا کافی ہے جس سے ان کا تعلق ہے اور جو غسل کسی مکان یا فعل سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس مکان میں داخل ہونے سے قبل یا اس فعل کی انجام دہی سے پہلے جیسے غسل احرام اور غسل زیارت وغیرہ یا اس کی انجام دہی کے بعد (جیسے وہ غسل جو چھپکلی کو مارنے کے بعد یا بچہ کی ولادت کے بعد) کئے جاتے ہیں۔ واللہ العالم وعلمہ اتم والحکم۔

تیمم کے اسرار' غایات' موارد' شرائط' واجبات' کیفیت اور اسکے احکام کا بیان

غسل یا وضو کے بدل تیمم کی حکمتیں

شریعت اسلامیہ کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے سب احکام سہل اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں اور اس کے تمام احکام نہ صرف طاقت برداشت کے مطابق بلکہ وسعت کے مطابق ہیں خالق مہرباں جس حکم میں بعض حالات یا بعض افراد کے لئے تھوڑی سی بھی دقت محسوس کرتا ہے فوراً اس کا بدل مقرر کردیتا ہے چنانچہ غسل اور وضو کے عوض تیمم کرنا اسلامی شریعت کا طغرائے امتیاز ہے اسی لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ جعلت لی الارض مسجدا وطھورا

میرے لئے (منجانب اللہ) زمین جائے سجدہ اور پاک اور پاک کنندہ قرار دی گئی ہے۔ (فروع کافی وغیرہ) خداوند عالم نے ازراہ لطف وکرم یہ حکم مقرر کیا ہے کہ غسل یا وضو کے لئے جب پانی نہ

مل سکے یا اس کے استعمال میں ضرر ہو۔ (ان امور کی تفصیل عنقریب آرہی ہے) تو غسل یا وضو کے بدل تیمم کرلیا جائے۔

مٹی کو پانی کا بدل بنانے کی حکمت

اب رہی یہ بات کہ پانی کا بدل مٹی کو کیوں قرار دیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

(پہلی حکمت) یہ بات طبی نقطہ نظر سے ثابت ہوچکی ہے کہ مٹی کئی خواص میں پانی کا بدل ہے۔ بلکہ بعض امور میں (جیسے کتے کے جراثیم کو ہلاک کرنے) میں تو پانی سے بھی بڑھ کر مفید ہے اس لئے اس کو پانی کا بدل مقرر کیا گیا ہے۔

(دوسری حکمت) نہ صرف انسان بلکہ اس عالم رنگ و بو کی ہر چیز کی خلقت مٹی اور پانی سے ہوئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ منها خلقنا کم و فیها نعید کم۔
ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے اور ہم تمہیں اس کی طرف لوٹائیں گے' اسی طرح پانی کے متعلق ارشاد ہے۔ وجعلنا من الماء کل شئی حی۔ ہم نے ہر جاندار کی زندگی کا دارو مدار پانی پر قرار دیا ہے اور انہی دونوں سے اس عالم کی ہر چیز کی بقاء اور نشوونما وابستہ ہے بنابریں خالق حکیم نے جسمانی اور روحانی طہارت حاصل کرنے اور اپنی عبادت بجا لانے کے سلسلہ میں ایک کو دوسری کا قائم مقام بنا دیا ہے۔

تیسری حکمت = پانی خدائے منان کا ایک عام عطیہ و انعام ہے جو قریبا" ہر جگہ مل جاتا ہے مگر پھر بھی بعض اوقات بعض مقامات پر پانی نہیں مل سکتا تو خدائے مہربان نے بغرض سہولت اس کا بدل اس چیز (زمین) کو بنایا ہے جو ہر جگہ موجود اور کہیں بھی ناپید نہیں ہے ہر وقت اور جگہ ہر شخص کو مفت ملنے والی ایسی کوئی اور چیز نہیں ہے اس لئے اس کو پانی کا بدل قرار دیا گیا ہے۔

چوتھی حکمت = یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ خداوند عالم کو بندہ کی عاجزی و انکساری بہت پسند ہے اور یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ آشکار ہے کہ منہ اور ہاتھ پر مٹی ملنا اور ان کو خاک آلودہ کرنا' ذلت' خاکساری اور انکساری کی علامت ہے اور یہ چیز بندگی کی جان ہے۔

تیمم میں صرف منہ اور ہاتھوں پر مٹی ملنے کی حکمتیں

پہلی حکمت = اب رہا یہ سوال کہ تیمم صرف دو اعضاء (منہ اور ہاتھ) پر کیوں کیا جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تیمم وضو کے عوض ہے تو اس میں پہلی حکمت یہ ہے کہ وضو میں

چونکہ صرف دو اعضاء (منہ اور ہاتھ) دھونے واجب ہیں۔ اس لئے اس کے بدل میں بھی صرف انہی دو اعضاء پر مٹی ملنا واجب ہے اور جن اعضاء پر مسح کیا جاتا ہے۔ (سر اور پاؤں) ان پر تیمم کرنا ساقط ہے۔ علاوہ دوسرے دلائل کے یہ بات بھی اس امر کی ناقابل رد دلیل ہے کہ وضو میں پاؤں کا مسح واجب ہے نہ دھونا ورنہ تیمم میں انکو نظر انداز نہ کیا جاتا بلکہ ان پر بھی تیمم کیا جاتا۔

دوسری حکمت = دوسری حکمت یہ ہے کہ سر پر مٹی ڈالنا' خالق و مخلوق ہر دو کے نزدیک ناپسندیدہ فعل ہے کیونکہ سر پر مٹی ڈالنا مصیبت و غم اور انتہائی رنج و الم کی علامت ہے اور پاؤں پر تیمم کے ذریعہ سے مٹی ڈالنے کی اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ وہ تو پہلے ہی زمین پر چلنے پھرنے کی وجہ سے گرد آلود ہوتے ہیں اس لئے حاصل شدہ چیز کے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا تحصیل حاصل ہے اور غیر عقلائی کام ہے۔

تیسری حکمت = اور اگر تیمم غسل کے عوض ہے تو اس میں صرف انہی اعضاء پر تیمم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تیمم وقت اور زحمت کو ختم یا کم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ تمام بدن پر مٹی ملنے۔ یا تمام جسم کو مٹی میں لوٹ پوٹ کرنے میں خود ایک قسم کی زحمت ہے اس لئے خالق مہربان نے ایسا کرنے کو واجب قرار نہیں دیا۔

چوتھی حکمت = اگر اس صورت میں تمام بدن کو مٹی میں لوٹ پوٹ کرنا ضروری ہوتا تو اس سے انسان (جو کہ اشرف المخلوقات ہے) کی خچر اور گدھے جیسے خسیس حیوانات کے ساتھ مشابہت لازم آتی جو خاک میں لوٹتے پوٹتے ہیں ظاہر ہے کہ خالق رحمن کو حضرت انسان کی یہ ذلت گوارہ نہیں ہو سکتی۔

تیمم کے غایات

تیمم چونکہ غسل یا وضو کا بدل ہوتا ہے اس واسطے اس کے مشروع قرار دیئے جانے کی وہی غرض و غایت ہے جو غسل یا وضو کرنے کی ہے الغرض جن مقاصد و اغراض کے لئے غسل یا وضو واجب ہوتا ہے انہی کے لئے تیمم بھی واجب ہوتا ہے اور جن کے لئے غسل یا وضو مستحب ہوتا ہے ان کے لئے تیمم بھی مستحب ہوگا چونکہ وہ اغراض وضو یا غسل کے ذیل میں بالتفصیل بیان ہو چکے ہیں اس لئے یہاں ان کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

تیمم کی تعریف

تیمم کیا ہے؟ "استعمال وجہ الارض علی وجہ مخصوص یستبیح الصلوٰۃ بہ وکل مشروط با لطہارۃ المائیہ۔ یعنی روئے زمین کا اس طرح مخصوص طریقے پر استعمال کرنا کہ جس سے نماز اور ہر وہ کام مباح ہو جائے جو آبی طہارت کے ساتھ مشروط ہے۔

تیمم کے مجوزات و موارد

اب رہی اس امر کی تنقیح اور تحقیق کہ تیمم کب؟ کہاں؟ اور کس حالت میں جائز ہے؟ خلاصہ یہ کہ اس کے موجبات و مجوزات کتنے ہیں؟ تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ بعض فقہاء نے سات اور بعض نے آٹھ اسباب بیان فرمائے ہیں۔ مگر ان سب کی بازگشت دراصل تین اسباب کی طرف ہے۔ (۱) پانی کا سرے سے نہ ملنا' (۲) پانی تک کسی وجہ سے رسائی کا نہ ہونا' (۳) پانی کے استعمال سے ضرر پہنچنا۔ بلکہ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو ان تمام اسباب و مسوغات کی بازگشت صرف ایک امر کی طرف ہے اور وہ ہے کہ "عقلی یا شرعی وجہ سے پانی کے استعمال سے عاجز ہونا" اب البتہ اس عجز کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی صورت = یہ ہے کہ سفر یا حضر میں پانی یا تو بالکل نہ ملے۔ یا اتنی تھوڑی مقدار میں ملے جو غسل یا وضو کے لئے کافی نہ ہو تو اس صورت میں تیمم جائز ہے مگر درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔

مسائل و احکام :-

مسئلہ ۱۔ اگر آدمی حضر میں ہے تو اس حد تک پانی کا تلاش کرنا لازم ہے کہ اسکے ملنے سے بالکل مایوسی ہو جائے اور اگر سفر میں ہے اور نماز کا وقت داخل ہو جائے اور وہاں پانی موجود نہ ہو تو اگر آخری وقت تک پانی ملنے کی توقع ہو تو پھر تو آخری وقت تک انتظار کرنا واجب ہے ورنہ اگر زمین سہل اور ہموار ہو تو دو تیر کی مار کے فاصلہ تک اور اگر زمین سخت' ناہموار اور خاردار ہو تو صرف ایک تیر کی مار تک چاروں طرف پانی کو تلاش کرنا کافی ہے اور جب مایوسی ہو جائے تو علی الاقوی وسعت وقت میں بھی تیمم کرکے نماز پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ ۲۔ احوط بلکہ اقوی یہ ہے کہ انسان تابہ امکان خود پانی تلاش کرے اور اگر کسی وجہ سے خود تلاش نہ کر سکے تو علی الاظہر کسی قابل وثوق و اعتماد آدمی کو اپنا نائب بنانا جائز ہے۔ جو تلاش کرے۔

مسئلہ ۳۔ یہ تلاش وقت نماز داخل ہونے کے بعد لازم ہے لیکن اگر وقت سے پہلے تلاش کیا جائے اور نہ مل سکے تو جب تک از سر نو پانی ملنے کی امید نہ ہو۔ علی الاظہر وہی سابقہ تلاش و جستجو کافی ہے۔

مسئلہ ۴۔ اگر چہار جہات میں سے ایک یا دو یا کم و بیش جہات کے متعلق یقین ہو کہ ادھر پانی نہیں ہے تو اس جہت یا ان جہات میں تلاش کرنے کا وجوب ساقط ہو جائے گا حتی کہ اگر چاروں طرف پانی کے نہ ملنے کا یقین ہو تو پھر تلاش کا عدم وجوب قوت سے خالی نہیں ہے اور اگر آخری وقت تک ملنے کا یقین ہو تو پھر آخر وقت تک تلاش کرنا واجب ہے خواہ وہ جگہ دور ہو یا نزدیک۔

مسئلہ ۵۔ اگر قیام گاہ کو ترک کر کے مذکورہ بالا مقدار تک پانی تلاش کرنے میں درندوں یا ڈاکوؤں یا کسی اور چیز سے جان یا مال کے تلف ہونے کا خطرہ ہو تو پھر تلاش کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ ۶۔ جہاں پانی تلاش کرنا واجب ہو مگر آدمی جان بوجھ کر تلاش نہ کرے حتی کہ اب نماز کا وقت تنگ ہو جائے تو اگرچہ یہ آدمی گنہگار ہے مگر اقوی یہ ہے کہ اس کا تیمم درست ہے اور نماز بھی صحیح اگرچہ احتیاط مستحب یہ ہے کہ پانی ملنے کے بعد غسل یا وضو کر کے وقت کے اندر اعادہ اور بعد از وقت قضا بھی کرے۔

مسئلہ ۷۔ اگر انسان کے جسم یا لباس پر کوئی ایسی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو جس کا ازالہ ضروری ہے اور باطنی کثافت کے ازالہ کے لئے وضو یا غسل بھی لازم ہو مگر پانی اتنی قلیل مقدار میں ہو کہ اس سے صرف ایک کام لیا جاسکتا ہے تو کس کو مقدم سمجھا جائے۔ ظاہری کو یا باطنی کو؟ تو

مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اس صورت میں پانی سے جسم و لباس والی ظاہری نجاست زائل کی جائے اور رفع حدث کے لئے تیمم کیا جائے بشرطیکہ تیمم کے لئے مٹی وغیرہ موجود ہو ورنہ غسل یا وضو مقدم سمجھا جائے گا مگر چونکہ یہ مسئلہ نص سے خالی ہے اس لئے اشکال سے خالی نہیں ہے لہٰذا احتیاط مستحب یہ ہے کہ اس پانی سے غسل یا وضو کیا جائے اور نجس لباس یا نجس جسم کے

ساتھ نماز پڑھی جائے اور پھر جب پانی مل جائے تو جسم و لباس کو پاک کرکے وقت کے اندر اعادہ اور بعد از وقت قضا بھی کی جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۸۔ اگر پانی خریدنے سے مل سکتا ہو تو اسکا خریدنا واجب ہے اگرچہ اصل قیمت سے کئی گنا زیادہ ہے بھی خریدنا پڑے جبکہ رقم خرچ کرنے سے اس کو خوردو نوش وغیرہ کے سلسلہ میں فی الحال کوئی ضرر نہ پہنچتا ہو۔ ورنہ ضرر کی صورت میں خریدنے یا مہنگا خریدنے کا وجوب ختم ہو جائے گا۔

دوسری صورت = یہ ہے کہ اگر پانی موجود ہے مگر اس تک رسائی ممکن نہیں ہے یا تو اس لئے کہ وہ قیمتاً ملتا ہے اور اس کے پاس رقم نہیں ہے یا اس کے خرچ کرنے میں ناقابل برداشت نقصان اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پانی کنوئیں میں موجود ہے لیکن نہ اس میں اترنا ممکن ہے اور نہ پانی کھینچنے کے لئے کوئی ڈول وغیرہ موجود ہے یا ناقابل برداشت سردی یا گرمی کی وجہ سے پانی کا استعمال باعث عسر و حرج ہے تو ان سب صورتوں میں شرعاً تیمم نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔

تیسری صورت = یہ ہے کہ گو پانی موجود ہے (یا اسکے ملنے کی امید ہے) مگر اس کے تلاش کرنے میں درندے، دشمن اور ڈاکو وغیرہ سے جان کا خطرہ ہے (یا بنابر مشہور ناقابل برداشت مالی نقصان کا اندیشہ ہے) یا گو پانی موجود ہے مگر اس کے استعمال کرنے سے کسی مرض کے پیدا ہونے یا موجودہ مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہے یا غسل اور وضو میں پانی کے استعمال کرنے سے پیاس لگنے اور پینے کا پانی نہ ملنے کا خوف دامنگیر ہے تو ان سب صورتوں میں غسل یا وضو کا وجوب تیمم سے بدل جائے گا۔ اب رہی یہ بات کہ اس خوف کا معیار کیا ہے؟ تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس سے مراد ہر وہ خوف و خطر ہے جس کا کوئی عقلائی جواز موجود ہو۔ (نہ وہ خوف جو صرف قوت واہمہ کی پیداوار ہو) اب اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس خوف کی بناء ذاتی تجربہ اور ذاتی معلومات پر ہو یا کسی قابل اعتماد آدمی یا قابل وثوق ڈاکٹر و حکیم کے قول پر! کمالا یخفی۔

(مسائل و احکام)

مسئلہ ۱۔ بدنی ضرر و مرض کا خوف جس سے غسل یا وضو کا فرض تیمم سے بدل جاتا ہے اس سے مراد وہ ضرر ہے جو تمام جسم کو لاحق ہو ورنہ اگر اس کا تعلق اعضائے وضو میں سے صرف کسی خاص عضو کے ساتھ ہو تو پھر وہاں وضوئے جبیرہ کرنا لازم ہوگا۔ جیسا کہ قبل ازیں وضو کے بیان میں اس کا تفصیلی تذکرہ گزر چکا ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر ہر دو آنکھ یا صرف ایک آنکھ میں تکلیف ہو جس کی وجہ سے اسے دھونا خطرہ سے خالی نہ ہو تو اگر تو اس کے ارد گرد دوسرے چہرہ پر پانی استعمال کرنے میں کوئی ضرر نہ ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس کا حکم جروح و قروح والا ہے یعنی یہاں وضوئے جبیرہ کیا جائے گا لیکن احتیاط مستحب یہ ہے کہ جبیرہ والا وضو کرنے کے بعد تیمم بھی کرلیا جائے۔ ہاں اگر تمام چہرہ پر پانی کا استعمال ممنوع ہو تو پھر بہرحال تیمم لازم ہوگا۔

کس چیز سے تیمم جائز ہے؟

فقہاء کرام علیہم الرضوان میں اس امر میں قدرے اختلاف ہے کہ آیا تیمم صرف خاک سے جائز ہے یا مطلق زمین سے روا ہے؟ اور یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ آیہ تیمم **"وان لم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا"** میں وارد شدہ لفظ "صعید" سے کیا مراد ہے اور چونکہ اکثر اہل لغت اور وارثان علم قرآن کی اکثر احادیث معتبرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد مطلق وجہ الارض (روئے زمین) ہے لہذا تحقیقی قول یہ ہے کہ مطلق زمین سے تیمم کرنا جائز ہے اور یہی قول مشہور و منصور ہے بنابریں پتھر گچ (جص) اور نورہ (چونہ) والی زمین پر (انکے نورہ بننے سے پہلے) تیمم جائز ہے ہاں البتہ انکے جص اور چونہ بن جانے کے بعد اختلاف ہے اگرچہ اظہر جواز ہے مگر احوط یہ ہے کہ اس سے تیمم اور اسی طرح اس پر سجدہ کرنے سے اجتناب کیا جائے اور بظاہر یہی حکم ٹھیکری کا ہے اگرچہ احتیاط واجب اسکے ترک کرنے میں ہے اسی طرح بناء بر اقوی کیچڑ پر تیمم جائز ہے بایں ہمہ سب سے افضل خالص مٹی ہے اس کے بعد پتھر بعد ازاں گرد و غبار (جہاں بھی ہو مثلاً "کپڑوں پر یا گھوڑے کی گردن کے بالوں پر یا فرش فروش پر بشرطیکہ غبار ان چیزوں کا ہو جن سے تیمم جائز ہے جیسے مٹی وغیرہ کا۔ ان کا غبار نہ ہو جن پر تیمم جائز نہیں ہے جیسے آٹا اور نمک وغیرہ) اور احوط یہ ہے کہ پہلے ان چیزوں کو اس طرح جھاڑا جائے کہ غبار ان کے اوپر آجائے پھر تیمم کیا جائے اور سب کے بعد کیچڑ کا درجہ ہے اور بناء بر اقوی

خاک اور کیچڑ سے تیمم کرنے کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ (دونوں کی کیفیت) ایک جیسی ہے۔ (جو عنقریب بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ

(مسائل و احکام)

مسئلہ ا۔ مشہور یہ ہے کہ سیم و تھور اور ریتلی زمین پر تیمم جائز ہے مگر مع الکراہت لیکن اقوی یہ ہے کہ اس میں کراہت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ زمین ہے اور بلا اشکال زمین پر تیمم جائز ہے۔

مسئلہ ۲۔ راکھ پر تیمم جائز نہیں ہے اگرچہ یہ راکھ زمین کی ہی ہو جبکہ اس پر زمین کا نام صادق نہ آئے بلکہ جل کر اس کی حقیقت سے خارج ہو جائے۔

مسئلہ ۳۔ ایک شخص نے غسل یا وضو کرنا ہے اور اسکے پاس پانی موجود نہیں البتہ برف موجود ہے تو آیا اسے برف سے غسل یا وضو کرنا چاہئے یا تیمم؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر برف کو پگھلا کر یا توڑ کر پانی میں تبدیل کرنا ممکن ہو تب تو بلا اشکال اس سے غسل یا وضو کرنا تیمم پر مقدم ہے لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اظہر یہ ہے کہ برف سے غسل یا وضو کرنا مقدم ہے اگرچہ اس طرح ہی کیا جائے جس طرح تیل سے مالش کی جاتی ہے جیسا کہ روایات صحیحہ و صریحہ میں یہ مضمون وارد ہے۔ **(راجع الاستبصار و تہذیب الاحکام وغیرہما من الکتب الحدیثیہ المعتبرۃ والجوامع الفقہیہ)**

مسئلہ ۴۔ اگر ایک انسان ایسی جگہ پر ہے کہ نہ اس کے پاس غسل یا وضو کے لئے پانی ہے اور نہ ہی ان چیزوں میں سے کوئی ایسی چیز ہو جس پر تیمم کیا جاتا ہے یعنی وہ **فاقد الطہورین** ہو تو اسے نماز وغیرہ عبادات کے سلسلہ میں کیا کرنا چاہئے؟ اس میں فقہاء عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان شدید اختلاف ہے اظہر قول یہ ہے کہ اس سے ادا" وقضاء نماز کا وجوب ساقط ہے ہاں احوط یہ ہے کہ وقت کے اندر طہارت کے بغیر نماز پڑھے اور جب غسل یا وضو کے لئے پانی یا تیمم کے لئے مٹی وغیرہ مل جائے تو وقت کے اندر اعادہ اور وقت کے بعد قضا بھی کرے۔ **"واللہ العالم وھو اللہ القائمون مقامہ فی معالم حلالہ و حرامہ"**

سلہ سیمنٹ کی طرح پتھر جلا کر تیار کی جاتی ہے اس کا اور سیمنٹ کا حکم ایک ہے (منہ عفی عنہ)

تیمم کے شرائط

تیمم کے وہی شرائط ہیں جو وضو کے ہیں جیسے مٹی پر ہاتھ مارتے وقت نیت کرنا مٹی وغیرہ کا پاک ہونا اور بنابر مشہور غصبی نہ ہونا اور اعضائے تیمم کا پاک ہونا بصورت امکان ورنہ بصورت مجبوری نجس اعضاء پر بھی تیمم درست ہے بشرطیکہ نجاست خشک ہو اور حائل کا دور کرنا وغیرہ تفصیل معلوم کرنے کے لئے مقام مذکور (شرائط وضو) کی طرف رجوع کیا جائے یہاں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

مسائل

مسئلہ ۱۔ بناء بر تحقیق تیمم میں غسل یا وضو کے بدل ہونے کی نیت ضروری نہیں ہے بلکہ واقع اور نفس الامر میں اسکی جو شرعی تکلیف ہے اسکی بجا آوری کے لئے .قصد قربت مطلقہ جائز ہے اگرچہ احوط یہ ہے کہ بدل کا قصد کیا جائے۔

مسئلہ ۲۔ اسی طرح رفع حدث یا استباحت نماز کی نیت بھی ضروری نہیں اور اگر یہ نیت کی جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ رفع حدث کا قصد کیا جائے یا نماز وغیرہ کے مباح ہونے کا کیونکہ علی الاصح دونوں کا مطلب ایک ہی ہے یعنی جب تک شرعی عذر باقی ہے اس وقت تک تیمم سے حدث بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور نماز وغیرہ وہ سب امور جو مشروط .طہارت ہیں مباح بھی ہو جاتے ہیں بہرحال حق یہ ہے کہ نیت میں صرف قصد قربت کافی ہے و بس۔

تیمم کے واجبات

تیمم کے واجبات بھی وہی ہیں جو وضو یا غسل کے ہیں جیسے ترتیب کہ تیمم میں بھی واجب ہے یعنی پہلے پیشانی' پھر دائیں اور اس کے بعد بائیں ہاتھ پر تیمم کرنا اور بحالت اختیاری خود کرنا اور موالات وغیرہ۔ وغیر ذالک من الواجبات راجع المقام المذکور تجد التفصیل الجمیل۔ انشاء اللہ

تیمم کرنے کا طریقہ

تیمم کی کیفیت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ یکبارگی خاک وغیرہ پر مارے جائیں پھر پیشانی پر ناک کے بالائی حصے تک پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کی پشت پر اور اس کے بعد دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت پر انگلیوں کے سرے تک مسح کیا جائے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اقوی یہ ہے کہ صرف پیشانی پر مسح کرنا کافی ہے ہاں احوط یہ ہے کہ پیشانی کے ساتھ ہر دو طرف کی جبینین (کنپٹیاں اور ابروؤں کو بھی شامل کیا جائے۔

مسئلہ ۲۔ دونوں ہاتھوں کا یکبارگی خاک وغیرہ پر مارنا ضروری ہے اگر یکے بعد دیگرے مارے جائیں تو کافی نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ تیمم کی ضربات میں بہت اختلاف ہے کہ ایا وضو اور غسل کے عوض تیمم میں ایک ہی ضربت کافی ہے یا دو ضروری ہیں یا وضو کے بدل میں ایک اور غسل کے بدل میں دو پھر اقوی یہ ہے کہ ہردو کے بدل میں صرف ایک ضربت کافی ہے لیکن احوط یہ ہے کہ ہردو میں دو ضربیں لگائی جائیں پہلی منہ اور ہاتھ دونوں کے لئے اور دوسری صرف ہاتھوں کے لئے۔

مسئلہ ۴۔ احوط یہ ہے کہ تیمم کرتے وقت ہتھیلیوں پر کچھ خاک ہونی چاہیے۔ جس سے مسح کیا جائے چونکہ بعض فقہاء عظام اس کو واجب سمجھتے ہیں اس لئے یہ احتیاط ترک نہ کی جائے۔

مسئلہ ۵۔ یہ دونوں ہاتھوں کا یکبارگی خاک وغیرہ پر مارنا اور پھر ان سے تیمم کرنا اس صورت میں ہے کہ دونوں ہاتھ ٹھیک ہوں لیکن اگر کسی شخص کا ایک ہی ہاتھ ہو اور دوسرا ہاتھ کٹا ہوا ہو تو پھر ایک ہاتھ سے ہی تیمم کیا جائے گا۔ **"لان المیسور لا یسقط بالمعسور"**

تیمم کے احکام

مسئلہ ۱۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن وقت داخل ہونے کے بعد آیا اول وقت میں جائز ہے یا بالکل آخری وقت میں کرنا ضروری ہے اس میں شدید اختلاف ہے بعض فقہاء علی الاطلاق وسعت وقت میں جواز کے قائل ہیں اور بعض مطلقاً" آخری وقت تک تاخیر کو واجب سمجھتے ہیں مگر اظہر تفصیل والا قول ہے کہ اگر آخر وقت تک پانی ملنے یا دوسرے شرعی عذر کے برطرف ہونے کی امید ہو تو پھر تو آخر وقت تک انتظار کرنا لازم ہے لیکن اگر نہ پانی ملنے کی امید ہو اور نہ ہی عذر کے برطرف ہونے کی توقع ہو تو پھر واجبی تلاش و جستجو کے بعد (جو کہ نرم و ہموار زمین میں دو تیر کی مار اور سخت و ناہموار زمین میں ایک تیر کی مار ہے جیسا کہ اس بحث کی ابتداء میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے) وسعت وقت میں تیمم کرکے نماز پڑھنا صحیح ہے۔

مسئلہ ۲۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ وضو یا غسل کے بدل تیمم سے (جب تک عذر باقی رہے) ہر وہ چیز مباح ہو جاتی ہے جو وضو یا غسل کرنے سے مباح ہوتی ہے جیسے نماز پڑھنا۔ طواف کرنا اور قرآن مجید کے حروف کو مس کرنا وغیرہ کیونکہ نصوص عترت طاہرہؑ سے اس کی بدلیت مطلقہ ثابت ہوتی ہے جیسے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوذر سے فرمایا۔ **یکفیک الصعید عشر سنین** (دس سال تک مٹی تمہارے لئے کافی ہے) (فروع کافی) یا امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ۔ **ان اللہ جعل التراب طھورا**" (خدا نے مٹی کو اسی طرح طاہر و مطہر بنایا ہے جس طرح پانی کو طاہر و مطہر بنایا ہے۔ (وسائل الشیعہ) یا جیسے **ان رب الماء رب الصعید**

جو پانی کا رب ہے وہی مٹی کا رب ہے۔ (مستدرک الوسائل وغیرہ) ان احادیث سے جو اطلاق و عموم مترشح ہوتا ہے وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ جب کوئی آدمی پانی نہ ملنے کی وجہ سے غسل یا وضو کے عوض تیمم کرلے اور بعد میں پانی دستیاب ہو جائے تو یہاں تین صورتیں ہیں۔ (ا) نماز پڑھنے سے پہلے ملے۔ (ب) نماز پڑھنے کے بعد ملے۔ (ج) نماز پڑھنے کے دوران ملے۔ چنانچہ پہلی دو صورتوں میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے یعنی پہلی شق میں تیمم باطل ہو جائے گا لہذا وضو یا غسل کر کے نماز پڑھنا واجب ہوگی اور دوسری شق میں جو نماز پڑھی جاچکی ہے وہ درست ہے آئندہ نماز کے لئے وضو یا غسل کرنا پڑے گا ہاں جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف تیسری صورت میں ہے ایک قول یہ ہے کہ نماز شروع کرنے کے بعد اسے توڑنا جائز نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر رکوع میں جانے سے پہلے مل جائے تو نماز توڑی جاسکتی ہے اور اگر رکوع میں جانے کے بعد ملے تو پھر نہیں توڑی جاسکتی' تیسرا قول یہ ہے دوسری رکعت تک توڑی جاسکتی ہے اسکے بعد نہیں مگر اقوی قول دوسرا ہے کہ اگر پہلی رکعت کے رکوع میں جانے سے پہلے پانی مل جائے تو نماز توڑ کر کامل طہارت کر کے از سر نو نماز پڑھی جائے اور اگر رکوع میں چلے جانے کے بعد ملے تو پھر نماز نہیں توڑی جاسکتی یہی قول اکثر نصوص صحیحہ اور اقوال صریحہ سے ثابت ہوتا ہے۔

مسئلہ ۴۔ ہر وہ چیز جس سے غسل یا وضو ٹوٹ جاتا ہے اس سے وہ تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے جو ان کے عوض کیا جائے۔ علاوہ بریں تیمم میں ایک اور چیز کا بھی اضافہ ہے اور وہ ہے پانی کا دستیاب ہو جانا یا عذر کا برطرف ہو جانا۔ اب اگر تو اتنی دیر پانی موجود رہا کہ وہ شخص غسل یا

وضو کر سکتا تھا۔ (مگر نہیں کیا) تو اس صورت میں تیمم کے ٹوٹ جانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اگر اتنی دیر موجود نہ رہا بلکہ ملتے ہی پھر ناپید ہوگیا تو آیا اس صورت میں تیمم باطل ہو جائے گا یا نہ؟ اس میں اشکال ہے احوط یہ ہے کہ دوبارہ تیمم کرلیا جائے۔

مسئلہ ۵۔ ایک آدمی نے تیمم کر کے نماز پڑھنا شروع کی اثناء نماز میں اس سے حدث سرزد ہونے کی وجہ سے تیمم ٹوٹ گیا ادھر حسن اتفاق سے پانی بھی مل گیا اب اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ وضو کرے گا مگر اس میں شدید اختلاف ہے کہ وضو کے بعد وہیں سے نماز کی ابتداء کرے گا۔ جہاں سے چھوڑی تھی یا از سر نو پڑھے گا۔ جمعاً" بین الاخبار یہ قول قوت سے خالی نہیں ہے کہ اگر اس نے عمداً" حدث صادر کیا ہے تو از سر نو پڑھے گا اور اگر سہواً" صادر ہوا ہے تو جہاں نماز چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرے گا۔

اگرچہ اس صورت میں بھی احوط یہ ہے کہ از سر نو ہی شروع کرے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۶۔ ایک آدمی نے غسل کے عوض تیمم کیا پھر اس سے حدث اصغر سرزد ہوا تو اب یہ جو تیمم کرے گا وہ غسل کے عوض ہوگا (یا حدث اصغر کی وجہ سے) وضو کے بدل ہوگا؟ مشہور یہ ہے کہ غسل کے عوض ہوگا۔ مگر اقوی یہ ہے کہ وضو کے بدل ہوگا۔ مگر احتیاط استحبابی یہ ہے کہ دو تیمم کرے۔ ایک غسل کے عوض اور دوسرا وضو کے بدل یا اگر بقدر وضو پانی مل جائے تو پھر صرف ایک تیمم غسل کے بدل کرے اور اس کے ساتھ وضو بھی کرے۔

مسئلہ ۷۔ ایک شخص نے باوجود اس کے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے پانی استعمال نہیں کر سکتا تھا عمداً" اپنے کو جنب کیا اور پھر تیمم کر کے نماز پڑھی تو جس وقت اس کا عذر برطرف ہو جائے تو اس کے لئے غسل کر کے نماز کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ ۸۔ جس طرح واجبی غسل، وضو کے عوض غایات واجبہ کے لئے تیمم جائز ہے اسی طرح حق یہ ہے کہ مستحبی غسل اور وضو کے عوض مستحبی اغراض کے لئے بھی تیمم جائز ہے۔

مسئلہ ۹۔ جو شخص مسجد الحرام یا مسجد نبویؐ میں جنب ہو جائے اس پر واجب ہے کہ فوراً" وہیں تیمم کرے اور پھر باہر نکل آئے۔

مسئلہ ۱۰۔ بناء بر مشہور نماز جنازہ اور با طہارت ہونے کے لئے پانی کی موجودگی میں بھی تیمم کیا جاسکتا ہے اور یہ تیمم جو با طہارت سونے کے لئے کیا جاتا ہے یہ اوپر اوڑھنے والے کپڑے سے بھی روا ہے اس خیال سے کہ اس میں کچھ تو غبار ہوگا۔ واللہ العالم۔

تم باب الطہارۃ والحمد للہ رب العالمین

باب الصلوٰۃ

(ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا" موقوتا")

(نماز کے اسرار' فضائل' تعداد' اوقات' شرائط' واجبات مستحبات' مبطلات' شکیات اور اس کے احکام کا بیان)

(وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون)

نماز کے اسرار اور اس کے دوسرے متعلقہ مباحث شروع کرنے سے پہلے عبادت کا مفہوم' عبادت کی ضرورت' عبادت کی غرض و غایت اور عبادت کے اقسام کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عبادت کا صحیح اسلامی مفہوم

عام طور پر عبادت ان چند مخصوص اعمال کو سمجھا جاتا ہے جو انسان خدا کی بارگاہ میں بجا لاتا ہے جیسے نماز' روزہ وغیرہ۔ لیکن ارباب علم اور اطلاع پر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ عبادت کا نہایت ہی محدود اور تنگ مفہوم ہے۔ عبادت کے لفظی معنی اپنی عاجزی اور درماندگی کا اظہار ہیں اور اصطلاح شریعت میں خداوند عالم کی رضا جوئی اور خوشنودی کی خاطر اس کی بارگاہ میں نذرانہ عبودیت و بندگی پیش کرنا اور اس کے احکام کی تعمیل کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کا پہلا رکن نیت کا خالص ہوتا ہے۔ **(وانما الاعمال بالنیات)** کوئی شخص بظاہر کتنا ہی عمدہ اور اچھا کام کرے مگر جب تک اس کا مقصد اظہار بندگی اور خدا کے حکم کی تعمیل نہ ہو اس وقت تک اسے عبادت نہیں سمجھا جاسکتا اور عبادت کے وسیع مفہوم کا دوسرا رکن ہے خدا کے احکام کی اطاعت۔ لہٰذا اس میں کسی خاص کام اور کسی خاص طرز و روش کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ انسان کا ہر وہ اختیاری اور جائز و مباح کام جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی فرمانبرداری کرنے کے لئے کیا جائے وہ عبادت ہے اور اس کا عامل اجر و ثواب کا مستحق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تجرد کی زندگی بسر کرنا' ریاضات شاقہ بجالانے' چلہ کشی کرنے' مرغن غذا نہ کھانے' عمدہ لباس زیب تن نہ کرنے' لوگوں سے تعلقات قطع کرکے عزلت نشینی اختیار کرکے اور کسی غار یا جنگل میں بیٹھ کر "حق ہو" کا نعرہ بلند کرنے کا نام عبادت نہیں ہے بلکہ حلال روزی

کمانے' اہل و عیال کے حقوق ادا کرنے' خدا پر بھروسہ کرنے' نعمات پر شکر کرنے مشکلات و مصائب پر صبر کرنے' کسی شکستہ دل کو تسلی دینے' محتاج کی مدد کرنے' مسکین' یتیم' بیوگان کی امداد کرنے لوگوں کے باہمی بغض و عداوت کو دور کرکے ان کے درمیان راہ و رسم محبت و اخلاص عام کرنے نیز نماز روزہ وغیرہا اعمال صالحہ بجا لانے کا نام "عبادت" ہے الغرض اس کے اندر انسانی زندگی کے وہ تمام جائز و مباح کام داخل ہیں جن کی بجا آوری سے خدائے قدوس کی بارگاہ میں اپنی بندگی کا اظہار' اس کی اطاعت کا اقرار اور اس کی خوشنودی درکار ہو۔

عبادت کی ضرورت

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اس کی اس اشرفیت کا دارو مدار کس بات پر ہے؟ آیا اس کے حسن و جمال پر یا اس کے مال و منال پر یا اس کے دنیوی جاہ و جلال پر؟ ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں سے کسی چیز پر بھی انسانی مجد و شرف کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

انسان کی نجابت و شرافت کا دارو مدار علم و عمل پر ہے۔ بالفاظ دیگر انسان کی شرافت ذاتی ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے کیونکہ علم کی دو قسمیں ہیں۔

ایک نظری جس کا تعلق اصول عقائد (جیسے توحید' عدل' نبوت' امامت اور قیامت وغیرہ) کے ساتھ ہے جن پر صرف ایمان لانا فرض ہے مگر ان میں کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری عملی جس کا تعلق ان اعمال صالحہ کے ساتھ ہے جن کا بجا لانا ضروری ہے جیسے نماز' روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ اسلام میں انسان کی فوز و فلاح کو ایمان اور عمل صالح ہر دو کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے قرآن و حدیث میں ہر جگہ بلا استثناء ایمان کو اولی اور عمل صالح کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ **والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنو وعملوا الصلحت** (عصر۔ ۱)

"قسم ہے زمانہ کی کہ سب انسان گھاٹے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور عمل صالح بجا لائے۔" **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ثم رددنٰہ اسفل سافلین الا الذین امنوا وعملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون** (والتین۔ ۱) **فالذین امنو وعملوا الصلحت فی جنت النعیم۔** (حج۔ ۷) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ آرام دہ باغات میں ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح لازم و ملزوم ہیں اگر ایمان کامل ہو تو عملی کمزوری کا تصور

بھی نہیں ہو سکتا جہاں بھی عمل میں کچھ نقص ہوگا تو اتنی ہی ایمان میں بھی کمزوری ہوگی کیونکہ کسی چیز پر پورا یقین ہو جانے کے بعد اس کے برخلاف عمل کرنا انسانی فطرت کے خلاف ہے بھلا جس شخص کو یہ یقین ہو کہ آگ جلاتی ہے پھر وہ کیونکر اس میں ہاتھ ڈالنے کی جرات کر سکتا ہے ہاں ایک طفل نادان جسے آگ کے جلانے کا یقین نہیں ہے وہ ضرور اس میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ عمل کی کمزوری یقین و ایمان کی کمزوری کا راز فاش کرتی ہے اس سے واضح ہوگیا کہ اسلام کی نظر میں ایمان و عمل باہم اس طرح لازم و ملزوم ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دارین کی فوز و فلاح اور اخروی اجرو مغفرت کا انہی پر دارو مدار ہے۔ **وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت منہم مغفرۃ واجر عظیما** " (فتح۔ ۴)

"اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل صالح بجا لائے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے" انسان کو عبد کہا گیا ہے ظاہر ہے کہ عبد کا یہ فرض ہے کہ اپنے معبود کی اطاعت کرے۔ جس کو شریعت کی زبان میں عبادت کہا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی انسان کہلانے کا حقدار وہی شخص ہے جو فرض عبادت کو بجا لاتا ہے کیونکہ یہی اس کی غرض خلقت ہے چنانچہ خالق حکیم فرماتا ہے۔ **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**

"یعنی میں نے جن اور انسان کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ایک اور مقام پر فرماتا ہے"۔ **وما امروا الا لیعبدواللہ مخلصین لہ الدین**

"یعنی ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ خلوص کے ساتھ خدا کی عبادت کریں ان حقائق سے یہ بات بالکل واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ جو شخص یہ فرض عبادت ادا نہیں کرتا یا اس کی ادائیگی میں پس و پیش کرتا ہے وہ حقیقت میں انسان کہلانے کا حق دار نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز اس وقت وہ چیز کہلا سکتی ہے جب کہ اس پر وہ غرض مترتب ہو جس کے لئے وہ وجود میں لائی گئی ہے اسی لئے خدائے حکیم نے کفارو مشرکین کو "کالانعام بل ھم اضل" "چوپاؤں کی مانند بلکہ ان سے بھی گیا گزرا" قرار دیا ہے اور ایک اور مقام پر ان لوگوں کو اسی لئے "شرالدواب" "زمین پر سب چلنے پھرنے والے جانداروں سے بدترین جانور" قرار دیا گیا ہے جو حق و حقیقت سے رو گردانی کرتے ہیں اور اپنے خالق کی چوکھٹ پر سر تسلیم خم نہیں کرتے حق تو یہ ہے کہ۔

۔ زندگی مقصود بہر بندگی   زندگی بے بندگی شرمندگی

عبادت کی غرض و غایت

اس میں کوئی شک نہیں کہ خالق حکیم نے ہمیں اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے (بلکہ اسی عبادت کو ہی غرض خلقت قرار دیا ہے۔ (کما تقدم)

اور یہ بات بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ **فعل الحکیم لا یخلو من الحکمۃ**

"کہ حکیم کا کوئی فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا اور یہ حقیقت بھی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر ہے کہ خداوند عالم غنی مطلق اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے اس لئے اس عبادت کا فائدہ اس کی طرف تو عائد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کی بازگشت ہماری طرف ہے اب وہ ہمارا کون سا فائدہ ہے اس سوال کا جواب خالق اکبر نے اس آیت میں دیا ہے ارشاد فرما ہے۔ **یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون** (البقرہ۔ ۳)

اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم تقوی حاصل کرو۔ اس آیت مبارکہ سے بعبارۃ النص ظاہر ہوگیا کہ عبادت کی غرض و غایت تقوی کا حاصل کرنا ہے۔

تقوی کا صحیح مفہوم

اب رہی یہ بات کہ تقوی کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ تو واضح ہو کہ تقوی انسان کے دل و دماغ کی اس کیفیت کا نام ہے کہ جس سے دل میں تمام اچھے کام بجا لانے کی تحریک اور تمام برے کام چھوڑنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تمام اسلامی عبادات نماز' روزہ وغیرہا سے اسلام کا مقصد یہی "تقوی القلوب" پیدا کرنا ہے اور یہ تمام عبادات اسی کے حصول کے لئے ہیں بنابریں انسان کے وہ تمام جائز افعال و اعمال جن سے یہ مقصد اعلی حاصل ہو۔ وہ سب عبادت کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں۔ (کما مرتو ضیحہ) لہذا دنیا کے وہ تمام کام جن کو دوسرے مذاہب دنیا کے کام قرار دیتے ہیں اسلام کی نظر میں وہ سب کام دین کے کام اور داخل عبادت ہیں اگر ان کے کرنے سے غرض و غایت کوئی مادی خود غرضی اور نمائش نہ ہو بلکہ خدا کی رضا اور اس کی اطاعت کرنا ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ دنیا کے کام اور دین کے کام والا تفرقہ دراصل غرض و غایت اور نیت کا تفرقہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عبادت کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو تمام اندرونی کثافتوں اور آلائشوں سے پاک و صاف کرے۔ (جو بجز عبادت کے دور نہیں ہو سکتیں) تاکہ اسے خداوند عالم

کا روحانی قرب حاصل ہو سکے ہیں جس پر سعادت دارین اور فلاح کونین کا حصول موقوف ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنی ابدی زندگی کو سنوارنا چاہتا ہے اور خوشنودی خدا کا پروانہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو عبادت کے ذریعے تقوی و طہارت حاصل کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ "اما من کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً" صالحا" ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا"

عبادت کے اقسام

اگر تمام اسلامی عبادات کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ محض بدنی عبادت (جس میں صرف بدن کے حرکات کو دخل ہے جیسے نماز' روزہ وغیرہ)

۲۔ محض مالی عبادت (جس میں صرف مال کے خرچ کرنے کو دخل ہے جیسے زکوۃ' خمس اور کفارات وغیرہ)

۳۔ بدنی و مالی عبادت (جس میں بدن اور مال ہر دو کو دخل ہے جیسے حج اور جہاد وغیرہ)

اسلام میں نماز کا مقام

یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بلند و بالا ہے کہ اسلام میں ان تمام مذکورہ بالا عبادات میں سے زیادہ اور اہم اور عظیم المرتبت نماز ہے اور اسلامی عبادات کا پہلا رکن ہے جو پیرو جواں امیر و فقیر' مرد و عورت اور تندرست و بیمار سب پر یکساں واجب ہے اور کسی حال میں بھی کسی متنفس سے جب تک وہ ہوش و حواس میں ہے ساقط نہیں ہے اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے اور بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے۔ رکوع و سجود نہیں کرسکتا۔ تو اشاروں سے پڑھے۔ الغرض اصول عقائد کے بعد نماز سب سے بڑا اسلامی فریضہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ما اعلم شیئا" بعد المعرفتہ افضل من ھذہ الصلوۃ

کہ میں معرفت (خدا وندی) کے بعد اس نماز (فریضہ) سے افضل کوئی چیز نہیں جانتا (فروع کافی)۔ (۲) قیامت کے دن سب سے پہلے اسی نماز کی باز پرس ہوگی۔ اول ما یسئل عن العبد یوم القیامتہ الصلوۃ

(۳) اسی نماز پر دوسرے تمام اعمال و عبادات کی قبولیت کا دارو مدار ہے۔ ان قبلت قبل ما

سوابا وان ردت رد ما سوابا

اگر نماز قبول ہوگئی تو سارے اعمال قبول ہو جائیں گے اور اگر نماز مسترد ہوگئی تو پھر تمام اعمال مسترد کردیئے جائیں گے۔ (مستدرک الوسائل)

(۴) یہی نماز ہی ایمان و شرک اور اسلام و کفر کے درمیان وجہ امتیاز ہے۔ **اقیموا الصلوۃ ولا تکونوا من المشرکین۔**

نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔ حضرت رسول خداؐ فرماتے ہیں۔ **ما بین الکفر والایمان الا ترک الصلوۃ**

ایمان اور کفر کے درمیان بس نماز ہی کا فاصلہ ہے۔ (عقاب الاعمال)

(۵) یہ نماز دین کا ستون ہے۔ **قال ان عمود الدین الصلوۃ** (دین کا ستون نماز ہے۔) (تہذیب الاحکام) یعنی اگر نماز ہے تو دین ہے اور اگر نماز نہیں ہے پھر دین بھی نہیں ہے۔

(۶) نماز انبیاء اور انکے اوصیاء کی آخری وصیت ہے چنانچہ امیرالمومنینؑ نے آخری وصیت یہی فرمائی تھی۔ **الصلوۃ' الصلوۃ' الصلوۃ'** نماز' نماز' نماز (یعنی اس کا خاص خیال رکھنا۔ (تحف العقول)

نماز کے فضائل اور اسکا ثواب

نماز کے اس قدر فضائل ہیں کہ اس مختصر میں ان تمام کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں بطور تبرک چند فضائل ذکر کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱۔ آیت مبارکہ **ان الحسنات یذھبن السیئات** (کہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں) کی تفسیر میں حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا۔ **الصلوۃ الخمس کفارۃ لمابینھن ما اجتنب الکبائر**

یہ نماز پنجگانہ ان کے درمیان واقع ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہے بشرطیکہ گناہان کبیرہ سے اجتناب کیا جائے۔ (مستدرک بحوالہ دعائم الاسلام)

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے دروازہ پر نہر جاری ہو اور تم اس میں شبانہ روز میں پانچ مرتبہ غسل کرو تو کیا تمہارے جسم پر کچھ میل رہ جائے گا؟ اس نماز کی مثال اسی جاری نہر والی ہے یہ تمام گناہوں کی کثافت کو اسی طرح دور کردیتی ہے سوائے اس گناہ کے جو انسان کو ایمان سے خارج کردے۔ (جعفریات)

۳۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر سونے سے بھرا ہوا گھر خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تو اس سے ایک حج افضل ہے اور ایک نماز فریضہ ایسے بیس حج سے افضل ہے۔ (انوار المجالس)

۴۔ ایک حدیث میں انہی جناب سے یہاں تک مروی ہے فرمایا۔ صلوة فریضة تعدل عند الله الف حجة والف عمرة مبرورات متقبلات۔

ایک نماز فریضہ خدا کے نزدیک ایسے ایک ہزار حج اور ایسے ایک ہزار عمرہ کے برابر ہے جو مبرور و مقبول ہوں۔ (العروة الوثقیٰ)

۵۔ نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ احب العباد الی الله عزو جل صدوق فی حدیثه محافظ علی صلوته وما افترض الله علیه مع اداء الامانته۔

خدا کو اپنے سب بندوں سے زیادہ محبوب وہ ہے جو گفتگو میں سچا ہے نماز اور دیگر فرائض کو پابندی سے ادا کرتا ہے اور امانت کو ادا کرتا ہے۔ (امالی شیخ صدوق)

ترک نماز کا عقاب و عذاب

اسی طرح ترک نماز کی مذمت میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں خواب غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کے لئے بطور تنبیہ غافلین یہاں چند روایات درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے آباء و اجداد طاہرین کے سلسلہ سند سے۔ حضرت رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں فرمایا: لا تضیعوا صلو تکم فان من ضیع صلوته حشر مع قارون وہامان وکان حقاً علی الله ان یدخله النار مع المنافقین فالویل لمن لم یحافظ علی صلوته واداء سنته نبیه

نماز کو ضائع نہ کرو۔ کیونکہ جو شخص اپنی نماز کو ضائع کرے گا وہ قارون وہامان کے ساتھ محشور ہوگا اور خدا پر لازم ہوگا کہ اس کو منافقین کے ساتھ جہنم میں داخل کرے۔ افسوس اس کے لئے جو اپنی نماز کی محافظت نہیں کرتا اور اپنے پیغمبرؐ کی سنت کو ادا نہیں کرتا۔ (عیون اخبار الرضا)

۲۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "لا ینال شفاعتی من استخف بصلوته لا یرد علی الحوض"

جو شخص اپنی نماز کو خفیف سمجھے گا اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہو گی اور نہ ہی وہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ سکے گا۔ (فروع کافی)

۳۔ حضرت امام موسی کاظمؑ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت فرمایا۔ یا بنی لا ینال شفاعتنا من استخف بصلوتہ۔
بیٹا! جو شخص اپنی نماز کو حقیر سمجھے گا وہ ہم اہل بیتؑ کی شفاعت حاصل نہیں کر سکے گا۔ (کافی)

۴۔ حضرت رسولؐ خدا فرماتے ہیں۔ "اسرق السراق من سرق صلوتہ" سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرتا ہے یعنی اس کے رکوع و سجود کو مکمل طور پر نہیں بجا لاتا۔ (مستدرک الوسائل)

۵۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا جس نے رکوع و سجود کو مکمل طور پر ادا نہیں کیا تھا فرمایا۔ نقر کنقر الغراب (اس نے نماز پڑھی نہیں بلکہ) کوے کی طرح ٹھونگے لگائے ہیں پھر فرمایا۔ لئن مات ھذا و ھکذا صلوتہ لیموتن علی غیر دینی۔
اگر یہ شخص مر جائے اور اس کے نامہ اعمال میں اس قسم کی نماز درج ہو تو وہ یقیناً" میرے دین پر نہیں مرے گا۔ (کافی تہذیب الاحکام' عقاب الاعمال و حدائق ناضرہ) "قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوتہم خاشعون۔ (سورہ مومنون)
صرف وہی اہل ایمان کامران ہوں گے جو اپنی نمازوں کو خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے ہوں گے۔

نماز کی ماہیت و حقیقت

نماز ہے کیا؟ مخلوق کا اپنے دل' زبان اور ہاتھ پاؤں سے اپنے خالق و مالک کے سامنے بندگی اور عبودیت کا اظہار' اس خالق مہربان کی یاد' اس کے بے انتہا احسانات و انعامات کا شکریہ' محسن حقیقی کی حمد و ثنا اور معبود برحق کی یکتائی و بڑائی کا اقرار' بندہ کی اپنے آقا سے درخواست و التجا اور اپنے حقیقی محبوب سے مجبور روح کا خطاب' یہ نماز خالق و مخلوق کے باہمی تعلق کا شیرازہ ' قلب مضطر کی تسکین کا سامان' بے آسرا کا سہارا' انسانی زندگی کا حاصل اور مقصد حیات کی تکمیل!

نماز کی غرض و غایت

نماز کی روحانی غرض و غایت یہ ہے کہ خالق کائنات' رب العالمین' رازق کل' مالک الملک اور محسن اعظم کے بے شمار انعامات اور بے پایاں احسانات کا دل و زبان سے شکریہ ادا کیا جائے تاکہ دل و دماغ اور روح پر اس کی کبریائی و بڑائی اور اپنی عاجزی و درماندگی کا نقش ثبت ہو جائے۔ کام و دہن اس کے ذکر سے معطر اور دل و دماغ اس کی یاد سے منور ہو جائیں۔

ارکان نماز کی حکمت

انسان اپنے جسم و روح دونوں کے لحاظ سے خدا کی مخلوق اور زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے خدا کے بے پایاں احسانات سے گراں بار ہے اس لئے عقلاً" اس بات کی ضرورت ہے کہ اس منعم اعظم کی بارگاہ میں جسم و روح دونوں جھک کر سجدہ نیاز ادا کریں۔ اس رعایت سے شریعت نے نماز کے ارکان و افعال مقرر کئے ہیں جسمانی طریقے سے ہم کسی محسن و مہربان کی تعظیم اور اس کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار تین طریقوں سے کرتے ہیں بیٹھے ہوں تو کھڑے ہو کر' کھڑے ہوں تو جھک کر اور اگر جھکے ہوں تو مزید جھک کر اور سر نیاز زمین پر رکھ کر۔ دین فطرت نے انسان کے انہی فطری اعمال کے قالب میں ڈھال کر نماز کا پیکر تیار کیا ہے اس لئے نماز کے یہی تین بڑے ارکان ہیں قیام' رکوع اور سجود' تمام انبیاء کرام نے اپنے اپنے وقت میں اپنی امتوں کو جس نماز کے پڑھنے کا حکم دیا وہ انہی تین اجزا سے مرکب تھی چنانچہ خداوند عالم اپنے خلیلؑ کو تطہیر کعبہ کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ **وطہر بیتی للطائفین و القائمین والرکع السجود** (حج۔ ۴)

میرے گھر کو طواف کرنے والوں' کھڑے ہونے والوں' جھکنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک کرو۔

اسلامی نماز موالید ثلاثہ کی عبادت کا مجموعہ ہے

خالق حکیم نے نماز کو ایسا جامع مرقع بنایا ہے جو بیک وقت نباتات' جمادات اور حیوانات کی عبادات پر مشتمل ہے ظاہر ہے کہ نباتات کی (تکوینی) عبادت قیام' جمادات کی قعود' حیوانات کی رکوع پرندوں کی عبادت ذکر و تسبیح اور حشرات الارض کی عبادت سجود ہے اور یہ سب چیزیں نماز کے اندر پائی جاتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جامعیت عدیم المثال ہے اور اس کے واضع و شارع کے کمال کی لازوال دلیل ہے۔

نماز تمام دوسری انسانی عبادات کی جامع ہے

دوسری سب عبادات سے نماز کے افضل و اعلیٰ ہونے کی ایک ناقابل رد دلیل یہ بھی ہے کہ جس طرح نماز کے ذریعے سے عبودیت اور بندگی کا اظہار ہوتا ہے اس سے بہتر تو کیا اس جیسی جامع عبادت کسی بھی مذہب میں موجود نہیں ہے اس لئے اس کے مکمل طور پر ادا کرنے سے انسان کو ظاہری و باطنی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ نماز علاوہ زبان کے مختلف اذکار جیسے تسبیح و تہلیل' توبہ و استغفار' اقرار توحید و رسالت' درود و سلام اور دعا و پکار پر مشتمل ہونے کے اس میں روزہ' حج' زکوٰۃ' وغیرہ عبادات کے خصائص بھی پائے جاتے ہیں مثلاً" جس طرح روزہ میں جسم کو تمام نفسانی خواہشات سے روکا جاتا ہے اسی طرح حالت نماز میں بھی تمام نفسانی خواہشات کو روکنا پڑتا ہے۔ مزید برآں نماز میں آنکھ کو ادھر ادھر دیکھنے' ہاتھ پاؤں کو بے جا حرکت کرنے' زبان کو غیر خدا کا ذکر کرنے اور قوت خیالیہ کو غیر خدا کا تصور کرنے سے بھی روکا جاتا ہے جو روزہ میں لازم نہیں ہے اسی طرح نماز میں حج کے خواص بھی موجود ہیں نماز کی تکبیرۃ الاحرام بمنزلہ احرام حج توجہ الی القبلہ بمنزلہ طواف کعبہ کے' اس کا قیام بمنزلہ قیام عرفات کے اور رکوع و سجود کی دوری حرکات بمنزلہ صفا و مروہ کی سعی کے ہیں اسی طرح نماز میں زکوٰۃ و خمس کی خوبیاں بھی ہیں کیونکہ اس میں تن ڈھانکنے کے لئے لباس' وضو یا غسل کے لئے سامان طہارت مہیا کرنا پڑتا ہے علاوہ بریں اس میں قیمتی وقت بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور دوسرے کاروبار کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ الغرض اس پر۔

بہریک گل زحمت صد خاری باید کشید

کا مقولہ صادق آتا ہے اسی طرح اس میں جہاد کی خصوصیت بھی پائی جاتی ہے نماز پڑھنے کے لئے

دوز بروست دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے ایک دشمن کا نام ہے نفس امارہ اور دوسرے کا نام ہے شیطان علیہ اللعن اس بیان سے واضح و عیاں ہوگیا کہ چونکہ نماز تمام عبادات بدنیہ و مالیہ کی جامع ہے اس لئے اس کا مرتبہ و مقام تمام عبادات سے بلند و بالا ہے۔

تنہی عن المنکر والفحشا   اقصرلھنا منتہی الثناء

نماز کے اخلاقی' تمدنی اور قومی و معاشرتی فوائد و عوائد

گو نماز در حقیقت روح کی غذا' ایمان کا ذائقہ اور دل کی تسکین کا سامان ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس میں مسلمانوں کے بہت سے اجتماعی' تمدنی اور معاشرتی فوائد بھی پوشیدہ ہیں جن میں سے بعض کا ذیل میں اجمالاً" تذکرہ کیا جاتا ہے۔

پہلا فائدہ طہارت و پاکیزگی اور صفائی کا سبق

تمدن کا پہلا سبق' شرم و حیاء کی نگہداشت کے لئے جسم کے بعض حصوں کا چھپانا نہایت ضروری ہے۔ جس کا اہتمام اسلام نے نماز کے اندر ستر پوشی کو واجب قرار دے کر اس اہم تقاضا کو پورا کیا ہے۔ اس کے بعد تمدن کا دوسرا سبق طہارت و پاکیزگی ہے جو اسلام کے اولین احکام میں سے ہے اس وقت تک نماز صحیح نہیں ہو سکتی جب تک نماز گزار کا بدن' اس کا لباس اور جائے سجدہ ہر قسم کی نجاست و کثافت سے پاک نہ ہو۔ اسلام نے اس تعلیم سے مسلمانوں کو پاک صاف رہنے کا خوگر بنایا۔ استنجاء بیت الخلاء اور طہارت کے آداب سکھائے جن سے آج کی بڑی بڑی متمدن قومیں بھی ناآشنا ہیں۔ غلیظ و کثیف رہنے سے انسان کئی بیماریوں کی آماجگاہ بن کر رہ جاتا ہے مگر نماز انسانی جسم و اعضاء کے پاک و ستھرا رکھنے پر مجبور کرتی ہے شب و روز میں کئی بار منہ ہاتھ دھوئے جاتے ہیں منہ اور ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے ناک کے سانس کے ذریعہ جراثیم بدن میں داخل ہوتے ہیں جس سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ناک میں پانی ڈالنے سے یہ جراثیم دور ہو جاتے ہیں اور اس طرح کئی بیماریوں کا سدباب ہو جاتا ہے اور اسی طرح منہ میں پانی ڈالنے اور مسواک کرنے سے گندہ دہنی اور دانتوں کی بدنمائی سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔

دوسرا فائدہ وقت کی پابندی

انسانی زندگی کی کامیابی کا راز اس کے نظام اوقات پر ہے یعنی یہ کہ اس کے تمام کام مقررہ وقت پر انجام پائیں انسان فطرتاً" آرام پسند اور سہل انگیز واقع ہوا ہے اس کو پابند اوقات بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بعض کاموں کے جبراً" اوقات مقرر کر دیئے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان دوسرے کاموں میں بھی اوقات کا پابند ہو جائے گا۔ جس سے اس کی زندگی مربوط اور باقاعدہ ہو جائے گی۔ چونکہ نماز کے اوقات مقرر ہیں۔ "ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا" موقوتا"" لہٰذا اس کے ذریعہ یہ بلند مقصد باسانی حاصل ہو سکتا ہے۔

تیسرا فائدہ حفظان صحت بوجہ صبح خیزی

طبی اور حفظان صحت کے اصول کے پیش نظر رات کو سویرے سونا اور صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے اٹھنا حد درجہ ضروری ہے جو لوگ نماز کے پابند ہوتے ہیں وہ کبھی اس اصول کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ وقت پر سونا اور وقت پر بیدار ہونا ان کے لئے ضروری ہو جاتا ہے اور اس سے ان کی صحت درست رہتی ہے۔

چوتھا فائدہ خدا کا خوف

نماز سے خوف خدا پیدا ہوتا ہے اور جب یہ جذبہ بیدار ہو جائے تو گناہوں کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے جو آدمی نماز کا پابند ہے اگر کسی وقت بشری تقاضے کے ماتحت اس کا قدم جادہ حق سے ڈگمگانے لگے تو رحمت ایزدی اس کا دامن تھام لیتی ہے اور وہ یہ سوچ کر کہ لوگ کہیں گے فلاں نمازی ہو کر اس قسم کی حرکت کرتا ہے اس کے ڈگمگاتے ہوئے پاؤں جم جاتے ہیں اور برائی سے باز آجاتا ہے اسی مطلب کو خدائے حکیم نے اپنے کلام پاک میں یوں ادا کیا ہے۔ **ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر** (عنکبوت۔ ۱۵)

پانچواں فائدہ ہوشیاری کا حصول

نماز سے انسان کو ہوشیار رہنے کا سبق ملتا ہے کیونکہ نماز آیات الٰہی میں غور و فکر' خدا کی تسبیح و تقدیس' اس کی حمد و ثنا' کچھ دعا و استدعا اور کچھ اقرار و اعتراف کا نام ہے ظاہر ہے کہ یہ مقصد اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جب انسان کے ہوش و حواس قائم ہوں۔ اسی لئے خدا فرماتا ہے۔ **لا تقربوا الصلوۃ و انتم سکاریٰ حتی تعلموا ماتقولون** (نساء۔ ۷)

نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ لہٰذا جو شخص نماز کا پابند ہے وہ ہر اس چیز سے پرہیز کرے گا۔ جو اس کی عقل و ہوش کو گم کر دے یا کم کر دے۔

چھٹا فائدہ دائمی تنبیہہ و بیداری

تمام مذاہب کا مقصد تکمیل اخلاق ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ نفس بیدار ہو اور اثر قبول کرنے کے لئے تیار۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد صرف نماز سے ہی حاصل ہو سکتا ہے جبکہ دیگر عبادات جیسے روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ اولاً" تو ہر شخص پر فرض نہیں۔ دوسرے زکوۃ اور روزہ سال میں ایک بار اور حج زندگی میں ایک بار۔ لہٰذا ان کے ذریعہ نفس کی بیداری حاصل نہیں ہو سکتی۔

ان کے برخلاف نماز ہر روز دن رات میں پانچ بار ادا کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے یہ نماز ہی ہے جو نفس انسانی کو ہوشیار اور قلب خفتہ کو بیدار کرتی ہے۔

ساتواں فائدہ کامیاب زندگی گزارنے کی تربیت

انسان کی عملی زندگی کی کامیابی کا راز استقلال اور مواظبت و مداومت پر موقوف ہے یعنی جس کام کو صحیح سمجھ کر شروع کیا جائے اور پھر عمر بھر اس پر قائم رہا جائے اسی کا نام اخلاق کی استواری اور کریکٹر کی مضبوطی ہے یہ تربیت نماز کے ذریعہ بدرجہ اتم و اکمل دی جاتی ہے اس فریضہ کے بار بار مقررہ اوقات پر انجام دینے سے انسان کے اندر استقلال و مواظبت کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اس سے واضح ہوگیا کہ نماز اسلام کا اولین شعار و دثار ہے اور اس کے قومی و مذہبی اور دینی و دنیوی مقاصد حاصل کرنے کی آئینہ دار۔ (از سیرۃ النبی مع الاضافات المفیدہ)

نماز کے اقسام و اعداد

نماز کی دو قسمیں ہیں۔ واجب اور مستحب۔ پھر دراصل واجب نمازوں کی تعداد بنابر تحقیق پانچ ہے۔ نماز پنجگانہ (جس میں نماز جمعہ بھی داخل ہے۔) نماز طواف' نماز آیات' نماز جنازہ اور نماز عیدین اور کبھی نذر' عہد اور قسم کی وجہ سے بھی واجب ہو جاتی ہے مگر یہ وجوب عارضی ہے اصلی و استقلالی نہیں ہے۔ مستحبی نمازیں بہت سی ہیں جن کا تذکرہ اس باب کے آخر میں کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

نماز پنجگانہ کے شرائط' اجزاء اور موانع کا اجمالی بیان

نماز ایک مخصوص شرعی حقیقت ہے جو چند مختلف بالذات اور متحد بارتباط شرعی افعال و اعمال سے مرکب ہے اس کی مثال ایک ایسے جسم کی ہے جس میں روح بھی ہو اور اعضا و جوارح بھی چنانچہ اس کی روح تو نیت ہے اور اس کے اعضاء وہ اجزاء ہیں جن سے یہ نماز مرکب ہے۔ اس نماز کے کچھ شرائط ہیں کچھ اجزاء اور کچھ موانع۔

شرائط سے وہ وجودی امور مراد ہیں جو ہیں تو نماز کی حقیقت سے خارج مگر نماز کی صحت ان پر موقوف ہے یعنی اگر یہ نماز سے پہلے اور اس کے ساتھ موجود نہ ہوں تو نماز ختم ہو جاتی ہے۔ اجزاء سے مراد وہ وجودی امور ہیں جن سے مل کر نماز کی شکل و صورت متحقق ہوتی ہے اور موانع سے مراد وہ وجودی امور ہیں جن کا نہ ہونا نماز کی صحت کے لئے ضروری ہے کیونکہ ان کے پائے جانے سے نماز رخصت ہو جاتی ہے۔ اب ان شرائط' اجزاء اور موانع کی دو دو قسمیں

ہیں۔ (۱) رکنی اور (۲) غیر رکنی۔

شرائط رکنی سے مراد وہ شرائط ہیں جن کے عمداً یا سہواً نہ ہونے سے نماز ختم ہو جاتی ہے اور وہ تین ہیں۔ (۱) طہارت' (۲) وقت اور (۳) استقبال قبلہ فی الجملہ

اور شرائط غیر رکنی سے مراد وہ شرائط ہیں جن کے سہوا ترک کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی اور وہ دو ہیں (۱) لباس مخصوص' (۲) مکان مخصوص۔

اجزاء رکنی سے مراد وہ اجزاء ہیں جن کے عمدا یا سہوا بڑھانے یا گھٹانے سے حقیقت نماز رخصت ہو جاتی ہے اور وہ چار ہیں۔ (۱) تکبیرۃ الاحرام' (۲) قیام متصل برکوع اور بوقت تکبیرۃ الاحرام' (۳) رکوع' (۴) سجدتین

اور غیر رکنی اجزاء وہ ہیں جن کے صرف عمداً بڑھانے یا گھٹانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور وہ پانچ ہیں (۱) قرات' (۲) قرات کی حالت میں قیام' (۳) ذکر رکوع و سجود' (۴) تشہد اور (۵) سلام

اور رکنی موانع سے مراد وہ موانع ہیں جن کے اثناء نماز میں عمدی یا سہوی وجود سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور وہ پانچ ہیں (۱) حدث (۲) قبلہ کو پشت کرنا (۳) وہ فعل کثیر جو نماز کی ہیئت کو مٹا دے (۴) تمام نماز کا وقت سے پہلے پڑھنا (۵) مخصوص قسم کے بعض شکیات نماز

اور غیر رکنی موانع سے مراد وہ موانع ہیں جن کو صرف عمداً حالت نماز میں وجود دینے سے نماز باطل ہوتی ہے اور وہ چار ہیں۔ (۱) ہنسنا (۲) کلام کرنا (۳) رونا (۴) دائیں بائیں منہ پھیر کر دیکھنا۔ اس باب الصلوۃ میں انہی اجمالی حقائق کی توضیح و تشریح کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز

نماز پنجگانہ کے اوقات کا بیان

فقہ کے منجملہ سخت ترین پیچیدہ مسائل کے ایک اوقات نماز کا مسئلہ بھی ہے اس میں چند بڑے شدید اختلافات ہیں مثلاً" یہ کہ ہر نماز کے کتنے کتنے اوقات ہیں دو' دو یا تین تین یا چار چار؟ ہر نماز کا وقت فضیلت شروع کب ہوتا ہے اور ختم کب ہوتا ہے؟ وقتِ اِجزاء یا وقت عذر کی انتہا کہاں ہے؟ پھر واجبی نماز کے مقررہ نوافل کا وقت کب شروع ہو کر کب ختم ہوتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ ہم نے آئمہ اطہارؑ کے اخبار و آثار اور اقوال علماء ابرار کے بحار میں شناوری کرکے اپنی وسعت نظر و بضاعت کے مطابق جو لئالئ آبدار حاصل کئے ہیں ان کو بڑے ایجاز و اختصار کے ساتھ ذیل میں حوالہ قرطاس کرتے ہیں۔ وعلی اللہ التوکل الی یوم القرار

ہر نماز کے دو وقت ہیں

ہر ہر نماز کے علیحدہ علیحدہ اوقات لکھنے سے پہلے اجمالاً" اتنا معلوم ہونا چاہئے کہ پنجگانہ

نمازوں میں سے ہر نماز کے دو دو وقت ہیں بنابر مشہور ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) وقت فضیلت اور (۲) وقت اجزاء (جس میں نماز ہو تو جاتی ہے مگر ثواب کم ملتا ہے) اور بناء بر تحقیق ان کے نام یہ ہیں (۱) وقت مختار یعنی اس آدمی کا وقت جس کو کوئی شرعی عذر درپیش نہ ہو تو اسے اسکی پابندی کرنی چاہئے' (۲) وقت مضطر و ذی الاعذار (یعنی شرعی عذر رکھنے والے لوگوں کا وقت جیسے بیمار' سہو ونسیان کا شکار یا سویا ہوا آدمی وغیرہم) یہ لوگ اس وقت تک نماز کو موخر کر سکتے ہیں۔

وقت مختص کی بحث

اور یہ جو مشہور بین الفقہاء ہے کہ ہر نماز کا ایک تیسرا مختص وقت ہوتا ہے جس میں اس نماز کے سوا اور کوئی نماز نہیں پڑھی جاسکتی جیسے اول زوال کے بعد کی چار رکعت پڑھنے کی مقدار ظہر سے خاص اور غروب آفتاب سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا وقت عصر سے مختص ہے اور اسی طرح شرعی غروب کے بعد تین رکعت پڑھنے تک مغرب کے ساتھ اور نصف شب سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا وقت عشاء سے خاص ہے اور اس کا ثمرہ نتیجہ یہ ہے کہ اگر عمداً" یا سہواً" اس مختص وقت میں کوئی دوسری نماز پڑھ لی جائے۔ جیسے ظہر کے مختص وقت میں عصر یا عصر کے مختص وقت میں ظہر تو وہ نماز باطل سمجھی جائے گی۔ اگرچہ یہ مطلب ایک مرسلہ روایت سے ماخوذ ہے مگر اصح یہ ہے کہ یہ اختصاص ثابت نہیں ہے بلکہ سب مشترکہ وقت ہے۔
کیونکہ اس ایک مرسلہ روایت کے بالمقابل متعدد روایات صحیحہ موجود ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ **اذا زالت الشمس دخل الوقتان الظہر والعصر واذا غابت الشمس دخل الوقتان المغرب والعشاء** جب زوال آفتاب[1] ہو جائے۔ تو ظہر و عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اور جب سورج غروب ہو

---

[1] زوال آفتاب کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب وسطی خط نصف النہار سے مغرب کی طرف مائل ہو جائے۔ اس کی پہچان کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو مقامات خط استواء کے بالمقابل واقع ہیں۔ وہاں دوپہر کے وقت ہر شئی کا سایہ بالکل ختم ہو جاتا ہے اور جو خط استواء سے دائیں بائیں واقع ہیں وہاں دوپہر کے وقت سایہ گھٹ کر بالکل مختصر رہ جاتا ہے بہر حال جب سایہ ختم ہو جانے کے بعد مشرق کی طرف پیدا ہونے لگے یا گھٹ جانے کے بعد بڑھنے لگے تو یہ زوال آفتاب کی قطعی علامت ہے (منہ عفی عنہ)

جائے تو عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ) بعض روایات میں یہ تتمہ بھی مذکور ہے۔ **الا ان هذه قبل هذه** مگر یہ (ظہر اور مغرب) اس (عصر و عشاء) سے پہلے پڑھی جائے گی (فروع کافی۔تہذیب الاحکام

اگرچہ ان روایات میں فی الجملہ تاویل کی گنجائش ہے۔ مگر ان سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ زوال ہوتے ہی دونوں نمازوں کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غروب کے بعد مغرب و عشاء دونوں کا وقت داخل ہو جاتا ہے اور دونوں نمازوں کیلئے صلاحیت رکھتا ہے۔ ہاں البتہ پڑھتے وقت متوجہ ہونے کی صورت میں ترتیب کا ملحوظ رکھنا واجب ہے اور جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے لیکن اگر سہواً تقدیم و تاخیر ہو جائے تو نماز صحیح ہو گی۔ اور اپنے وقت میں پڑھی ہوئی نماز متصور ہو گی۔ تاہم احوط یہ ہے کہ قول مشہور کے مطابق عمل کیا جائے بالخصوص آخری وقت میں۔ واللہ العالم

نماز ظہر کے ہر دو وقت

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ زوال آفتاب ہوتے ہی نماز ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اسی وقت اس کو پڑھا بھی جا سکتا ہے ہاں اختلاف اس میں ہے کہ اس کا وقت فضیلت یا وقت مختار (گذشتہ وضاحت کے مطابق) کب شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے؟ مشہور یہ ہے کہ اول زوال سے لے کر ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہونے تک باقی رہتا ہے اس کے بعد وقت اجزائی شروع ہو جاتا ہے جو اس وقت تک باقی رہتا ہے کہ غروب میں صرف چار رکعت کا فاصلہ باقی رہ جائے۔

مگر یہ مثل والا قول صرف دو روایات سے ماخوذ ہے جو اہل خلاف کے نظریہ کے موافق ہونے کی وجہ سے تقیہ پر محمول کی گئی ہیں۔ جیسا کہ اختلاف روایات کے وقت قاعدہ ہے لہٰذا اظہر یہ ہے کہ وقت فضیلت اول زوال سے لیکر آدمی کا سایہ ایک ہاتھ یا دو قدم ہونے تک رہتا ہے اور ایک با اختیار آدمی کو اس سے نماز موخر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے بعد عذر شرعی رکھنے والوں کا وقت شروع ہوتا ہے جو مذکورہ بالا وقت اجزائی تک باقی رہتا ہے۔

نماز عصر کے ہر دو وقت

مشہور یہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تب فضیلت عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ جو سایہ کے دوگنا ہونے تک باقی رہتا ہے۔ اگر اس سے پہلے پڑھی جائے یا اس کے بعد غروب تک تو ہو تو جائے گی۔ مگر فضیلت کے خلاف ہوگی مگر حسب سابق اظہر یہ ہے کہ جہاں ظہر کا وقت فضیلت یا وقت اختیاری ختم ہوتا ہے یعنی جب آدمی کا سایہ ایک ہاتھ یا دو قدم ہوجائے اس وقت سے لیکر سایہ کے دو ہاتھ یا چار قدم ہونے تک باقی رہتا ہے خلاصہ یہ کہ ہر چیز کے طول کے مطابق اس کے ۷/۲ حصہ سے لیکر ۷/۴ حصہ سایہ ہونے تک باقی رہتا ہے[۱] اس کے بعد غروب تک وقت اجزائی یا صاحبان عذر کا وقت ہے۔

توضیح

اس تمام تحقیق و تدقیق کے باوجود اگر کوئی شخص مثل و مثلین والے قول پر عمل کرنا چاہے۔ (کہ کسی چیز کا سایہ اس کے برابر ہونے تک فضیلت ظہر اور اس کے بعد دو برابر ہونے تک فضیلت عصر ہے) تو کر سکتا ہے۔ **کما ھوالمشھور عندالفریقین وان کان قول الثانی ھوالمختار وھو الاوفق با الاحتیاط۔ واللہ العالم والعاصم**

نماز مغرب کے ہر دو وقت

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نماز مغرب کا وقت فضیلت یا وقت اختیاری غروب آفتاب کے بعد شروع ہوکر مغربی سرخی کے زائل ہونے تک قائم رہتا ہے۔ مگر اس میں قدرے اختلاف ہے کہ غروب آفتاب کا معیار کیا ہے؟ بعض علماء نے قرص آفتاب کی ظاہری پوشیدگی کو کافی قرار دیا ہے مگر اصح یہ ہے کہ شرعی غروب اس وقت ثابت ہوتا ہے جب مشرقی سرخی زائل ہو جائے ——— یہی وقت نماز مغرب کا ہے اور یہی افطار کا وقت ہے الغرض جب مغربی سرخی زائل ہوجائے تو نماز مغرب کا وقت فضیلت یا وقت اختیاری ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد وقت اجزائی یا وقت عذری شروع ہوتا ہے۔ جو رات کے چوتھے بلکہ تیسرے حصے تک بلکہ جب نصف شب ہونے میں صرف چار رکعت کا وقت باقی رہ جائے اس وقت تک باقی رہتا ہے۔

---

[۱] ہر آدمی کا قد اس کے ہاتھ سے ساڑھے تین ہاتھ اور اسکے قدم کے اعتبار سے سات قدم ہوتا ہے اور ایک ہاتھ دو قدم کے برابر ہوتا ہے بنابریں یہ قاعدہ صرف انسانی جسم تک محدود نہیں ہے بلکہ اسے ہر شاخص (سایہ معلوم کرنے کے لئے قائم کردہ لکڑی وغیرہ) میں جاری کیا جاسکتا ہے وہ اس طرح کہ اس کے سات حصے تصور کرکے ۷/۲ حصہ سایہ تک ظہر کا وقت فضیلت یا وقت اختیاری متصور کیا جائے گا (منہ عفی عنہ)

نماز عشاء کے ہر دو وقت

جہاں نماز مغرب کا وقت اختیاری ختم ہوتا ہے وہاں سے نماز عشاء کا وقت فضیلت یا وقت اختیاری شروع ہوتا ہے۔ الغرض مغربی سرخی کے زائل ہونے کے بعد نماز عشاء کا وقت فضیلت یا وقت اختیاری شروع ہوتا ہے اور رات کے چوتھے بلکہ تیسرے حصہ تک باقی رہتا ہے اس کے بعد بناء بر مشہور وقت اجزائی یا دوسرے تحقیق قول کے مطابق وقت عذری و اضطراری شروع ہو جاتا ہے جو نصف شب تک قائم رہتا ہے۔

ایضاح

بعض اخبار اور بعض علماء ابرار کے قول سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ جو شخص سو جائے یا بھول جائے یا اس قسم کا کوئی اور شرعی عذر رکھتا ہو وہ صبح صادق کے طلوع ہونے تک مغرب و عشاء کی نماز پڑھ سکتا ہے بایں طور کہ صبح صادق سے پہلے چار رکعت کا وقت عشاء سے مختص ہوگا اور پہلا مشترکہ مگر عند التحقیق یہ اخبار و آثار تقیہ پر محمول ہیں نماز مغرب و عشاء کا جو آخری وقت قرآن اور حدیث سے ثابت ہے وہ نصف شب ہی ہے نہ کوئی اور! قرآن مجید نے اسے "غسق اللیل" سے تعبیر کیا ہے اور مہبط وحی و تنزیل نے اس کی تفسیر نصف شب سے کی ہے جیسا کہ تفسیر صافی، تفسیر برہان، نور الثقلین اور المیزان وغیرہ میں مذکور ہے) لہذا اگر کوئی شخص نصف شب کے بعد نماز مغرب یا عشاء پڑھے تو قضا کی نیت کرے۔ لیکن احوط یہ ہے کہ اس صورت میں قربت مطلقہ کی نیت سے پڑھے اور ادا و قضا کا سرے سے قصد ہی نہ کرے۔
(واللہ العالم)

نماز صبح کے ہر دو وقت

نماز صبح کا وقت فضیلت یا وقت اختیاری بالاتفاق طلوع صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے اور مشرقی سرخی کے نمودار ہونے تک باقی رہتا ہے اس کے بعد طلوع آفتاب تک وقت اجزائی یا دوسرے قول کے مطابق وقت عذری ہے۔

نماز پنجگانہ کے نوافل کے اوقات

نماز پنجگانہ کے مقررہ نوافل جو مستحب ہیں ان کے پڑھنے کی بڑی ترغیب اور ان کو خفیف سمجھ کر ترک کرنے پر احادیث میں بڑی تہدید و وعید وارد ہوئی ہے یہاں تک وارد ہے کہ ایسے شخص کو بروز قیامت۔ "هذا مستخف لسنة رسول الله" (یہ سنت رسولؐ کو خفیف سمجھنے والا ہے) کہکر خطاب کیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ) ان میں سے مغرب اور صبح کے نوافل سنت موکدہ ہیں بہرکیف ذیل میں ان کے اوقات درج کیے جاتے ہیں۔

ظہرو عصر کے نوافل کا وقت

سطور بالا میں نماز ظہرو عصر کا جو وقت فضیلت یا وقت اختیاری بیان کیا گیا ہے وہی ان کے نوافل کا وقت ہے لہٰذا ظہر کے نوافل کسی چیز کے سایہ کے ۷/۲ حصہ تک اور عصر کے ۷/۴ حصے تک پڑھے جاسکتے ہیں اگر اس وقت کے اندر پڑھے گئے تو واجبی نماز سے پہلے پڑھے جائیں گے لیکن اگر یہ وقت گزر گیا تو پھر نماز فریضہ کے بعد بطور قضا پڑھے جائیں گے (اور دوسرے مشہور قول کے مطابق سایہ کے مثل و مثلین ہونے تک پڑھے جاسکتے ہیں۔)

نماز مغرب کے نوافل کا وقت

اگرچہ مشہور یہ ہے کہ نماز مغرب کے نوافل (جو نماز مغرب کے بعد پڑھے جاتے ہیں) کا وقت نماز مغرب کے وقت فضیلت تک باقی رہتا ہے لہٰذا جب مغربی سرخی زائل ہو جائے تو ان کا وقت ادا ختم ہو جاتا ہے مگر چونکہ یہ حد بندی دعوی بلا دلیل ہے جو ناقابل قبول ہے اس لئے اصح یہ ہے کہ جب تک نماز مغرب پڑھی جاسکتی ہے تب تک یہ بھی بہ نیت ادا پڑھے جاسکتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص مزید احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مغربی سرخی زائل ہونے کے بعد ادا یا قضا کی نیت نہ کرے بلکہ صرف بقصد قربت مطلقہ بجا لائے۔ (واللہ العالم)

نماز وتیرہ اور اس کے وقت کی تحقیق

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ دو رکعت نماز وتیرہ جو نماز عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے یہ نماز عشاء کا نافلہ ہے مگر تحقیقی قول یہ ہے کہ یہ عشاء کا نافلہ نہیں ہے بلکہ اس کی تشریع کی غرض و غایت یہ ہے کہ نماز پنجگانہ کی رکعتوں کی تعداد مستحبی نمازوں کے ذریعہ دوگنی ہو جائے تاکہ اگر واجبی نمازوں میں کوئی خلل و نقص رہ گیا ہو تو ان کے ذریعے سے اس کی تکمیل ہو جائے۔ چونکہ نماز پنجگانہ کی رکعتوں کی مجموعی تعداد ۱۷ رکعت ہے بایں طور کہ صبح کی دو، ظہر کی چار، عصر کی

بھی چار مغرب کی تین اور عشاء کی چار کل میزان سترہ رکعت۔ اب جب نماز صبح و ظہر و عصر اور مغرب کے نوافل کو شمار کیا تو ہو گئیں ۲۲ رکعت بایں طور کہ صبح کی دو ظہر کی آٹھ' عصر کی آٹھ اور مغرب کی چار رکعت اب جب ان میں تہجد کی آٹھ شفع کی دو اور وتر کی ایک رکعت شامل کیں تو ہو گئیں ۳۳ رکعت ہنوز نماز پنجگانہ کی تعداد دگنی ہونے میں ـــ ایک رکعت کی باقی ہے جسے نماز "وتیرہ" کے زریعہ سے پورا کیا گیا ہے یہ بیٹھ کر گو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں مگر شمار کھڑی ہوئی ایک رکعت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ وتیرہ سفر میں بھی ساقط نہیں ہوتی جبکہ دوسری قصر شدہ نمازوں کے نوافل ساقط ہو جاتے ہیں صرف شارع نے اس کے پڑھنے کا وقت نماز عشاء کے بعد قرار دیا ہے تاکہ شب و روز کی تمام نمازوں کا اختتام اس پر ہو یہی وجہ ہے کہ جب تک نماز عشاء پڑھی جا سکتی ہے۔ اس وقت تک یہ بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

نماز صبح کے نوافل کا وقت

مشہور یہ ہے کہ نماز صبح کے نوافل نصف شب سے لیکر صبح صادق کے بعد مشرقی سرخی کے ظاہر ہونے تک نماز فریضہ سے پہلے بطور ادا پڑھے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد فریضہ کے بعد بطور قضا پڑھے جائیں گے۔ مگر احوط یہ ہے کہ طلوع صبح صادق سے قبل پڑھے جائیں۔ اور اگر صبح صادق نمودار ہو جائے تو بقصد قربت مطلقہ پڑھے جائیں یعنی ادا و قضا کی نیت نہ کی جائے۔ واللہ العالم

نیز اگر یہ نوافل صبح صادق سے پہلے پڑھے جائیں اور پھر پڑھنے والا سو جائے اور صبح صادق کے بعد بیدار ہو تو مستحب ہے کہ ان نوافل کا اعادہ کرے۔

نماز تہجد کا وقت

بناء بر مشہور و منصور نماز تہجد کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہوتا ہے اور جوں جوں صبح صادق کے قریب ہوا فضل ہے۔ اگر کسی شخص کیلئے رطوبت کے غلبہ یا غیر معمولی تھکان یا سخت سردی وغیرہ کی وجہ سے نصف شب کے بعد اٹھنا مشکل ہو تو وہ نصف شب سے پہلے بھی پڑھ سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں بھی افضل یہ ہے کہ پہلے پڑھنے کی بجائے نماز صبح کے بعد بطور قضا پڑھے ـــ اگر کوئی شخص نماز تہجد کی چار رکعتیں پڑھ چکا ہو کہ صبح صادق نمودار ہو جائے تو پھر اس کو مختصر طور پر پورا کرے (یعنی صرف سورہ حمد پر اکتفا کرے دوسری سورہ نہ پڑھے) بعد ازاں نماز صبح پڑھے اور اگر ہنوز چار رکعت نہیں پڑھ سکا تھا کہ صبح صادق نمودار ہو گئی تو باقی ماندہ رکعتوں کو نماز صبح ادا کرنے کے بعد بطور قضا پڑھے (واللہ العالم)

اوقات نماز کے احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ وقت سے پہلے نماز کا پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے وقت کے داخل ہونے کا علم و یقین حاصل کرنا ضروری ہے اور اگر کبھی بادل وغیرہ کی وجہ سے علم کا حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو پھر ظن غالب پر جو شرعی امارات و علامات سے حاصل ہو جیسے باخبر آدمی کی اذان وغیرہ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ وقت نماز داخل ہونے کے بعد اگر اس قدر وقت گزر چکا تھا کہ مکلف شرائط مقررہ کے ساتھ واجبی نماز پڑھ سکتا تھا مگر ہنوز پڑھی نہیں تھی کہ کوئی شرعی عذر پیدا ہو گیا جیسے جنون اور حیض وغیرہ تو عذر زائل ہونے کے بعد اس نماز کی قضا واجب ہوگی ورنہ نہیں اسی طرح اگر ایسے وقت عذر برطرف ہوا کہ آخری وقت میں طہارت وغیرہ کر کے نماز پڑھی جا سکتی تھی تو اگر نہ پڑھی گئی تو اس کی قضا بھی واجب ہوگی۔ اور اگر اس سے کم وقت تھا تو پھر قضا واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ ۳۔ نمازوں کے درمیان ترتیب واجب ہے لہذا اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ظہر سے پہلے عصر یا مغرب سے پہلے عشاء پڑھے تو نماز باطل متصور ہوگی۔ لیکن اگر بھول کر ایسا ہوجائے تب صحیح ہے۔ علی الاقوی

مسئلہ ۴۔ اگر نماز عصر شروع کرنے یا نماز عشاء شروع کرنے کے بعد یقین ہوجائے کہ سابقہ نماز ہنوز نہیں پڑھی تو عدول جائز ہے یعنی دل میں قصد کرے کہ وہ عصر اور عشاء کے بجائے ظہر یا مغرب کی نماز پڑھ رہا ہے بشرطیکہ عدول کا محل باقی ہو یعنی عشاء کی چوتھی رکعت کے رکوع میں داخل نہ ہوگیا ہو ورنہ محل عدول سے تجاوز کے بعد پھر عدول کا قصد نہیں ہو سکے گا۔

مسئلہ ۵۔ اقوی یہ ہے کہ جس شخص کی واجبی نمازیں قضا ہوں اور اس کے ذمہ واجب الاداء ہوں، وہ نوافل و مستحبی نمازیں نہیں پڑھ سکتا۔ بلکہ اسے چاہئے کہ جتنا وقت مل سکے اسے واجبی قضا شدہ نمازوں کے ادا کرنے میں صرف کرے۔ بسا جو شخص واجبی نمازوں کی قضا نہ کرے مگر مستحبی نمازیں پڑھے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے قرض خواہ اس کے پیچھے دوڑ رہے ہوں مگر وہ اپنا واجبی قرضہ ادا کرنے کی بجائے مستحبی صدقات و خیرات دے رہا ہو حالانکہ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ **انما یتقبل اللہ من المتقین۔** کہ خدا صرف متقیوں کا عمل قبول کرتا ہے اور واجبات کا تارک متقی نہیں ہے۔

تتمہ متعلق بہ جمع بین الصلواتین

نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو باہم ملا کر پڑھنے کا جواز و عدم جواز مشہور اسلامی اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت الامریہ ہے کہ اکثر اختلافی مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی افراط و تفریط کا شکار ہوگیا ہے یعنی اصل اختلاف تو اس عمل کے جواز میں تھا۔ چنانچہ شیعہ اسے جائز سمجھتے ہیں اور اہل سنت بلا ضرورت اسے ناجائز سمجھتے ہیں اور اس امر میں قطعاً" کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر نماز کو اس کے افضل وقت میں علیحدہ علیحدہ پڑھنا افضل ہے مگر اس افراط و تفریط کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیعوں نے اس جواز کو اس طرح حرزجاں بنا لیا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کبھی انہوں نے ان نمازوں کی الگ الگ پڑھ لیا تو وہ سنی بن جائیں گے اور سینوں نے جمع کو اس طرح شجرہ ممنوعہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کبھی انہوں نے ان کو ملا کر پڑھ لیا تو وہ شیعہ بن جائیں گے۔

حالانکہ اس جمع بین الصلواتین کا جواز صحاح ستہ کی روایات سے واضح و آشکار ہے چنانچہ بخاری ج ۱ ص ۷۱ طبع مصر باب مواقیت الصلوۃ میں جناب عبداللہ بن عباس سے منقول ہے فرمایا۔ **ان النبی صلی با المدینۃ سبعًا و ثمانیا الظہر والعصر والمغرب والعشاء**۔ یعنی جناب رسولؐ خدا نے مدینہ کے اندر سات اور آٹھ رکعتیں ملا کر پڑھیں یعنی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھا (کذا فی ص ۷۳ و ص ۱۳۹) اسی طرح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۴۶ طبع مصر میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ (**جمع رسول اللہ بین الظہر والعصر والمغرب والعشاء بالمدینۃ فی غیر خوف و مطر**) "یعنی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے اندر بلا عذر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھا" یعنی نہ کوئی خوف تھا اور نہ بارش تھی ابن عباس سے دریافت کیا گیا کہ آنحضرتؐ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ فرمایا "**اراد ان لا یحرج امتہ**"۔ آنحضرتؐ کا مقصد یہ تھا کہ ان کی امت کو حرج و کوفت نہ ہو۔ کذافی ص ۲۴۶ اسی صفحہ پر ابن عباس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "**کنا نجمع بین الصلوتین علی عہد رسول اللہ** کہ ہم عہد رسالت میں جمع بین الصلواتین کرتے تھے۔ اسی طرح مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۲۳ طبع مصر میں مذکور ہے۔ **جمع النبی بین الظہر والعصر والمغرب والعشاء بالمدینۃ فی غیر خوف ولا مطر**" مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے اور قرآن مجید کی آیت مبارکہ **اقم الصلوۃ لدلوک**

الشمس الی غسق اللیل و قرآن الفجر (اے پیغمبرؐ) آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر و عصر مغرب وعشاء کی نماز) پڑھا کرو اور نماز صبح (بھی) اور آیت مقدسہ۔ اقم الصلوۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل (پ ۱۲ سورۃ ھود رکوع ۱۰) اے پیغمبرؐ دن کے دونوں سرے یعنی صبح و شام اور اوائل شب میں نماز پڑھا کرو (ترجمہ نذیری) سے بھی اسی نظریہ کی کھلی ہوئی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ ان آیات مبارکہ میں پانچ نمازوں کے اوقات تین بیان کیے گئے ہیں یعنی ظہر و عصر کے لئے دلوک شمس (دن کا ڈھلنا)مغرب و عشاء کیلئے غسق اللیل (رات کی تاریکی) اور صبح کیلئے "قرآن الفجر" یا بالفاظ دیگر ظہر و عصر اور نماز صبح کیلئے طرفی النھار (دن کے دونوں سرے) اور مغرب و عشاء کے لئے زلفا" من اللیل (اوائل شب) کما لا یخفی علی العوام فضلا عن العلماء الاعلام۔

استقبال قبلہ کا فلسفہ

جس طرح انسان کا کوئی کام زمان سے خالی نہیں ہو سکتا اسی طرح مکان سے بھی خالی نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں جب بھی انسان کوئی کام کرے گا۔ تو لامحالہ اس کا منہ کسی طرف ضرور ہوگا۔ لہذا اگر نماز پڑھتے وقت کوئی خاص جہت معین نہ ہو۔ اور جو شخص جدھر چاہے منہ کر کے نماز پڑھے تو نظم و ضبط کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اور جماعتی یکسانگی ختم ہو جائے گی۔ اس واسطے ہر مذہب و ملت میں عبادت کیلئے کوئی سمت مقرر ہے مثلاً" ستارہ پرست قطب شمالی کی طرف' آفتاب پرست سورج کی طرف' آتش پرست آگ کی طرف اور بت پرست بت کی طرف منہ کرتے ہیں۔

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے۔

بنی اسرائیل میں بھی قبلہ کا تصور تھا۔ ابراہیمی قوموں میں مرکزی مسجدیں دو تھیں۔ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور مسجد الحرام (خانہ کعبہ) پہلی کی تولیت جناب اسحاقؑ اور ان کی اولاد کے متعلق تھی اور دوسری مسجد کے متولی جناب اسماعیلؑ اور ان کی اولاد امجاد تھی اور وہ ان کا قبلہ تھی اعلان بنوت کے بعد جب تک آنحضرتؐ کا قیام مکہ میں رہا آپ نماز کے وقت اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ خانہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں سامنے تھے مگر مدینہ پہنچنے کے بعد ایسا کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ بیت المقدس مدینہ سے شمال اور خانہ کعبہ جنوب سمت میں واقع تھا اس لئے تحویل قبلہ تک آنحضرت بنی اسرائیل کے قبلہ یعنی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن ان کی

خواہش یہ تھی کہ خانہ کعبہ قبلہ قرار پائے اس لئے ۲ھ میں خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم نازل ہوا۔ فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیثما کنتم فولوا وجو ھکم شطرہ (بقرہ۔ ۱۷)

تم اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دیں وہ تاریخی جگہ ہے جہاں کھڑے ہو کر جناب خلیلؑ خدا نے توحید باری کی آواز بلند کی تھی اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہاں کھڑا ہو کر یا ادھر رخ کر کے فریضۂ عبودیت ادا کرے ورنہ ظاہر ہے کہ خدا کسی خاص سمت میں نہیں رہتا اور نہ ہی اس کی رحمت اور توجہ کسی خاص جہت کے ساتھ مختص ہے بلکہ ہر طرف برابر ہے۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (بقرہ۔ ۱۴)

"جدھر منہ پھیرو ادھر ہی خدا کی ذات ہے" خانہ کعبہ کی چار دیواری کو کوئی مسلمان معبود و مسجود نہیں سمجھتا بلکہ

قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں۔

نہ مشرکین کی طرح نماز و دعا میں قبلہ سے خطاب ہوتا ہے نہ اس سے کچھ طلب کیا جاتا ہے نہ یہ تصور ہوتا ہے کہ خدا اس کے اندر موجود ہے اگر بالفرض دیواریں گر جائیں چھت ٹوٹ جائے تب بھی فضائے کعبہ قبلہ رہے گی یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ مسلمان قبلہ کو مسجود و معبود نہیں سمجھتے اس بیان سے تمام مشرکانہ اور مغرضانہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ جو مسلمانوں کے متعلق غیر مسلمانوں نے پھیلا رکھی ہیں۔

خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کی حکمتیں

۱۔ یہ بات تو سابقہ بیان سے واضح ہو چکی ہے کہ کوئی انسانی فعل کسی مکان سے خالی نہیں ہو سکتا اس لئے یہ تو ضروری تھا کہ کسی چیز کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔ لہذا اگر یہ کوئی مصنوعی چیز ہوتی جیسے چراغ، تصویر، مجسمہ وغیرہ تو یہ کھلی ہوئی بت پرستی ہوتی۔ جس کا اسلام میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر قبلہ کے سوا کوئی اور سمت ہوتی جیسے شمال کہ وہ مرکز قطب ہے یا مشرق کہ چرۂ خورشید کا مطلع ہے تو یہ ستارہ پرستی کی علامت ہوتی تو جو دین اسلام ان علامات کو مٹانے کا علمبردار ہو اس کے لئے ان کا باقی رکھنا کیسے ممکن تھا اس لئے کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔

(۲) چار سمتوں میں سے دو تو ستارہ پرستی کے شائبہ کی وجہ سے قبلہ نہیں بن سکتی تھیں باقی رہیں دو (مغرب و جنوب) تو ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ضروری تھی اور یہاں مرجح مفقود

ہے اس لئے ملت ابراہیمی نے ان صورتوں کو نظر انداز کر کے ہمیشہ کسی قربان گاہ یا مسجد کو قبلہ بنایا تاکہ شرک کے شائبہ سے بھی عبادت محفوظ رہے۔

(۳) اسلام اس بات کا مدعی ہے (اور اس کا یہ دعویٰ تاریخی دلائل سے ثابت بھی ہے) کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے پہلے تعمیر ہوا تھا اور یہ کہ دنیا میں وہ پہلا گھر ہے جو عبادت خدا کے واسطے بنایا گیا چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ **ان اول بیت وضع للناس الذی ببکتہ مبارکا" و ھدی للعالمین** (آل عمران۔ ۱۰)

بے شک سب سے پہلا (خدا کا) گھر جو انسانوں کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے جو بابرکت بھی ہے اور ذریعہ ہدایت بھی اور اس گھر کے معمار جناب ابراہیم و اسماعیل ہیں۔ **اذ یرفع ابراہیم القواعد من البیت و اسماعیل** (بقرہ۔ ۱۵)

اس لئے مناسب یہی تھا کہ اسے قبلہ بنایا جاتا۔

صاحب سیرۃ النبیؐ نے کیا خوب لکھا ہے "کہ یہ قبلہ گویا مسلمانوں کا ارضی مرکز ملت ابراہیمی ہونے کا عملی ثبوت' دنیا کے سامنے موحدوں کی پہلی یادگار' محمد رسول اللہؐ کے پیرو ہونے کا شعار اور مسلمانان عالم کی وحدت کا شیرازہ ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف رخ کرنے کو قبول اسلام کی علامت قرار دیا اور فرمایا کہ جو شخص ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے اور ہمارے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھائے وہ مسلمان ہے۔ اگر خیال کے پر پرواز سے اڑ کر اور فضائے آسمانی کی نیلگوں سطح پر کھڑے ہو کر دنیا کے مسلمانوں کو کوئی شخص نماز کی حالت میں دیکھے تو اسے نظر آئے گا کہ قبلہ ایک مرکزی نقطہ ہے جس کے چاروں طرف تمام مسلمانان عالم دائرہ کی صورت میں خدا کے آگے صف بستہ اور سر بسجود ہیں"

قبلہ کے احکام

منجملہ مقدمات نماز کے ایک قبلہ بھی ہے یہاں چند امور توجہ طلب ہیں۔ قبلہ سے مراد کیا ہے؟ قریب و بعید کا قبلہ ایک ہے یا جدا جدا؟ کن چیزوں میں استقبال قبلہ ضروری ہے؟ اور قبلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے وغیرہ وغیرہ؟

قبلہ سے کیا مراد ہے؟

سوامر اول کے متعلق واضح رہے کہ قبلہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں خانہ کعبہ واقع ہے زمین کی گہرائی سے آسمان کی بلندی تک۔ لہٰذا جو شخص بھی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے اس کی نماز صحیح ہے خواہ ثریٰ! کے نیچے پڑھے یا ثریا کے اوپر پڑھے۔ **کما لا یخفی**

قریب و بعید کا قبلہ ایک ہے!

اس بات میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ جو شخص کعبہ کے قریب ہے اس کا اور جو اس سے بعید ہے اس کا قبلہ ایک ہے یا جدا جدا ہے؟ مشہور یہ ہے کہ جو شخص مسجدالحرام میں موجود ہے اس کا قبلہ عین کعبہ ہے اور جو شخص مکہ شہر میں ہے اس کا قبلہ مسجد الحرام ہے اور جو حرم کے اندر ہے (مکہ مکرمہ سے ہر چار طرف بارہ بارہ میل کے اندر) اس کا قبلہ مکہ شہر ہے اور جو حرم سے باہر ہے اس کا قبلہ پورا حرم ہے مگر اظہر و اقوی یہ ہے کہ قریب و بعید سب کا قبلہ ایک ہے اور وہ ہے کعبہ۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کیفیت استقبال میں فرق ہے یعنی قریب کے لئے عین کعبہ اور بعید کیلئے جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے۔ ظاہر ہے کہ جوں جوں دوری بڑھتی جائے توں توں جہت میں وسعت اور پھیلاؤ پیدا ہوتا جاتا ہے۔ یہی مطلب ہے ان بعض اخبار و آثار کا جن سے مشہور نے استدلال کیا ہے ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قرب و بعد کی وجہ سے اصل قبلہ تبدیل ہوتا رہتا ہے بلکہ ان کا صاف و سادہ مفہوم یہ ہے کہ قرب و بعد کی وجہ سے جہت کی وسعت و پہنائی بھی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ علیہ استقر رای المحققین

کن امور میں استقبال قبلہ واجب ہے

استقبال قبلہ احکام اربعہ کے ساتھ متصف ہوتا ہے یعنی نماز پنجگانہ وغیرہ واجبی نمازوں، ان کے فراموش کردہ اجزاء کی بجا آوری (بلکہ بناء بر احتیاط سجدہ سہو کی بجا آوری میں بھی) نماز جنازہ 'جانور کو ذبح یا نحر کرتے وقت' جانکنی اور دفن کے وقت استقبال قبلہ واجب ہے ہاں جب نوافل بحالت استقرار پڑھے جائیں تو ان میں استقبال قبلہ شرط ضرور ہے مگر واجب اس لئے نہیں کہ اصل نوافل کا پڑھنا ہی واجب نہیں ہے۔ لیکن جب چلتے یا سواری پر سوار ہونے کی حالت میں پڑھے جائیں تو تب ان میں استقبال قبلہ شرط بھی نہیں ہے اور نوافل میں ایسا کرنا سفر و حضر میں جائز ہے ہاں البتہ اگر شروع کرتے وقت رو بقبلہ ہو کر تکبیرۃ الاحرام کہی جائے تو افضل ہے۔

(۲) پیشاب و پاخانہ پھرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا حرام ہے' (۳) مقاربت کے وقت

۱۔ اب تو یہ خیال حقیقت کا روپ دھار چکا ہے واقعاً" اب تو لوگ جوق در جوق ان فضاؤں میں پہنچ کر ان زمینی مناظر کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ (منہ عفی عنہ)

استقبال واستدبار مکروہ ہے' (۴) قضاوت ـــــــ کرتے وقت) وضو کرتے وقت' دعا کرتے وقت' قرآن پڑھتے وقت' تعقیبات پڑھتے وقت' سجدہ شکرو تلاوت کرتے وقت' اور عام نشست میں قبلہ رو ہو کر بیٹھنا مستحب ہے۔

تحصیل قبلہ واجب ہے

جن امور میں استقبال قبلہ واجب ہے وہاں قبلہ کا معلوم کرنا بھی واجب ہے لہٰذا اگر عین قبلہ یا اس کی جہت کا علم ہو تو فبہا۔ ورنہ اس کے معلوم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا واجب ہے اور اس علم کے طرق و ذرائع متعدد ہیں۔ (ا) جیسے حسی طور پر' (۲) عادل گواہوں کی شہادت سے (یہ علم کے قائم مقام ہے) (۳) معصومؑ کے محراب مسجد(جو محراب معصومؑ نے بنایا ہو یا جس میں معصومؑ نے نماز پڑھی ہو)(۴) یا معصومؑ کی قبر آور اگر علم حاصل نہ ہو سکے تو پھر ان علامات کی طرف رجوع کیا جائے گا جن سے گو ظن حاصل ہوتا ہے مگر شرعاً" اسے علم کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ جیسے مسلمانوں کا قبرستان مسلمانوں کا ذبح خانہ' عام اسلامی مساجد کے محراب' آفتاب کا رخ یا بعض مخصوص ستاروں کی سمت دیکھ کر سمت قبلہ کی تعیین کرنا وغیرہ آج کل تو قطب و قبلہ نما کی ایجاد نے یہ مشکل آسان کر دی ہے۔

جب علم و ظن حاصل نہ ہو سکے تو؟

لق و دق صحراء یا بادل وغیرہ کی وجہ سے جب تحقیق کے تمام راستے بند ہو جائیں اور قبلہ کا علم یا ظن حاصل نہ ہو سکے۔ تو اب کیا کرنا چاہیے؟ اس میں دو قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ صرف کسی ایک طرف رخ کر کے نماز کا پڑھ لینا کافی ہے۔ دوسرا (ہوالمشہور والمنصور) یہ کہ اگر وقت کے دامن میں گنجائش ہو تو ایک ایک نماز کو چاروں سمتوں میں پڑھنا چاہیے تاکہ برائت ذمہ کا یقین حاصل ہو جائے اور اگر وقت میں اس قدر وسعت نہ ہو تو جتنی جہات میں پڑھ سکتا ہے اتنی میں پڑھے۔

خلل قبلہ کے احکام

اس مسلہ میں شرعاً" جو علامات مفید ظن ہیں اگر ان پر اعتماد کر کے نماز پڑھی جائے اور بعد ازاں معلوم ہو کہ وہ سمت جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی' صحیح نہ تھی تو پھر کیا کرنا چاہئے؟ یہاں پانچ صورتیں ہیں اول یہ کہ اثناء نماز میں یہ انکشاف ہو اور یہ انحراف بھی بہت زیادہ نہ ہو بلکہ یمین ویسار کے اندر اندر ہو تو اس صورت کا حکم یہ ہے کہ جب بھی علم ہو اسی وقت صحیح سمت کی طرف رخ موڑلے۔ اور جو مقدار پڑھ چکا ہے وہ درست ہے۔

دوم حالت نماز میں انکشاف ہو کہ انحراف یمین ویسار یا بالکل پشت بقبلہ کی حد تک پہنچ گیا ہے تو اگر وقت باقی ہے تو اس نماز کا اعادہ کرے اور اگر وقت گزر گیا ہے تو اعادہ واجب نہیں ہے ہاں البتہ احوط ضرور ہے۔

سیوم۔ اس انحراف کا علم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہو اور یہ انحراف بھی صرف یمین ویسار کے اندر اندر ہو تو نماز صحیح ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

چہارم۔ نماز کے بعد انکشاف ہو اور یہ انحراف یمین ویسار کی حد تک پہنچا ہوا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وقت باقی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر وقت نکل گیا ہے تو قضا لازم نہیں ہے۔

پنجم۔ بعد از نماز انحراف کا انکشاف ہو اور یہ انحراف بھی پشت بقبلہ کی حد تک ہو تو اس شق کا حکم بھی چوتھی شق والا ہے ہاں اس صورت میں قضا کرنا احوط استحبابی ہے(واللہ العالم)

نماز گزار کے لباس کا بیان اور اس کا فلسفہ

منجملہ مقدمات نماز کے ایک ستر وساتر بھی ہے یعنی نماز میں مرد کیلئے عورتین (آگے پیچھے) کا ڈھانپنا۔ افضل یہ ہے کہ ناف سے گھٹنہ تک ڈھانپا جائے اور عورت کے لئے سر سے لیکر پاؤں تک (ماسوائے چہرا' دونوں ہتھیلیوں اور دونوں قدموں کے) سارے بدن کا ستر واجب ہے ہاں البتہ نابالغ لڑکی اور لونڈی کیلئے سر کا ڈھانپنا واجب نہیں ہے۔

اسلام جو تکمیل اخلاق او رتمدنی ترقی کا کفیل ہے اس نے بہت سی اخلاقی و تمدنی اصلاحات نماز کے ذریعہ انجام دی ہیں اسی کی بدولت اس نے وحشی اقوام کو متمدن بنایا۔ منجملہ ان کے ایک ستر پوشی بھی ہے ظاہر ہے کہ انسانی شرم وحیا کا تقاضا یہ ہے کہ جسم کے بعض حصوں کو چھپایا جائے مگر عرب کے نہ صرف بدو اس سے ناواقف تھے۔

بلکہ شہری لوگ بھی اس کی پروا نہیں کرتے تھے اسلام نے ستر پوشی کو لازم قرار دیتے ہوئے حکم دیا۔ "خذوا زینتکم عند کل مسجد" (اعراف۔ ۳) ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو اس طرح اسلام نے برہنہ اقوام کو کم از کم شب و روز میں پانچ وقت ستر پوشی پر مجبور کرکے ہمیشہ کے لئے ان کو ستر پوش بنا دیا اور ان کو بتایا کہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں کس طرح حاضری دینا چاہئے۔

شرائط لباس

نماز گزار کے لباس کے کچھ شرائط و واجبات ہیں' کچھ مستحبات ہیں اور کچھ مکروہات ذیل میں ان کا بالترتیب اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

شرائط پانچ ہیں

پہلی شرط = پہلی شرط طہارت لباس ہے پس اگر کوئی شخص عمداً" نجس بدن یا نجس لباس کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے اور جاہل مقصر کا بھی یہی حکم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمدن کا دوسرا سبق طہارت ہے اس کی اہمیت کے لئے اتنا بتا دینا کافی ہے کہ "اقراء" کے بعد آنحضرتؐ پر جو دوسری وحی نازل ہوئی وہ طہارت کے متعلق تھی۔ **وثیابک فطهر** (مدثر۔ ۱) اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ دوسری وحشی اقوام کی طرح اہل عرب کو بھی طہارت کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ آنحضرتؐ نے پاکیزگی کے کچھ اصول مقرر فرمائے اور نماز کی صحت کے لئے ضروری قرار دیا کہ نماز گزار کا بدن' اس کا لباس اور جائے نماز ہر قسم کی نجاست و کثافت سے پاک ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس تعلیم نے نہ صرف اہل عرب بلکہ تمام اہل اسلام کو پاک رہنے کا خوگر بنایا اور بیت الخلاء اور طہارت کے وہ طریقے سکھائے جن سے دنیا کی متمدن قومیں آج بھی ناواقف ہیں۔

احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ بدن و لباس کا نماز کی ابتداء سے لیکر انتہا تک پاک و صاف ہونا ضروری ہے لہذا اگر نمازی کو نماز شروع کرنے کے بعد مگر کچھ پڑھنے سے پہلے معلوم ہو جائے کہ اس کا لباس نجس ہے تو اگر وقت وسیع ہے اور اثناء نماز میں اس لباس کو تبدیل کرنا یا حرکت کثیرہ کے بغیر اس کا پاک کر کے پہننا ممکن ہو تو ایسا کرے اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو نماز کو توڑ کر از سر نو پڑھے۔

مسئلہ ۲۔ اگر مذکورہ بالا صورت حال تنگ وقت میں پیش آئے تو اگر اس لباس کا پاک کرنا یا تبدیل کرنا ممکن ہو تو ایسا کرے ورنہ لباس اتار کر برہنہ حالت میں اس طرح نماز پڑھے جس کا تذکرہ عنقریب اسی بحث کے آخر میں کیا جائے گا۔ انشاء اللہ

مسئلہ ۳۔ اگر مذکورہ بالا صورت میں شدت سرما وغیرہ کی وجہ سے لباس کا اتارنا ممکن نہ ہو اور وقت بھی تنگ ہو تو پھر اسی نجس لباس کے ساتھ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

مسئلہ ۴۔ تین صورتوں میں نجاست کی معافی ہے۔

۱۔ وہ نجاست خونی ہو بشرطیکہ وہ خون حیض اور بنابر احتیاط نفاس اور استحاضہ کا نہ ہو اور اس کی مقدار بھی درہم بغلی (ہاتھ کے انگوٹھے اور بنابر احتیاط/ انگشت شہادت کے بالائی پور) سے کم ہو۔

۲۔ جسم پر ایسے جروح و قروح (پھوڑے پھنسیاں) ہوں جن سے ہر وقت خون رستا رہتا ہو۔

۳۔ وہ نجس چیز از قسم لباس اتنی چھوٹی ہو جس سے تنہا نماز نہ پڑھی جاسکتی ہو یعنی اس سے آگا پیچھا نہ ڈھانکا جاسکتا ہو جیسے جوراب' ٹوپی اور رومال وغیرہ)

دوسری شرط = نماز گزار کے لباس کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اس مردہ حیوان کے گوشت پوست وغیرہ اجزاء سے تیار نہ کیا گیا ہو جو خون جہندہ رکھتا ہو (جس کا ذبح کے وقت اچھل کر خون نکلتا ہے) کیونکہ ایسا حیوان جب طبعی موت مرجائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے۔ **کما مر تفصیلہ فی باب الطہارۃ**

اس پر سب فقہاء امامیہ کا اتفاق ہے خواہ اسے رنگا جائے یا نہ۔ کیونکہ احادیث اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ اگر اسے ستر بار بھی رنگا جائے تو بھی پاک نہیں ہوسکتا۔ (وسائل الشیعہ)

احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ اگر حلال گوشت جانور اپنی طبعی موت مرجائے تو اس کے بال یا پشم وغیرہ جن میں روح نہیں ہوتی نماز گزار کے ہمراہ ہوں یا ان سے بنا ہوا کپڑا زیب تن ہو تو اس میں نماز جائز ہے۔

مسئلہ ۲۔ جو حیوانات خون جہندہ نہیں رکھتے جیسے مچھلی وغیرہ اگر ان کے گوشت و پوست سے کوئی لباس تیار کیا جائے تو علی الاقوی اس میں نماز جائز ہے (کیونکہ ان کے مرنے سے ان کا جسم نجس نہیں ہوتا) اگرچہ احوط یہ ہے کہ اس لباس میں نماز نہ پڑھی جائے۔

تیسری شرط = نمازی کا لباس ان حیوانات کے گوشت' پوست اور بال پشم وغیرہ سے نہ ہو جن کا گوشت حرام ہے اس پر بھی سب فقہاء عظام کا اتفاق ہے اور اخبار مستفیضہ میں وارد ہے۔ **کل شی حرام اکلہ فا الصلوۃ فی وبرہ و شعرہ و جلدہ وبولہ وروثہ والبانہ و کل شی فیہ فاسدۃ الخ**

جس چیز کا کھانا حرام ہے اس کے بال' پشم' چمڑے' پیشاب' دودھ وغیرہ کسی بھی چیز میں نماز باطل ہے۔ (حدائق ناضرہ)

احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ اسی بناء پر فقہاء نے یہ فتوی دیا ہے کہ اگر ان اشیاء کے بال یا لعاب دہن یا دودھ وغیرہ بھی نماز گزار کے لباس کے ساتھ لگا ہوا ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ ہاں البتہ اس سے انسان کے بال اس کا دودھ اور لعاب دہن مستثنی ہیں (اگرچہ انسان بھی حرام گوشت ہے)

مسئلہ ۳۔ اسی طرح بموجب ما من علم الاو قد خص۔

کی پشم بلکہ اس کے چمڑے میں بھی نماز جائز ہے اور (۱) سنجاب' (۲) سمور' (۳) فنک اور (۴) حوصل کے پشم یا چمڑے میں نماز پڑھنے کے سلسلہ میں بظاہر اخبار و افکار مختلف ہیں جس کی وجہ سے اس میں اختلاف ہے اگرچہ ان سب میں بالخصوص سنجاب میں جواز قوت سے خالی نہیں ہے مگر سنجاب کے علاوہ دوسری اشیاء میں احتیاط واجب یہ ہے کہ ان سے اجتناب کیا جائے بالخصوص ان کے چمڑے سے واللہ العالم بحقائق الحلال والحرام

مسئلہ ۴۔ اگر غیر ماکول اللحم حیوان کے چمڑے یا اون سے ٹوپی تیار کی جائے تو احتیاط واجب اس میں ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے۔

چوتھی شرط = نمازی کا لباس خالص ریشم کا نہ ہو۔ یہ شرط صرف مردوں کے لباس کے ساتھ مختص ہے کیونکہ عورتوں کے لئے جس طرح ریشم کا پہننا جائز ہے اسی طرح ان کے لئے اس میں نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور جہاں تک مردوں کے لئے ریشم کے پہننے کی حرمت کا تعلق ہے تو اس پر علماء اسلام کا اتفاق ہے اور جہاں تک اس میں نماز کے باطل ہونے کا تعلق ہے تو اس پر ہمارے علماء شیعہ کا اتفاق ہے اور بعض اہل خلاف کا بھی یہی موقف ہے۔

احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ یہ حکم صرف اختیاری صورت کے ساتھ مختص ہے پس اگر شدت گرما یا سرما وغیرہ کی وجہ سے کوئی شخص اس کے پہننے اور اس میں نماز پڑھنے پر مجبور ہو جائے تو نماز صحیح ہے۔

مسئلہ ۲۔ یہ حکم خالص ریشم کا ہے پس اگر اس میں کسی ایسی اور چیز کی تھوڑی سی بھی آمیزش ہو جائے جس میں نماز جائز ہے تو یہ حکم رخصت ہو جائے گا اور پھر اس کا پہننا اور اس میں نماز پڑھنا دونوں جائز ہو جائیں گے۔

مسئلہ ۳۔ اظہر یہ ہے کہ لباس کی جس مقدار میں تنہا نماز جائز نہیں ہے جیسے جوراب اور ٹوپی

وغیرہ تو وہ بھی اگر خالص ریشم کی ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۔ (مشہور و منصور قول یہ ہے کہ پہننے کے علاوہ ریشم میں دوسرے تصرفات جیسے بطور فرش فروش استعمال کرنا جائز ہیں ہاں بطور کمبل استعمال کرنے سے اجتناب کرنا احوط واولیٰ ہے۔

وان کان جوازہ لا یخلو من قوۃ

۱۔ جو ایک دریائی چھوٹا سا جانور ہے جس کے چمڑے اور ریشم سے پوستین تیار کی جاتی ہیں۔

۲۔ بروزن پنجاب چوہے سے قدرے بڑا جانور ہے جسکی پشم بڑی نرم ہوتی ہے جس سے پوستین بنائی جاتی ہیں (مجمع البحرین)

۳۔ سمور بروزن تنور چیتا نما حیوان ہے جسکے چمڑے کی قیمتی پوستین تیار ہوتی ہیں (المصباح المنیر)

۴۔ فنک بروزن عسل۔ خشکی کا چھوٹا سا جانور ہے جس کی پوستین سب سے زیادہ بیش قیمت ہوتی ہے۔ (مجمع البحرین)

۵۔ یہ ایک بڑا پرندہ ہے جس کا پوٹا بہت بڑا ہوتا ہے اس کی بھی پوستین بنتی ہیں۔ (حیوۃ الحیوان) (منہ عفی عنہ)

پانچویں شرط

نمازی کا لباس زر بفت (سنہری) نہ ہو یہ شرط بھی مردوں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ سونے کے مردوں کے لئے حرام ہونے پر علماء اسلام کا اتفاق ہے ہاں عورتوں کے لئے جس طرح سونے کا استعمال جائز ہے اسی طرح ان کے لئے اس میں نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ سونے کی اتنی مقدار استعمال کرنا جس میں تنہا نماز نہیں ہو سکتی (یعنی جو ساتر عورتین نہیں ہے) جیسے انگوٹھی یا گھڑی کا چین اور زنجیر وغیرہ تو آیا یہ جائز ہے یا نہ؟ اس میں قدرے اختلاف ہے مشہور و منصور قول یہ ہے کہ نماز وغیرہ ہر دو حال میں اس کا استعمال حرام ہے اور اس میں نماز باطل ہے۔

مسئلہ ۲۔ احتیاط وجوبی یہ ہے کہ طلائی عینک سے اجتناب کیا جائے۔

مسئلہ ۳۔ اگر سامنے والے دانتوں پر زینت کے لئے سونے کا خول چڑھوایا جائے تو بناء بر احتیاط واجب وہ بھی حرام ہے ہاں اگر کسی ضرورت کے ماتحت دور والے دانتوں پر اس کا خول چڑھوایا جائے یا دانتوں کی مضبوطی کے لئے سونے کا تار استعمال کیا جائے تو پھر جائز ہے۔ واللہ العالم

توضیح

فقہاء امامیہ بالخصوص متاخرین میں ایک چھٹی شرط بھی مشہور ہے وہ یہ ہے کہ نمازی کا لباس مباح ہو یعنی غصبی نہ ہو۔ لہٰذا اگر غصبی لباس میں نماز پڑھی گئی تو وہ باطل ہوگی۔ جہاں تک غصبی لباس کو استعمال کرنے کی حرمت کا تعلق ہے وہ تو لا کلام ہے مگر جہاں تک اس میں نماز کے باطل ہونے کا تعلق ہے تو اس میں کلام کی بڑی گنجائش ہے۔ اولاً" باوجودیکہ نماز جیسے اہم اسلامی فریضہ کے شرائط' واجبات اور مبطلات کے سلسلہ میں روایات مستفیضہ بلکہ متواترہ وارد ہوئے ہیں مگر کسی ایک۔قابل اعتماد روایت میں بھی اس شرط کا کوئی ذکر نہیں ہے جو اس شرط کی نفی کے لئے کافی ہے۔

ثانیا" = جناب فضل بن شاذان (جو کہ حضرت امام رضاؑ کے خواص و افاضل اصحاب میں سے ہیں) کے ایک طویل کلام سے جو طلاق کے سلسلہ میں وارد ہے اور فروع کافی کتاب الطلاق میں مذکور ہے غصبی لباس میں نماز کی صحت واضح ہوتی ہے فرماتے ہیں۔ **"لو ان رجلا" غصب من رجل ثوبا او اخذہ فلبسہ بغیر اذنہ فصلی فیہ لکانت صلوتہ جائزۃ و کان عاصیا" فی لبسہ ذالک الثوب"**

یعنی اگر کوئی شخص کسی شخص کا کپڑا غصب کرلے یا اس کی اجازت کے بغیر پہن لے اور اس میں نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ اگرچہ وہ یہ کپڑا پہننے میں گنہگار ضرور ہے۔ باقی رہیں وہ عقلی وجوہ جن کی بناء پر یہ حکم ثابت کیا جاتا ہے تو ارباب علم و فضل پر ان کی کمزوری پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ احکام شرعیہ میں حیلات عقلیہ پر اعتماد کرنا بہت بڑی جرات ہے علاوہ بریں ایک ہی چیز میں اجتماع امر و نہی والا محذور بھی لازم نہیں آتا۔ کیونکہ امر و نہی کی حیثیت الگ الگ ہے۔

(ولو لا الحیثیات لبطلت الحکمتہ فتدبر جیدا")

بنابریں نماز کی صحت قوت سے خالی نہیں ہے مگر بایں ہمہ احتیاط اسی میں ہے کہ غصبی لباس میں نماز نہ پڑھی جائے اور اگر پڑھی جائے تو وقت کے اندر اس کا اعادہ اور بعد از وقت اس کی قضا کی جائے۔ واللہ العالم والعاصم

تتمہ در کیفیت نماز برہنہ

اگر نماز کا وقت داخل ہو جائے اور نمازی کے پاس کوئی لباس موجود نہ ہو یا اگر ہو تو مذکورہ بالا شرائط کے ماتحت اس میں نماز پڑھنا جائز نہ ہو تو اس صورت میں اگر تو آخر وقت میں صحیح لباس کے ملنے کی امید ہو تو پھر انتظار لازم ہے اور اگر امید نہ ہو پھر بھی آخر وقت تک انتظار کرنا افضل ہے پس اگر مل جائے تو فبہا۔ ورنہ گھاس پھوس اور درختوں کے برگ و باریا گیلی مٹی سے ستر عورتین کا کام لے اور اگر ان میں سے کوئی بھی چیز نہ مل سکے تو پھر برہنہ نماز پڑھے مگر اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس میں فقہاء کے درمیان تین قول ہیں اور یہ اختلاف بظاہر اختلاف اخبار پر مبنی ہے۔ (۱) مطلقاً "کھڑے ہو کر پڑھے' (۲) مطلقاً "بیٹھ کر پڑھے' (۳) اس میں تفصیل ہے اگر وہاں کوئی دیکھنے والا موجود نہ ہو تو کھڑے ہو کر پڑھے اور اگر دیکھنے والا موجود ہو تو پھر بیٹھ کر پڑھے یہی تفصیل والا قول جمیل ہے جیسا کہ ابن مسکان" کی صحیح السند روایت صادقؑ سے واضح ہے۔ "قال يصلى عريانا" قائما" ان لم يره احد وان راه احد صلى جالسا"۔ فرمایا اگر کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو برہنہ کھڑے ہو کر پڑھے اور اگر کوئی دیکھنے والا ہے تو پھر بیٹھ کر پڑھے۔ (تہذیب الاحکام) بہر نوع خواہ کھڑے ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر رکوع و سجود بہرحال سر کے اشارہ کے ساتھ کرے گا جیسا کہ روایات میں وارد ہے لیکن کھڑے ہونے کی صورت میں تشہد بیٹھ کر پڑھے گا یا وہ بھی کھڑے ہو کر پڑھے گا؟ اس سلسلہ میں روایات خاموش ہیں اور اسی لئے علماء بھی خاموش مگر بعید نہیں ہے کہ بیٹھ کر تشہد پڑھنا افضل ہو۔ (واللہ العالم) نیز بہتر ہے کہ کھڑا ہونے کی صورت میں ہاتھ سے ستر پوشی کرے۔ واللہ الموفق والمعین۔

مستحبات لباس

نماز گزار کے لباس میں چند امور مستحب ہیں اور وہ پانچ ہیں۔

۱۔ عمومی روایات کے پیش نظر عمامہ اور وہ بھی تحت الحنک والے) کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے ایک روایت میں وارد ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "فضل صلوة المتعمم على صلوة غير المتعمم كفضلى على احد كم"

عمامہ پوش نمازی کی نماز کو غیر عمامہ پوش کی نماز پر وہی فضیلت حاصل ہے جو مجھے تم پر ہے۔

(تحفة العالم فی شرح خطبته العالم طبع نجف)

۲۔ جسم و لباس پر کستوری وغیرہ کی خوشبو لگانا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

"صلوۃ المتطیب افضل من سبعین صلوۃ بغیر طیب"

"خوشبو لگانے والے کی ایک نماز بغیر خوشبو کے ستر نمازوں سے افضل ہے" (الوافی کنافی ثواب الاعمال

۳۔ انگوٹھی پہن کر نماز پڑھنا اور سب سے افضل سرخ عقیق ہے کیونکہ روایات میں وارد ہے کہ اس کے ساتھ ایک رکعت پڑھی جائے تو بغیر عقیق کے ستر رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔ (حلیۃ المتقین)

۴۔ سفید و صاف لباس اختیار کرنا یہ "سید الالوان" ہے یعنی (تمام رنگوں کا سردار ہے) (ایضاً")

۵۔ چادر کاندھوں پر ڈالنا بالخصوص پیشنماز کے لئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ چادر کاندھوں پر ڈال کر اس کے دونوں سرے دائیں کاندھے پر ڈال دیئے جائیں اور عبا بھی چادر کے قائم مقام ہے۔

مکروہات لباس

چند امور نماز گزار کے لباس میں مکروہ ہیں اور وہ عند التحقیق دس ہیں۔

۱۔ سیاہ لباس میں نماز پڑھنا۔ سب سے زیادہ سیاہ ٹوپی کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ ہاں البتہ عمامہ' خف اور کساء و عبا اس کراہت سے مستثنیٰ ہیں۔

۲۔ توشح۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کپڑے کو دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کاندھے پر ڈالنا۔

۳۔ اشتمال صما۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کپڑا کاندھوں پر رکھا جائے پھر اس کے دونوں سرے ایک بغل کے نیچے سے (یا دونوں بغلوں سے) آگے کی طرف گزار کر اس کے دونوں سرے ایک کاندھے پر ڈال دیئے جائیں۔

۴۔ مرد کے لئے منہ پر لثام اور عورت کے لئے نقاب ڈالنا بشرطیکہ قرات سے مانع نہ ہو بہر حال لثام و نقاب نہ ڈالنا افضل ہے۔

۵۔ کھلا ہوا لوہا اپنے ہمراہ رکھنا جیسے چاقو' تلوار اور انگوٹھی۔ ہاں البتہ اگر پوشیدہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۶۔ ایسے لاابالی قسم کے مرد یا عورت کے کپڑوں میں نماز پڑھنا جو طہارت و نجاست کا خیال نہ کرتے ہوں۔

۷۔ وہ کپڑا یا انگوٹھی پہن کر نماز پڑھنا جس پر کسی ذی روح کی تمثال و تصویر بنی ہوئی ہو ہاں البتہ غیر جاندار کی تصویر میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۸۔ برطلہ (ایک قسم کی لمبی ٹوپی ہے) پہن کر نماز پڑھنا جو کہ یہودیوں کا طریقہ کار ہے۔

۹۔ ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنا خصوصاً جبکہ باریک ہو۔

۱۰۔ قمیض کے اوپر تہمند باندھنا جو کہ جاہلیت کا شعار ہے۔

نماز گزار کے مکان کے شرائط کا بیان

مکان جس سے مراد وہ فضا ہے جس کو نماز گزار کا جسم پر کرتا ہے یا جس پر نماز گزار کا جسم مستقر ہوتا ہے اگرچہ وہ استقرار بالوسائط ہی ہو اور اس کے چند شرائط ہیں۔

پہلی شرط = مشہور عندالفقہاء یہ ہے کہ مکان مباح ہو لہذا غصبی مکان میں نماز حرام بھی ہے اور باطل بھی، مگر اس شرط پر وہی اشکال وارد ہوتا ہے جو ہم نے نماز گزار کے لباس کے متعلق کیا ہے کہ اولاً اس شرط کا تذکرہ کلام معصومینؑ میں نہیں ملتا۔ ثانیاً جناب فضل بن شاذان جیسے فاضل جلیل صحابی امام کے کلام میں غصبی لباس و مکان میں نماز کی صحت کی تصریح موجود ہے جسے بلا رد و قدح سرکار کلینیؒ اور دوسرے جلیل القدر علماء نے نقل کیا ہے باقی رہیں عقلی تعلیلات تو ہم کئی بار اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ احکام شرعیہ میں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بایں ہمہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ قول مشہور کی مخالفت نہ کی جائے بلکہ اسکی متابعت کی جائے۔ یعنی غصبی مکان میں نماز نہ پڑھی جائے۔

بنابریں شرط اذن حاصل کرنا ضروری ہے عام اس سے کہ صراحۃً ہو یا کنایۃً یا فحویٰ یا بطور شاہد حال جیسے عمومی مسافر خانے مدارس صحراء باغات وغیرہا۔ لہذا غصبی جگہ پر نماز پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ خواہ عین جگہ غصبی ہو یا اس کی منفعت یا اس میں کسی اور کا حق شامل ہو جس سے اجازت حاصل نہ کی گئی ہو۔ واللہ العالم

دوسری شرط = دوسری شرط یہ ہے کہ مکان نماز مستقر و ثابت ہو (یہ شرط صرف واجبی نماز میں ہے) بنابریں حالت اختیاری میں سواری پر نیز کشتی یا گاڑی وغیرہ میں جہاں نہ مکمل استقرار حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی استقبال قبلہ ہوتا ہے نماز جائز نہیں ہے۔ لہذا آخر وقت تک اتر کر با شرائط نماز پڑھنے کا انتظار کیا جائے۔ لیکن اگر آخر وقت تک ایسا ممکن نہ ہو تو پھر کشتی، گاڑی

اور ریل کار وغیرہ میں جہاں تک ممکن ہو استقبال قبلہ اور قیام وغیرہ واجب ارکان بجا لانے کی کوشش کی جائے۔ ورنہ بامر مجبوری بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ ہاں اگر کشتی اور گاڑی وغیرہ میں تمام ارکان کی بجا آوری ممکن ہو تو پھر اس میں یا باہر تر کر زمین نماز پڑھنا برابر ہے۔ کمالا یخفی۔

تیسری شرط = تیسری شرط یہ ہے کہ علی الاحوط نماز گزار کے کھڑے ہونے کا مقام کسی معصوم کی قبر مقدس کے آگے نہ ہو کیونکہ گو اکثر علماء کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ ہے مگر بعض اعلام اس کو حرام جانتے ہیں لہٰذا احتیاط واجب یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے بلکہ قبر کے دائیں یا بائیں جانب نماز پڑھی جائے مگر جانب سر افضل ہے جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے۔ ہاں قبر کے پیچھے بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ مگر مکروہ ہے۔

الغرض جو کچھ کلام معصومینؑ سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قبر معصومؑ پر تقدم ممنوع ہے مساوات و محاذات ممنوع نہیں ہے اور تعقب مکروہ ہے۔

یہ سب کچھ تو معصومؑ کی قبر مقدس کے متعلق ہے لیکن جہاں تک دوسری قبور کا تعلق ہے تو قبروں کے درمیان یا قبروں کی طرف یا قبروں کے اوپر نماز پڑھنا سخت مکروہ ہے اور بعض علماء متقدمین کے نزدیک حرام ہے اور یہ کراہت دو طریقہ سے زائل ہوسکتی ہے۔ قبر اور نماز گزار کے درمیان کوئی پردہ حائل ہو یا درمیان میں دس ہاتھ کا فاصلہ ہو۔ **(هذا هو المستفاد من کلمات الائمة الامجاد والعلماء الانجاد**

اگر اس کی خلاف ورزی کی جائے تو احوط وجوبی یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کیا جائے ہاں البتہ اگر قبر پس پشت ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

چوتھی شرط = چوتھی شرط یہ ہے کہ نماز میں علی الاحوط مرد و عورت کے کھڑے ہونے کا مقام برابر نہ ہو اور نہ ہی عورت مرد سے آگے ہو۔ بعض علماء اعلام اسے حرام اور موجب بطلان جانتے ہیں لیکن مشہور و منصور اور اظہر قول یہ ہے کہ ایسا کرنا سخت مکروہ ہے لہٰذا یا تو وہ یکے بعد دیگرے نماز پڑھیں اور اگر بیک وقت پڑھنا چاہیں تو اس کا صحیح طریقہ کار تین میں سے ایک ہے۔ (۱) یا تو مرد عورت سے مقدم ہو اگرچہ بقدر ایک ہاتھ یا ایک بالشت ہی ہو۔ (۲) اور اگر عورت مرد سے آگے ہو یا اس کے دائیں بائیں ہو تو پھر ان کے درمیان کوئی پردہ حائل ہو۔ (۳) یا درمیان میں کم از کم دس ہاتھ کا فاصلہ ہو۔ اس طرح کراہت یا بقولے حرمت زائل ہو جائے

گی۔ اگر ان شرائط کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور مرد و عورت برابر برابر نماز پڑھیں یا عورت مرد پر مقدم ہو تو احتیاط وجوبی یہ ہے کہ وقت کے اندر نماز کا اعادہ اور بعد از وقت اس کی قضا کی جائے۔ واللہ العالم

نیز مخفی نہ رہے کہ اس سلسلے میں محرم اور غیر محرم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا جہاں اجنبی مرد و عورت کا یہ حکم ہے وہاں میاں بیوی، بہن بھائی اور ماں اور بیٹے کا حکم یہی ہے۔

پانچویں شرط = پانچویں شرط جو صرف جائے سجدہ کے ساتھ مختص ہے یہ ہے کہ جائے سجدہ پاک ہو دوسرے مقام کا پاک ہونا شرط نہیں ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ نجاست ایسی خشک ہو کہ نمازگزار کے بدن یا کپڑوں تک سرایت نہ کرے۔ اس پر تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے۔

تبصرہ

بعض اور شرائط بھی بعض فقہاء نے ذکر فرمائے ہیں جو فقہ کی کتب مبسوطہ میں مذکور ہیں مگر چونکہ نصوص معصومینؑ میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اس لئے "فی نفسی منہا شی" اسی واسطے انکو یہاں نظرانداز کیا گیا ہے۔

استطراد

سجدہ کا ذکر آگیا ہے تو یہاں یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ سجدہ صرف زمین پر ہو سکتا ہے یا اس چیز پر جو زمین سے اگتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اگنے والی چیز بطور خوراک اور پوشاک استعمال نہ ہوتی ہو اور کھانے پینے کا دارو مدار عرف عام پر ہے لہٰذا جو چیز عادتاً کھائی جاتی ہے یا پہنی جاتی ہے اس پر سجدہ جائز نہیں ہے گو ہنوز کھانے اور پہننے کے قابل نہ ہو جیسے کچا پھل اور کپاس اور جو چیز شاذو نادر ایسے استعمال میں آئے اس پر سجدہ جائز ہوگا۔ اس قاعدہ کلیہ سے صرف کاغذ مستثنیٰ ہے کیونکہ سادہ کاغذ پر بالاتفاق سجدہ جائز ہے۔ اگرچہ علی الاقوی وہ اس چیز سے بھی بنایا گیا ہو جس پر سجدہ جائز نہیں ہے کیونکہ اب اس کا استحالہ ہوگیا ہے البتہ لکھے ہوئے کاغذ سے اجتناب افضل ہے اگرچہ جواز اقوی ہے جبکہ سیاہی رنگ کی مانند سمجھی جائے۔ اور جہاں تک ٹھیکری، پکی اینٹ اور جص (چونہ) کا تعلق ہے تو ان چیزوں پر سجدہ کے جواز و عدم جواز میں اشکال ہے۔ احوط یہ ہے کہ ان پر سجدہ کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

پس جن چیزوں پر سجدہ جائز ہے اگر وہ نہ مل سکیں یا زمین ناقابل برداشت حد تک سرد یا گرم ہو یا مقام تقیہ ہو تو پھر کپاس یا پٹ سن کے کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے اور اگر وہ بھی نہ

مل سکے تو پھر کف دست پر سجدہ کیا جاسکتا ہے۔ واللہ العالم

ایضاح راجع بہ سجدہ گاہ

ان تمام چیزوں سے جن پر سجدہ کیا جاتا ہے افضل زمین ہے کیونکہ ایسا کرنے میں زیادہ خشوع و خضوع پایا جاتا ہے اور اس میں سے بھی افضل سرکار سید الشہداء علیہ افضل التحیۃ والثنا کی تربت مقدسہ کی سجدہ گاہ ہے کیونکہ حدیثوں میں اس کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے حتی کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ **"السجود علی طین قبر الحسین علیہ السلام ینور الی الارضین السبعۃ ومن کانت معہ سبحۃ من طین قبر الحسین علیہ السلام کتب مسبحا وان لم یسبحھا"**

یعنی حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک کی مٹی پر سجدہ کرنا ساتوں زمینوں کو منور کر دیتا ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں قبر حسینؑ کی مٹی کی تسبیح ہو اگرچہ وہ تسبیح نہ بھی کرے مگر وہ خدا کے نزدیک تسبیح گزار شمار کیا جاتا ہے۔ (خصال شیخ صدوق)

دوسری روایت میں انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا۔ **"السجود علی تربتہ ابی عبداللہ یخرق الحجب السبع"**

کہ حضرت امام حسینؑ کی تربت مقدسہ پر سجدہ کرنا ساتوں آسمانوں کو شگافتہ کر دیتا ہے۔ (مصباح المتہجد)

اور ارشاد القلوب دیلمی میں لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہمیشہ خاک کربلا پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ فراجع

ا۔ ہمارے سجدہ گاہ پر سجدہ کرنے پر اہل خلاف کی طرف سے بت پرستی کا بے بنیاد الزام عائد کیا جاتا ہے حالانکہ بات صرف اس قدر ہے کہ ہمارے مذہب میں سجدہ صرف زمین پر کیا جاتا ہے یا اس چیز پر جو زمین سے اگتی ہے بشرطیکہ وہ کھانے اور پینے کے کام میں نہ آئے جسکی تائید برادران اسلامی کی کتابوں سے بھی ہوتی ہے چنانچہ کنز العمال ج ۴ ص ۱۰۰/۹۹ میں ہے کہ طبرانی نے اوسط میں سلمان سے اور دیلمی نے حضرت علیؑ سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ **ان افضل ما تسجد علیھا الارض وما انبتہ الارض** افضل ترین چیز سجدہ کے لئے زمین ہے یا وہ چیز جو زمین سے اگتی ہے لہذا جب ہر زمین پر سجدہ کرنا

وہ مقامات جہاں نماز پڑھنا مستحب ہے

یہ چیز محتاج بیان نہیں کہ زمان و مکان کو بھی کسی فعل کے حسن و قبح میں بڑا دخل ہوتا ہے یعنی زمان یا مکان کے بدلنے سے فعل کی نوعیت بدل جاتی ہے بناء بریں نماز گزار کے مکان میں چند چیزیں مستحب ہیں جن کا یہاں اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ (ا) نماز گزار کے لئے مستحب ہے کہ اپنے آگے کوئی چیز از قسم لکڑی' چھڑی' رسی' کپڑا وغیرہ رکھ لے تاکہ گزرنے والوں اور اس کے درمیان حد فاصل ہو جائے اور وہ پوری طرح لوگوں سے منقطع ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔

مساجد مبارکہ میں نماز پڑھنے کا ثواب

۲۔ متبرک مقامات میں نماز پڑھی جائے۔ جیسے مسجد الحرام جس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے' مسجد نبویؐ جس میں ایک نماز دس ہزار نماز کے برابر ہے' مسجد کوفہ جس میں ایک نماز ایک ہزار نماز کے برابر ہے' مسجد بیت المقدس جس میں ایک نماز ایک ہزار کے برابر

لیفیہ حاشیہ ۲۵۴

افضل ہے تو کربلا کی خاک معلی پر سجدہ کرنا بھی کیوں افضل نہ ہوگا۔ اگر مکہ و مدینہ اور ان کی مساجد کو حضرت رسول خداؐ کی وجہ سے شرف حاصل ہو سکتا ہے تو خاک کربلا کو سبط نبیؐ کی وجہ سے کیوں شرف حاصل نہیں ہو سکتا؟ بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ جناب رسول خداؐ "خمرہ" پر سجدہ کیا کرتے تھے اب یہ خمرہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت القرآن والحدیث کی دو مستند کتابوں سے سنیں۔ کتاب مجمع بحارا الانوار شیخ محمد طاہر گجراتی طبع نو لکشور ص ۳۷۷ پر مرقوم ہے۔ **"الخمرۃ وھی الشئی یسجد علیھا الان الشیعہ"** یعنی خمرہ وہ چیز ہے جس پر آج کل شیعہ حضرات سجدہ کرتے ہیں اور انوار اللغتہ علامہ وحید الزمان پ ۷ ص ۱۱۸ طبع بنگلور میں لکھا ہے خمرہ وہ چھوٹا سا ٹکڑا بوریئے کا یا کھجور کے پتوں سے بنا ہوا جس پر سجدہ میں آدمی کا سر فقط آسکتا ہے۔ (پھر کہا) ابن اثیر نے شرح جامع الاصول میں کہا کہ خمرہ سجدہ گاہ جس پر ہمارے زمانہ میں شیعہ سجدہ کیا کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے سجدہ گاہ رکھنا مسنون ٹھہرا اور جن لوگوں نے اس سے منع کیا ہے اور رافضیوں کا طریق قرار دیا ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے (یہاں تک کہ کہا) ہمیں سنت رسولؐ سے غرض ہے کوئی رافضی کہے یا خارجی پڑا بکا کرے۔ انتہی کلامہ' وھو جید متین بل ھو جوہر ثمین۔ (منہ عفی عنہ)

ہے' شہر کی جامع مسجد جس میں ایک نماز سو نماز کے برابر ہے مسجد قبیلہ جس میں ایک نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے اور مسجد محلہ جس میں ایک نماز بارہ نمازوں کے برابر ہے۔ (وسائل' وافی' مستدرک وغیرہ)

مسجد کے پڑوسی کے لئے تو اور بھی زیادہ تاکید وارد ہے کہ وہ بلا عذر شرعی گھر میں نماز نہ پڑھے بلکہ مسجد میں پڑھے اور جس مسجد میں کوئی شخص نماز نہ پڑھتا ہو اس میں خاص طور پر نماز پڑھنا مستحب موکد ہے۔ چنانچہ حدیث صادقؑ میں وارد ہے۔ فرمایا تین چیزیں قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں شکایت کریں گی ایک وہ مسجد جس میں کوئی نماز نہ پڑھے دوسرا وہ عالم جو جاہلوں میں گھرا ہو اور اس سے کوئی دین کے مسائل نہ پوچھے۔ تیسرا وہ قرآن جو گھر کے اندر غبار میں اٹا ہوا پڑا ہو مگر کوئی اس کی تلاوت نہ کرے۔ (خصال شیخ صدوقؒ) (۳) مساجد بنانا بھی مستحب موکد ہے کیونکہ مسجدیں بنانے پر ثواب جزیل کا وعدہ کیا گیا ہے یہاں تک کہ وارد ہے۔

من بنی مسجدا" بنی اللہ لہ بیتا فی الجنتہ

شخص دنیا میں مسجد بنائے خدا جنت الفردوس میں اس کے لئے گھر بناتا ہے۔ (فروع کافی)

مشاہد مقدسہ میں نماز کا ثواب

(۴) اسی طرح ائمہ اطہار کے مشاہد مقدسہ میں نماز پڑھنے کا ثواب بعض مساجد سے بھی زیادہ وارد ہے چنانچہ بعض اخبار میں وارد ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے روضہ اقدس میں ایک نماز پڑھنا دو لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ (مفاتیح الجنان) اور سرکار سید الشہداء کے حرم مبارک میں ایک نماز پڑھی جائے تو اس سے ایک ہزار حج و ہزار عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ (کامل الزیارۃ)

(۵) اسی طرح انبیاءؑ و اولیاءؒ کے روضات مقدسہ میں بھی نماز پڑھنا مستحب ہے اور بہت بڑا کار ثواب کما لا یخفی علی اولی الالباب

وہ مقامات جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے

وہ مقامات جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے (یعنی وہاں نماز پڑھنے کا ثواب بہ نسبت دوسرے مقامات کے کمتر ہے) بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ یہ مقامات منصوص ہیں ان میں سے اکثر مقامات تو وہ ہیں جن میں نماز پڑھنے کی نفی کراہتی ہے اور بعض مقامات کی کراہت و حرمت میں اختلاف ہے لیکن مرجح قول کراہت ہے ان مقامات پر نماز کے مکروہ ہونے کے علل و اسباب خود ان مقامات کے ذکر سے معلوم ہوسکتے ہیں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں

ہے۔

۱۔ حمام = (جو کہ غلاظت و کثافت کے ازالہ کے لئے بنائے جاتے ہیں۔

۲۔ اونٹوں نیز گھوڑوں، گدھوں اور خچروں کے بیٹھنے کی جگہ (اس جگہ کی کثافت محتاج بیان نہیں ہے)

۳۔ چیونٹیوں کے بل (تاکہ وہ نمازی کو اذیت نہ پہنچائیں جس سے توجہ میں فرق پڑے نیز وہ خود نمازی کی زد میں آکر ہلاک نہ ہو جائیں۔

۴۔ وہ نشیبی جگہ جہاں سے پانی بہتا ہے۔ (تاکہ کہیں اچانک پانی کا ریلا آکر اسے بہا کر نہ لے جائے۔)

۵۔ کیچڑ (جہاں بدن اور کپڑوں کے خراب ہونے اور ارکان نماز کے کماحقہ ادا نہ کرسکنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔)

۶۔ پانی (چونکہ اسمیں نماز کے ارکان مکمل طور پر نہیں بجالائے جاسکتے) اور اگر کیچڑ یا پانی میں مجبوراً نماز پڑھنی پڑ جائے تو کھڑے ہو کر پڑھی جائے گی۔ پس اگر رکوع ممکن ہو تو فبہا ورنہ رکوع اور سجود اشارہ سے کیا جائے گا۔

۷۔ شارع عام = (تاکہ لوگوں کو گزرنے میں تکلیف نہ ہو اور خود نمازی اژدہام کی زد میں نہ آجائے)

۸۔ سیم و تھور والی زمین (کیونکہ ایک تو اس کی نرمی کی وجہ سے اس پر پیشانی قرار نہیں پکڑتی۔ دوسرے ایسی زمین منحوس سمجھی جاتی ہے)

۹۔ برف = یعنی اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (تاکہ اس طرح زیادہ ٹھنڈک کی وجہ سے خشوع و خضوع میں خلل واقع نہ ہو اور اس سے برف پر سجدہ کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ برف پر سجدہ کرنا روا نہیں ہے روایات میں وارد ہے کہ اگر کوئی قابل سجدہ چیز موجود نہ ہو تو پھر کپاس اور پٹ سن یا ان سے بنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کیا جائے ہاں البتہ جب کچھ نہ ملے تو پھر اضطراری صورت میں اس پر جائز ہے۔

۱۰۔ مکہ و مدینہ (زاد اللہ فی شرفہا) کے درمیان چار مقامات پر بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (۱) بیداء (صحراء) جو مکہ کی جانب ذوالحلیفہ سے قریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہیں سفیانی کا لشکر ہلاک و برباد ہوگا۔ (۲) ذات السلاسل (۳) وادی الشقرۃ، (۴) وادی ضجنان (ان مقامات پر کراہت

کی وجہ۔ بعض میں یہ ہے کہ وہ غضب الٰہی کے مقامات ہیں جیسے بیداء وغیرہ اور بعض جنات کا مسکن ہیں جیسے وادی شقرہ۔ (واللہ العالم)

۱۱۔ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ قبروں کے اوپر' قبروں کی طرف اور قبروں کے درمیان نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۲۔ آگ یا چراغ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔ (کہ اس سے آتش پرستوں سے مشابہت لازم آتی ہے)

۱۳۔ کعبہ کے اندر نماز فریضہ پڑھنا (کیونکہ اس طرح پورے قبلہ کی طرف منہ نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے فتح مکہ کے دن دو رکعت نماز نافلہ کے کبھی وہاں واجبی نماز نہیں پڑھی تھی)

۱۴۔ مجوسیوں کے گھر۔ کیونکہ یہ گھر اکثر کثافت سے خالی نہیں ہوتے ہاں البتہ اگر وہاں پانی چھڑک دیا جائے تو خشک ہونے کے بعد کراہت زائل ہو جاتی ہے۔

۱۵۔ اس گھر میں نماز پڑھنا جہاں شراب یا کوئی اور (نشہ آور) چیز موجود ہو (کیونکہ وہ جگہ رحمت ایزدی سے دور ہوتی ہے)

۱۶۔ وہاں نماز پڑھنا جہاں سامنے پاخانہ موجود ہو یا ایسی دیوار جس سے بیت الخلاء کا پانی گرتا ہو (کہ اس سے طبیعت میں تنفر پیدا ہوتا ہے)

۱۷۔ جہاں سامنے کھلا ہوا قرآن یا کھلی ہوئی کوئی کتاب پڑی ہو (کہ اس طرح نماز گزار کی توجہ نماز سے ہٹ جاتی ہے)

۱۸۔ وہاں نماز پڑھنا جہاں کوئی آدمی سامنے بیٹھا ہو (کیونکہ اس طرح خیال منتشر ہو جاتا ہے۔)

۱۹۔ جس گھر میں بلا وجہ کتا موجود ہو (کیوں کہ وہاں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا۔)

۲۰۔ وہاں نماز پڑھنا جہاں نمازی کے سامنے کسی جاندار کی تصویر موجود ہو (تاکہ توجہ تقسیم نہ ہو اور بت پرستوں سے مشابہت لازم نہ آئے) ہاں البتہ یہ تصویر اگر دائیں' بائیں یا پیچھے کی جانب ہو تو پھر کراہت ختم ہو جاتی ہے اور اگر سامنے ہو مگر یہ الٹ دیا جائے یا اس کو کسی چیز سے ڈھانپ دیا جائے تو اس سے بھی کراہت زائل ہو جاتی ہے۔ واللہ العالم

اذان و اقامت کا بیان

منجملہ مقدمات نماز کے اذان و اقامت بھی ہے گو ہر مذہب و ملت میں وقت عبادت کی

اطلاع دینے اور لوگوں کو عبادت کی طرف بلانے کے مختلف طریقے رائج ہیں کسی میں گھڑیال ہے تو کسی میں ناقوس اور کسی میں کچھ اور۔ مگر یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بلند و بالا ہے کہ تذکیر ساہی، تنبیہ غافل، تعریف جاہل، ترغیب سائل، دعوت عبادت خالق و اطاعت مالک، تجاہر ایمان اور اعلان اسلام کا جو طریقہ کار اسلام نے مقرر کیا ہے اس کی تمام ملل و مذاہب میں کہیں کوئی نظیر و مثال نہیں ملتی۔

روایات و ارشادات معصومینؑ میں اذان و اقامت کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے بالخصوص اذان اعلامی کہنے کا بہت اجر و ثواب مروی ہے اور اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ بعض اعلام (شیخ مفید و شیخ طوسیؒ) نے جماعت میں اور بعض (سید مرتضیٰؒ وابن جنید) نے اقامت کو ہر نماز میں واجب بتایا ہے اور بعض (ابن ابی عقیل) کا نظریہ یہ ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر اذان و اقامت ترک کرے اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے مگر اشہر و اظہر قول یہ ہے کہ اذان ہر حال میں مردوں کیلئے سنت مؤکدہ ہے ہاں البتہ نماز صبح و مغرب اور جماعت میں اس کی تاکید اور زیادہ ہے۔

"اذان و اقامت کے مسائل و احکام"

ہاں البتہ اقامت میں وجوب والا قول قوت سے خالی نہیں ہے اگرچہ وہاں بھی اقویٰ و اظہر یہ ہے کہ وہ بھی سنت موکدہ ہی ہے بہرکیف احتیاط واجب یہ ہے کہ اسے ترک نہ کیا جائے البتہ عورتوں کے لئے اذان و اقامت کی اس قدر تاکید نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۔ سوائے صبح کے اور کسی وقت کی اذان وقت سے پہلے جائز نہیں ہے گو صبح کی اذان میں بھی اختلاف ہے جسے اذان اعلامی کہا جاتا ہے مگر جواز والا قول قوت سے خالی نہیں ہے لیکن احوط یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے اور بنابریں کہ جائز بھی ہو نماز صبح کے لئے اس پر اکتفا نہیں کی جائے گی بلکہ طلوع صبح کے بعد اس کا اعادہ کرنا پڑے گا۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص اذان و اقامت کہنا بھول جائے اور نماز شروع کردے تو اگر رکوع سے پہلے یاد آجائے تو نماز کو توڑ دے اور اذان و اقامت کہہ کر دوبارہ پڑھے اور اگر عمداً ترک کیا ہے تو پھر اسی حالت میں نماز کو مکمل کرے۔

مسئلہ ۳۔ چار مقامات پر اذان ساقط ہو جاتی ہے۔ (۱) نماز عصر کے لئے بمقام عرفات جبکہ ظہر و عصر کو ملا کر پڑھا جائے۔ (۲) نماز عشاء کے لئے بمقام مشعر الحرام جبکہ مغرب و عشاء کو جمع کیا

جائے۔ (۳) بروز جمعہ نماز عصر کے لئے۔ (۴) بلکہ جہاں اور جب بھی جمع بین الصلوتین کیا جائے وہاں دوسری نماز سے اذان ساقط ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۴۔ جمع کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ دو نمازوں کے درمیان تعقیبات اور نوافل کا کوئی فاصلہ نہ ہو بلکہ پہلی نماز کے سلام کے بعد فوراً دوسری نماز شروع کردی جائے لہٰذا اگر اس قسم کا فاصلہ ہو جائے تو جمع کا حقیقی مفہوم ختم ہو جائے گا۔ اس لئے اب دوسری نماز کیلئے اذان کہنے کا استحباب بحالہ قائم رہے گا۔

مسئلہ ۵۔ ایک مقام پر اذان و اقامت ہر دو ساقط ہیں اور وہ مقام یہ ہے کہ جب کسی مسجد میں اذان و اقامت کے ساتھ صحیح نماز با جماعت پڑھی جاچکی ہو اور ہنوز تمام لوگ یا بعض بدستور صفوں پر بیٹھے ہوں تو جو شخص اس وقت وارد ہو اور نماز پڑھنا چاہے اس سے اذان و اقامت ہر دو ساقط ہیں ہاں البتہ احوط یہ ہے کہ اس حکم کو صرف مسجد تک محدود رکھا جائے۔

مسئلہ ۶۔ فقہاء کے درمیان اس بارے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ جہاں صرف اذان یا اذان و اقامت ہر دو ساقط ہیں آیا یہ سقوط عزیمتاً لازمی ہے کہ وہاں اذان وغیرہ کہنا ناجائز ہے) یا صرف رخصت ہے (تاکہ اگر کوئی شخص کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے) اظہر یہ ہے کہ یہ سقوط بطور عزیمت ہے لہٰذا جن مقامات پر اذان ساقط ہے وہاں اذان اور جہاں دونوں ساقط ہیں وہاں دونوں کا کہنا جائز نہیں ہے۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۷۔ بعض اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جلدی یا کسی اور مجبوری کے تحت اذان و اقامت بھی قصر ہو جاتی ہیں یعنی فصول اذان و اقامت میں سے صرف ایک ایک بار پڑھنے پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۸۔ اذان و اقامت صرف نماز پنجگانہ (بشمول نماز جمعہ) میں سنت ہیں خواہ ادا ہوں اور خواہ قضا البتہ قضا میں اس قدر رخصت ہے کہ جب بہت سی قضا شدہ نمازیں پڑھنا ہوں تو پہلی نماز میں اذان و اقامت ہر دو کہی جائیں اور بعد ازاں ہر نماز کے لئے صرف اقامت پر اکتفا کیا جائے اسکے علاوہ کسی واجبی یا مستحبی نماز میں اذان و اقامت جائز نہیں ہے ہاں البتہ عیدین میں باواز بلند صرف تین بار الصلوۃ الصلوۃ الصلوۃ کہنا وارد ہے۔ وبس

مسئلہ ۹۔ مذکورہ بالا نمازوں کے علاوہ پانچ اور مقامات پر صرف اذان اور بعض مقامات پر اذان اور اقامت ہر دو کہنا مستحب ہے۔

۱۔ جہاں جنات کا خوف و خطر ہو وہاں اذان کہنا مروی ہے۔

۲۔ نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت۔

۳۔ جو آدمی بدخلق ہو اس کے دائیں کان میں اذان کہنا منقول ہے۔

۴۔ جو شخص متواتر چالیس روز تک گوشت نہ کھائے اس کے دائیں کان میں اذان کہنا چاہیے۔

۵۔ رہوار کو رام کرنے کے لئے اس کے دائیں کان میں اذان کہنا وارد ہے۔

مسئلہ ۸۔ اذان پر اجرت لینا علی الاقوی حرام ہے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "**ومن السحت اجر الموذن**" یعنی اذان کہنے پر اجرت لینا حرام ہے۔ (دعائم الاسلام) اسی طرح بعض احادیث میں وارد ہے کہ جو شخص اذان کہنے اور نماز پڑھانے پر اجرت لیتا ہے اس کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی جائے (**من لا یحضرہ الفقیہ**)

اذان و اقامت کے مستحبات

ذیل میں ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں چند مستحبات ذکر کئے جاتے ہیں جن میں سے بعض کا تعلق اذان و اقامت ہر دو کے ساتھ ہے اور بعض کا ان میں سے صرف ایک کے ساتھ۔

۱۔ ہر دو کے فصول کے آخر میں وقف کرنا۔ (۲) حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا اور واضح کر کے ادا کرنا۔ (۳) اذان ٹھہر ٹھہر کر اور اقامت جلدی جلدی کہنا۔ (۴) اذان و اقامت کے درمیان کچھ فاصلہ قرار دینا خواہ دو رکعت نماز کا ہو یا سجدہ کا یا صرف بیٹھنے کا یا دایاں قدم آگے بڑھانے کا اور افضل یہ ہے کہ نماز صبح (بالخصوص ہشنماز کے لئے) اور نماز ظہر و عصر کے درمیان (ان کے نوافل کی) دو دو رکعت کا فاصلہ قرار دیا جائے اور نماز مغرب و عشاء میں سجدہ یا جلسہ (بیٹھنے) یا خطوہ (قدم بڑھانے) کا اور اگرچہ ایسے سجدہ میں کوئی سا ذکر کیا جاسکتا ہے مگر افضل یہ ہے کہ یہ کلمات پڑھے جائیں۔ **رب لک سجدت خاضعا" خاشعا" ذلیلا۔**

اور بیٹھنے کی صورت میں درج ذیل دعا پڑھی جائے۔ "**اللھم جعل قلبی بارا و عیشی قارا ورزقی دارا و عملی سارا واجعل لی عند قبر نبیک محمد صلی اللہ علیہ والہ مستقرا وقرارا**""

نیز اس دعا کو سجدہ میں بھی پڑھا جاسکتا ہے نیز اذان سننے والے پر اس کی حکایت ہر حال میں مستحب ہے خواہ ۔ قرآن پڑھ رہا ہو یا بیت الخلاء میں موجود ہو یعنی جو جو فقرے موذن کہتا جائے' سننے والا بھی ساتھ ساتھ انہیں دہراتا جائے۔

۶۔ ہر دو کو رو بقبلہ ہو کر کہا جائے اقامت میں اس کی تاکید زیادہ ہے بلکہ علی الاحوط شرط ہے۔

۷۔ ہر دو کھڑے ہو کر کہی جائیں بعض فقہاء عظام تو بلا عذر شرعی اقامت میں کھڑا ہونا واجب سمجھتے ہیں۔ وھو الظاہر من الروایات۔ اس لئے احتیاط واجب یہ ہے کہ بلا عذر شرعی جیسے بیماری وغیرہ اقامت بیٹھ کر نہ کہی جائے۔

۸۔ ازان (اعلامی) میں موذن کا مرد' عاقل اور مسلمان ہونا شرط ہے اور اگر اس کے ساتھ ساتھ مومن بلکہ عادل اور عارف بالاوقات' متطہر اور فصیح اللسان بھی ہو تو افضل ہے البتہ بالغ ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ طفل ممیز کی ازان و اقامت بالاتفاق صحیح ہے۔

۹۔ باطہارت ازان و اقامت کہنا اقامت میں اس کی تاکید زیادہ ہے بلکہ علی الاحوط اس کی صحت کی شرط ہے۔

۱۰۔ اقامت حالت استقرار میں کہی جائے۔ (تلک عشرۃ کاملۃ)

ازان و اقامت کے مکروہات

ازان و اقامت ہر دو میں یا صرف ازان یا صرف اقامت میں بعض چیزیں مکروہ ہیں۔ مثلاً

۱۔ ازان میں ترجیع کرنا یعنی اول ازان میں تکبیر اور شہادتین کو یا تمام فصول ازان کو مکرر کہنا۔

۲۔ تثویب ۔ یعنی صبح کی ازان و اقامت کے درمیان دوبار حی علی الصلوٰۃ اور دو بار حی علی الفلاح کہنا یا اس کا مطلب ہے کہ نماز صبح میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا کہ بنابر مشہور مکروہ ہے مگر بعض فقہاء کے نزدیک بلا تقیہ اس کا کہنا حرام ہے وھوالاظہر۔

۳۔ ازان و اقامت کے درمیان بالخصوص "قد قامت الصلوٰۃ" کے بعد کوئی کلام کرنا۔

۴۔ اقامت کے بعد کلام کرنا' سوائے اشد ضروری بات کے اور وہ بھی وہ جو نماز جماعت سے متعلق ہو اور بعض فقہاء کے نزدیک تو یہ کلام حرام ہے بہرحال احتیاط وجوبی یہ ہے کہ اس موقع پر ہر قسم کے کلام سے اجتناب کیا جائے اور اگر کلام کیا جائے تو اقامت دوبارہ کہی جائے اور اگر ازان و اقامت کے درمیان آگے قدم بڑھائے تو اس صورت میں یہ دعا پڑھے۔ باللہ استفتح و محمد صلی اللہ علیہ والہ استنجح واتوجہ اللھم صل علی محمد وال محمد واجعلنی بھم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ

تنقید و تبصرہ

چونکہ اذان کے اٹھارہ فصول ہیں جو کہ ہر کہ ومہ کو معلوم ہیں اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا (مترجم) البتہ یہاں دو باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری ہے اول یہ کہ فقرہ "حی علی خیر العمل" جزء اذان ہے جو نہ صرف حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بلکہ جناب ابوبکر کی تمام خلافت اور جناب عمر کے ابتدائی ایام خلافت میں بھی اذان میں کہا جاتا تھا ہاں البتہ کچھ عرصہ کے بعد کسی نا معلوم مصلحت کے تحت انہوں نے اسے اذان سے خارج کر دیا اور کہنے والوں کو سخت سزا دینے کی تہدید کی چنانچہ فاضل قوشچی نے اپنی شرح تجرید ص ۳۸۴ پر جناب عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ۔ **"ثلاث کن علی عہد رسول اللہ حلالاً وانا انہی عنہن و اعاقب علیہن متعۃ النساء ومتعۃ الحج وحی علی خیر العمل"**

تین چیزیں زمانہ رسالتؐ میں جائز تھیں مگر میں ان کی ممانعت کرتا ہوں اور خلاف ورزی پر سزا دوں گا۔ ا متعۃ النساء ۲۔ متعۃ الحج اور ۳۔ حی علی خیر العمل" ظاہر ہے کہ جس چیز کو جناب رسولؐ خدا بحکم خدا جائز قرار دیں کسی بھی شخص کو اسے حرام قرار دینے کا کوئی حق نہیں ہے ظاہر ہے کہ اہل بیتؑ نبوت پر اس ممانعت کا کیا اثر ہوتا تھا اس لئے وہ اور ان کے شیعہ تو ہمیشہ کہتے رہے ہیں البتہ عامۃ الناس اس ممانعت کے بعد اس خیر سے محروم ہو گئے مگر ابن عمر برابر کہتے تھے جیسا کہ سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۱۰ طبع مصر پر مذکور ہے۔ دوم یہ کہ صبح کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا سنت رسول نہیں بلکہ بدعت عمر ہے چنانچہ موطائے مالک طبع مجتبائی دہلی میں مذکور ہے کہ عمر کے دور حکومت میں ایک بار موذن جب انہیں نماز صبح کے لئے بلانے گیا تو دیکھا کہ وہ سوئے ہوئے ہیں اس نے جگاتے ہوئے کہا "الصلوٰۃ خیر من النوم" (سونے سے نماز بہتر ہے) جناب عمر اٹھے اور اس فقرہ کو اتنا پسند کیا کہ موذن کو حکم دے دیا کہ اسے صبح کی اذان میں کہا کرے۔ چنانچہ اس کے بعد یہ رائج ہو گیا اور رفتہ رفتہ جزء اذان بن گیا۔ (**کذافی الموطا مع شرح تنویر الحوالک۔** ج ۱ ص ۷۱ طبع مصر والفاروق للشبلی ص ۲۵۳ طبع لاہور)

نماز اسکے واجبات، مستحبات، مکروہات، مبطلات اور شرائط کا بیان

جبکہ ہم بحمد اللہ نماز کے مقدمات سے فارغ ہو چکے، تو اب اصل نماز اور اس کے واجبات وغیرہ کا ترتیب وار تذکرہ کرتے ہیں۔

ا۔ اور جہاں تک حضرت امیر علیہ السلام کی ولایت حقہ کے اقرار و اعتقاد کا تعلق ہے تو وہ اجزاء ایمان سے تو ہے مگر اجزاء اقامت و اذان میں سے نہیں ہے۔ کمالا یخفی (منہ عفی عنہ)

آداب نماز

مگر اصل مقصد میں وارد ہونے سے پہلے بطور تمہید یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جس طرح ہمارے اس عالم آب و گل میں دنیوی اعمال کے صحیح نتائج پیدا کرنے کے لئے کچھ قاعدے، قانون ہوتے ہیں جنکی رعایت ضروری ہوتی ہے اسی طرح عالم روح یا عالم قلب کے لئے بھی کچھ قواعد و قوانین ہیں کہ دل و دماغ اور نفس و روح کے اعمال کے صحیح نتائج حاصل کرنے کے لئے ان کی پابندی ضروری ہے۔ اسی بناء پر شریعت مقدسہ نے مذہبی اعمال کی صحت و قبولیت کے لئے کچھ آداب و قواعد کی رعایت ضروری قرار دی ہے چونکہ نماز کا اصل مقصد اپنے خالق و مالک کی اطاعت و بندگی، اپنے گناہوں پر پشیمانی و شرمندگی، خدا کی عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و درماندگی، نیز خشوع و خضوع اور تضرع و زاری کے ذریعہ سے دل و دماغ اور روح میں طہارت و پاکیزگی پیدا کرنا اور اعمال سیئہ سے توبہ و انابت کرنا مقصود ہے اس لئے اس کے کچھ شرائط کچھ قواعد اور کچھ آداب مقرر کئے گئے ہیں مثلاً" اس وقت نماز گزار یہ تصور کرے کہ وہ سلطان السلاطین اور احکم الحاکمین کے دربار میں کھڑا ہے اس واسطے بہت ہی مودب ہو کر کھڑا ہو اور اپنی وضع قطع طور و طریق اور اپنی تمام حرکات و سکنات میں ہر طرح کے ادب و احترام کا خیال رکھے۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ابوذرؓ سے فرماتے ہیں۔

اعبد ربک کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یراک

"اے ابوذرؓ اپنے پروردگار کی اس طرح عبادت کر کہ گویا تم اس شہنشاہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو یقیناً" تمہیں دیکھ رہا ہے۔" (عین الحیواۃ) حدیث میں وارد ہے کہ نماز کی وہی مقدار قبول ہوتی ہے جو توجہ اور حضور قلب کے ساتھ پڑھی جائے اس واسطے کسی شخص کی نماز کا نصف کسی کا ثلث کسی کا ربع اور کسی کا کم و بیش حصہ قبول ہوتا ہے۔ (جامع السعادات)

یہ خشوع و خضوع ہی عبادت کی جان ہے۔ **قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتہم خاشعون**

(وہی اہل ایمان کامیاب ہوں گے جو خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں جو زبان سے کہہ رہا ہے یا اعضاء سے کر رہا ہے اس کی طرف ملتفت ہو اور اس میں غور و تدبر کرے اور اس طرح کھڑا ہو جس طرح ایک عبد ذلیل اپنے مولائے جلیل کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے اس کی بندہ

نوازیاں بھی دیکھے اور اپنی کوتاہیاں اور حیلہ سازیاں بھی۔ اس کی جلالت بھی دیکھے اور اپنی رذالت بھی' اس کی پردہ پوشیاں بھی دیکھے اور اپنی ناحق کوشیاں بھی۔ بایں ہمہ اپنے جرائم کی ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ اس کی رحمت کی وسعت و گہرائی اور اس کے عفو و کرم کی گیرائی پر بھی غور کرے تاکہ اس کے اندر خوف و رجاء کا جذبہ صالحہ نشوونما پاسکے۔

نیز وہ جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہے اس میں بالعموم "ایاک نعبدو ایاک نستعین" کہتے وقت بالخصوص صادق ہو۔ ایسا نہ ہو کہ "یقول هذا وهو عابد لهواه او مستعین بغیر مولاه" اپنے گناہوں پر نادم ہو اور صدق دل سے استغفار کرے اور اس طرح نماز پڑھے' گویا یہ اس کی زندگی کی آخری نماز ہے اور سوچے کہ ائمہ معصومینؑ باوجود عصمت کبریٰ کا مالک ہونے کے کس طرح خشوع و خضوع اور تفرع و زاری کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ یہ سب حقائق کتب سیرو تواریخ میں مذکور ہیں کہ نماز پڑھتے وقت بلکہ اس کا ارادہ کرتے وقت ہی ان کے رنگ مبارک متغیر ہو جاتے تھے اور چوب خشک کی مانند ہو جاتے تھے۔ استغراق و محویت کا یہ عالم ہوتا کہ حالت نماز میں پائے مبارک سے تیر کھینچا جاتا ہے مگر وہ ملتفت نہیں ہوتے۔ گھر میں آگ لگ جاتی ہے اور لوگ بجھاتے ہیں مگر وہ متوجہ نہیں ہوتے۔ بچہ کنوئیں میں گر جاتا ہے مگر وہ پروا نہیں کرتے اس سے بھی زیادہ پر اثر اور جاذب توجہ منظر یہ ہے کہ گھمسان کا رن پڑ رہا ہے' تیروں کی بارش برس رہی ہے' تلواروں اور نیزوں کی بجلیاں ہر طرف کوند رہی ہیں' سروں کی گویا فصل پک چکی ہے جس کو کاٹا جا رہا ہے کہ دفعتہً نماز کا وقت فضیلت آجاتا ہے اور یہ عباد الرحمن دنیا و مافیہا اور موت و حیات سے بے پروا ہو کر اپنی گردنیں اپنے پروردگار کی چوکھٹ پر جھکا دیتے ہیں۔

سچ ہے کہ

نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایہ میں

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ ہے متقیوں کی شان وانما یتقبل الله من المتقین۔ رزقنا الله مرا فقتهم فی الدنیا والآخرة وهو ولی التوفیق۔

لہٰذا بر مشہور نماز کے واجبات گیارہ ہیں۔

(۱) نیت (۲) تکبیرۃ الاحرام (۳) قیام (۴) قرأۃ (۵) ذکر (۶) رکوع (۷) سجود (۸) تشہد (۹) سلام (۱۰) ترتیب (۱۱) موالات۔ لیکن اگر قدرے دقتِ نگاہ سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل واجبات صرف آٹھ ہیں۔ تکبیرۃ الاحرام' قیام' قرأۃ' رکوع' سجود' ذکر' تشہد' سلام۔ کیونکہ نیت' ترتیب اور موالات شرائط نماز میں داخل ہیں نہ کہ اس کے اجزاء میں اور داخلی واجبات میں جیسا کہ "محقق" نے معتبر اور علامہ حلی نے منتہی الفقہ وغیرہ اور علامہ انصاری نے کتاب الصلوۃ میں تفصیلا" اسے ثابت کیا ہے پھر فقہاء میں یہ بھی مشہور ہے کہ پہلے چار واجبات تکبیرۃ الاحرام قیام' رکوع' سجود واجبات رکنی ہیں جن کو ارکان نماز کہا جاتا ہے اور دوسرے واجبات غیر رکنی ہیں جن کو واجبات نماز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے پھر واجب رکنی اور غیر رکنی میں فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ واجب رکنی وہ ہے جس کی عمدی یا سہوی کمی یا بیشی سے نماز باطل ہو جائے اور واجب غیر رکنی وہ ہے کہ جس کی عمدی کمی یا بیشی تو موجب بطلان ہو مگر سہوی کمی یا زیادتی باعث بطلان نہ ہو لیکن میرے نزدیک اس تقسیم و تعریف کی صحت محل کلام ہے۔ **"لخلو الروایات المعصومیۃ عنہ وعدم مطابقتہ الاحکام الاتیۃ معہ ولیس ھھنا محل اطالۃ الکلام با النقض والابرام وان کان الاحوط متابعۃ القول المشہور کما لا یخفی علی اولی الا فہام"**

نیت کا بیان

نیت کے متعلق لوگوں کے تین مکتبہ ہائے فکر ہیں۔ عوام' متوسط' اور خواص۔ عوام کے دل و دماغ میں تو یہ تصور راسخ ہے کہ نیت صرف زبان سے چند مخصوص الفاظ کے ادا کرنے کا نام ہے جیسے مثلا" نماز پڑھتا ہوں صبح کی دو رکعت واجب "قربتہ الی اللہ" مگر ارباب دانش و بینش پر مخفی نہیں ہے کہ یہ نیت نہیں ہے کیونکہ نیت کا تعلق دل سے ہے نہ کہ زبان سے اور جو عوام اور خواص کے درمیان متوسط طبقہ ہے اس کے طائر دماغ کی پرواز صرف اس حد تک ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ زبان پر جاری نہ کئے جائیں ہاں البتہ دل و دماغ میں ان الفاظ کا مکمل تصور جمایا جائے اور نقشہ قائم کیا جائے صاحبان بصیرت جانتے ہیں کہ یہ بھی دراصل نیت نہیں ہے کیونکہ نیت کسی کام کے اصل داعی اور محرک کا نام ہے نہ کہ چند الفاظ کے تصور کا ہاں جو خواص ہیں وہ

جانتے ہیں کہ درحقیقت نیت اس محرک اور قلبی داعی اور اس علت غائی کا نام ہے جو انسان کو کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

اصحاب عقل و ہوش کے لئے یہ بات محتاج وضاحت نہیں ہے کہ جب کوئی عقلمند آدمی کسی کام میں کسی دینی یا دنیوی منفعت کا تصور کرتا ہے تو اس کے دل و دماغ میں اس کام کے انجام دینے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور جوں جوں وہ اس مفاد و منفعت کا تصور کرتا ہے توں توں وہ شوق زیادہ ہوتا جاتا ہے اس شوق مؤکد کا دوسرا نام ارادہ ہے پس جب ارادہ عزم کا روپ دھار لے تو پھر دل و دماغ کے حکم و اشارہ سے اعضاء و جوارح وہ کام انجام دینے کے لئے حرکت میں آجاتے ہیں تاکہ وہ منفعت حاصل ہوسکے۔ ظاہر ہے کہ اس کام کے انجام دینے کا باعث اور محرک وہی منفعت ہے۔

پس نفس انسانی کا اس مقصد کے حاصل کرنے کی خاطر اس کام کی طرف متوجہ ہونے کا دوسرا نام نیت ہے اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح و عیاں ہوگیا کہ کوئی بھی عاقل و مختار انسان نیت کے بغیر کوئی کام انجام دے ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ بلکہ وجدان شاہد ہے یہ ایک ایسا وجدانی اور فطری و جلی مسئلہ ہے جس کا کوئی بھی صحیح الدماغ انسان انکار نہیں کرسکتا۔ اسی بناء پر بعض فضلاء کا قول ہے۔

"لو کلفنا اللہ عملا بغیر نیۃ لکان تکلیفا لما لا یطاق"

"کہ اگر خدا ہمیں یہ تکلیف دیتا کہ فلاں کام نیت کے بغیر بجا لاؤ تو یہ ناقابل برداشت تکلیف ہوتی" بنابریں صرف یہی نہیں کہ نیت کے نہ ہونے سے نماز وغیرہ اعمال باطل ہو جاتے ہیں بلکہ اس کے بغیر نماز کی حقیقت ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اعمال بمنزلہ جسم اور نیت بمنزلہ روح کے ہے جو ان میں جاری و ساری ہے اس کے بغیر اعمال بدن بلا روح اور جسم بلا جان ہیں البتہ نماز وغیرہ عبادات میں اس نیت کے ساتھ ساتھ قصد قربت بھی ضروری ہے اور یہی قصد قربت معاملات اور عبادات کے درمیان حد فاصل ہے تو گویا عبادات میں نیت دو اجزاء سے مرکب ہے ایک اس فعل کا ارادہ اور دوسرا قصد قربت و بس۔

قصد قربت کے مدارج

اب اس قصد قربت کے کئی مراتب و درجات ہیں۔ پہلا درجہ جو سب سے اعلیٰ اور افضل ہے یہ ہے کہ خدا کو لائق عبادت سمجھ کر اور اسکی محبت میں گرفتار ہو کر اسکی عبادت کی جائے۔

درمیانہ درجہ یہ ہے کہ اس کی غیر متناہی نعمتوں کے ادائے شکریہ اور اس کی خوشنودی کے حصول اور ناراضی سے اجتناب کی خاطر اسکی عبادت کی جائے۔ تیسرا ۔ اور سب سے ادنی اور کمتر درجہ یہ ہے کہ جنت کے طمع و لالچ یا جہنم کے خوف و ڈر کی وجہ سے اسکی عبادت کی جائے۔

الغرض اسی قصد قربت کا دوسرا نام "اخلاص" ہے جو نماز وغیرہ تمام عبادات کے آداب و وظائف کا جوہر ہے کیونکہ اگر نماز کی بجا آوری سے مقصود خدا تعالی نہیں بلکہ کوئی اور چیز ہے تو وہ نماز نہیں بلکہ وہ ریاء و نمائش ہے جو کہ شرک خفی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **اعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین** یعنی اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت کرو۔ "**ومن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا" صالحا" ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا**" نماز یاد خدا کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ **اقم الصلوۃ لذکری** (طہ۔ ا)

میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ اگر دل میں کچھ ہے اور زبان پر کچھ اور تو یہ خدا کی حقیقی یاد نہیں ہے بلکہ صرف لقلقۂ لسانی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

نتیجہ کلام یہ کہ نیت کے متعلق جو تحقیق اوپر پیش کی گئی ہے اس کے پیش نظر نیت کے بارے میں بہت سی لمبی چوڑی لایعنی بحثوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے بس کام کرتے وقت اس قدر اس کی طرف اجمالی توجہ ہونی کافی ہے کہ اگر کوئی پوچھے کہ کیا کر رہے ہو؟ تو وہ فورا" کہہ دے کہ فلاں کام کر رہا ہوں۔ آدمی اس سوال کے جواب میں پادر گل ہو کر نہ رہ جائے۔ **فتدبرو تشکر ولا تکن من الجاھلین**۔

تکبیرۃ الاحرام کا بیان

تکبیرۃ الاحرام جسے تکبیرۃ الافتتاح بھی کہا جاتا ہے بناء بر مشہور واجب رکنی ہے جس کی کمی سے تو یقینا" اور زیادتی سے بھی عندالمشہور نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر بنظر تحقیق دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہنا کہ "اس کی کمی سے نماز باطل ہو جاتی ہے" مجاز ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے بغیر نماز شروع ہی نہیں ہوتی تو نماز ہے کیا؟ "**اولھا التکبیر واخرھا التسلیم**" (اس کی ابتداء تکبیر سے اور انتہا تسلیم پر ہوتی ہے)

احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ تکبیرۃ الاحرام سے مراد ہے "اللہ اکبر" صحیح عربی میں ادا کرنا قادر و مختار کے

لئے اس کا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا یا اسے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ گونگے آدمی کے لئے صرف زبان ہلانا اور ہاتھ سے اشارہ کرنا کافی ہے۔

مسئلہ ۳۔ تکبیرۃ الاحرام کہتے وقت مکمل قیام واجب ہے اگر اسے ترک کیا گیا تو تکبیر باطل ہو جائے گی جس کے نتیجہ میں نماز باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ ۴۔ پیشنماز کے لئے تکبیرۃ الاحرام کہتے وقت جہر کرنا اور مقتدیوں کو سنانا مستحب ہے اور مقتدیوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ اس طرح آہستہ کہیں کہ پیشنماز کے کانوں میں ان کی آواز نہ پڑے۔ البتہ منفرد کو اختیار ہے کہ جہر کرے یا اخفات

مسئلہ ۵۔ تکبیرۃ الاحرام یا باقی تکبیرات (رکوع و سجود وغیرہ) کہتے وقت زیادہ سے زیادہ کانوں کی لوؤں تک اور کم از کم سینہ کے بالائی اور گردن کے ابتدائی حصہ تک ہاتھوں کا اٹھانا علی الاقوی مستحب ہے چونکہ بعض فقہاء (جیسے سید مرتضیٰ علم الہدیٰ) کے نزدیک واجب ہے اس لئے احتیاط یہ ہے کہ اسے ترک نہ کیا جائے۔

مسئلہ ۶۔ تکبیرۃ الاحرام کے علاوہ نماز کی ابتداء میں چھ تکبیریں اور کہنا مستحب ہیں (کل سات تکبیریں) مشہور یہ ہے کہ نماز گزار کے لئے جائز ہے کہ ان میں سے جس تکبیر کو چاہے تکبیرۃ الاحرام قرار دے مگر افضل بلکہ احوط یہ ہے کہ پہلی تکبیر کو ہی تکبیرۃ الاحرام قرار دیا جائے اور بوقت ضرورت تین یا پانچ تکبیروں پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۷۔ اگرچہ ان تکبیروں کو بلافاصلہ اور بلا دعا پے در پے کہنا بھی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے (جیسا کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے بسند صحیح مروی ہے) کہ ان میں یہ مخصوص دعائیں پڑھی جائیں اور بایں کیفیت ان کو ادا کیا جائے۔ تین تکبیریں (جن میں سے پہلی تکبیرۃ الاحرام ہے) کہنے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے۔ **اللھم انت الملک الحق لا الہ الا انت سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفرلی ذنبی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔** پھر دو تکبیروں کے بعد یہ دعا پڑھی جائے۔ **لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک والشر لیس الیک والمھدی من ھدیت لا ملجا منک الا الیک سبحانک وحنانیک تبارکت وتعالیت سبحانک رب البیت۔** بعد ازاں باقی ماندہ دو تکبیریں کہی جائیں اور ان کے بعد یہ دعا (دعائے توجہ) پڑھی جائے۔ **وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ حنیفا" مسلما" وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین۔**

اس کے بعد اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم کہہ کر اور بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔

فائدہ

عابد زاہد جناب سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ کتاب فلاح السائل میں اپنے سلسلہ سند سے حضرت امیر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آنجناب اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مصلائے عبادت پر کھڑا ہو کر تکبیرۃ الاحرام کہنے سے پہلے یہ دعا پڑھے۔ **یا محسن قد اتاک المسئ وقد امرت المحسن ان یتجاوز عن المسئ وانت المحسن وانا المسئ فبحق محمد وال محمد صل علی محمد وال محمد وتجاوز عن قبیح ما تعلم** اس وقت خدا وند عالم فرماتا ہے اے میرے فرشتو! گواہ رہنا میں نے اس بندہ کو معاف کردیا ہے اور صاحبان حقوق کو اس سے راضی کردیا ہے۔

مسئلہ ۸۔ یہ تکبیرات سبعہ صرف نماز ہائے فریضہ کے ساتھ مختص ہیں یا مستحبی نمازوں میں بھی کہی جاسکتی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ یہ استحباب عام ہے اگرچہ ادلہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ استحباب فرائض اور وہ بھی صرف نماز ہائے پنجگانہ کے ساتھ مختص ہے مگر بعض آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ چھ مقامات پر تکبیرات سبعہ کا کہنا مستحب ہے (۱) نماز شب کی پہلی رکعت (۲) وتر (۳) نوافل ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت (۴) نوافل مغرب کی پہلی رکعت (۵) دو رکعت احرام کی پہلی رکعت (۶) نماز فریضہ کی پہلی رکعت۔ واللہ العالم

قیام کا بیان

جسمانی طریقہ سے ہم کسی بڑے محسن و منعم کی تین طریقوں سے تعظیم و تکریم اور اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہیں کھڑے ہو کر، جھک کر اور زمین پر سر رکھ کر۔ نماز کا پیکر بھی چونکہ انسان کے فطری حرکات و سکنات کے قالب میں تیار ہوا ہے اس لئے ان تینوں حالتوں (قیام، رکوع اور سجود) کو نماز کا رکن قرار دیا گیا ہے۔

قیام واجبات نماز میں سے دوسرا واجب ہے اور بنابر مشہور رکن ہے جس کی کمی یا زیادتی سے (گو زیادتی کا تصور ناممکن ہے) نماز باطل ہو جاتی ہے اور بنابر قول مشہور وہ قیام جو رکن نماز ہے اس سے تکبیرۃ الاحرام کہتے وقت اور رکوع میں جانے سے پہلے (متصل برکوع) والا قیام مراد ہے۔

قیام کا مطلب یہ ہے کہ نماز گزار بحالت اختیاری علی الاحوط بلکہ علی الاقوی کسی چیز کا سہارا لئے بغیر پیٹھ سیدھی کرکے سیدھا کھڑا ہو کر تکبیرۃ الاحرام کہے اور اسی حالت میں الحمد اور دوسری سورہ پڑھے ہاں البتہ دونوں پاؤں پر جسم کا برابر بوجھ ڈالنا واجب نہیں ہے بلکہ ایک پاؤں پر زیادہ اعتماد بھی کیا جاسکتا ہے اگرچہ احوط و افضل یہی ہے کہ دونوں پر برابر بوجھ ڈالا جائے۔

احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ جو شخص بیماری وغیرہ کی وجہ سے مذکورہ بالا طریقہ پر کھڑا نہ ہوسکتا ہو تو اس کے لئے واجب ہے کہ بیٹھنے سے پہلے جس طرح بھی قیام ممکن ہے حتی کہ کسی چھڑی یا دیوار وغیرہ کا سہارا بھی لینا پڑے اور ٹیڑھا ترچھا قیام بھی ہوسکے۔ تو اس کی کوشش کرے۔ اور جب کوئی صورت بھی ممکن نہ ہو تو پھر بیٹھ کر نماز پڑھے۔ لیکن اس صورت میں بھی جتنی مقدار کھڑے ہو کر پڑھ سکتا ہے اس کو مقدم سمجھے حتی کہ اگر صرف اتنا کرسکتا ہے کہ تکبیرۃ الاحرام کھڑے ہو کر کہہ لے پھر بیٹھ جائے اور پھر رکوع سے پہلے کھڑا ہو جائے اور رکوع کرکے بیٹھ جائے تو ضرور ایسا کرے۔

مسئلہ ۲۔ بیٹھنے کی صورت میں جس طرح بھی ممکن ہو بیٹھنا جائز ہے اور اگر بیٹھنے سے بھی عاجز ہو حتی کہ کسی چیز کا سہارا لے کر نہ بیٹھ سکے تو دائیں کروٹ لیٹ کر قبر میں مدفون کی مانند اور اگر اس کروٹ نہ لیٹ سکے تو پھر بائیں کروٹ پر اور اگر ایسا بھی نہ ہوسکے تو پھر محتضر کی طرح سیدھا چت لیٹ کر رو بقبلہ ہو کر اشارہ سے نماز پڑھے یعنی رکوع و سجود کے لئے سر سے اشارہ کرے اور اگر سر سے اشارہ بھی نہ کرسکے تو پھر صرف آنکھوں سے اشارہ کرے۔

مسئلہ ۳۔ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں اگر سجدہ ممکن ہو تو ضرور کرے ورنہ جس چیز پر سجدہ جائز ہے اس کو اٹھا کر پیشانی تک لانے کی کوشش کرے تاکہ کچھ نہ کچھ سجدہ کی شکل بن جائے اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو پھر اشارہ سے کرے۔

توضیح

مخفی نہ رہے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں جہاں قیام کی جگہ قعود اور قعود کی جگہ اضطجاع (لیٹنا) جائز ہے وہاں عجز سے مراد یہ ہے کہ نماز گزار کو قیام یا قعود میں ایسی تکلیف ہو جو عادتاً ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ کلی عجز مراد نہیں ہے اور اس کا معیار خود نماز گزار کی ذات ہے۔

"بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ"

اسی طرح ماہر ڈاکٹر اور طبیب کے قول پر بھی اعتماد کرنا جائز ہے اس کے علاوہ جو بعض معیار بیان کئے گئے ہیں وہ سب مخدوش ہیں۔

قیام کے مستحبات

قیام میں چند امور مستحب ہیں ۱ نماز گزار اگر مرد ہے تو اس کے دونوں پاؤں کے درمیان کم از کم تین انگشت بستہ اور زیادہ سے زیادہ ایک بالشت کا فاصلہ ہونا چاہئے اور اگر عورت ہے تو اس کے لئے دونوں پاؤں کو باہم ملا کر رکھنا مستحب ہے ۲ پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی جانب ہوں ۳ دونوں ہاتھ اس حالت میں کہ انگلیاں باہم ملی ہوئی ہوں۔ گھٹنوں کے بالمقابل رانوں کے اوپر ہوں ۴ اس حالت میں نگاہیں جائے سجدہ پر ہوں ۵ نماز شروع کرنے سے پہلے مصلی پر کھڑے ہو کر بعض دعائیں پڑھی جائیں گذشتہ بحث میں تکبیرات سبعہ کی دعاؤں کے بعد ایسی ایک جلیل القدر دعا بیان کی جاچکی ہے۔ واللہ العالم

قرأت اور اس کے واجبات اور مستحبات وغیرہ کا بیان

نماز صبح کی ہر دو رکعت اور باقی نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا بالاتفاق واجب ہے بلکہ بعض فقہاء تو اس کی رکنیت کے بھی قائل ہیں الغرض اس کا وجوب لا کلام ہے اگر سہواً نمازی اس کا پڑھنا بھول جائے اور اگر رکوع سے پہلے یاد آجائے تو اسے پڑھے اور اگر رکوع میں جانے کے بعد یاد آجائے تو نماز مکمل کرکے سجدہ سہو کرے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ جس شخص کو سورہ فاتحہ نہیں آتی اس کے لئے اس کا سیکھنا واجب ہے اور اگر زبانی یاد نہ ہو اور یاد کرنے کی وقت میں وسعت بھی نہ ہو تو پھر قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھ سکتا ہے اور اگر سورہ فاتحہ کی صرف ایک دو آیات یاد ہوں تو انہی کا بقدر سورہ تکرار کرے اور اگر کچھ بھی یاد نہ ہو تو علماء نے اس کے عوض تسبیحات اربعہ یا کسی اور ذکر کو جائز قرار دیا ہے چونکہ مذکورہ بالا اکثر شقوں کے متعلق کوئی نص وارد نہیں ہے اس لئے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ اگرچہ ہمارے روایات مستفیضہ میں وارد ہے کہ قرآن ایک ہے ایک خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ایک نبیؐ پر نازل ہوا ہے اس واسطے اس کی صحیح قرأت بھی فی الواقع ایک

ہی ہے مگر ہمارے پیشوایان دین نے ہمیں قراء سبعہ میں سے کسی بھی قاری کی قرأت کے مطابق پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ "اقروا کما یقرء الناس حتی یجی العلیم"

یعنی اسی طرح قرآن پڑھو جس طرح لوگ پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ عالم علم لدنی (امام زمانہ) تشریف لائیں ,اس لئے قراء سبعہ میں سے کسی نہ کسی قاری کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھنا لازم ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ چونکہ قرآن مجید عربی مبین میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کے پڑھنے میں عربی زبان کے مسلمہ قواعد و قوانین کی پابندی واجب ہے لہٰذا جس لفظ کو جس مخرج سے ادا کرنا ہے وہاں سے اس کی ادائیگی' جہاں ادغام کرنا ہے وہاں ادغام جہاں شد دینا ہے وہاں شد جہاں مد ہے وہاں مد کا خیال رکھنا واجب ہے کیونکہ بعض اوقات اگر ان چیزوں کا لحاظ نہ رکھا جائے تو الفاظ کے معانی تبدیل ہو جاتے ہیں اسی طرح وقف بالحرکتہ اور وصل بالسکون سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ان باتوں کی تفصیل علم تجوید و قرأت میں مذکور ہے اگرچہ اس علم کے تمام قوانین کی پابندی لازم نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۔ نماز فریضہ میں الحمد کے بعد دوسری سورہ کے وجوب میں اختلاف ہے اشہر و اظہر قول یہ ہے کہ واجب ہے' البتہ خوف و ہراس یا انتہائی عجلت وغیرہ اضطراری حالات میں صرف سورہ فاتحہ پر اکتفا کرنا جائز ہے اور جہاں تک نوافل کا تعلق ہے ان میں تو بحالت اختیاری بھی بالاتفاق صرف سورہ فاتحہ پر اکتفا کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ ۵۔ سورہ الحمد اور دوسری سورہ میں ترتیب واجب ہے یعنی پہلے الحمد اور اس کے بعد دوسری سورہ پڑھنی چاہئے۔ پس اگر کوئی شخص سہوا اس کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرے تو رکوع میں جانے سے پہلے اس کا تدارک کرسکتا ہے یعنی حمد جو پڑھ چکا ہے وہ درست ہے صرف دوسری سورہ کو دوبارہ پڑھ لے تو ترتیب بحال ہو جائے گی اور اگر عمدا" ایسا کرے تو بعض بلکہ اکثر فقہاء کے نزدیک اس کی نماز باطل ہے مگر اقوی یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق اس کا تدارک ہوسکتا ہے اور اگر کوئی مزید احتیاط کرے تو اس کے تدارک کے باوجود نماز کا اعادہ بھی کرے۔

مسئلہ ۶۔ بناء بر مشہور حمد اور دوسری سورہ اور خود ہر ہر سورۃ کے درمیان "موالات" کا ملحوظ رکھنا واجب ہے یعنی مذکورہ مقامات پر نہ تو اس قدر طویل سکوت کرے جو آدمی کو نماز سے خارج

کرے اور نہ ہی درمیان میں کوئی اور چیز پڑھی جائے پس اگر اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کو قرات از سر نو کرنی چاہئے تاکہ موالات حاصل ہو جائے۔

مسئلہ ۷۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد ایک ہی رکعت میں دو سورتوں کا پڑھنا حرام ہے جسے قِران السورتین کہا جاتا ہے اگرچہ کراہت والا قول بھی بلاوجہ نہیں ہے۔

بہرحال اگر ایسا کیا جائے تو احوط یہ ہے کہ اس نماز کا اعادہ کیا جائے۔ البتہ نوافل میں ایسا کرنا جائز ہے اسی طرح نماز ہائے فریضہ میں سے نماز آیات بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

جہرو اخفات کا بیان

مسئلہ ۸۔ نماز صبح کی ہر دو رکعت اور مغرب و عشاء کی پہلی دونوں رکعتوں میں مردوں کے لئے حمد اور دوسری سورہ میں جہر اور ظہر و عصر کی چاروں رکعتوں میں اور مغرب و عشاء کی آخری رکعتوں کی قرات میں اخفات واجب ہے پس اگر کوئی شخص عمداً اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کی نماز باطل متصور ہوگی۔ ہاں جاہل' غافل اور ناسی اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے لئے اعادہ کرنا واجب نہیں ہے عورتوں پر ـــ جہر واجب نہیں ہے البتہ اگر عورت عورتوں کو نماز پڑھائے تو پھر وہ اس قدر جہر کر سکتی ہے کہ اس کی آواز اس کی اقتداء کرنے والیوں تک پہنچ سکے۔

مسئلہ ۹۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جہرو اخفات کا حکم صرف حمد و سورہ یا آخری رکعتوں میں تسبیحات اربعہ کے ساتھ مخصوص ہے باقی رکوع و سجود اور تشہد وغیرہ کے اذکار سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا ان میں نماز گزار کو اختیار ہے کہ جہر کرے یا اخفات البتہ پیشنماز کے لئے ان اذکار میں جہر کرنا افضل ہے تاکہ مقتدی سن سکیں۔

مسئلہ ۱۰۔ نوافل میں جہرو اخفات کی پابندی ضروری نہیں ہے البتہ دن کے نوافل میں اخفات اور رات کے نوافل میں جہر کرنا مستحسن ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ بسم اللہ اس جہرو اخفات کے حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ نماز خواہ جہری ہو یا اخفاتی پہلی دو رکعتوں میں بہر صورت بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا افضل ہے اور یہ چیز مذہب شیعہ کا شعار اور مومن کا وقار ہے چنانچہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مومن کی جو پانچ علامات منقول ہیں ان میں پانچویں علامت بسم اللہ کو با الجہر پڑھنا ہے۔ (اور دوسری چار یہ ہیں (۱) شب و روز میں اکیاون رکعت نماز پڑھنا' (۲) خاک پر سجدہ کرنا' (۳) داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا اور (۴)

زیارت اربعین کرنا۔ (مصباح المتہجد)

ہاں البتہ گر تیسری یا چوتھی رکعت میں تسبیحات اربعہ کی بجائے سورہ حمد پڑھی جائے تو احوط یہ ہے کہ وہاں بسم اللہ میں جہر نہ کیا جائے۔ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۴۰ طبع مصر پر اعتراف کیا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نماز میں بسم اللہ کو بالجہر پڑھتے تھے لیکن سلاطین بنی امیہ نے جناب امیرؑ کے آثار کو مٹانے کے لئے اس کو ختم کر کے اسے آہستہ پڑھنے کو رواج دیا۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

مسئلہ ۱۰:۔ ادا و قضا میں جہر و اخفات کے احکام کی پابندی یکساں لازم ہے ہاں البتہ اگر مرد کی قضا عورت کرے یا عورت کی مرد تو اقرب یہ ہے کہ جہر و اخفات میں قضا کرنے والے کی شرعی تکلیف کو مد نظر رکھا جائے گا۔ لہٰذا اگر قضا کرنے والا مرد ہے تو وہ جہر کرے گا اگرچہ وہ عورت کی نماز قضا پڑھ رہا ہو اور اگر عورت ہے تو وہ اخفات کرے گی اگرچہ مرد کی نماز قضا کر رہی ہو۔ واللہ العالم

مسئلہ ۱۱:۔ نماز جمعہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے یعنی اس میں جہر افضل ہے بلکہ اقوی یہ ہے کہ اگر بروز جمعہ کسی وجہ سے نماز جمعہ نہ پڑھی جاسکے اور اسکی جگہ نماز ظہر پڑھی جائے تو اس میں بھی جہر افضل واولیٰ ہے۔

توضیح

جہر و اخفات کا دار و مدار آواز کے جوہر پر ہے پس اگر اس میں یہ جوہر ہے تو جہر ورنہ اخفات ہاں ظاہراً" جہر کی کم از کم حد یہ ہے کہ اگر کوئی مانع از قسم شور و شغب اور ثقل سماعت وغیرہ نہ ہو تو قریب بیٹھا ہوا آدمی الفاظ کو سن اور سمجھ سکے اور اخفات کی کم ترین حد یہ ہے کہ مذکورہ بالا شرائط کے تحت خود پڑھنے والا سن سکے وبس۔

عزائم اربعہ کا حکم

مشہور و منصور قول یہ ہے کہ واجبی نمازوں میں ان چار سورتوں کا پڑھنا جائز نہیں ہے جن میں واجبی سجدے ہیں (الم سجدہ ۲۱۔ حم سجدہ ۲۴۔ والنجم ۲۷۔ اقرا ۳۰) کیونکہ اگر ان کو پڑھا جائے تو دو خرابیوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی اگر اثناء نماز میں سجدہ (تلاوت) کیا گیا تو مبطل نماز زیادتی لازم آئے گی اور اگر سجدہ ترک کیا گیا تو ترک واجب لازم آئے گا۔ (کیونکہ سجدہ تلاوت کا وجوب بالاتفاق فوری ہے علاوہ بریں اسکے ممنوع ہونے پر نصوص بھی موجود ہیں)

مسئلہ ا۔ بنابریں اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ان سورتوں کو نماز میں پڑھے تو اس کی نماز باطل متصور ہوگی اور اگر بھول کر شروع کردے تو جب تک آیت سجدہ تک نہیں پہنچا اس سے عدول کرنا اور دوسری سورہ کی تلاوت کرنا واجب ہے۔ اگرچہ نصف سے زیادہ پڑھ چکا ہو لیکن اگر اس آیت کو پڑھنے کے بعد یاد آیا تو پھر نماز کی صحت میں اشکال ہے احوط یہ ہے کہ اشارہ کے ساتھ سجدہ کرکے نماز کو مکمل کرے اور بعد ازاں سجدہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نماز کا اعادہ بھی کرے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۲۔ نوافل میں سورِ عزائم کا پڑھنا جائز ہے لہٰذا جب آیت سجدہ پڑھے تو وہیں سجدہ کرے پھر اٹھ کر قرأت کی تکمیل کرے اور اگر سجدہ آخر سورہ میں ہے (جیسے سورہ اقرأ میں) تو سجدہ کرنے کے بعد جب اٹھے تو افضل یہ ہے کہ سورہ حمد کی تلاوت کرکے رکوع میں جائے تاکہ اس کا رکوع تلاوت کے بعد واقع ہو۔ (کما ورد فی النصوص المعصومیہ)

قرأت کے مستحبات

قرأت میں چند چیزیں مستحب ہیں۔ (ا) سورہ فاتحہ کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا اگرچہ بعض اہل علم اس کے وجوب کے قائل ہیں لیکن مشہور و منصور بلکہ مجمع علیہ قول یہ ہے کہ مستحب ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس کی کون سی کیفیت افضل ہے؟ مشہور یہ ہے کہ وہ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" ہے مگر جو الفاظ زیادہ اخبار و آثار میں واقع ہوئے ہیں یہ وہ ہیں۔ "**اعوذ با اللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم**" لہٰذا یہی کیفیت افضل ہے۔

۲۔ اگرچہ جہری نماز ہو مگر اعوذ باللہ کا آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔

۳۔ اگرچہ اخفاتی نماز ہو مگر اس کی پہلی دو رکعتوں میں بسم اللہ کو بالجہر پڑھنا مستحب ہے بلکہ بعض علماء (جیسے شیخ ابو الصلاحؒ اور ابن البراجؒ) تو اس کے وجوب کے قائل ہیں لیکن اشہر و اقوی یہی ہے کہ مستحب ہے۔ وقد تقدم

۴۔ ترتیل = ارشاد قدرت ہے ورتل القرآن ترتیلا"۔ اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ ترتیل کے معنی ہیں سر و تال کے ساتھ پڑھنا تو اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ اہل لغت اور کلام معصومؑ میں اسکے معنی ـــ ترسّل اور تبیین کے گئے ہیں یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور حروف و حرکات کو اچھی طرح واضح کرکے پڑھنا۔

۵۔ جو کچھ ائمہ معصومینؑ کے اخبار و اثار اور فقہاء کرام کے افکار کے تتبع سے واضح و آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام نمازوں میں (سوائے چند مستثنیٰ صورتوں کے) پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورۃ انا انزلنا اور دوسری میں حمد کے بعد قل ہو اللہ پڑھنا افضل ہے ہاں البتہ شب جمعہ کی نماز مغرب میں پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں سبح اسم ربک الاعلی اور اسکی عشاء کی پہلی رکعت میں جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقون (یا سبح اسم ربک الاعلی) پھر بروز جمعہ نماز صبح' نماز جمعہ (یا اس کی جگہ ظہر) اور عصر ہر سہ نمازوں میں پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں منافقون کا پڑھنا افضل بلکہ بعض علماء (جیسے شیخ صدوقؒ) نماز جمعہ یا جمعہ کے دن نماز ظہر میں سورہ جمعہ اور منافقین کی تلاوت کو واجب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح سوموار اور خمیس کی نماز صبح میں پہلی رکعت میں سورہ دھر اور دوسری میں سورہ غاشیہ کا پڑھنا افضل ہے۔

(۶) بروز جمعہ نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں جہر کرنا افضل ہے واضح رہے کہ یہ حکم پیشنماز اور منفرد کے لئے مساوی ہے۔وقد تقدم

۷۔ حمد و سورہ کی تلاوت کے بعد بمقدار سانس لینے کے توقف کرنا اور پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جانا اسی طرح حمد اور دوسری سورہ کے درمیان بھی سکتہ مستحب ہے۔

۸۔ سورۃ قل ہو اللہ ختم کرنے کے بعد تین بار یا ایک بار **کذالک اللہ ربی** "کہنا اسی طرح سورہ حمد کے اختتام پر ماموم ہو یا منفرد اس کا ایک بار "الحمد للہ رب العالمین" پڑھنا۔

۹۔ جب آیات نعمت و رحمت پڑھے تو اس کا خدا سے سوال کرے اور جب آیات نقمت و عذاب پڑھے تو اس سے خدا کی پناہ مانگے اور جب ایسی آیات پڑھے جن کا سرنامہ **یا ایھا الذین امنوا** ہے تو کہے لبیک ربنا۔

۱۰۔ تمام نماز پنجگانہ میں نہیں تو بعض میں ضرور سورۃ توحید (قل ہو اللہ) پڑھے الا اگر پنجگانہ نمازوں میں سے کسی نماز میں بھی اسے نہ پڑھا گیا تو یہ نحو مکروہ ہوگا۔ **تلک عشرہ کاملۃ**

قرأت کے بعض متعلقہ احکام و مسائل

مسئلہ ا۔ مشہور یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنے سے پہلے سورہ کی تعین واجب ہے بلکہ اکثر حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ سورہ حمد پڑھتے وقت دوسری سورہ کی تعین ضروری ہے مگر کلام معصومؑ سے اس امر کی تائید نہیں ہوتی اور سورہ براءۃ کے سوا بسم اللہ ہر سورہ کا جز ہے لہٰذا اگر بلا تعین سورۃ بھی اسے پڑھ لیا جائے تو بعد ازاں جو سورۃ بھی شروع کی جائے گی۔ بسم اللہ اسی کا جز بن جائے گی

علی الاقوی ہاں احوط یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنے سے قبل سورہ کی تعیین کرلی جائے اور مشہور کی اتباع کی جائے۔

مسئلہ ۲۔ اگر نماز گزار کا قصد کسی سورہ کے پڑھنے کا تھا مگر سبقت لسانی سے بھول کر کوئی اور سورہ شروع کردی تو مشہور بین الفقہا یہ ہے کہ وہ سورہ جو اس نے بھول کر شروع کی ہے اگر تو سورہ جحد (قل یا ایہا الکافرون) یا سورہ توحید (قل ہو اللہ احد) ہے تو پھر تو اس کے شروع کرتے ہی اس سے عدول کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی دوسری سورہ ہے تو پھر اگر نصف سورہ تک پہنچنے سے قبل یاد آجائے تو رجوع جائز ہے اور اگر نصف تک پہنچے یا اس کے بعد یاد آئے تو پھر رجوع جائز نہیں ہے مگر تحقیقی قول یہ ہے کہ سورہ جحد توحید کے علاوہ دوسری سورتوں میں تو ہر وقت اور بہر صورت عدول جائز ہے ہاں البتہ عام حالات میں سورہ جحد توحید سے عدول جائز نہیں ہے مگر بروز جمعہ نماز جمعہ میں ان سے سورہ جمعہ اور منافقین کی طرف عدول کرنا جائز ہے اور اس نصف کی قید پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔ بل الدلیل علی خلافہ کما عن عبید بن زرارہ فی الموثق عن ابی عبداللہ علیہ السلام فی الرجل یرید ان یقرء السورۃ فیقرء غیرھا فقال لہ ان یرجع ما بینہ وبین ثلثیھا (فروع کافی۔ استبصار)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو ثلث تک عدول جائز ہے۔

مسئلہ ۳۔ مشہور یہ ہے (جس کی بعض آثار سے بھی تائید مزید ہوتی ہے) کہ سورہ الضحیٰ اور الم نشرح درحقیقت ایک سورہ ہے اسی طرح سورہ فیل اور قریش ایک سورہ ہے لہٰذا اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کو نماز میں پڑھے تو دوسری کو بھی اس کے ہمراہ پڑھنا لازم ہے۔

مسئلہ ۴۔ تمام علماء شیعہ اور اکثر دیگر علماء اسلام کے نزدیک معوذتین (سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) جزء قرآن ہیں لہٰذا بلا اشکال واجبی نمازوں میں ان کا پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ ۵۔ سورہ فاتحہ کے بعد "آمین" کہنے کی حرمت و کراہت میں فی الجملہ فقہاء میں اختلاف ہے۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ حرام ہے اور آیا مبطل نماز بھی ہے یا نہ؟ حرمت کے قائلین کے درمیان بھی اس بارے میں اختلاف ہے احوط وجوبی یہ ہے کہ اس کے کہنے کی صورت میں نماز کا اعادہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ آدمی کا کلام ہے جو نہ قرآن ہے اور نہ دعا بلکہ دعا کے بعد کہی جاتی ہے اور اسم فعل بمعنی استجب ہے اور یہاں اس کا کہنا ویسے بھی بے محل ہے کیونکہ سورہ فاتحہ قرآن ہے نہ کہ دعا۔ کمالا یخفی

رکوع کا بیان

لغت عرب میں "رکوع" کے معنی ہیں۔ "جھکنا" چونکہ نماز کے واجبات میں سے چوتھا واجب ہے اور بناء بر مشہور رکن بھی ہے جو احکم الحاکمین کی عظمت و جلالت کے سامنے اپنی عاجزی و درماندگی کے اظہار کی علامت ہے نیز اس شہنشاہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر دلالت کرتا ہے اور اس کی تعظیم و تجلیل کی بین دلیل ہے یہ سوائے نماز آیات کے کہ اس کی ہر رکعت میں پانچ رکوع ہوتے ہیں دوسری ہر نماز کی ہر رکعت میں صرف ایک بار واجب ہے اور ہر حال میں اس کی کمی اور زیادتی موجب بطلان نماز ہے۔

واجبات رکوع اور اسکے احکام: اگر غلطی سے رکوع ترک ہو جائے اور سجدہ میں سر رکھنے سے پہلے یاد آجائے تو واجب ہے کہ کھڑے ہو کر رکوع بجالائے اور اگر ہر دو سجدہ کے بعد یاد آئے تو نماز باطل ہے اور اگر ایک سجدہ کے بعد یاد آئے تو اٹھکر رکوع بجالائے اور پھر دونوں سجدے بجالاکر نماز کو مکمل کرے اور احوط یہ ہے کہ پھر اس نماز کا اعادہ بھی کرے اور ایک سجدہ کی زیادتی کیلئے سجدہ سہو بھی کرے واللہ العالم۔

اس رکوع کے کچھ واجبات ہیں کچھ مستحبات اور کچھ مکروہات۔ ذیل میں ان کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے چنانچہ رکوع میں پانچ چیزیں واجب ہیں۔

اول: اقوی یہ ہے کہ اس قدر جھکنا واجب ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور احوط بلکہ افضل یہ ہے کہ ہتھیلیاں گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ (مسائل)

مسئلہ ۱۔ اگر کسی شخص کے ہاتھ معمولی طور پر لمبے یا چھوٹے ہوں یا قطع شدہ ہوں تو اس کو صرف اس قدر جھکنا چاہیے جس قدر ایک متوسط قدوقامت کا آدمی جھکتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص جھک نہ سکتا ہو تو اس کو بقدر امکان جھکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص قدرتی طور پر جھکا ہوا ہو تو اس کو اس سے تھوڑا سا زیادہ جھکنے کی سعی کرنا چاہیے

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی کھڑے ہو کر رکوع نہ کر سکے (جس کی تفصیل قیام میں گزر چکی ہے) تو بیٹھ کر رکوع کرے گا۔ اس صورت میں اسے اس قدر جھکنا چاہیے۔ کہ اس کا سر اس کے گھٹنوں کے برابر ہو جائے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔

دوم۔ ذکر رکوع، رکوع میں تسبیح یا اس کی بجائے کوئی بھی ذکر خدا واجب ہے کم از کم ایک بار

تسبیح اکبر سبحان ربی العظیم و بحمدہ یا تین بار تسبیح اصغر سبحان اللہ کا پڑھنا واجب ہے اگر ہر دو (اکبر و اصغر) کو جمع کر دیا جائے یا تسبیح اکبر کو تین بار پڑھا جائے تو افضل ہے بیماری، خوف، جلدی یا کسی اور شرعی ضرورت کے تحت صرف ایک بار تسبیح اصغر سبحان اللہ کہنے پر اکتفا کی جاسکتی ہے اور اگر کوئی اور ذکر کرنا چاہے تو بمقدار تسبیح "اللہ اکبر" "لا الہ الا اللہ" "الحمد للہ" وغیرہ اذکار بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔

سیوم۔ طمانیت یعنی بمقدار ذکر واجب کی ادائگی کے رکوع میں آرام و سکون واجب ہے اگر حرکت کی حالت میں ذکر کیا جائے تو باطل ہو جائے گا۔

چہارم۔ رکوع سے سر اٹھانا اور سیدھا کھڑا ہونا واجب ہے۔

پنجم۔ اس حالت میں طمانینت اور آرام و سکون بھی واجب ہے اس وقت کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور افضل یہ ہے کہ وہیں کھڑے کھڑے تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے نہ یہ کہ سجدہ میں گرتا بھی جائے اور تکبیر بھی کہتا جائے الغرض پوری نماز میں صرف ایک ذکر ایسا ہے جو حرکت کی حالت میں کیا جاسکتا ہے اور وہ ہے اٹھتے وقت بحول اللہ وقوتہ اقوم واقعد اس کے علاوہ کوئی بھی واجبی یا مستحبی ذکر حالت حرکت میں نہیں کرنا چاہیے۔

ایضاح۔ احتیاط وجوبی یہ ہے کہ حالت رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا جائے۔

مستحبات رکوع

رکوع میں دس امور مستحب ہیں۔

۱۔ رکوع میں جھکنے سے پہلے رکوع کے لئے تکبیر کہنا بعض علماء کرام (جیسے جناب ابن ابی عقیل" و جناب سلار") اس تکبیر کے وجوب کے قائل ہیں اس لئے اس کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ مذکورہ بالا تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں کی لوؤں تک بلند کرنا جیسا کہ قبل ازیں تکبیرۃ الاحرام کے بیان میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۳۔ رکوع کے وقت ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر گھٹنوں پر رکھنا اور ان کو پیچھے کی طرف دبانا۔

۴۔ اس طرح برابر جھکنا کہ اگر پشت پر پانی کا قطرہ گرایا جائے تو وہیں ٹھہر جائے اور نیچے نہ گرنے پائے۔

۵۔ گردن کو بھی پشت کے بالمقابل کھینچ کر رکھنا اور اسے نیچے نہ جھکانا۔

۶۔ تسبیحات کبری کا تین یا پانچ یا سات بار پڑھنا الغرض جس قدر طاق اور زیادہ مقدار میں پڑھا جائے افضل ہے البتہ بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ سات بار کمال کی آخری حد ہے۔

۷۔ حالت رکوع میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود پڑھنا (اللھم صلی علی محمّد و ال محمّد)

۸۔ حالت رکوع میں نظر کا دونوں پاؤں کے درمیان رکھنا یا آنکھوں کا بند رکھنا۔

۹۔ سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد الحمد للہ رب العالمین پڑھنا۔

۱۰۔ پیشنماز کے لئے رکوع وغیرہ کے تمام اذکار کو اس قدر باآواز بلند پڑھنا کہ مقتدی سن سکیں۔

مکروہات رکوع

چند چیزیں رکوع میں مکروہ ہیں (اور اسی طرح سجود میں بھی)

۱۔ قرآن کی تلاوت کرنا (کیونکہ یہ مقام صرف خدا کی حمد و ثنا اور دعا کرنے کا ہے)

۲۔ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ کپڑوں کے اندر ہاتھ رکھ کر رکوع کرنا مکروہ ہے مگر یہ کراہت ثابت نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر ہاتھ ظاہر ہوں تو افضل ہے جیسا کہ جناب محمد بن مسلم کی روایت باقریؑ میں وارد ہے ظاہر ہے کہ کسی عمل کا افضل ہونا اور ہے اور اس کے ترک کا مکروہ ہونا اور۔

۳۔ حالت رکوع میں گردن کا نیچے جھکانا۔

۴۔ دونوں ہاتھوں کو اکٹھا کر کے دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھنا واللہ العالم

سجدہ کا بیان

سجدہ اپنے پروردگار کی کبریائی و بڑائی اور اپنی حقارت و درماندگی اور عجز و انکسار کے اظہار کا آخری درجہ ہے کہ اس میں انسان اپنے جسم کے عزیز و شریف ترین اعضاء یعنی سر اور منہ کو سلطان السلاطین اور احکم الحاکمین کے آستانہ عالیہ کی چوکھٹ پر رگڑتا ہے اسی لئے کلام معصومؑ میں وارد ہے کہ (قرب معنوی کے اعتبار سے) بندہ سب حالات سے زیادہ حالت سجدہ میں اپنے پروردگار کے قریب ہوتا ہے اور اسی وجہ سے حدیث میں سجدہ کے بڑے بڑے فضائل مروی ہیں۔

سجدہ کے لغوی معنی ہیں خضوع اور جھکنا اور شرعی معنی ہیں پیشانی کا زمین یا جو چیز زمین سے اگتی ہے (بشرطیکہ ماکول و ملبوس نہ ہو) پر رکھنا الغرض ہر رکعت میں دو سجدوں کا واجب ہونا قرآن مجید کلام معصومین علیہم السلام اور اجماع علمائے اسلام سے ثابت ہے بلکہ بناء بر مشہور رکن نماز ہے البتہ واجب یا (رکن) دونوں سجدوں کا مجموعہ ہے اس لئے دونوں سجدوں کی کمی یا زیادتی سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر صرف ایک سجدہ کی کمی یا زیادتی ہو جائے تو کمی کی صورت میں اگر اگلی رکعت کے رکوع سے پہلے یاد آجائے تو اس کو بجالائے اور اگر رکوع کے بعد یاد آئے تو پھر سلام کے بعد اس کی قضا کرے اور زیادتی کی صورت میں سجدہ سہو کرنے سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

واجبات سجود اور اس کے احکام

سجدہ میں کچھ امور واجب ہیں کچھ مستحب اور کچھ مکروہ کلام معصوم کی روشنی میں ذیل میں ان کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

واجبات چھ ہیں

(۱) اعضاء سبعہ (سات اعضاء) ۱۔ پیشانی ۲۔۳' دونوں ہتھیلیاں ۴۔۵ دو گھٹنے ۶۔۷' دونوں پاؤں کے انگوٹھے) پر سجدہ کرنا۔

مسائل

مسئلہ ۱۔ جس شخص کے یہ تمام اعضا یا بعض اعضا کٹے ہوئے ہوں وہ بموجب **المیسور لایسقط بالمعسور** باقیماندہ حصہ کو زمین پر رکھے گا۔

مسئلہ ۲۔ ان اعضاء کے تمام اجزاء پر سجدہ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ اتنی مقدار کافی ہے کہ جس پر سجدہ کرنے کا اطلاق ہو جائے۔

مسئلہ ۳۔ اگرچہ بظاہر انگوٹھوں کے ظاہری اور باطنی کسی بھی حصہ کا زمین پر رکھ دینا کافی ہے مگر افضل یہ ہے کہ انگوٹھوں کے سرے رکھے جائیں۔

مسئلہ ۴۔ صرف ان اعضاء کا زمین پر رکھنا کافی نہیں بلکہ ان پر کچھ نہ کچھ جسم کا بوجھ ڈالنا بھی ضروری ہے تاکہ ان اعضاء پر سجود صادق آسکے۔

دوم۔ جس چیز پر سجدہ صحیح ہے (زمین یا جو چیز زمین سے اگتی ہے بشرطیکہ کھانے پینے اور پہننے کے استعمال میں نہ آئے) اس پر پیشانی کا رکھنا جس کی تفصیل مکان مصلی میں گزر چکی ہے ہاں البتہ

دوسرے چھ اعضاء میں یہ شرط نہیں ہے وہ کسی بھی چیز پر رکھے جاسکتے ہیں۔

مسائل

مسئلہ ۱۔ دوسرے اعضاء کی طرح پیشانی میں بھی اتنی مقدار کا رکھنا کافی ہے جس پر سجدہ کا اطلاق صحیح ہو۔ اگرچہ سرانگشت کے برابر ہو ہاں اگر بقدر درہم یا اس سے زیادہ ہو تو افضل ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر غلطی سے پیشانی کسی ایسی چیز پر رکھ دی جائے جس پر سجدہ جائز نہیں ہے تو اسے گھسیٹ کر اس چیز پر رکھے جس پر سجدہ جائز ہے اور سر کو اٹھا کر دوبارہ نہ رکھا جائے کیونکہ اس طرح سجدہ کی زیادتی لازم آتی ہے۔ اور یہی حکم اس صورت کا ہے جب زیادہ بلند یا پست جگہ پر غلطی سے پیشانی رکھ دی جائے۔

مسئلہ ۳۔ جس شخص کی پیشانی پر کوئی دمل یا زخم ہو جس کی وجہ سے سجدہ نہ کر سکتا ہو۔ تو اس کی تکلیف شرعی یہ ہے کہ زمین میں چھوٹا سا گڑھا کھودے اور اس کے اوپر پیشانی رکھ کر سجدہ کرے تاکہ دمل یا زخم والا مقام اس میں آجائے اور باقی ماندہ پیشانی پر سجدہ ہو جائے (نوٹ) مٹی یا لکڑی سے بھی اس قسم کی چیز بنائی جاسکتی ہے جو زمین میں گڑھے کا کام دے اور اگر وہ دمل یا زخم ساری پیشانی کو محیط ہو تو پھر پہلے دائیں جبین پر اور اگر اس پر بھی ممکن نہ ہو تو پھر بائیں جبین پر اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو پھر اپنی ٹھوڑی پر سجدہ کرے گا۔ اس کے بعد اشارہ کی نوبت آئے گی۔

سوم۔ اس قدر جھکنا کہ کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے کی جگہ برابر ہو جائے ہاں البتہ اگر بقدر ایک اینٹ کے عرض کے جو تقریباً" چار انگشت بستہ کے برابر ہوتا ہے سجدہ والی جگہ کھڑے ہونے کی جگہ سے بلند یا پست ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اس سے زیادہ نہیں ہاں البتہ دیگر اعضاء میں بناء برا قوی اس بلندی و پستی کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ **وان کان احوط)**

چہارم۔ حالت سجدہ میں ذکر کرنا اسی تفصیل کے ساتھ جو ذکر رکوع میں گزر چکی ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں تسبیح اکبر میں **سبحان ربی العظیم و بحمدہ** اور یہاں **العظیم** کی جگہ **الاعلی** ہے یعنی **سبحان ربی الاعلی و بحمدہ**

پنجم۔ سجدہ میں بقدر ادائے ذکر واجب طمانیت و سکون اسی تفصیل کے ساتھ جو رکوع میں گزر چکی ہے۔

ششم۔ پہلے سجدہ سے سر اٹھانا اور باطمینان و آرام بیٹھنا (اور پھر دوسرے سجدہ میں جانا)

مستحبات سجدہ

سجود میں پندرہ چیزیں مستحب ہیں جن میں سے بعض مؤکدہ اور بعض غیر مؤکدہ ہیں **وهنا تفصیلها۔**

۱۔ سجدہ میں جاتے وقت اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہنا۔

۲۔ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اور سجدہ میں جھکنے سے پہلے بحالت قیام تکبیر کہنا

۳۔ تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کا کانوں کی لوؤں تک بلند کرنا۔

۴۔ سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھوں کا زمین پر رکھنا اور اٹھتے وقت پہلے گھٹنوں کا اٹھانا لیکن یہ ملحوظ رہے کہ یہ استحباب صرف مردوں کے ساتھ مختص ہے عورتوں کیلئے اس کا الٹ مستحب ہے۔ یعنی ان کیلئے سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر ٹیکنا اور اٹھتے وقت پہلے ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

۵۔ حالت سجدہ میں کہنیوں کا پرندہ کے پروں کی طرح جسم سے علیحدہ پھیلا کر رکھنا یہ استحباب بھی مردوں کے ساتھ مخصوص ہے عورتوں کیلئے تمام اعضاء کو سجدہ میں سکیڑ کر رکھنا افضل ہے۔

۶۔ ہتھیلیوں کا زمین پر اس طرح رکھنا کہ اصل زمین کو مس کر سکیں۔

۷۔ ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم ملا کر کانوں کے برابر سیدھا قبلہ کی جانب رکھنا۔

۸۔ زمین پر۔ بالخصوص تربت حسینیہؑ پر سجدہ کرنا۔

۹۔ حالت سجدہ میں جس چیز پر سجدہ جائز ہے اس پر ناک کے کسی حصہ کو رکھنا مستحب موکد ہے اور اگر ناک کا وہ بالائی حصہ جو آبروؤں سے ملا ہوا ہے رکھا جائے تو افضل ہے۔

۱۰۔ حالت سجود میں دین و دنیا کے ہر جائز مقصد کیلئے دعا کرنا کیونکہ یہ خدا سے انتہائی قرب کا مقام ہے بالخصوص وسعت رزق کیلئے بایں طور دعا کرنا۔ **یا خیر المسئولین و یا خیر المعطین**

ارزقنی وارزق عیالی فانک ذوالفضل العظیم۔

علاوہ بریں بھی بہت سی دعائیں منقول ہیں جو مفاتیح الجنان وغیرہ کتب ادعیہ ہیں مذکور میں جن کا پڑھنا اس موقع پر مستحب ہے۔

۱۱۔ بنا برمشہور حالت سجدہ میں ناک کی نوک اور دونوں سجدوں کے درمیان اپنی گود کی طرف نظر رکھنا ——— اگرچہ اس استحباب کا کوئی معتبر ماخذ معلوم نہیں ہو سکا واللہ العالم۔

۱۲۔ دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد دوسری یا چوتھی رکعت کیلئے اٹھنے سے پہلے تھوڑا سا توقف کرنا (جسے جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے)

۱۳۔ دونوں سجدوں کے درمیان ' دوسرے سجدہ کے بعد اور حالت تشہد میں بطور "تورک" بیٹھنا اور اس کی کیفیت میں فی الجملہ فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اشہر و اظہر یہ ہے کہ بائیں ران اور بائیں سرین پر زور دے کر بیٹھنا اور دونوں پاؤں اس طرح دائیں طرف نکالنا کہ بائیں پاؤں کے تلوے پر دائیں پاؤں کی پشت ہو۔

۱۴۔ دونوں سجدوں کے درمیان مستحبی دعاؤں کا پڑھنا کم از کم ایک بار استغفار کرنا بایں طور **استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔**

۱۵۔ دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے یا تشہد کے بعد اٹھتے وقت منقولہ دعائیں پڑھنا اور اذکار کرنا سب سے زیادہ مختصر یہ ہے کہ **بحول اللہ وقوتہ اقوم واقعد۔**

روایت صادقی میں وارد ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام اٹھتے وقت یہی ذکر کیا کرتے تھے بعض روایات میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی مروی ہے۔ **"وارکع واسجد"**

مکروہات سجدہ

سجدہ میں چند چیزیں مکروہ ہیں۔

۱۔ دونوں سجدوں کے درمیان یا جلسہ استراحت میں یا تشہد میں بطور اقعاء بیٹھنا اس کی کیفیت میں ارباب لغت کے بیان میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے پھر اس کی وجہ سے فقہاء کے کلام میں بھی فی الجملہ اختلاف ہے مگر اس کی مشہور کیفیت یہ ہے کہ پاؤں کی انگلیوں پر زور دے کر اور ایڑیاں اوپر کر کے ان پر بیٹھنا۔

۲۔ جائے سجدہ میں پھونک مارنا۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **لا ینفخ الرجل فی موضع سجودہ ولا ینفخ فی طعامہ ولا شرابہ ولا فی تعویذہ۔** یعنی چار مقامات پر پھونک مارنا مکروہ ہے مقام سجدہ پر کھانے اور پینے کی چیزوں پر اور تعویذ پر حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا **یکرہ النفخ فی الرقی والطعام وموضع السجود** یعنی کلام پڑھ کر دم کرنا اور کھانے پر۔ اور سجدہ کے مقام پر پھونک مارنا مکروہ ہے۔ (الخصال)

سجدہائے قرآنی

قرآن میں پندرہ مقامات پر سجدے ہیں جن میں سے چار مقامات الم سجدہ ۲۱ حم سجدہ ۲۴ النجم ۲۷

اور اقرا ۳۰ میں سجدہ واجب ہے اور باقی گیارہ مقامات پر مستحب ہے بناء بر مشہور بین الفقہاء اس سجدۂ تلاوت میں سجدہ نماز والی شرائط اور پابندیوں کا لحوظ رکھنا ضروری نہیں ہے لہٰذا یہ سجدہ بے طہارت' خلاف قبلہ' بغیر اعضاء سبعہ اور بلاقید ما یصح علیہ السجود کے کیا جاسکتا ہے۔ ہاں البتہ ان قیود کا ملحوظ رکھنا افضل ہے نیز اس سجدہ میں جاتے وقت تکبیر نہیں ہے ہاں البتہ سر اٹھاتے وقت تکبیر کہنا مستحب ہے اسی طرح اس میں کوئی سا ذکر خدا کیا جاسکتا ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ درج ذیل دعا پڑھی جائے۔ **سجدت لک یا رب تعبدا ورقا لا مستکبرا عن عبادتک ولا مستنکفا ولا متعظما بل انا عبد ذلیل مستجیر۔**

یا یہ دعا پڑھی جائے۔ **لا الہ الا اللہ حقا حقا لا الہ الا اللہ ایمانا وتصدیقا لا الہ الا اللہ عبودیۃ ورقا سجدت لک یا رب تعبدا ورقا لا مستنکفا ولا مستکبرا بل انا عبد ذلیل خائف مستجیر۔** مخفی نہ رہے کہ ان سجدوں کا وجوب بالاتفاق فوری ہے۔

یعنی آیات سجدہ کی تلاوت کرتے یا توجہ سے سنتے (اور علی الاحوط اتفاقاً" سن لینے کی صورت میں بھی) اسی وقت سجدہ واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر اس وقت نہ کیا جائے تو جب بھی کیا جائے گا تو علی الاظہر نماز زلزلہ کی طرح ادا ہی ہوگا۔

سجدہ شکر کا بیان

چند مقامات پر سجدہ شکر کرنا مستحب ہے اور شرعاً" مرغوب و محبوب ہے۔

(۱) نماز ہائے پنجگانہ ادا کرنے کے بعد۔ کیونکہ اس سے نماز کی کمی پوری ہوتی ہے' رب راضی ہوتا ہے' ملائکہ خوش ہوتے ہیں' شیطان نادم ہوتا ہے' حسنات درج ہوتے ہیں' گناہ معاف ہوتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

(۲) ہر نعمت کے حصول کے بعد

(۳) کسی تکلیف و مصیبت کے دور ہونے کے بعد

(۴) اصلاح بین الناس کرانے (یعنی دو روٹھے ہوئے اسلامی بھائیوں کو منانے کے) بعد۔

(۵) الغرض ہر کار خیر کی انجام دہی کے بعد اور ان اسباب کے علاوہ ویسے بھی خوشنودی خدا کے لئے بکثرت سجدہ کرنا اور سجدہ کو طول دینا شرعاً" نہایت پسندیدہ عمل ہے اسی لئے ہمارے پیشوایان دین بکثرت اور طویل سجدے کیا کرتے تھے۔

اس کی کیفیت

سجدہ شکر میں جاتے وقت یا اس سے سر اٹھاتے وقت تکبیر (اللہ اکبر) کہنا وارد نہیں ہے اس میں نہ تشہد ہے نہ سلام اور نہ ہی اس میں کوئی ذکر کرنا شرط ہے بلکہ صرف نیت کرکے پیشانی زمین پر رکھ دینا ہی کافی ہے اسی طرح ایک سجدہ ہی کافی ہے۔

اگرچہ افضل یہ ہے کہ دوبارہ کیا جائے اور درمیان میں دایاں اور بایاں رخسار زمین پر رکھا جائے جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے ذکر یا دعا سجدہ شکر میں شرط نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ استجابت دعا کا مقام اور عبد و معبود کے درمیان راز و نیاز کی باتیں کرنے کا بہترین موقع ہے اس واسطے اس مقام پر ائمہ طاہرین علیہم السلام سے بکثرت چھوٹی بڑی دعائیں منقول ہیں جن کا ایک اچھا ذخیرہ وسائل الشیعہ اور مستدرک الوسائل میں مذکور ہے بعض دعائیں بہت لمبی ہیں بعض بالکل مختصر، ہم مختلف روایات سے بعض اجزاء لے کر یہاں ذکر کرتے ہیں اس لئے کہ یہ اجزاء کسی ایک روایت میں مجتمع نہیں ہیں ویسے تو صرف سو بار "شکراً" یا سو بار "عفواً" یا کم از کم تین بار شکراً للہ کہہ دینا ہی کافی ہے۔ (جیسا کہ امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے) مگر احوط یہ ہے کہ اس ترتیب کے مطابق عمل کیا جائے۔ سجدہ میں سر رکھتے ہی تین بار کہے۔ **یا اللہ یا ربہ یا سیداہ۔**

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب بندہ اس طرح اپنے خدا کو پکارتا ہے تو خدا جواب میں فرماتا ہے میرے بندے بتا تیری حاجت کیا ہے؟ (مستدرک) تب وہ یہ دعا پڑھے جو جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ **لا الہ الا اللہ حقا حقا سجدت لک یا رب تعبدا ورقا وایمانا وتصدیقا یا عظیم ان عملی ضعیف فضاعفہ لی یا کریم یا جبار اغفرلی ذنوبی وجرمی وتقبل عملی یا کریم یا جبار۔**

اور اگر اس سے بھی مختصر دعا پڑھنا چاہے تو اس دعا کو بکثرت پڑھے جو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے۔ **اللھم انی اسئلک الراحۃ عند الموت والعفو عند الحساب**

اور اگر اس سے بھی مختصر تر پڑھنا چاہے تو وہ دعا تین بار پڑھے جو جناب امیر علیہ السلام سے منقول ہے۔ **انی ظلمت نفسی فاغفرلی** (مستدرک الوسائل)

بعد ازاں دایاں رخسار زمین پر رکھے اور اس وقت یہ دعا تین بار پڑھے جو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے۔ **یا کھفی حین تعیینی المذاھب و تضیق علی الارض بما رحبت یا باری خلقی رحمۃ بی و کنت عن خلقی غنیا صل علی محمد وال محمد وعلی المستحفظین من**

آل محمد۔

اس کے بعد بایاں رخسار زمین پر رکھ کر یہ دعا تین بار پڑھے۔ **یا مذل کل جبار ویا معز کل ذلیل قلو عزتک بلغ مجہودی الفرج عنی**

بعد ازاں دوبارہ سجدہ میں سر رکھ کر سو بار "شکرا" یا سو بار "عفوا" "عفوا" کہہ کر اپنی حاجت طلب کرے۔ (وسائل الشیعہ) یا ان دعاؤں کی بجائے وہ دعائیں پڑھے جو حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام سے مروی ہیں جو مزید مختصر ہیں۔ دایاں رخسار زمین پر رکھ کر یہ دعا تین بار پڑھے۔ **بُؤت الیک بذنبی عملت سوء وظلمت نفسی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب غیرک یا مولای۔**

پھر بایاں رخسار زمین پر رکھ کر تین بار یہ دعا پڑھے۔ **ارحم من اساء واقترف واستکان واعترف۔** (حدائق ناضرۃ)

نیز وارد ہے کہ جب خدا کسی کو کوئی نعمت دے تو بندہ ادائے شکریہ کے واسطے یہ پڑھے۔ **سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین. وانا الی ربنا لمنقلبون الحمد للہ رب العلمین** (من لا یحضرہ الفقیہ)

سجدہ شکر میں مستحب ہے کہ سینہ وشکم (اگر ممکن ہو) اور ہاتھوں کو کہنیوں تک زمین کے ساتھ لگا کر اور پھیلا کر رکھا جائے۔ باقی سجدہ نماز والی شرائط کی پابندی یہاں ضروری نہیں ہے۔

فائدہ = بعض اخبار و آثار میں وارد ہے کہ نماز کے بعد مقام سجود پر دایاں ہاتھ پھیر کر منہ اور سینہ پر پھیرنے سے ہر قسم کا ہم و غم اور مرض دور ہوتا ہے چنانچہ ازالہ حزن کے لئے تین بار یہ دعا پڑھے۔ **بسم اللہ الذی لا الہ الا ہو عالم الغیب والشہادۃ الرحمن الرحیم اللھم اذھب عنی الھم والحزن۔**

پہلے منہ کی بائیں طرف پھر دائیں طرف پھیرے۔ تین بار یہی عمل کرے اور مرض و درد وغیرہ کے ازالہ کے لئے سات بار جائے سجدہ کو مس کرکے منہ پر پھیرتا جائے اور یہ دعا بھی پڑھتا جائے۔ **یا من کبس الارض علی الماء وسدا لھواء بالسماء واختار لنفسہ احسن الا سماء صل علی محمد وال محمد وافعل بی کذا** (یہاں اپنی حاجت کا ذکر کرے) **وارزقنی وعافنی من کذا۔** یہاں اپنی بیماری کا نام لے) مخفی نہ رہے کہ ان دعاؤں کے بغیر بھی دایاں ہاتھ مقام سجدہ پر پھیر کر تمام منہ اور سینہ پر پھیرنے سے امراض و اسقام سے شفا ملتی ہے جو سنت بھی ہے اور سعادت بھی۔

غیر خدا کے لئے سجدہ جائز نہیں ہے

چونکہ تمام عبادات میں سے افضل عبادت نماز اور نماز کے تمام اجزاء و واجبات میں سے افضل سجدہ ہے اور اس سے بڑھ کر عجز و انکسار، مسکنت و درماندگی اور خشوع و خضوع کا اظہار ناممکن ہے اس لئے بالاتفاق سجدہ خداوند کریم کی ذات کے ساتھ مختص ہے جو ہر قسم کی بزرگی و کبریائی کا مرکز ہے اس لئے کسی قسم کا سجدہ غیر خدا کے لئے جائز نہیں ہے۔ یہ تعظیمی و تعبیدی کی اصطلاحات خانہ ساز ہیں اگرچہ ہم اس موضوع پر اپنی کتاب احسن الفوائد میں بڑی تفصیل کے ساتھ تبصرہ کرچکے ہیں مگر یہاں چاہتے ہیں کہ صرف بعض اعلام کی فرمائش درج کردیں جو فقہ جعفری کے اہم ستون ہیں۔ آیۃ اللہ الفقیہ آقا السید محمد کاظم الطبا طبائی اعلی اللہ مقامہ اپنی کتاب العروۃ الوثقیٰ مطبوعہ طہران (جو موجودہ دور کے سب سے بڑے پانچ مراجع تقلید کے حواشی سے مزین ہے) کے ص ۲۳۷ پر فرماتے ہیں۔ **یحرم السجود لغیر اللہ تعالی فانہ غایۃ الخضوع فیختص بمن ہو فی غایۃ الکبریاء والعظمۃ وسجدۃ الملائکۃ لم تکن لآدم بل کان آدم قبلتہم و کما ان سجدۃ یعقوب و ولدہ لم تکن لیوسف بل للہ تعالی شکرا حیث راوا ما اعطاہ اللہ من الملک فما یفعلہ الشیعۃ عند قبر امیر المومنین وغیرہ من الائمۃ علیہم السلام۔ مشکل الا ان یقصد وابہ سجدۃ الشکر۔ لتوفیق اللہ تعالی لہم لادراک الزیارۃ الخ**

اسی طرح استاد استاد حضرت آیۃ اللہ الفقیہ آقا السید محسن الطبا طبائی اعلی اللہ مقامہ الحکم مقامہ اپنے رسالہ منہاج الصالحین ج ۱ ص ۹ ہ طبع النجف میں فرماتے ہیں۔ **یحرم السجود لغیر اللہ تعالی من دون فرق بین المعصومین علیہم السلام وغیرہم وما یفعلہ الشیعۃ فی مشاہد الائمۃ لا بد ان یکون اللہ شکرا علی توفیقہم لزیارتہم والحضور فی مشاہدہم جمعنا اللہ تعالی وایاہم فی الدنیا والآخرۃ وہو ارحم الراحمین۔** ہر دو عبارات شریفہ کا حاصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لئے سجدہ حرام ہے۔ خواہ کسی معصومؑ کو کیا جائے یا غیر معصومؑ کو کیونکہ سجدہ میں عاجزی کی انتہا ہے تو یہ صرف اسی ذات سے مختص ہے جو کبریائی و بڑائی کی انتہا پر فائز ہے اور وہ خدا ہے اور ملائکہ کا سجدہ آدم کو نہ تھا بلکہ آدم کو قبلہ بنا کر خدا کو سجدہ کیا تھا اسی طرح جناب یعقوبؑ اور انکے بیٹوں نے جناب یوسفؑ کو سجدہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کا ملک و اقبال دیکھ کر سجدہ شکر ادا کیا تھا بنابریں شیعہ حضرات جناب امیرالمومنینؑ یا ائمہ طاہرینؑ کے مشاہد مقدسہ میں سجدہ کی جو شکل بناتے ہیں تو اس سے اگر ان کا مقصد خدا کا سجدہ شکر ادا کرنا ہے جس نے ان کو ان ذوات مقدسہ کی زیارت کی توفیق دی ہے تو ٹھیک ورنہ اس کا جواز مشکل ہے۔ **فالحفظ ھنا فاللہ بالحفظ والتقدیر جدیر ولا ینبئک مثل خبیر۔**

تشہد کا بیان

واجبات نماز میں سے ساتواں واجب تشہد ہے جو بالاتفاق دو رکعتی نماز میں دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد ایک بار اور تین یا چار رکعتی میں دو بار (دوسرا آخری رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد) بالاتفاق واجب ہے اور اس کی عمدی کمی یا زیادتی مبطل نماز ہے اور اگر سہواً ترک ہو جائے تو اگر تیسری رکعت کے رکوع میں داخل ہونے سے پہلے یاد آجائے تو بیٹھ کر اس کا پڑھنا واجب ہے اور اگر رکوع میں جانے کے بعد یاد آئے تو نماز کو مکمل کرنے کے بعد اس (تشہد) کی قضا کی جائے گی اور مزید برآں دو سجدے سہو بھی علی الاحوط کیے جائیں گے۔

واجبات تشہد

تشہد میں پانچ امور واجب ہیں اول = شہادت توحید و رسالت بایں الفاظ **اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمد اعبدہ ورسولہ**

دوم = اشہر اظہر یہ ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام پر تشہد میں درود پڑھنا[1] واجب ہے۔

---

[1] جہاں تک تشہد میں درود کے وجوب کا تعلق ہے تو برادران اسلامی کے چوتھے امام شافعی کا مذہب یہی ہے جیسا کہ خفاجی نے نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج ۳ ص ۴۵۲ پر اس کا اعتراف کیا ہے اور امام موصوف کا یہ شعر اس مطلب پر نص صریح ہے۔

کفاکم من عظیم القدر انکم ‌ ‌ ‌ ‌ من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ

اہل بیت رسالتؑ کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ آپکی عظمت و جلالت قدر کے لئے یہی بات کافی ہے کہ جو شخص اپنی نماز میں آپ پر درود سلام نہیں پڑھتا اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہے (صواعق محرقہ) اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ درود میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ان کی آل اطہار کو بھی شامل کرنا چاہیے تو وہ اس لئے کہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ مجھ پر دم بریدہ درود نہ پڑھا کرو۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہؐ دم بریدہ درود کیا ہے فرمایا **اللھم صل علی محمد** کہہ کر خاموش ہو جاؤ پھر فرمایا کامل درود یہ ہے کہ یوں پڑھو۔ **اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد** (ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ص ۲۲ باب ۱۱ فصل اول طبع مصر (منہ عفی عنہ)

بایں الفاظ اللھم صل علی محمد وال محمد۔
ہاں البتہ تشہد کے علاوہ رکوع و سجود میں مستحب ہے اور دیگر ان مقامات پر جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جائے وہاں درود پڑھنا علی الاقوی سنت موکدہ ہے۔

سوم = ذکر تشہد ادا کرنے تک بیٹھنا۔

چہارم = طمانینت اسی تفصیل کے ساتھ جو کہ رکوع میں گزر چکی ہے۔

پنجم = مذکورہ بالا ترتیب اور اس میں موالات یعنی پہلے شہادت توحید پھر شہادت رسالت بعد ازاں صلوات اور ان کلمات کو اس طرح پے در پے ادا کیا جائے کہ درمیان میں سکوت طویل یا اور کلمات کے داخل کرنے سے تشہد واجب کی ہیئت کذائی مٹ نہ جائے الخ جس شخص کو تشہد یاد نہ ہو اس پر اس کا یاد کرنا واجب ہے اور اگر کوئی پڑھانے والا نہ ہو یا وقت تنگ ہو تو کسی کی اقتداء میں نماز پڑھے اور اگر اقتداء کر کے بھی نماز نہ پڑھ سکتا ہو۔ تو پھر مقدار تشہد بیٹھ کر کوئی ذکر خدا کرنا اور اس کی حمد و ثنا کرنا واجب ہے وبس۔

تشہد کے مستحبات و مکروہات

پانچ چیزیں تشہد میں مستحب ہیں۔

۱۔ بطور "تورک" بیٹھنا جس کی کیفیت مستحبات سجدہ میں بیان کی جا چکی ہے یہ کیفیت صرف مرد کے ساتھ مختص ہے عورت کیلئے مستحب یہ ہے کہ وہ رانوں کو باہم ملا کر شکم کے ساتھ لگائے اور گھٹنوں کو اوپر اٹھائے اور سرین کے بل پر بیٹھے۔

۲۔ واجبی تشہد سے قبل ایک بار الحمد للہ یا ایک بار بسم اللہ و باللہ و خیر الاسماء للہ پڑھنا اور شہادتین کے بعد درود سے پہلے ارسلہ بالحق بشیرا و نذیرا بین یدی الساعۃ واشھد انک نعم الرب وان محمدا نعم الرسول اور درود کے بعد وتقبل شفاعتہ فی امتہ وارفع درجتہ۔ ایک بار پڑھنا ان کے علاوہ اور بھی بعض مستحبی اجزاء ہیں جو جناب ابو بصیر کی روایت میں مذکور ہیں جسے حضرت شیخ طوسیؒ نے تہذیب الاحکام میں اور حضرت شیخ صدوقؒ نے من لا یحضرہ الفقیہ میں درج کیا ہے بوجہ خوف طوالت ان اجزاء کا تذکرہ نہیں کیا جاتا احوط یہ ہے کہ دوسرے تشہد میں وتقبل شفاعتہ الخ نہ پڑھا جائے۔

۳۔ ہاتھوں کی انگلیاں بند کر کے رانوں پر رکھنا بایں طور کہ انگلیاں گھٹنوں کے اوپر ہوں۔

۴۔ حالت تشہد میں نگاہ گود کی طرف رکھنا۔

۵۔ تین یا چار رکعتی نماز میں پہلے تشہد کے بعد دو یا تین بار الحمد للہ یا الحمد للہ رب العالمین کہنا مخفی نہ رہے کہ بین السجد تین کی طرح یہاں بھی بطور "اقعاء" بیٹھنا مکروہ ہے۔

ایک عامتہ البلوی غلطی کا ازالہ

یہ بات محتاج وضاحت نہیں ہے کہ مذہب شیعہ خیر البریہ کا دارو مدار کتاب خدا اور ارشادات رسولؐ خدا دائمہ ہدیٰ پر ہے اس مذہب میں رائے و قیاس اور ذاتی پسند و ناپسند کو کوئی دخل نہیں ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس انقلابی دور میں روز بروز دینی اقدار بھی بدلتے جارہے ہیں اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بعض دعویداران محبت اہل بیتؑ کھلم کھلا خالص دینی معاملات و عبادات میں اپنی ذاتی رائے کو نہ صرف داخل کر رہے ہیں بلکہ اسے دین و ایمان بھی سمجھ رہے ہیں انہی امور میں سے ایک تشہد میں "شہادت ثالثہ" کا اضافہ بھی ہے کچھ عرصہ سے اس مسئلہ نے خاصی شدت اختیار کرلی ہے جہاں تک ممکن تھا ہم نے کتب تفسیر و حدیث کی ورق گردانی کی ہے سوائے کتاب "فقہ رضوی" کے کہیں اس شہادت ثالثہ کا نام و نشان بھی نہیں ملا۔ ہاں اس کتاب میں صرف اس قدر ہے **وان علی بن ابی طالب نعم الولی** اور ارباب تحقیق پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ کتاب بوجوہ ناقابل اعتماد ہے اور حضرت امام رضاؑ کی السلام کی طرف اس کی نسبت بالکل غلط ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب اعیان الشیعہ ج ۱ ص ۲۹۵ طبع بیروت وکتاب تحقیقی پیرامون فقہ رضا از آقائے رضائے استادی وغیرہ۔ لہٰذا جس چیز کے نقل کرنے میں وہ منفرد ہو اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہا جاتا ہے کہ "تحفہ احمدیہ" میں بھی یہ جملہ مذکور ہے تو جواباً" عرض ہے کہ تحفہ احمدیہ ہو یا کوئی اور کتاب جس کتاب میں بھی اس جملہ کو درج کیا گیا ہے وہ اسی "فقہ رضوی" کے حوالہ سے درج کیا ہے الغرض سب کا سرچشمہ یہی کتاب ہے اور وہ ناقابل استناد ہے یہی وجہ ہے کہ "تحفہ احمدیہ" جو سرکار ابو الحسن میرن صاحب قبلہ مرحوم کی تصحیح سے مطبع جعفریہ لکھنؤ میں چھپی ہے اس میں سے اس جملہ کو خارج کردیا گیا ہے۔ فراجع۔

بعض حضرات اس سلسلہ میں احتجاج طبرسی کی ایک روایت بھی پیش کیا کرتے ہیں کہ "**اذا قال احد کم لا الہ الا اللہ فلیقل محمد رسول اللہ الخ**"

یعنی جب کوئی شخص لا الہ الا اللہ کہے تو اس کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی کہے اور جب محمد رسول اللہ کہے تو اس کے ساتھ علی اور اولاد علی کو ولی بھی کہے تو اس کے متعلق جواباً" عرض ہے کہ اولا" تو یہ روایت مجہولہ ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے کیونکہ اس کے سلسلہ سند

میں قاسم بن معاویہ موجود ہے اور وہ مجہول الحال ہے کتب رجال میں اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں ملتا۔

ثانیاً" بنابر تسلیم اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ جب زبان سے کوئی لا الہ الا اللہ کہے تو ضرور اس کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی کہے بلکہ یہاں "قال" سے مراد قائل ہونا ہے مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص توحید کا اقرار کرے تو اس کے ساتھ اسے پیغمبر خاتمؐ کی رسالت کا بھی اقرار کرنا چاہئے۔ (کیونکہ اس کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی) اور جو شخص جناب رسولؐ خدا کی رسالت کا اقرار کرے تو اس کے لئے جناب امیرؑ اور دیگر ائمہ علیہم السلام کی امامت و ولایت کا عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ (کیونکہ اس کے بغیر نبوت اور دین کی تکمیل نہیں ہوتی) الغرض اس سے تشہد میں "علی ولی اللہ" پڑھنا کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔

کچھ بے توفیق لوگ تو اپنی غلط مطلب براری کے لئے قرآن پر کند چھری پھیرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ آیت مبارکہ **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم**

میں تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے اس لئے تشہد میں شہادتیں بھی تین ہی ہونی چاہئیں مگر یہ عقل سے عاری لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ یہ آیت ان کے مدعا کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس میں خدا، رسولؐ اور ائمہ اطہارؑ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ اطاعت کا مطلب ہے پیروکاری اور فرمانبرداری۔ لیکن جب تشہد میں اس "شہادت ثالثہ" کے پڑھنے کا حکم نہ خدا نے دیا ہے نہ رسولؐ نے اور نہ ائمہ ہدیٰؑ نے تو پھر اس کا پڑھنا ان کی اطاعت نہ ہوگی بلکہ ان کی معصیت و نافرمانی ہوگی۔ کمالا یخفی

اور بعض جاہل مرکب تفسیر بالرائے کرنے میں اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ وہ اس سلسلہ میں آیت مبارکہ "**وھم بشھادتھم قائمون**" کو بھی پیش کرنے میں ذرا بھر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ "لفظ شہادات" جمع ہے شہادت کی اور جمع میں کم از کم تین افراد کا ہونا ضروری ہے اور وہ یہی تین شہادتیں ہیں۔ (توحید، رسالت اور امامت) یہ استدلال تفسیر بالرائے اور جہالت و ضلالت کی بدترین مثال ہے۔ ورنہ آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ خداوند عالم اہل ایمان کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو اپنی شہادتوں

(گواہیوں) پر قائم رہتے ہیں۔ یعنی دنیا کا کوئی طمع و لالچ یا اس کا کوئی خوف و ہراس ان کو حق کی گواہی دینے سے نہیں روک سکتا کیونکہ کتمان شہادت (سچی گواہی کا چھپانا) گناہان کبیرہ میں شامل ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ چونکہ عبادات توقیفی ہیں اس لئے جو حدود و قیود شریعت مقدسہ میں مقرر کردیئے گئے ہیں کسی بھی شخص کو ان میں ذرہ بھر تقدیم و تاخیر یا ترمیم و تنسیخ کا کوئی حق نہیں ہے۔ واللہ العالم

سلام اور اس کے واجبات' مستحبات اور مکروہات کا بیان

سلام نماز کے واجبات میں سے آٹھواں واجب اور بناء بر مشہور اس کے واجبی اجزاء میں سے آخری جزء ہے اگرچہ بعض محققین کے نزدیک یہ ایک مستقل واجب ہے۔ **ولہ وجہ وجیہ** اور اگرچہ بعض فقہاء کے نزدیک مستحب ہے مگر مشہور و منصور قول یہ ہے کہ واجب ہے **لہٰذا** جب تک سلام نہ پھیرا جائے اس وقت تک وہ چیزیں جو تکبیرۃ الاحرام کہنے سے نمازگزار پر حرام ہوگئی تھیں۔ حلال نہیں ہوتیں کیونکہ نماز کی ابتداء ہے تکبیرۃ الاحرام اور انتہا اور تحلیل ہے سلام۔

سلام کی کیفیت کا بیان

سلام کے تین صیغے ہیں۔

(۱) **السلام علیک ایھا النبی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ**' (۲) **السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔** (۳) **السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔** پہلا صیغہ تو مستحب ہے۔ اور بلااتفاق تشہد کے مستحبی اجزاء میں داخل ہے باقی رہے آخری دو صیغے تو متاخرین میں یہ قول مشہور ہے کہ ان میں سے جس کو نمازگزار پہلے پڑھ لے وہی واجب قرار پائے گا اور اس سے نماز ختم ہو جائے گی اور دوسرا مستحب قرار پائے گا مگر احتیاط وجوبی یہ ہے کہ دونوں صیغے اسی ترتیب کے ساتھ پڑھے جائیں۔ پہلے السلام علینا اور اس کے بعد السلام علیکم اور اظہر یہ ہے کہ پہلا سلام "**السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین**" پڑھنے سے نماز تمام ہو جاتی ہے اور یہی نماز کا آخری جزء ہے لیکن جب تک آخری سلام "**السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ** نہ پڑھا جائے اس وقت تک وہ چیزیں جو تکبیرۃ الاحرام سے حرام ہوگئی تھیں اور جن کے بجالانے سے نماز باطل ہو جاتی تھی وہ حلال نہیں ہوتیں۔ یعنی یہ آخری سلام جزء نماز نہیں بلکہ اس سے علیحدہ ایک مستقل

واجب ہے۔ (هذا ما تقتضيه دقة النظر في اخبار الائمة الاطهار و افكار العلماء الا برار)

سلام کے بعض احکام

مسئلہ ۱۔ یہ آخری سلام کتنی بار اور کس طرح کہنا چاہیے؟ اس میں آثار فی الجملہ مختلف ہیں سب کا لب لباب یہ ہے کہ نماز گذار اگر پیش نماز ہے تو صرف رو بقبلہ ایک بار ہی کہے گا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ (اور بروایتے دائیں طرف اشارہ کرے گا) اور اگر ماموم و مقتدی ہے تو ایک سلام تو دائیں طرف اشارہ کرکے کہے گا۔ خواہ دائیں طرف کوئی آدمی ہو یا نہ ہو اور اگر بائیں طرف کوئی شخص موجود ہے تو پھر دوسرا سلام ادھر اشارہ کرکے کرے گا اور اگر ادھر کوئی نہ ہو تو پھر یہ سلام ساقط ہو جائے گا اور اگر فرادی (تنہا) ہے تو پھر صرف ایک سلام رو بقبلہ (اور بروایتے دائیں طرف اشارہ کرکے) کرے گا۔ والظاہر التخییر۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ آیا صرف السلام علیکم کہنا کافی ہے یا رحمۃ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ بھی ضروری ہے؟ احتیاط وجوبی یہ ہے کہ یہ اضافہ ترک نہ کیا جائے۔

مسئلہ ۳۔ سلام کا صحیح عربی میں ادا کرنا واجب ہے اور اگر یاد نہ ہو تو اسکا یاد کرنا لازم ہے۔

مسئلہ ۴۔ السلام علیکم کہتے وقت مخاطبین میں کن کا قصد کرنا چاہیے؟

جو کچھ کلام معصوم! سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کراماً" کاتبین تو اس میں بہرحال شامل ہیں اور اگر پیشنماز ہے تو اُن کے ساتھ اپنے ماموین کا بھی قصد کرے اور اگر ماموم ہے تو ملائکہ کے ساتھ اپنے امام کو بھی شامل کرے اور اگر فرادیٰ ہے تو پھر صرف کراماً" کاتبین کا قصد کرے البتہ بعض فقہاء عظام (جیسے حضرت شہید اول علیہ الرحمۃ ور ذکری) نے ذکر کیا ہے کہ ان کے علاوہ انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین کا قصد بھی کرنا چاہیے۔ اسی طرح **السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین** کہتے وقت انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین کا ارادہ کرنا چاہیے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ سلام پھیرتے وقت نماز سے نکلنے کا قصد ضروری نہیں ہے کیونکہ سلام پڑھنے سے خود بخود نماز ختم ہو جاتی ہے اور حرام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔

سلام کے مستحبات و مکروہات

(۱) حالت سلام میں بطور تورک بیٹھنا۔

(۲) تشہد کی طرح ہاتھوں کا رانوں پر رکھنا۔

(۳) سلام کرتے وقت اشارہ کرنے کا استحباب ابھی بیان کیا جاچکا ہے۔

(۱) سلام کی حالت میں بطور "اقعاء" بیٹھنا مکروہ ہے جس کی کیفیت مکروہات سجدہ میں بیان کی جاچکی ہے جیسے کہ تورک کی کیفیت مستحبات سجدہ میں بیان کی جاچکی ہے۔

قنوت کا بیان

نماز کے متعلق دو چیزیں باقی رہ گئی ہیں ان کا یہاں ذکر کر دینا ضروری ہے۔ (۱) قنوت۔ (۲) تیسری اور چوتھی رکعت میں کیا پڑھنا افضل ہے حمد یا تسبیحات اربعہ؟ سو امر اول کے متعلق عرض ہے کہ قنوت کے لغوی معنی اطاعت' قیام' دعا اور عبادت کے ہیں اور شرعاً" وہ ایک مخصوص ذکر اور عمل ہے جو نماز میں بجا لایا جاتا ہے[1]۔ مشہور بین الفقہاء ہے کہ ہر نماز میں فریضہ ہو یا سنت دوسری رکعت میں قرءت کے بعد اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا سنت ہے سوائے نماز جمعہ کے کہ اس میں دو قنوت مستحب ہیں پہلا پہلی رکعت میں رکوع سے پہلے اور دوسرا دوسری رکعت میں رکوع کے بعد اور سوائے نماز آیات کے کہ جس میں دو بلکہ علی الاقوی پانچ قنوت ہیں دو پہلی رکعت میں اور تین دوسری میں اور سوائے نماز عیدین کے جن میں نو قنوت ہیں پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری میں اور بعض فقہاء (ابن ابی عقیلؒ) جہری نمازوں میں اور بعض (شیخ صدوقؒ) تمام نمازوں میں اس کے وجوب کے قائل ہیں مگر مشہور اور مؤید و منصور قول یہی ہے کہ مستحب ہے ہاں البتہ واجبی نمازوں میں سے جہری نمازوں (صبح' مغرب' عشاء) اور نماز جمعہ اور مستحبی نمازوں میں سے نماز وتر میں اس کی تاکید زیادہ ہے۔ یعنی ان میں سنت موکدہ ہے۔
واللہ العالم

---

[1] نماز میں قنوت کا پڑھنا کتب اہل سنت سے بھی ثابت ہے چنانچہ بخاری ج ۱ ص ۱۳۲ طبع مصر میں عاصم سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں۔ **سئلت انس بن مالک عن القنوت فقال قد کان القنوت قلت قبل الرکوع او بعدہ قال قبلہ۔** کہ میں نے انس بن مالکؓ سے قنوت کے بارے میں سوال کیا انہوں نے کہا ہاں قنوت ثابت ہے میں نے کہا رکوع سے پہلے یا اسکے بعد؟ کہا اس سے پہلے اور یہی مذہب شیعہ ہے جسکی صداقت اغیار کی کتابوں سے ثابت ہے۔ **وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** (منہ عفی عنہ)

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا بھول جائے تو اگر پوری طرح رکوع میں جھکنے سے قبل یاد آجائے تو لوٹ کر پڑھ لے

اور اگر رکوع میں جانے کے بعد یاد آئے تو رکوع کے بعد پڑھا جاسکتا ہے

بلکہ اگر سجدہ میں سر رکھنے سے پہلے یاد آجائے تب بھی پلٹ کر پڑھا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ آیا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں بھی قنوت پڑھا جاسکتا ہے یا نہ؟ اس میں فی الجملہ اختلاف ہے اگرچہ بعض فقہاء (جیسے حضرت شیخ صدوقؒ) کے نزدیک جائز ہے مگر مشہور و منصور قول یہ ہے کہ صرف عربی میں ہی پڑھنا چاہیے۔

ذکر قنوت

مشہور و منصور قول یہ ہے کہ قنوت میں کوئی مخصوص دعا ضروری نہیں ہے بلکہ کوئی بھی ذکر، از قسم تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر وغیرہ کیا جاسکتا ہے اور کوئی بھی دینی یا دنیوی جائز دعا مانگی جاسکتی ہے زیادہ نہیں تو کم از کم پانچ بار یا تین بار "سبحان اللہ" کہہ دینا بھی کافی ہے۔ البتہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قنوت کو طول دینا شرعاً مرغوب ہے چنانچہ جناب شیخ صدوقؒ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور وہ اپنے آباؤ اجداد طاہرینؑ کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "اطولکم قنوتا" فی دارا الدنیا اطولکم راحتہ یوم القیامتہ فی الموقف۔

"یعنی تم میں سے جس شخص کا دار دنیا میں قنوت سب سے لمبا ہوگا بروز قیامت موقف حساب میں اسے راحت بھی سب سے زیادہ ہوگی" (ثواب الاعمال) اس لئے آئمہ طاہرینؑ سے بڑے بڑے طویل قنوت منقول ہیں اور یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ائمہ اطہارؑ سے منقول شدہ ادعیہ و اذکار کا پڑھنا افضل ہے۔

کلمات فرج اور دیگر بعض ادعیہ

مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ قنوت میں کلمات فرج کا پڑھنا باقی تمام ادعیہ و اذکار سے افضل و اولیٰ ہے اور وہ یہ ہیں۔ "لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم لا الہ الا اللہ العلی العظیم سبحان

اللہ رب السموات السبع ورب الارضین السبع وما فیھن وما بینھن ورب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین۔

بعض اخبار میں العرش العظیم اور والحمد للہ رب العالمین کے درمیان وسلام علی المرسلین بھی وارد ہے اور جو دعائے قنوت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ وہی ہے جو عموماً پڑھی جاتی ہے جسے امام علیہ السلام نے کافی قرار دیا ہے یعنی **اللھم اغفر لنا وارحمنا وعافنا واعف عنا فی الدنیا والاخرۃ انک علی کل شئی قدیر۔** درج ذیل دعا حضرت امام رضاؑ سے منقول ہے۔ **رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم۔**

مستحبات قنوت

مذکورہ بالا امور کے علاوہ مزید چند چیزیں قنوت میں مستحب ہیں۔

(۱) دعائے قنوت پڑھنے کے لئے تکبیر کہنا اور تکبیر کہتے وقت کانوں کی لوؤں تک ہاتھ بلند کرنا۔

(۲) قنوت میں ہاتھوں کا اس طرح منہ کے بالمقابل بلند کرنا کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف اور انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف ہوں۔

(۳) نماز جہری ہو یا اخفاتی دعائے قنوت جہر سے پڑھنا۔

(۴) قنوت میں لمبی دعائیں پڑھنا مگر یہ کہ پڑھنے والا پیشنماز ہو اور مقتدی طول کو پسند نہ کرتے ہوں۔

نماز ہائے پنجگانہ کی آخری دو رکعتوں کا حکم؟

آیا نماز مغرب و عشاء اور ظہر و عصر کی آخری رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا افضل ہے یا تسبیحات اربعہ؟ (**سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر**) کا پڑھنا یا دونوں مساوی ہیں یا اس میں امام، ماموم اور منفرد کے درمیان کوئی فرق ہے؟

اس سلسلہ میں مبسوط فقہی کتابوں میں سات قول ملتے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ خاصا الجھا ہوا ہے اور اس کی وجہ بظاہر آثار و اخبار کا اختلاف ہے جس کی وجہ سے فقہاء کے افکار و انظار بھی مختلف ہوگئے ہیں۔ ہماری نظر قاصر کے مطابق ان تمام اقوال میں سے اظہر قول یہ ہے کہ ہر نماز گزار کے لئے خواہ پیشنماز ہو یا مقتدی، منفرد ہو یا با جماعت، مرد ہو یا عورت الغرض سب کے لئے تسبیحات اربعہ کا پڑھنا افضل ہے اور اس پر اخبار مستفیضہ دلالت کرتے ہیں جو کتب اربعہ کے علاوہ وسائل و مستدرک وغیرہ میں موجود ہیں۔

احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ کتنی بار تسبیحات واجب ہیں اس میں بھی شدید اختلاف ہے اقوی یہ ہے کہ تسبیحات اربعہ کا ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے ہاں البتہ تین بار پڑھنا افضل ہے اور آخر میں استغفار (استغفر اللہ ربی واتوب الیہ) کا ایک بار اضافہ کرنا اکمل ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر ان رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھی جائے تو اسمیں تو یقیناً اخفات واجب ہے تو کیا تسبیحات کا بھی یہی حکم ہے؟ احوط یہی ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر کبھی تسبیحات کی تعداد میں شک پڑ جائے تو اقل پر بنا رکھی جائے گی کہ یقینی مقدار یہی ہے۔

مسئلہ ۴۔ اگر سورہ حمد پڑھنے کا خیال ہو مگر سبقت لسانی سے تسبیح شروع ہو جائے یا اس کے برعکس تسبیح پڑھنے کا ارادہ ہو مگر حمد شروع ہو جائے تو وہی کافی ہے اعادہ یا تکرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ترتیب و موالات کا بیان

ترتیب = ترتیب و موالات (جن کو بناء بر مشہور واجبات نماز میں شمار کیا جاتا ہے اور ہم نے ان کو شرائط میں داخل کیا ہے) کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ افعال نماز کی اب تک جو ترتیب وار تفصیل بیان کی گئی ہے مثلاً تکبیرۃ الاحرام پھر قرات حمد و سورہ بعد ازاں رکوع اور اس کے بعد سجود و ھکذا۔ اس ترتیب کا ملحوظ رکھنا واجب ہے پس اگر عمداً کسی بھی واجب رکنی یا غیر رکنی میں تقدیم و تاخیر کی گئی۔ تو نماز باطل متصور ہوگی اور اگر یہ تقدیم و تاخیر سہواً ہوئی۔ تو پھر اس کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) کسی رکن کو دوسرے رکن پر مقدم کرنا جیسے سجود کو رکوع پر تو چونکہ اس کی تلافی نہیں ہو سکتی اس کے لئے نماز باطل ہو جائے گی۔ (۲) کسی رکن کو غیر رکن پر مقدم کرنا جیسے رکوع کو قرائت پر تو نماز درست ہوگی۔ ہاں علی الاحوط بعد از نماز دو سجدے سہو کے کرنے پڑیں گے۔ (۳) واجب غیر رکنی کو غیر رکنی واجب پر مقدم کرنا جیسے دوسری سورہ کو الحمد پر مقدم کرنا تو اس صورت میں بھی نماز صحیح ہوگی اور اس کا تدارک اس طرح واجب ہوگا کہ جو الحمد پڑھی گئی ہے درست ہے اس کے بعد سورہ کو دوبارہ پڑھ لیا جائے اسی بیان سے باقی شقوں کے احکام بھی باسانی معلوم ہو سکتے ہیں۔ فلا نطیل الکلام فانہ یوجب السامۃ۔

موالات

قبل اس کے کہ موالات کے وجوب یا عدم وجوب کا تذکرہ کیا جائے پہلے "موالات" کے مفہوم کی تعیین ضروری ہے سو اگر موالات کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے اقوال و افعال کو فوراً بلا فاصلہ پے درپے بجالایا جائے تو اگرچہ مشہور یہی ہے کہ موالات بایں معنی واجب ہے مگر اظہر یہ ہے کہ ایسا کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس کے وجوب پر کوئی قابل اطمینان دلیل موجود نہیں ہے اور اگر موالات کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کے اقوال یا اس کے افعال میں اس قدر طویل فاصلہ نہ کیا جائے جس سے نماز کی شکل و صورت ہی محو ہو جائے تو پھر یقیناً" واجب ہے۔ (**حفظا" لصورة الصلوة عن الانمحاء**) اور بے شک اس کے ترک کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔ واللہ العالم

تتمہ در کیفیت نماز ائمہؑ

اب جب کہ بفضلہ تعالیٰ نماز کا بیان مع اس کے واجبات و مستحبات اور آداب کے جو مختلف آیات اور روایات سے ماخوذ و مستنبط ہیں ہو چکا ہے تو سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک ایسی صحیح السند اور جامع و مانع حدیث شریف ذکر کردی جائے جو جملہ واجبات و آداب کے ساتھ ائمہ اہل بیتؑ کے گل سر سبد حجت ناطق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی کیفیت نماز پر مشتمل ہے تاکہ اہل ایمان کو اس کی روشنی میں اپنی نماز کو صحیح معنوں میں معراج مومن بنانے میں مزید سہولت ہو۔ کیونکہ اس میں امام علیہ السلام نے نماز کے واجبات و مستحبات اور آداب کے صرف زبانی بیان کرنے پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ انہیں عملی جامہ پہنا کر بھی دکھایا ہے یہ حدیث فروع کافی کتاب الصلوة میں موجود ہے۔ فراجع

وہی ھذہ = جناب حماد بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔ اے حماد! کیا تو نماز درست پڑھ سکتا ہے؟ حماد نے عرض کیا۔ مولا! مجھے تو نماز کے متعلق حریز کی کتاب زبانی یاد ہے فرمایا اچھا میرے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ حماد کہتے ہیں کہ میں رو بقبلہ کھڑا ہوگیا اور نماز شروع کر کے رکوع و سجود کیا۔ امامؑ نے فرمایا۔ حماد! تو نے نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کیا پھر فرمایا کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم لوگوں کی ساٹھ ساٹھ ستر ستر سال کی عمر ہو جائے اور دو رکعت نماز صحیح نہ پڑھ سکو اور اس کے حدود و احکام کو اچھی طرح ادا نہ کرسکو۔ حماد کہتے ہیں امامؑ کے اس ارشاد سے مجھے بڑی خجالت اور شرمندگی محسوس

ہوئی اور میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں! آپ مجھے نماز کی صحیح تعلیم دیں۔

"فقامَ ابو عبدالله علیه السلام یستقبل القبلته منتصبا" فارسل یدیه جمیعا" علی فخذیه قد ضم اصابعه وقرب بین قدمیه حتی کان بینهما قدر ثلاث اصابع منفر جات واستقبل با صابع رجلیه جمیعا" القبلته لم یحرِ جها عن القبله فقال بخشوع "الله اکبر" ثم قراً الحمد بتر تیل وقل هو الله احد ثم صبر هینته بقدر ما یتنفس وهو قائم ثم رفع یدیه حیال وجهه وقال الله اکبرو هو قائم ثم رکع وملاء کفیه من رکبتیه مفر جات ورد رکبتیه الی خلفه حتی استوی ظهره حتی لوصب علیه قطرة من ماء اودهن لم یزل لا ستواء ظهره و مدعنقه وغمض عینیه ثم سبح ثلاثا" بتر تیل فقال سبحان ربی العظیم و بحمده ثم استوی قائما" فلما استمکن من القیام قال سمع الله لمن حمده ثم کبر وهو قائم ورفع یدیه حیال وجهه ثم سجدو بسط کفیه مضمومتی الا صابع بین یدی رکبتیه حیال وجهه فقال سبحان ربی الا علی وبحمده ثلاث مرات ولم یضع شیئا" من جسده علی شئی منه و سجد علی ثمانیته اعضاء الکفین والر کبتین وانامل ابها می الرجلین والجبهته والانف فقال سبعته منها فرض یسجد علیها وهی التی ذکر ہا الله تعالی فی کتابه فقال ان المساجد لِلّٰه فلا تدعوا مع الله احدا وهی الجبهته والکفان والر کبتان والا بہا مان ووضع الا نف سنته ثم رفع رائسه من السجود فلما استوی جالسا" قال الله اکبر ثم قعد علی فخذه الا یسر وقد وضع ظاہر قدمه الا یمن علی بطن قدمه الا یسر وقال استغفر الله ربی واتوب الیه ثم کبر وهو جالس و سجد السجدة الثانیته وقال کما قال فی الاولی ولم یضع شیئا" من بدنه علی شئی منه فی رکوع و لا سجود و کان مجنحا" ولم یضع ذراعیه علی الارض فصلی رکعتین علی هذا ویده مضمومتی الا صابع وهو جالس فی التشهد وسلم فقال یا حماد هکذا صل"

پس امام علیہ السلام قبلہ رو ہو کر سیدھے کھڑے ہوگئے اور دونوں ہاتھ کھلے چھوڑ کر اپنے دونوں رانوں پر لٹکا دیئے اور ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملا لیں اور اپنے دونوں پاؤں کو اتنا ایک دوسرے کے قریب کیا کہ ان کے درمیان قریبا" کھلی تین انگلیوں کا فاصلہ رہ گیا۔ پاؤں کی انگلیوں کا رخ سیدھا قبلہ کی طرف کیا تب بڑے خشوع و خشیت کے ساتھ کہا "اللہ اکبر" پھر ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر اور صحیح تلفظ اور مخارج) کے ساتھ سورہ حمد اور اس کے بعد سورہ قل ہو اللہ احد پڑھی اور پھر بمقدار سانس لینے کے توقف فرمایا اس کے بعد ایسی حالت میں کہ ہنوز سیدھے کھڑے تھے۔

(رکوع کے لئے) منہ کے برابر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہی۔ بعد ازاں رکوع میں گئے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اپنے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑا۔ درانحالیکہ آپؐ کی انگلیاں کھلی تھیں اور اس طرح گھٹنوں کو پیچھے دبایا کہ آپؐ کی پشت مقدس اس طرح سیدھی ہوگئی کہ اگر اس پر پانی یا تیل کا قطرہ گرایا جاتا تو پشت کے بالکل سیدھا ہونے کی وجہ سے نیچے نہ گرتا (بلکہ وہیں ٹھہر جاتا) اس وقت آنجنابؑ نے اپنی گردن کو (آگے کی طرف سیدھا تان لیا اور آنکھوں کو نیچے (پاؤں کی طرف) جھکا لیا۔ پھر ترتیل (یعنی مذکور) کے ساتھ تین بار کہا۔ **"سبحان ربی العظیم وبحمدہ"** اس کے بعد کھڑے ہوگئے۔ جب اچھی طرح سیدھے ہوگئے تو کہا۔ **"سمع اللہ لمن حمدہ"** پھر وہیں کھڑے کھڑے کانوں تک ہاتھ بلند کرکے (سجدہ کے لئے) تکبیر کہی پھر سجدے میں جھک گئے اور دونوں ہتھیلیوں کو پھیلا کر جب کہ ان کی انگلیاں باہم ملی ہوئی تھیں۔ گھٹنوں کے آگے منہ کے بالمقابل رکھا اور تین بار کہا۔ **"سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ"** اور اس حالت میں اپنے جسم مبارک کا کوئی حصہ دوسرے کسی حصہ پر نہ رکھا اور آٹھ اعضاء پر سجدہ کیا دو ہتھیلیوں' دو گھٹنے' پاؤں کے دو انگوٹھے' پیشانی اور ناک (اور فرمایا (یعنی نماز کے بعد) کہ ان اعضاء میں سے سات پر تو سجدہ فرض ہے جن کا خداوند عالم نے اس آیت میں تذکرہ فرمایا ہے۔ **"ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا"**

اور یہ ہیں پیشانی' دو ہتھیلیاں' دو گھٹنے اور پاؤں کے دو انگوٹھے۔ باقی رہی ناک! تو اس کا (زمین پر) رکھنا سنت ہے بعد ازاں سجدہ سے سربلند کیا اور جب اچھی طرح سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تو کہا **"اللہ اکبر"** اور بیٹھے اس طرح کہ جسم کا بوجھ بائیں ران پر تھا اور (دونوں پاؤں دائیں طرف اس طرح نکالے کہ) دائیں پاؤں کی پشت بائیں پاؤں کے تلوے پر تھی تب کہا۔ **"استغفر اللہ ربی واتوب الیہ"** پھر اسی حالت میں کہ جس طرح بیٹھے تھے۔ (دوسرے سجدہ کے لئے) تکبیر کہی اور دوسرا سجدہ کیا اور اس میں وہی تسبیح پڑھی جو پہلے سجدہ میں پڑھی تھی اور رکوع و سجود میں اپنے جسم مبارک کا کوئی حصہ دوسرے حصہ پر نہیں رکھا۔ (اس حالت سجدہ میں) کہنیوں کو زمین پر نہیں رکھا بلکہ ان کو جناح (پرندے کے پر کی طرح) پھیلائے رکھا۔ اس طرح دو رکعت نماز پڑھی جب بیٹھ کر تشہد پڑھ رہے تھے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملی ہوئی تھیں (اور ہاتھ رانوں کے اوپر تھے) جب تشہد پڑھ چکے۔ (اور سلام پھیرا) تو فرمایا اے حمادؓ! اس طرح نماز

پڑھوں۔ یہ ہے وہ اصلی و حقیقی نماز جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منجانب اللہ لائے اور خود پڑھ کر دکھائی اور جو ان کی اہل بیتؑ کے ذریعے ہم تک اصلی صورت میں پہنچی ہے۔ **الحمد للہ الذی ھدنا لھذا وما کنا لنھتدی لو لا ھدانا اللہ**

ایک ضروری وضاحت

اس روایت مبارکہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ آنجنابؑ نے تشہد میں کیا پڑھا؟ مگر دوسری روایات میں اس کی وضاحت بھی موجود ہے۔ چنانچہ وسائل الشیعہ ج ۱ باب کیفیۃ التشہد میں انہی جنابؑ سے جو مستند روایت مروی ہے اس میں یہ تشہد مذکور ہے۔ **الحمد للہ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ اللھم صل علی محمد وال محمد وتقبل شفاعتہ فی امتہ وارفع درجتہ**" اسی طرح جناب حماد کی روایت میں یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ قنوت میں کون سی دعا پڑھی؟ لیکن دوسری روایت میں اس کی بھی صراحت موجود ہے آپ کی زبانی جو دعائے قنوت منقول ہے وہ وہی ہے جو عموماً" پڑھی جاتی ہے۔ یعنی **اللھم اغفرلنا وارحمنا وعافنا واعف عنا فی الدنیا والاخرۃ انک علی کل شئی قدیر۔ (من لا یحضرہ الفقیہ)**

والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقۃ

تعقیبات نماز کا مختصر بیان

تعقیب کا مطلب ہے نماز کے بعد دعا و پکار' سوال و ابتہال' ذکرؤ اذکار اور تلاوت قرآن و فرقان میں مشغول ہونا جو کہ سنن مؤکدہ میں سے ہے۔ شریعت مطہرہ میں اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کی بہت رغبت دلائی گئی ہے احادیث اہل بیتؑ میں نماز کے بعد دعا و ذکر میں مشغول ہونے کو طلب معاش میں نکلنے سے (جو بجائے خود عبادت ہے) افضل' مستحی نماز پڑھنے سے افضل اور حج بیت اللہ کے برابر قرار دیا گیا ہے (وسائلؒ مستدرک وغیرہ)

اگرچہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تعقیبات میں بیٹھنا' باوضو ہونا اور رو بقبلہ ہونا شرط نہیں ہے مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اولی و افضل یہ ہے کہ تعقیبات نماز کے بعد بلا فاصلہ بیٹھ کر (بالخصوص بیٹھنا تو تعقیبات کے لغوی معنوی میں داخل ہے) بلکہ بحالت تشہد زانو بدلنے سے پہلے سے رو بقبلہ ہو باطہارت ہو اور منافیات نماز بجالانے سے پہلے پڑھے جائیں۔ چنانچہ حضرت شہید اول "کتاب ذکری میں فرماتے ہیں۔ "**للورود ان التعقیب علی هیئة التشهد فی استقبال القبلة وفی التورک فان ما یضر بالصلوۃ یضر بالتعقیب**" یعنی (روایات میں) وارد ہے کہ تعقیبات بحالت تشہد بطریق تورک (جس کی کیفیت مستحبات سجدہ میں بیان ہو چکی ہے) اور رو بقبلہ پڑھے جائیں کیونکہ جو چیز نماز کو نقصان پہنچاتی ہے وہ تعقیبات کے لئے بھی ضرر رساں ہے" بنابریں احوط یہ ہے کہ حتی الامکان تعقیبات میں شرائط نماز کی پابندی کی جائے۔ جیسا کہ سرکار علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے۔ (**الا فضل والا حوط رعایته شروط الصلوۃ فیه مطلقا" مع الا مکان**) یعنی افضل و احوط یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تمام تعقیبات میں نماز کے شروط کی رعایت ملحوظ رکھی جائے۔ نیز افضل یہ ہے کہ وہ ادعیہ و اذکار پڑھے جائیں جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ ھدی علیہم السلام سے منقول و ماثور ہیں اور مبسوط کتب ادعیہ میں مذکور ہیں اور وہ بہت زیادہ ہیں ہم یہاں صرف تبرکا" و تیمنا" چند مختصر مگر قدرو منزلتؐ بہتر

تعقیبات کا ذکر کرتے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ تعقیبات دو قسم کے ہیں۔ (۱) ایک وہ تعقیبات جو کسی خاص نماز کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام نماز ہائے پنجگانہ کے بعد پڑھے جاتے ہیں (ان کو تعقیبات مشترکہ کہا جاتا ہے) دوسرے وہ جو نماز ہائے پنجگانہ میں سے کسی خاص نماز کے ساتھ مخصوص ہیں (جن کو تعقیبات مختصہ کہا جاتا ہے) ہم پہلے تعقیبات مشترکہ اور اس کے بعد مخصوصہ کا ایک شمہ درج کریں گے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

تعقیباتِ مشترکہ

۱۔ نماز کے سلام کے بعد تین مرتبہ تکبیر کہنا اور اس وقت ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرنا۔ (۲) بعد ازاں یہ دعا پڑھنا۔ **لا الہ الا اللہ وحدہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ واعز جندہ وغلب الاحزاب وحدہ فلہ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت وھو علی کل شئی قدیر**

۳۔ بعد ازاں تسبیح جناب سیدہ سلام اللہ علیہا پڑھنا۔ جو تمام تعقیبات سے افضل ہے اور اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے حتی کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ **تسبیح فاطمۃ کل یوم فی دبر کل صلوۃ احب الی من صلوۃ الف رکعۃ فی کل یوم**

یعنی ہر روز ہر نماز کے بعد جناب سیدہ کی تسبیح پڑھنا مجھے ہر روز ایک ہزار رکعت نماز (نوافل جس میں تسبیح نہ ہو) پڑھنے سے زیادہ محبوب ہے۔ (کافی' الوسائل) اگرچہ تسبیح جناب سیدہ کی کیفیت میں فی الجملہ اختلاف ہے کہ تکبیر کے بعد الحمد پہلے ہے یا سبحان اللہ! مگر جو طریقہ مشہور ہے وہی مؤید و منصور ہے کہ پہلے چونتیس ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر اس کے بعد تینتیس ۳۳ مرتبہ الحمد للہ بعد ازاں تینتیس ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ' تسبیح کے بعد ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا افضل ہے حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں جو شخص نماز فریضہ کے بعد تسبیح جناب سیدہؑ پڑھے اور اسکے بعد ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے تو خدا اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ سونے سے پہلے بھی تسبیح جناب سیدہؑ پڑھنا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ تسبیح خاک شفا کی ہو۔

(۴) تین بار یہ استغفار پڑھنا۔ "**استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم ذوالجلال والا کرام واتوب الیہ**"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز کے بعد زانو بدلنے سے پہلے تین بار یہ استغفار پڑھے خداوند غفار اس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے اگرچہ (کثرت میں) کف دریا کی

مانند ہوں (کافی) ۵ تسبیحات اربعہ۔ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" کا تیس یا چالیس مرتبہ پڑھنا۔

بعض روایات میں ارشادِ خداوندی اذکروا اللہ ذکرا" کثیرا" (خدا کا بکثرت ذکر کرو) کی تفسیر ہر نماز کے بعد تیس بار تسبیحات اربعہ پڑھنے سے کی گئی ہے حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز کے بعد تیس مرتبہ تسبیحات اربعہ پڑھے گا اس دن اپنے اوپر مکان کے گرنے، جلنے، غرق ہونے، کنوئیں میں گرنے بری اور ناگہانی موت مرنے سے محفوظ رہے گا۔ (تہذیب الاحکام) حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر نماز (فریضہ) کے بعد تیس مرتبہ تسبیحات اربعہ پڑھے اس کے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں (امالی شیخ صدوق) اور زانو بدلنے سے پہلے چالیس بار پڑھنے کے متعلق انہی حضرت سے مروی ہے کہ جو حاجت خدا سے طلب کرے گا۔ وہ پوری ہوگی۔ (ایضا")

۶۔ ایک بار یہ دعا پڑھے۔ اللھم اعتقنی من النار وادخلنی الجنۃ وزوجنی من الحور العین صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب بندہ نماز کے بعد یہ پڑھتا ہے تو دوزخ بارگاہ قدرت میں عرض کرتی ہے یا اللہ! یہ تیرا بندہ مجھ سے آزادی چاہتا ہے تو اسے آزاد کردے، اور جنت کہتی ہے یا اللہ! یہ تیرا بندہ مجھے تجھ سے طلب کرتا ہے تو تو مجھ کو اسے عطا کردے اور حوریں کہتی ہیں یا اللہ! یہ تیرا بندہ تجھ سے ہماری منگنی کرتا ہے تو اس سے ہماری تزویج کردے۔ (کافی)

۷۔ یہ دعا پڑھنا۔ اعیذ نفسی وما رزقنی ربی باللہ الواحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد واعیذ نفسی وما رزقنی ربی برب الفلق من شر ما خلق ومن شر غاسق اذا وقب ومن شر النفثت فی العقد ومن شر حاسد اذا حسد واعیذ نفسی وما رزقنی ربی برب الناس ملک الناس الہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں ہر نماز کے بعد اس دعا کا پڑھنا ترک نہ کرو۔ (کافی)

۸۔ دنیا و آخرت کی خیر و خوبی کو جمع کرنے کے لئے یہ دعا پڑھنا — اعوذ بوجھک الکریم وعزتک التی لا ترام وقدرتک التی لا یمتنع منھا شئی ومن شر الدنیا والاخرۃ ومن شر الاوجاع کلھا

بعض روایات میں اس کے ساتھ یہ تتمہ بھی ہے۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** (کافی)

۹۔ دعائے جناب یوسفؑ کا پڑھنا جو امام ششمؑ سے مروی ہے۔ **اللھم اجعل لی فرجا ومخرجا وارزقنی من حیث احتسب ومن حیث لا احتسب** (مفاتیح الجنان)

۱۰۔ اس دعا کا پڑھنا۔ **اللھم ان مغفرتک ارجی من عملی۔ وان رحمتک اوسع من ذنبی اللھم ان کان ذنبی عندک عظیما فعفوک اعظم من ذنبی اللھم ان لم اکن اھلا ان ابلغ رحمتک فرحمتک اھل ان تبلغنی وتسعنی لانھا وسعت کل شیئ برحمتک یا ارحم الرحمین۔**

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص چاہتا ہے کہ خداوند عالم بروز قیامت اس کے گناہوں کے دفتر کو نہ کھولے اور اسے اس کے اعمال بد پر مطلع نہ کرے تو ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ (البلد الامین)

۱۱۔ امامینؑ سے مروی ہے فرمایا کم از کم جو دعا نماز فریضہ کے بعد کافی ہے وہ یہ ہے۔ "**اللھم انی اسئلک من کل خیر احاط بہ علمک واعوذبک من کل شر احاط بہ علمک اللھم انی اسئلک عافیتک فی اموری کلھا واعوذبک من خزی الدنیا والآخرۃ۔**"

۱۲۔ ہر نماز کے بعد سورہ حمد' آیت الکرسی (جو بہتر یہ ہے کہ **ھم فیھا خالدون** تک پڑھی جائے) آیت الملک **قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء الخ**) اور آیت شھد اللہ کے پڑھنے کے احادیث میں ثوابہائے بے پایاں منقول ہیں لہٰذا ہر نماز فریضہ کے بعد ان کا پڑھنا بالخصوص آیت الکرسی کا پڑھنا ترک نہ کیا جائے۔ روایت میں وارد ہے کہ جو شخص ہر نماز فریضہ کے بعد آیت الکرسی پڑھے اس کی نماز مقبول ہوتی ہے' خدا کی امان میں داخل ہو جاتا ہے اور خدا بلاؤں اور گناہوں سے اس کی حفاظت کرتا ہے دوسری روایت میں مروی ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے اسے جنت میں داخل ہو جانے سے بجز موت کے اور کوئی امر مانع نہیں ہے۔ (مفاتیح)

۱۳۔ آخرت کی خیرو خوبی کے لئے ہر نماز کے بعد ایک بار یہ دعا پڑھی جائے۔ **اللھم اھدنی من عندک وافض علی من فضلک وانشر علی من رحمتک وانزل علی من برکاتک** (الفقیہ)

۱۴۔ حافظہ کی حفاظت اور تیزی کے لئے ہر نماز کے بعد وہ دعا پڑھی جائے جو حضرت رسولؐ خدا نے حضرت امیر علیہ السلام کو تعلیم دی تھی۔ "**سبحان من لا یعتدی علی اھل مملکتہ سبحان**

من لا یاخذ اهل الارض بالوان العذاب سبحان الرؤف الرحیم = اللهم اجعل لی فی قلبی نورا و بصرا و فهما وعلما" انک علی کل شئی قدیر" (مکارم الاخلاق طبری)

۱۵۔ ہر نماز کے بعد زانو بدلنے سے پہلے دس مرتبہ یہ ذکر کیا جائے۔ اشهد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الها واحدا احدا صمدا لم یتخذ صاحبتہ ولا ولدا"

اسکا بے حدو حساب اجر و ثواب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ (محاسن برقی)

نوٹ = جب نماز گزار تمام تعقیبات پڑھ چکے تو آخر میں کہے۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

تعقیبات مختصہ

تعقیبات صبح = نماز صبح کے بعد سب سے زیادہ تعقیبات کی تاکید وارد ہوئی ہے اس لئے اس سلسلہ میں بہت سی دعائیں منقول ہیں علاوہ مذکور بالا تعقیبات مشترکہ کے یہاں مزید چند ادعیہ و اذکار مختصہ درج کئے جاتے ہیں۔ (۱) ہر قسم کی مالی پریشانیوں کے ازالہ کے لئے نماز صبح کے بعد وہ دعا پڑھے جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مروی ہے جو انہوں نے ایک پریشان حال کو تعلیم دی تھی جس کی برکت سے بہت جلد اس کی جملہ پریشانیاں دور ہوگئی تھیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ توکلت علی الحی الذی لا یموت والحمد للہ الذی لم یتخذ صاحبتہ ولا ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرۃ تکبیرا" (مصباح کفعمی)

۲۔ ہر قسم کے خوف و ہراس اور دشمنوں کے فتنہ و شر سے حفاظت کے لئے یہ دعا پڑھی جائے۔ اصبحت اللهم معتصما بذ ما مک المنیع الذی لا یطاول ولا یحاول من شر کل غاشم و طارق من سائر من خلقت وما خلقت من خلقک الصامت والناطق فی جنتہٖ من کل مخوف بلباس سابغتہ ولاء اهل بیت نبیک محتجبا" من کل قاصد لی الی اذیتہ بجدار حصین الا خلاص فی الاعتراف بحقهم والتمسک بحبلهم موقنا ان الحق لهم ومعهم وفیهم وبهم او الی من والوا واجانب من اجانبوا فاعذ نی اللهم بهم من شرِ کل ما اتقیہ یا عظیم و حجزت الاعادی عنی بدیع السموات والارض وانا جعلنا من بین ایدیهم سدا ومن خلفهم سدا فاغشیناُ هم فهم لایبصرون۔ (صحیفۂ علویہ)

۳۔ ایک سو مرتبہ **لا الہ الا اللہ الحق المبین۔** پڑھے تاکہ اسکے لئے جنت کے تمام دروازے کھل جائیں۔

۴۔ ایک سو مرتبہ **اللھم صل علی محمد وال محمد۔**

۵۔ ایک سو مرتبہ استغفار (یا کم از کم ستر بار) **استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔** تاکہ اس کے گناہ معاف ہو جائیں۔

۶۔ ایک سو مرتبہ **ما شاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔** تاکہ وہ اس دن کوئی نا پسندیدہ بات نہ دیکھے۔

۷۔ دس بار **سبحان اللہ العظیم وبحمدہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**
تاکہ خدا اسے اندھے پن' دیوانگی' برص' جذام اور پریشانی وغیرہ شدائد سے محفوظ رکھے۔

۸۔ سات بار **بسم اللہ الرحمن الرحیم لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** پڑھے تاکہ خدا اسے ستر قسم کی بلا و مصیبت سے محفوظ رکھے جن میں سے کم ترین برص' جذام اور شر شیطان ہے۔

۹۔ دس مرتبہ سورہ قل ہو اللہ احد پڑھے تاکہ اس روز اسکا کوئی گناہ نہ لکھا جائے۔

۱۰۔ دس مرتبہ سورہ انا انزلنا پڑھے کہ روایت میں وارد ہے کہ جو شخص سورہ قدر کو نماز صبح کے بعد دس مرتبہ' زوال آفتاب کے وقت دس مرتبہ اور نماز عصر کے بعد دس مرتبہ پڑھے وہ دو ہزار کاتبوں کو تیس سال تک مشقت میں ڈال دیتا ہے (کہ اس کا ثواب لکھتے رہتے ہیں)۔ (مصباح کفعمی وزاد المعاد و مفاتیح وغیرہ)

تعقیبات ظہر

علاوہ تعقیبات مشترکہ کے (۱) یہ دعا پڑھے جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ **لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الہ الا اللہ رب العرش الکریم والحمد للہ رب العالمین اللھم انی اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفر تک والغنیمتہ من کل بر والسلامتہ من کل اثم اللھم لا تدع لی ذنبا" الا غفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا سقما الا شفیتہ ولا عیبا الا سترتہ ولا رزقا الا بسطتہ ولا خوفا الا امنتہ ولا سوء الا صرفتہ' ولا حاجتہ ھی لک رضی ولی فیھا صلاح الا قضیتھا یا ارحم الرحمن امین رب العالمین** (مستدرک الوسائل)

۲۔ وہ دعا پڑھے جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے خادم کو اس کی استدعا پر تعلیم فرمائی تھی۔ باللہ اعتصمت وبا للہ اثق وعلی اللہ اتوکل۔ دس بار اس کے بعد پڑھے۔ اللھم ان عظمت ذنوبی فانت اعظم وان کبر تفریطی فانت اکبرو ان دام بخلی فانت اجود اللھم اغفر عظیم ذنوبی بعظیم عفوک وکبیر تفریطی بظاہر کرمک واقمع بخلی بفضل جودک اللھم ما بنا من نعمتہ فمنک لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک(ایضا")

تعقیبات عصر

مشترکہ تعقیبات کے علاوہ ایک (ا) بار یہ دعا پڑھے۔ اللھم انی اعوذ بک من نفس لا تشبع ومن قلب لا یخشع ومن علم لا ینفع ومن صلوۃ لا ترفع ومن دعاء لا یسمع اللھم انی اسئلک الیسر بعد العسر والفرج بعد الکرب والرخاء بعد الشدۃ اللھم مابنا من نعمتہ فمنک لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک۔ (مصباح المتہجد)

۲۔ ستر بار استغفار پڑھے۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں جو شخص یہ عمل کرے گا خدا اس کے سات سو گناہ معاف فرمائے گا۔ (فلاح السائل سیدبن طاؤس)

۳۔ دس مرتبہ سورہ انا انزلناہ پڑھے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص نماز عصر کے بعد دس بار سورہ قدر پڑھے تو تمام خلائق کے برابر اس کو ثواب ملے گا۔ (ایضا" بحوالہ مستدرک)

تعقیبات مغرب

تعقیبات مشترکہ کے علاوہ (ا) ایک بار پڑھے۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" اللھم صل علی محمد۔ النبی وعلی ذریتہ وعلی اھلبیتہ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز صبح اور نماز مغرب کے بعد زانو بدلنے اور کسی سے کلام کرنے سے پہلے ایک بار یہ دعا پڑھے تو خداوند عالم اس کی سو حاجتیں برلاتا ہے جن میں سے ستر آخرت سے متعلق ہیں اور تیس دنیا سے (فلاح السائل لابن طاؤس)

۲۔ سات مرتبہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔** حضرت امیر علیہ اسلام فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز صبح اور نماز مغرب کے بعد زانو بدلنے اور کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار یہ ورد کرے خداوند کریم اس سے ستر قسم کی بلاؤں کو دور کرتا ہے (کما تقدم فی الصبح)

۳۔ (ایضاً) تین بار یہ دعا پڑھے۔ **الحمد للہ الذی یفعل ما یشاء ولا یفعل ما یشاء غیرہ۔** (کافی)

۴۔ ایک بار **سبحانک لا الہ الا انت اغفرلی ذنوبی کلھا جمیعاً فانہ لا یغفر الذنوب کلھا جمیعاً الا انت۔**

جناب سید بن طاؤس نے اس دعا کو بھی نماز صبح و مغرب ہر دو کے بعد پڑھنے کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ جب بندہ یہ دعا پڑھے تو خدا رحیم کراما کاتبین سے فرماتا ہے کہ جب میرے بندہ نے یہ اعتراف کر لیا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا تو اس کے لئے بخشش لکھ دو (فلاح السائل)

۵۔ ہر قسم کے حزن و ملال کے دفعیہ کے لئے نماز مغرب کے بعد تین بار یہ دعا پڑھتا جائے اور ہاتھ پیشانی پر پھیرتا جائے۔ **بسم اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ الرحمن الرحیم اللھم اذھب عنی الھم والحزن** جیسا کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے منقول ہے۔ (الوسائل)

۶۔ آنکھوں کے درد کے ازالہ بلکہ دین و دنیا کی ہر قسم کی خیر وخوبی حاصل کرنے کے لئے نماز صبح اور نماز مغرب کے بعد پڑھے۔ **اللھم انی اسئلک بحق محمد وال محمد علیک ان تصلی علی محمد وال محمد واجعل النور فی بصری والبصیرۃ فی دینی والیقین فی قلبی والاخلاص فی عملی والسلامۃ فی نفسی والسعۃ فی رزقی والشکر لک ابداً ما ابقیتنی** جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ (ایضاً)

تعقیبات عشاء

۱۔ تعقیبات مشترکہ کے علاوہ وسعت رزق اور تنگی معیشت کے ازالہ کیلئے نماز عشاء کے بعد

ایک بار یہ دعا پڑھے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک ایسے شیعہ کو تعلیم دی تھی جس نے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی تھی چنانچہ اس کے تھوڑا عرصہ پڑھنے کے بعد اس کی شکایت زائل ہو گئی اور وہ مرفہ الحال ہو گیا۔ **اللھم انہ لیس لی علم بموضع رزقی وانما انا اطلبہ بخطرات تخطر علی قلبی فاجول فی طلبہ البلدان فانا فیما انا طالب کالحیران لا ادری الی سھل ھوام فی جبل ام فی ارض ام فی سما ام فی بر ام فی بحر وعلی یدی من ومن قبل من وقد علمت ان علمہ عندک واسبابہ بیدک وانت الذی تقسمہ بلطفک وتسبّبہ برحمتک اللھم فصل علی محمد والہ واجعل یا رب رزقک لی واسعا ومطلبہ سھلا وما خذہ قریبا ولا تعنّنی بطلب ما لم تقد ربی فیہ رزقا فانک غنی عن عنائی وانا فقیر الی رحمتک فصل علی محمد والہ وجد علی عبدک بفضلک انک ذو فضل عظیم۔** (فلاح السائل)

۲۔ سات مرتبہ سورہ انا انزلنا پڑھے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص نماز عشاء کے بعد سات مرتبہ سورہ قدر پڑھے وہ صبح تک خدا کی ضمانت و امان میں رہتا ہے۔ (ایضا")

۳۔ یہ دعا پڑھے جس کے نماز عشاء کے بعد پڑھنے والے کے لئے حضرت امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادق علیہ السلام نے ضمانت دی ہے کہ وہ چور چکار اور آفات لیل و نہار سے محفوظ رہے گا۔ "**اعوذ بعزۃ اللہ واعوذ بقدرۃ اللہ واعوذ بمغفرۃ اللہ واعوذ برحمتہ اللہ واعوذ بسلطان اللہ الذی ھو علی کل شئی قدیر واعوذ بکرم اللہ۔ واعوذ بجمع اللہ من شر کل جبار عنید و شیطان مرید و کل مغتال و سارق وعارض وشر السامتہ والھامتہ والعامتہ ومن شر کل دابتہ صغیرۃ او کبیرۃ بلیل او نہار ومن شر فساق العرب والعجم و فجارھم ومن شر فسقتہ الجن والانس ومن شر کل دابتہ ربی اخذ بنا صیتھا ان ربی علی صراط مستقیم** = (طلب الائمتہ)

والحمد للہ رب العالمین)

افادۂ عام در ادعیۂ صبح و شام

اگرچہ یہ بات ہمارے موضوع سے خارج ہے مگر چونکہ ذکر اذکار اور وظائف ابرار کا تذکرہ شروع ہے لہذا ضمنی طور پر بیان کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ قرآن و حدیث میں طلوع و غروب آفتاب سے پہلے تسبیح و تحمید کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

"وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب"

لہذا یہاں ان اوقات کے چند اہم ذکر ذکر کئے جاتے ہیں۔ (۱) طلوع و غروب آفتاب سے پہلے دس دس بار یہ دعا پڑھے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت ویمیت ویحی وھو حیٌ لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شئی قدیر"

.سند ہائے معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ انہوں نے اس دعا کو طلوع و غروب سے قبل فریضہ و واجب فرمایا ہے جسے علماء اعلام نے شدت استحباب پر محمول کیا ہے۔

۲۔ نیز انہی جنابؑ سے مروی ہے کہ طلوع و غروب آفتاب سے پہلے دس مرتبہ پڑھو۔ اعوذ باللہ السمیع العلیم من ھمزات الشیاطین واعوذ باللہ ان یحضرون ان اللہ ھو السمیع العلیم۔

۳۔ انہی جنابؑ سے صبح و شام تین بار اس دعائے مبارکہ کا پڑھنا مروی ہے۔ اللھم مقلب القلوب والا بصار ثبت قلبی علی دینک ولا تزغ قلبی بعد اذھد یتنی وھب لی من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب واجرنی من النار برحمتک اللھم امدد لی فی عمری واوسع علی فی رزقی وانشر علی رحمتک فان کنت عندک فی ام الکتاب شقیا فا جعلنی سعیدا فانک تمحو ما تشاء و تثبت وعندک ام الکتاب۔

۴۔ صبح و شام تسبیحات اربعہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ دس بار پڑھنے کی بھی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

وفقنا اللہ تعالیٰ و جمیع المومنین لما یحب و یرضی بجاہ النبی و آلہ الطاہرین ؑ۔

ایام ہفتہ کی دعائیں

اہل ایمان کو چاہیے کہ اپنے آئمہ اطہار کی تقلید و تاسی میں ایام ہفتہ کی یہ ادعیہ مبارکہ پڑھنے میں غفلت نہ کریں تاکہ اس پر آشوب زمانہ کے مصائب و شدائد سے محفوظ و مصئون رہیں۔ واللہ الموفق لکل خیر۔

دعائے یکشنبہ (اتوار)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا اَرْجُوْا اِلَّا فَضْلَہٗ وَلَا اَخْشٰی اِلَّا عَدْلَہٗ وَلَا اَعْتَمِدُ اِلَّا قَوْلَہٗ وَلَا اُمْسِکُ اِلَّا بِحَبْلِہٖ بِکَ اَسْتَجِیْرُ یَا ذَا الْعَفْوِ وَالرِّضْوَانِ مِنَ الظُّلْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمِنْ غِیَرِ الزَّمَانِ وَتَوَاتُرِ الْاَحْزَانِ وَطَوَارِقِ الْحَدَثَانِ وَمِنِ انْقِضَاءِ الْمُدَّۃِ قَبْلَ التَّاَھُّبِ وَالْعُدَّۃِ وَاِیَّاکَ اَسْتَرْشِدُ لِمَا فِیْہِ الصَّلَاحُ وَالْاِصْلَاحُ وَبِکَ اَسْتَعِیْنُ فِیْمَا یَقْتَرِنُ بِہِ النَّجَاحُ وَالْاِنْجَاحُ وَاِیَّاکَ اَرْغَبُ فِیْ لِبَاسِ الْعَافِیَۃِ وَتَمَامِھَا وَشُمُوْلِ السَّلَامَۃِ وَدَوَامِھَا وَاَعُوْذُ بِکَ یَا رَبِّ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَحْتَرِزُ بِسُلْطَانِکَ مِنْ جَوْرِ السَّلَاطِیْنِ فَتَقَبَّلْ مَا کَانَ مِنْ صَلٰوتِیْ وَصَوْمِیْ وَاجْعَلْ غَدِیْ وَمَا بَعْدَہٗ اَفْضَلَ مِنْ سَاعَتِیْ وَیَوْمِیْ وَاَعِزَّنِیْ فِیْ عَشِیْرَتِیْ وَقَوْمِیْ وَاحْفَظْنِیْ فِیْ یَقْظَتِیْ وَنَوْمِیْ فَاَنْتَ اللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَءُ اِلَیْکَ فِیْ یَوْمِیْ ھٰذَا وَمَا بَعْدَہٗ مِنَ الْاٰحَادِ مِنَ الشِّرْکِ وَالْاِلْحَادِ وَاُخْلِصُ لَکَ دُعَائِیْ تَعَرُّضًا لِلْاِجَابَۃِ وَاُقِیْمُ عَلٰی طَاعَتِکَ رَجَاءً لِلْاِثَابَۃِ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ خَیْرِ خَلْقِکَ الدَّاعِیْ اِلٰی حَقِّکَ وَاَعِزَّنِیْ بِعِزِّکَ الَّذِیْ لَا یُضَامُ وَاحْفَظْنِیْ بِعَیْنِکَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ وَاخْتِمْ بِالْاِنْقِطَاعِ اِلَیْکَ اَمْرِیْ وَبِالْمَغْفِرَۃِ عُمْرِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

دعائے دوشنبہ (سوموار)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یُشْھِدْ اَحَدًا حِیْنَ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا اتَّخَذَ مُعِیْنًا حِیْنَ بَرَءَ النَّسَمَاتِ لَمْ یُشَارَکْ فِی الْاِلٰھِیَّۃِ وَلَمْ یُظَاھَرْ فِی الْوَحْدَانِیَّۃِ کَلَّتِ الْاَلْسُنُ عَنْ غَایَۃِ صِفَتِہٖ وَالْعُقُوْلُ عَنْ کُنْہِ مَعْرِفَتِہٖ وَتَوَاضَعَتِ الْجَبَابِرَۃُ لِھَیْبَتِہٖ وَعَنَتِ الْوُجُوْہُ لِخَشْیَتِہٖ وَانْقَادَ کُلُّ عَظِیْمٍ لِعَظَمَتِہٖ فَلَکَ الْحَمْدُ مُتَوَاتِرًا مُتَّسِقًا وَمُتَوَالِیًا مُسْتَوْسِقًا وَصَلَوَاتُہٗ

عَلٰى رَسُوْلِهٖ اَبَدًا وَسَلَامُهٗ دَائِمًا سَرْمَدًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ يَوْمِيْ هٰذَا صَلَاحًا وَاَوْسَطَهٗ فَلَاحًا وَاٰخِرَهٗ نَجَاحًا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ يَوْمٍ اَوَّلُهٗ فَزَعٌ وَاَوْسَطُهٗ جَزَعٌ وَاٰخِرُهٗ وَجَعٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ لِكُلِّ نَذْرٍ نَذَرْتُهٗ وَكُلِّ وَعْدٍ وَعَدْتُهٗ وَكُلِّ عَهْدٍ عَاهَدْتُهٗ ثُمَّ لَمْ اَفِ بِهٖ وَاَسْئَلُكَ فِيْ مَظَالِمِ عِبَادِكَ عِنْدِيْ فَاَيُّمَا عَبْدٍ مِنْ عَبِيْدِكَ اَوْ اَمَةٍ مِنْ اِمَائِكَ كَانَتْ لَهٗ قِبَلِيْ مَظْلِمَةٌ ظَلَمْتُهَا اِيَّاهُ فِيْ نَفْسِهٖ اَوْ فِيْ عِرْضِهٖ اَوْ فِيْ مَالِهٖ اَوْ فِيْ اَهْلِهٖ وَوَلَدِهٖ اَوْ غِيْبَةٌ اغْتَبْتُهٗ بِهَا اَوْ تَحَامُلٌ عَلَيْهِ بِمَيْلٍ اَوْ هَوًى اَوْ اَنَفَةٍ اَوْ حَمِيَّةٍ اَوْ رِيَاءٍ اَوْ عَصَبِيَّةٍ غَائِبًا كَانَ اَوْ شَاهِدًا وَحَيًّا كَانَ اَوْ مَيِّتًا فَقَصُرَتْ يَدِيْ وَضَاقَ وُسْعِيْ عَنْ رَدِّهَا اِلَيْهِ وَالتَّحَلُّلِ مِنْهُ فَاَسْئَلُكَ يَا مَنْ يَمْلِكُ الْحَاجَاتِ وَهِيَ مُسْتَجِيْبَةٌ لِمَشِيَّتِهٖ وَمُسْرِعَةٌ اِلٰى اِرَادَتِهٖ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْ تُرْضِيَهٗ عَنِّيْ بِمَا شِئْتَ وَتَهَبَ لِيْ مِنْ عِنْدِكَ رَحْمَةً اِنَّهٗ لَا تَنْقُصُكَ الْمَغْفِرَةُ وَلَا تَضُرُّكَ الْمَوْهِبَةُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَوْلِنِيْ فِيْ كُلِّ يَوْمِ اثْنَيْنِ نِعْمَتَيْنِ مِنْكَ ثِنْتَيْنِ سَعَادَةً فِيْ اَوَّلِهٖ بِطَاعَتِكَ وَنِعْمَةً فِيْ اٰخِرِهٖ بِمَغْفِرَتِكَ يَا مَنْ هُوَ الْاِلٰهُ وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ سِوَاهُ۔

دعائے سہ شنبہ (منگل)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ حَقُّهٗ كَمَا يَسْتَحِقُّهٗ حَمْدًا كَثِيْرًا وَاَعُوْذُ بِهٖ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ وَاَعُوْذُ بِهٖ مِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ الَّذِيْ يَزِيْدُنِيْ ذَنْبًا اِلٰى ذَنْبِيْ وَاَحْتَرِزُ بِهٖ مِنْ كُلِّ جَبَّارٍ فَاجِرٍ وَسُلْطَانٍ جَائِرٍ وَعَدُوٍّ قَاهِرٍ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ جُنْدِكَ فَاِنَّ جُنْدَكَ هُمُ الْغَالِبُوْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ حِزْبِكَ فَاِنَّ حِزْبَكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ اَوْلِيَائِكَ فَاِنَّ اَوْلِيَائَكَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيْ فَاِنَّهٗ عِصْمَةُ اَمْرِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ اٰخِرَتِيْ فَاِنَّهَا دَارُ مَقَرِّيْ وَاِلَيْهَا مِنْ مُجَاوَرَةِ اللِّئَامِ مَفَرِّيْ وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً لِيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَالْوَفَاةَ رَاحَةً لِيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَتَمَامِ عِدَّةِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَاَصْحَابِهِ الْمُنْتَجَبِيْنَ وَهَبْ لِيْ فِي الثُّلَاثَاءِ ثَلَاثًا لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا غَمًّا اِلَّا اَذْهَبْتَهٗ وَلَا

عَدُوًّا إِلَّا دَفَعْتَهُ بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ أَسْتَدْفِعُ كُلَّ مَكْرُوهٍ أَوَّلُهُ سَخَطُهُ وَأَسْتَجْلِبُ كُلَّ مَحْبُوبٍ أَوَّلُهُ رِضَاهُ فَاخْتِمْ لِي مِنْكَ بِالْغُفْرَانِ يَا وَلِيَّ الْإِحْسَانِ.

دعائے چہار شنبہ (بدھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا لَكَ الْحَمْدُ أَنْ بَعَثْتَنِي مِنْ مَرْقَدِي وَلَوْ شِئْتَ جَعَلْتَهُ سَرْمَدًا حَمْدًا دَائِمًا لَا يَنْقَطِعُ أَبَدًا وَلَا يُحْصِي لَهُ الْخَلَائِقُ عَدَدًا اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْ خَلَقْتَ فَسَوَّيْتَ وَقَدَّرْتَ وَقَضَيْتَ وَأَمَتَّ وَأَحْيَيْتَ وَأَمْرَضْتَ وَشَفَيْتَ وَعَافَيْتَ وَأَبْلَيْتَ وَعَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَيْتَ وَعَلَى الْمُلْكِ احْتَوَيْتَ أَدْعُوكَ دُعَاءَ مَنْ ضَعُفَتْ وَسِيلَتُهُ وَانْقَطَعَتْ حِيلَتُهُ وَاقْتَرَبَ أَجَلُهُ وَتَدَانَى فِي الدُّنْيَا أَمَلُهُ وَاشْتَدَّتْ إِلَى رَحْمَتِكَ فَاقَتُهُ وَعَظُمَتْ لِتَفْرِيطِهِ حَسْرَتُهُ وَكَثُرَتْ زَلَّتُهُ وَعَثْرَتُهُ وَخَلَصَتْ لِوَجْهِكَ تَوْبَتُهُ فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ وَارْزُقْنِي شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَلَا تَحْرِمْنِي صُحْبَتَهُ إِنَّكَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ اللّٰهُمَّ اقْضِ لِي فِي الْأَرْبِعَاءِ أَرْبَعًا اجْعَلْ قُوَّتِي فِي طَاعَتِكَ وَنَشَاطِي فِي عِبَادَتِكَ وَرَغْبَتِي فِي ثَوَابِكَ وَزُهْدِي فِيمَا يُوجِبُ أَلِيمَ عِقَابِكَ إِنَّكَ لَطِيفٌ لِمَا تَشَاءُ

دعائے پنجشنبہ (جمعرات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ اللَّيْلَ مُظْلِمًا بِقُدْرَتِهِ وَجَاءَ بِالنَّهَارِ مُبْصِرًا بِرَحْمَتِهِ وَكَسَانِي ضِيَاءَهُ وَأَنَا فِي نِعْمَتِهِ اللّٰهُمَّ فَكَمَا أَبْقَيْتَنِي لَهُ فَأَبْقِنِي لِأَمْثَالِهِ وَصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَلَا تَفْجَعْنِي فِيهِ وَفِي غَيْرِهِ مِنَ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ بِارْتِكَابِ الْمَحَارِمِ

وَاكْتِسَابِ الْمَآثِمِ وَارْزُقْنِي خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا فِيهِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهُ وَاصْرِفْ
عَنِّي شَرَّهُ وَشَرَّ مَا فِيهِ وَشَرَّ مَا بَعْدَهُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي بِذِمَّةِ الْإِسْلَامِ أَتَوَسَّلُ
إِلَيْكَ وَبِحُرْمَةِ الْقُرْآنِ أَعْتَمِدُ عَلَيْكَ وَبِمُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَآلِهِ أَسْتَشْفِعُ لَدَيْكَ فَاعْرِفِ اللّٰهُمَّ ذِمَّتِيَ الَّتِي رَجَوْتُ بِهَا
قَضَاءَ حَاجَتِي يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ اَللّٰهُمَّ اقْضِ لِي فِي الْخَمِيسِ خَمْسًا
لَا يَتَّسِعُ لَهَا إِلَّا كَرَمُكَ وَلَا يُطِيقُهَا إِلَّا نِعَمُكَ سَلَامَةً أَقْوَى بِهَا
عَلَى طَاعَتِكَ وَعِبَادَةً أَسْتَحِقُّ بِهَا جَزِيلَ مَثُوبَتِكَ وَسَعَةً فِي الْحَالِ
مِنَ الرِّزْقِ الْحَلَالِ وَأَنْ تُؤْمِنَنِي فِي مَوَاقِفِ الْخَوْفِ بِأَمْنِكَ وَتَجْعَلَنِي
مِنْ طَوَارِقِ الْهُمُومِ وَالْغُمُومِ فِي حِصْنِكَ وَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَ
اجْعَلْ تَوَسُّلِي بِهِ شَافِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ نَافِعًا إِنَّكَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

دُعائے جمعہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْأَوَّلِ قَبْلَ الْإِنْشَاءِ وَالْإِحْيَاءِ وَالْآخِرِ
بَعْدَ فَنَاءِ الْأَشْيَاءِ الْعَلِيمِ الَّذِي لَا يَنْسَى مَنْ ذَكَرَهُ وَلَا يَنْقُصُ مَنْ شَكَرَهُ وَلَا يَخِيبُ مَنْ دَعَاهُ
وَلَا يَقْطَعُ رَجَاءَ مَنْ رَجَاهُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُشْهِدُكَ وَكَفَى بِكَ شَهِيدًا وَأُشْهِدُ جَمِيعَ مَلَائِكَتِكَ
وَسُكَّانَ سَمٰوَاتِكَ وَحَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَنْ بَعَثْتَ مِنْ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ وَأَنْشَأْتَ مِنْ
أَصْنَافِ خَلْقِكَ أَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ
لَكَ وَلَا عَدِيلَ وَلَا خُلْفَ لِقَوْلِكَ وَلَا تَبْدِيلَ وَأَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ عَبْدُكَ
وَرَسُولُكَ أَدَّى مَا حَمَّلْتَهُ إِلَى الْعِبَادِ وَجَاهَدَ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ حَقَّ الْجِهَادِ وَأَنَّهُ بَشَّرَ
بِمَا هُوَ حَقٌّ مِنَ الثَّوَابِ وَأَنْذَرَ بِمَا هُوَ صِدْقٌ مِنَ الْعِقَابِ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنِي عَلَى دِينِكَ
مَا أَحْيَيْتَنِي وَلَا تُزِغْ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ
أَنْتَ الْوَهَّابُ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْنِي مِنْ أَتْبَاعِهِ وَشِيعَتِهِ وَاحْشُرْنِي فِي
زُمْرَتِهِ وَوَفِّقْنِي لِأَدَاءِ فَرْضِ الْجُمُعَاتِ وَمَا أَوْجَبْتَ عَلَيَّ فِيهَا مِنَ
الطَّاعَاتِ وَقَسَمْتَ لِأَهْلِهَا مِنَ الْعَطَاءِ فِي يَوْمِ الْجَزَاءِ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ.

دعائے شنبہ (ہفتہ)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، بِسْمِ اللهِ كَلِمَةِ الْمُعْتَصِمِيْنَ وَمَقَالَةِ الْمُتَحَرِّزِيْنَ وَ
اَعُوْذُ بِاللهِ تَعَالٰى مِنْ جَوْرِ الْجَآئِرِيْنَ وَكَيْدِ الْحَاسِدِيْنَ وَبَغْيِ الظَّالِمِيْنَ وَاَحْمَدُهٗ فَوْقَ
حَمْدِ الْحَامِدِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْوَاحِدُ بِلَا شَرِيْكٍ وَالْمَلِكُ بِلَا تَمْلِيْكٍ لَا تُضَادُّ فِيْ حُكْمِكَ
وَلَا تُنَازَعُ فِيْ مُلْكِكَ اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَاَنْ تُوْزِعَنِيْ مِنْ شُكْرِ
نُعْمَاكَ مَا تَبْلُغُ بِيْ غَايَةَ رِضَاكَ وَاَنْ تُعِيْنَنِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ وَلُزُوْمِ عِبَادَتِكَ وَاسْتِحْقَاقِ مَثُوْبَتِكَ
بِلُطْفِ عِنَايَتِكَ وَتَرْحَمَنِيْ بِصَدِّيْ عَنْ مَعَاصِيْكَ مَا اَحْيَيْتَنِيْ وَتُوَفِّقَنِيْ بِمَا يَنْفَعُنِيْ
مَا اَبْقَيْتَنِيْ وَاَنْ تَشْرَحَ بِكِتَابِكَ صَدْرِيْ وَتَحُطَّ بِتِلَاوَتِهٖ وِزْرِيْ وَتَمْنَحَنِيْ
السَّلَامَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَنَفْسِيْ وَلَا تُوْحِشَ بِيْ اَهْلَ اُنْسِيْ وَتُتِمَّ اِحْسَانَكَ فِيْمَا بَقِيَ مِنْ عُمُرِيْ
كَمَا اَحْسَنْتَ فِيْمَا مَضٰى مِنْهُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

نمازِ جمعہ کا پہلا خطبہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَانَ مَوْجُوْدًا
قَبْلَ حُدُوْثِ الْاَشْيَاءِ وَيَبْقٰى بَعْدَ فَنَاءِ الْاَشْيَاءِ تَفَرَّدَ بِالْاَوَّلِيَّةِ وَالْقِدَمِ
وَوَسَمَ كُلَّ شَيْءٍ مَا عَدَاهُ بِالْفَنَآءِ وَالْعَدَمِ كَمَا قَالَ عَزَّ شَانُهٗ كُلُّ
شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ وَكُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَقَالَ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا
فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَخْفٰى
عَلَيْهِ اخْتِلَافُ النِّيَّاتِ وَلَا يَعْزُبُ عَنْهُ مَعَاصِي الْعِبَادِ فِي الْخَلَوَاتِ
سُبْحَانَ اللهِ الَّذِيْ مِنْهُ خِلْقَةُ الْعِبَادِ وَاِلَيْهِ الْمَعَادُ فَمَنْ يَّعْمَلْ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ نَشْهَدُ
اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الَّذِيْ لَا يُنَازَعُ فِيْ مُلْكِهٖ وَلَا يُضَادُّ فِيْ حُكْمِهٖ
يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ بِمَا يَشَآءُ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ بِمَا
يَشَآءُ كَيْفَ يَشَآءُ تَعْذِيْبُهُ الْمُسِيْئِيْنَ عَدْلٌ وَّعَفْوُهٗ تَفَضُّلٌ وَنَشْهَدُ
اَنَّ مُحَمَّدًا سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَيْرُ الْمُبَشِّرِيْنَ وَالْمُنْذِرِيْنَ صَلَّى اللهُ

عليه وآله الهداة المهديين من ركب سفينتهم نجا واقتدى
ومن تخلف عنها هلك وغرق وهوى أوصيكم عباد الله
بالاعتصام بالتقوى فإنه حبل متين وعروة وثقى وبمبادرتكم
الموت قبل حلوله وإعداد العمل الصالح قبل نزوله فإنه وارد
واقع نازل وإن تفروا منه أو كنتم في بروج مشيدة الله الله
عباد الله فإن كل حي في الدنيا إلى فناء وكل مدة فيها إلى
انتهاء فواعجباه كيف هذه الغفلة وإنما نحن كركب وقوف
من أبناء السبيل سيضرب عليهم طبل الرحيل فيرتحلون
عنا قليل وا أسفاه إلى متى تلك الرقدة ونحن في دار
بالبلاء محفوفة وبالغدر معروفة لا تدوم أحوالها ولا تسلم
نزالها العيش فيها مذموم والأمان فيها معدوم كيف لا
تعتبرون وإخوانكم قد سلكوا في بطون البرازخ سبيلا وفقدت
أجسادهم وعميت أخبارهم أمدا طويلا جيران لا يتآنسون
وأحياء لا يتزاورون واغربتاه من بيت وحدتنا ومنزل وحشتنا
ومحط حفرتنا ومفرد تربتنا وامصيبتاه ما أسرع الطلب والعد
السفر وأقل الزاد وأنفسنا إذا أسلمنا الأحباء إلى الملائكة الغلاظ
الشداد وأحدناه إذا انقطع ذكرنا عن خواطر الأحباء والأقرباء
وأكلت الديدان محاسننا وتصرمت الأعضاء فليبك الباكون قبل
أن لا ينفع البكاء ويستغفرن من الخطيئات التي تحول بين الأمهات
والآباء إن أحسن الحديث وأبلغ الموعظة كتاب الله أعوذ بالله من
الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم والعصر إن الإنسان
لفي خسر إلا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا
بالصبر

نمازِ جمعہ کا دوسرا خطبہ

بسم الله الرحمن الرحيم ۝ الحمد لله الذي لا اله الا هو الحليم
الكريم غافر الذنب وقابل التوب وهو الغفور الرحيم سبحان من سبقت
رحمته غضبه وبسط اليدين بالرحمة سبحان من لم يكلف نفسا الا
وسعها وعفا عن السيئات ولم يجازيها سبحان من لا يزداد على معاصي
العباد الا كرما وجودا وعلى كثرة الذنوب الا عفوا وصفحا نشهد ان
لا اله الا هو العطوف على العباد بجوده والجواد على المذنبين بحلمه ونشهد
ان محمدا نبيه وحبيبه سيد المرسلين وشفيع المذنبين بعثه رحمة
للعالمين صلى الله عليه واله الداعين الى سبيل الله بالحكمة والموعظة الحسنة
قادة الامم واولياء النعم ومعدن الرحمة اوصيكم
عباد الله بالتوبة عما سلف من ذنوبكم والانابة عن
الاوزار التي اثقلت ظهوركم فانه تعالى كريم بكم
رؤف عليكم يقبل اليسير ويعفو عن الكثير قال الله
تعالى وبقوله الحق توبوا الى الله توبة نصوحا عسى ربكم
ان يكفر عنكم سيئاتكم ويدخلكم جنات تجري من تحتها
الانهار وقال قل يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا
من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا انه هو الغفور الرحيم
الا قد امركم الله في محكم كتابه بالصلوة على نبيه وحبيبه
فقال تعليما لكم وتشريفا لصفيه ان الله وملٰئكته يصلون
على النبي يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما اللهم
صل على سيد المرسلين وشفيع المذنبين نبينا محمد صلى الله عليه
واله وعلى امام المسلمين وقائد الغر المحجلين امير المؤمنين
علي بن ابي طالب صلوات الله عليه واله وعلى سيدة نساء العالمين

وَبَضْعَةِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ سَيِّدَتِنَا فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَوٰتُ اللّٰهِ
عَلَيْهَا وَعَلَى الْحَسَنِ الْمُجْتَبٰى وَالْحُسَيْنِ الشَّهِيْدِ بِكَرْبَلَاءِ وَعَلِيِّ بْنِ
الْحُسَيْنِ وَمُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَجَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَمُوْسَى بْنِ جَعْفَرٍ
وَعَلِيِّ بْنِ مُوْسٰى وَمُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَعَلِيِّ مُحَمَّدٍ وَالْحَسَنِ بْنِ
عَلِيٍّ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَوْلَانَا صَاحِبِ الزَّمَانِ

مَاحِيْ اٰثَارِ الْبِدَعِ وَالطُّغْيَانِ هَادِمِ اَبْنِيَةِ الشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ حَاصِدِ
فُرُوْعِ الْبَغْيِ وَالشِّقَاقِ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰبَائِهِ الْكِرَامِ
مَا اتَّصَلَتِ اللَّيَالِيْ وَالْاَيَّامُ اَللّٰهُمَّ عَجِّلْ فَرَجَهُ وَسَهِّلْ مَخْرَجَهُ وَا
كْحُلْ نَاظِرَنَا بِنَظْرَةٍ مِنَّا اِلَيْهِ وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمُسْتَشْهَدِيْنَ بَيْنَ
يَدَيْهِ وَتَفَضَّلْ عَلٰى اُمَرَائِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَزِيْدِ التَّوْفِيْقَاتِ
وَازْدِيَادِ الْاِقْبَالِ وَعُلُوِّ الدَّرَجَاتِ اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَهْلُهٗ
وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَهْلُهٗ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْمَعْصُوْمِيْنَ صَلَوٰتُ
اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعُهُ الذِّكْرٰى
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

منافیات و مبطلات نماز

جن کو قواطع نماز بھی کہا جاتا ہے ان سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے بجالانے یا سرزد ہو جانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور وقت کے اندر اعادہ اور بعد از وقت اس کی قضا کرنی پڑتی ہے اور وہ عندا لتحقیق آٹھ ہیں۔

اول حدث اکبر یا حدث اصغر = حالت نماز میں جب اور جہاں بھی حدث اکبر (جو موجب غسل ہوتا ہے) یا حدث اصغر (جو موجب وضو ہوتا ہے) نماز گزار سے سرزد ہو جائے۔ خواہ عمداً" ہو یا سہواً" بالاتفاق اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ نماز کی صحت طہارت کے ساتھ مشروط ہے اور جب طہارت ہی رخصت ہو جائے تو پھر نماز کی صحت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں البتہ مسلوس (جو سلسل البول کا مریض ہے) مبطون (جو دائمی اسہال کا مریض ہے) اور زن مستحاضہ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کی تفصیل ابواب طہارت میں گزر چکی ہے۔

دوم = کلام عمدی اگرچہ صرف دو حرفوں سے مرکب ہو۔ لہٰذا عمداً" کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اگرچہ وہ کلام مہمل اور بے معنی ہی کیوں نہ ہو۔ اس پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ لیکن جو کچھ اجمال و اشکال ہے وہ ایک حرفی کلام میں ہے جو بامعنی ہو جیسے "ق" جو وقی یقی سے "امر" کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے اے مخاطب بچ یا (ف) جو وفی یفی سے امر کا صیغہ ہے۔ جس کا مفہوم ہے "اے مخاطب وفا کر" اگر اقوی نہیں تو احوط یہی ہے کہ اس سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے بشرطیکہ متکلم کو اس کے معنی کا علم اور اس کی طرف التفات بھی ہو کیونکہ گو بظاہر یہ ایک حرف ہے مگر اسناد مفید پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اہل زبان کے نزدیک یہ کلام ہے ہاں البتہ اگر وہ ایک حرف مہمل ہو، تو اس سے نماز باطل نہ ہو گی۔ اس حکم سے بناء بر مشہور دعا اور قرآن مستثنیٰ ہیں لہٰذا ہر جائز دعا کرنے اور قرآن پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ کیونکہ نماز میں اپنے لئے اور اپنے دینی بھائیوں کیلئے دعا کرنے کے جواز پر بکثرت روایات دلالت کرتے ہیں اسی طرح بعض آثار سے قرآن خوانی کا بھی جواز ظاہر ہوتا ہے (ذکر خدا کا بھی یہی حکم ہے) اسی طرح کھانسنے، جمائی لینے یا ناک صاف کرنے، پھونک مارنے اور اپنے گناہوں پر آہ کرنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے (اگرچہ اس حال میں کچھ الفاظ بھی نکل جائیں) کیونکہ ایسے آدمیوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کھانس رہے ہیں یا پھونک مار رہے ہیں یا جمائی لے رہے ہیں یہ نہیں

کہا جاتا کہ وہ کلام کر رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ احکام کا دار و مدار نام پر ہوتا ہے بنابریں کسی شخص کو اپنی طرف یا کسی اور طرف متوجہ کرنے کے لئے کھانسنے میں کوئی اشکال نہیں ہے اور مشہور و منصور قول یہ ہے کہ سہواً کلام کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی خواہ یہ بھول کر کلام کرے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے یا یہ خیال کر کے کرے کہ وہ نماز پڑھ چکا ہے حالانکہ وہ ابھی نماز میں مشغول ہو جیسا کہ ائمہ اطہارؑ اور علماء ابرارؒ کے کلام میں اس کی تصریح موجود ہے البتہ احوط یہ ہے کہ مکرہ و مجبور کا یہ حکم نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کے مجبور کرنے سے نماز میں کلام کرے۔ تو اس کو نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا۔ واللہ العالم

اسی طرح سلام کا جواب دینے سے بھی نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اگرچہ نمازی پر سلام کرنا مکروہ ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس کا جواب دینا واجب ہے کیونکہ سلام کرنا سنت ہے مگر اس کا جواب اور وہ بھی بناء بر مشہور فوراً دینا واجب کفائی ہے ہاں البتہ یہ شرط ہے کہ جن لفظوں کے ساتھ سلام کرنے والا سلام کرے نماز گزار بھی جواب میں وہی الفاظ استعمال کرے مثلاً اگر سلام کرنے والا السلام علیکم کہے تو نمازی بھی جواب میں السلام علیکم ہی کہے اور اگر وہ سلام علیکم کہے تو یہ بھی سلام علیکم کہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس

سیوم قبلہ سے انحراف

اس قدر اجمالاً تو بالاتفاق ثابت ہے کہ قبلہ سے انحراف بطلان نماز کا باعث ہے مگر بعض صورتوں میں نماز باطل نہیں ہوتی اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ یہ انحراف یا تو صرف چہرہ کے ساتھ ہو گا یا تمام بدن کے ساتھ پھریا تو یہ عمداً ہو گا یا سہواً ذیل میں ان تمام شقوں کے احکام علیحدہ علیحدہ بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اگر یہ انحراف صرف منہ سے ہے (بدن سے نہیں ہے) اور ہے بھی بالکل پشت بقبلہ (بشرطیکہ ایسا ممکن ہو) تو اگر عمداً ہے تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر اضطراراً یا سہواً ایسا ہو جائے تو بطلان میں اشکال ہے ہاں احوط یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کیا جائے۔

۲۔ یہ انحراف صرف چہرہ کے ساتھ ہو اور ہو بالکل دائیں بائیں طرف (یعنی ہمارے ملک میں جنوب یا شمال کے وسطی نقطہ تک) تو اگر عمداً ہے تو اگرچہ مشہور بین الاصحاب کراہت ہے مگر احتیاط واجب یہ ہے کہ نماز کو باطل تصور کیا جائے اور اس کا اعادہ کیا جائے ہاں البتہ اگر سہواً

ایسا ہو جائے تو نماز باطل نہ ہو گی۔

۳۔ یہ انحراف خواہ عمداً ہو یا سہواً قبلہ کے دائیں یا بائیں آخری نقطہ کے بین بین ہو تو ظاہر یہ ہے کہ یہ انحراف صرف مکروہ ہے مبطل نماز نہیں ہے۔ اور اگر یہ انحراف سارے بدن کے ساتھ ہے تو اس کی بھی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ یہ انحراف اس حد تک ہو کہ قبلہ کی طرف پشت ہو جائے اور ہو بھی عمداً تو پھر بالاتفاق نماز باطل ہے اور اگر مذکورہ بالا صورتحال سہواً پیش آئے تو اگرچہ مشہور عدم بطلان ہے۔ مگر بطلان اقوی نہیں تو احوط ضرور ہے۔

۲۔ یہ انحراف بدنی اور عمدی یمین ویسار (دائیں بائیں) کے آخری نقطہ تک ہو۔ تو اظہر یہ ہے کہ نماز باطل ہے اور اگر سہواً ایسا ہو جائے تو جو کچھ احادیث اہل بیتؑ سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وقت کے اندر نماز کا اعادہ کرنا چاہئے اور اگر وقت گزر جائے تو قضا لازم نہیں ہے اگرچہ احوط ضرور ہے۔

۳۔ یہ انحراف بدنی و عمدی یمین و یسار کے بین بین ہو ظاہر یہی ہے کہ اس صورت میں نماز باطل ہے کیونکہ اس پر صادق آتا ہے کہ جان بوجھ کر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی گئی ہے اور اگر سہواً ایسا ہو جائے تو اظہر یہ ہے کہ نماز صحیح ہے واللہ العالم۔

چہارم قہقہہ لگانا = قہقہہ لگا کر ہنسنے سے بالاتفاق نماز باطل ہو جاتی ہے ہاں البتہ صرف تبسم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

پنجم دنیوی امور کیلئے رونا = مشہور بین الفقہاء یہ ہے (جس کی بعض روایات سے بھی تائید مزید ہوتی ہے) کہ دنیوی امور جیسے مالی یا جانی نقصان یا کسی عزیز کی موت یا مفارقت پر گریہ کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اگر یہ گریہ و بکاء جنت کے شوق یا جہنم کے خوف یا عظمت پروردگار کے تصور اور اپنے گناہوں کی بخشش کیلئے ہو تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ افضل ترین عبادت ہے نیز واضح رہے کہ دنیوی امور کے لئے جس گریہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان دنیوی امور کو یاد کر کے گریہ کیا جائے لیکن اگر کسی جائز دنیوی مقصد کے حصول کیلئے بارگاہ ایزدی میں رو کر دعا کی جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

ششم = نماز کے کسی واجبی جزء کا عمداً کم یا زیادہ کرنا اس سے بھی بالاتفاق نماز باطل ہو جاتی

ہے۔

ہفتم = تکفیر یعنی نماز میں ہاتھ باندھنا اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ فعل قبیح بعض لوگوں کی ایجاد ہے اس لئے بدعت سیئہ ہے

نماز میں ہاتھ باندھنے یا کھولنے کا اسلامی فیصلہ

منجملہ ان معرکۃ الاراء اسلامی اختلافی مسائل کے ایک مسئلہ نماز میں ہاتھ باندھنے یا کھلے رکھنے کا بھی ہے چنانچہ تمام ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور برادران اہلسنت کے امام مالک ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں اور اسے ہی سنت رسولؐ بتاتے ہیں مگر امام ابو حنیفہ ناف کے نیچے باندھ کر امام شافعی ناف کے اوپر پیٹ پر اور امام احمد بن حنبل سینہ پر باندھ کر پڑھتے اور اسے سنت رسولؐ قرار دیتے ہیں۔ ابوالحسن شعرانی کا فتویٰ یہ ہے کہ خواص باندھ کر' اور عوام کھول کر پڑھیں اور ابن منذر کہتے ہیں۔ "لم یثبت عن النبیؐ شئی فھو مخیر۔ یعنی اس مسئلہ میں جناب رسولؐ خدا سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے اس لئے نمازی کو اختیار ہے کہ کھول کر پڑھے یا باندھ کر (نیل الاوطار ج ۲ ص ۸ ۷ طبع مصر)

حقیقت یہ ہے کہ کھلے ہاتھ نماز پڑھنا کسی ثبوت کا محتاج نہیں ہے دنیا میں آتے' دنیا سے جاتے' اٹھتے بیٹھتے اور سوتے' جاگتے الغرض ہر حالت میں فطرتاً" ہر آدمی کے ہاتھ کھلے ہوتے ہیں اور اسلام ہے دین فطرت (فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا) اب اگر خدائے حکیم اس فطری حالت میں کوئی تبدیلی چاہتا تو وہ حکم دیتا کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھو۔ لیکن جب اس نے ایسا کوئی حکم قرآن میں نہیں دیا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم اس فطری حالت کے مطابق نماز پڑھانا چاہتا ہے باقی رہا یہ اعتراض کہ اگر خدا نے نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم نہیں دیا تو کھولنے کا بھی تو کہیں حکم نہیں دیا تو اس کا جواب واضح ہے کہ جب ہمیشہ فطرت کے مطابق آدمی کے ہاتھ کھلے ہوتے ہیں تو کھلے ہاتھ والے کو حکم دینا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھے یہ بوجہ تحصیل حاصل ہونے کے اسی طرح قبیح اور غلط ہے جیسے کھڑے ہوئے آدمی سے کہنا کہ کھڑا ہو جائے یا بیٹھے ہوئے سے کہنا کہ بیٹھ جائے۔ علاوہ بریں جب تمام اہل اسلام یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کی اتباع واجب ہے کیونکہ رسولؐ کو بھیجنے والے نے انہیں صرف خراج عقیدت وصول کرنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ

اور صحیح وارثان شریعت سید المرسلین یعنی ائمہ طاہرینؑ کی نظر اقدس میں یہ فعل قابل مذمت و نفرین ہے اور انہوں نے اس کی کافی مذمت بھی فرمائی ہے (جو کتب اربعہ وغیرہ میں مذکورہ ہے)

مگر کلام اس میں ہے کہ آیا یہ فعل حرام ہے یا صرف سخت مکروہ ہے اور اگر حرام ہے تو آیا پھر مبطل نماز بھی ہے یا نہ۔ اس سلسلہ میں ہمارے فقہاء کرام میں اختلاف ہے۔ احتیاط واجب یہ ہے کہ اس فعل سے اجتناب کیا جائے اور ارتکاب کی صورت میں نماز کا اعادہ کیا جائے۔(**وان کان القول بالحرمۃ تکلیفا والبطلان وضعا" لا یخلو من وجہ وقوۃ**۔ واللہ العالم) بقیہ حاشیہ ۳۲۵

خراج اتباع و اطاعت وصول کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** تو بناء برین قابل غور و فکر امر یہ ہے کہ جناب رسول ﷺ کا طریقہ کار کیا تھا؟ آیا وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے یا باندھ کر؟ سو جوامر کتب فریقین کی روشنی میں پایہ ثبوت تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ ہمیشہ کھلے ہاتھ نماز پڑھتے تھے اور ہاتھ باندھنے کے متعلق کوئی ایک صحیح السند حدیث کتب اہل سنت میں موجود نہیں ہے بلکہ اسلام میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھانے کا سہرا اسلامی برادری کے دوسرے خلیفہ کے سر پہ ہے (۱) چنانچہ فتاوی شیخ عبدالحئی لکھنوی ج ص ۳۳۶ طبع اول میں ہے۔ **عن معاذؓ ان رسول اللہ کان اذا قام فی الصلوۃ رفع یدیہ قبال اذنیہ فاذا اکبر ارسلھما رواہ الطبرانی**۔ یعنی جناب معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے وقت کانوں تک ہاتھ بلند کرتے اور پھر ان کو کھلا چھوڑ دیتے۔

۲۔ عینی شرح کنز الدقائق ص ۲۵ طبع نو لکشور کے حاشیہ پر یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ "**لان النبیؐ کان یفعل کذلک وکذا اصحابہ حتی ینزل الدم من رؤوس اصابعھم** یعنی آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب اس طرح ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ انکی انگلیوں کے سروں میں خون اتر آتا تھا۔

۳۔ سنن ابوداؤد ص ۱۰۹ میں ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر تجھے یہ پسند ہے کہ رسول خدا کی نماز دیکھے تو عبداللہ بن زبیر کی اقتداء کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن زبیر پیغمبر کی سنت کے مطابق نماز پڑھتا تھا اب رہی یہ بات کہ وہ ہاتھ کھول کر پڑھتا تھا یا ہاتھ باندھ کر؟ تو یہ فیصلہ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۷ اور تسہیل القاری پ ۳ ص ۸۴۰ میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن زبیر ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

ہشتم فعل کثیر کا بجالانا

فعل کثیر کے بجالانے سے بالاتفاق نماز باطل ہو جاتی ہے ہاں فعل قلیل جیسے پگڑی کے پیچ درست کرنا بٹن کا کھولنا یا بند کرنا ڈھیلے تہمند کو مضبوط باندھنا اور اس قسم کے دوسرے ہلکے پھلکے کام کرنے سے نماز باطل نہیں۔

کثرت و قلت کے معیار میں گو اختلاف ہے مگر قول فیصل یہ ہے کہ ہر وہ فعل جس کے بجا لانے سے نماز کی شکل و صورت محو ہو جائے۔ اور لوگ یہ کہیں کہ فلاں شخص نماز نہیں پڑھ رہا بلکہ وہ فلاں کام کر رہا ہے تو وہ فعل کثیر ہے اور مبطل نماز۔ اور جس کے کرنے سے نماز کی

بقیہ حاشیہ ۳۲۶

۴۔ شیخ شہید سہروردی نے بھی اپنی کتاب عوارف المعارف مطبوع برحاشیہ احیاء العلوم غزالی ج ۳ ص ۲۰۰ میں اقرار کیا ہے کہ جناب رسولؐ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے فراجع۔

اس بات کا ایک واضح اور روشن ثبوت کہ جناب رسولؐ خدا ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے عترت رسولؐ کا ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ہے۔ **واهل البیت ادری ما فی البیت** (گھر والے بہتر جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے) چنانچہ علامہ وحید الزمان نے اپنی کتاب تسہیل القاری شرح بخاری پ ۳ ص ۸۴۷/۸۴۰ پر نماز میں ہاتھ باندھنے کے واجب نہ ہونے پر دلائل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے "اگر واجب ہوتا تو اہل بیتؑ کرام اس کو کیونکر ترک کرتے پس ترک دلیل ہے اس کے سنت ہونے کی، پھر لکھا ہے بالجملہ امام مالک اور امام محمد باقرؑ اور ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن زبیر اور حسن بصری اور لیث بن سعد اور اوزاعی وغیرہم سے ارسال منقول ہے) جس دلیل سے علامہ وحید الزمان نے ہاتھ باندھنے کا واجب نہ ہونا ثابت کیا ہے کہ اگر یہ فعل واجب ہوتا تو ائمہ کرام اسے ترک نہ کرتے اسی دلیل سے ہم اس کا سنت نہ ہونا ثابت کرتے ہیں کہ اگر یہ سنت رسولؐ ہوتا تو ائمہ اہل بیتؑ اپنے جد نامدار کی سنت کی کبھی خلاف ورزی نہ کرتے حالانکہ ائمہ اہل بیتؑ کا ہاتھ باندھنا تو بجائے خود وہ تو اسے تکفیر یعنی مجوسیوں کا طریقہ قرار دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۱۵۸ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۹۹ وغیرہ (منہ عفی عنہ)

صورت محو نہ ہو وہ فعل قلیل ہے جس کے بجالانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ یہیں سے کھانے پینے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اس طرح اثناء نماز میں روٹی کھانا یا پانی پینا شروع کر دے کہ عرف عام میں یہی سمجھا جائے کہ فلاں شخص نماز نہیں پڑھ رہا بلکہ روٹی کھا رہا ہے تو وہ فعل کثیر ہونے کی وجہ سے مبطل نماز قرار پائے گا اور اگر ایک آدھ لقمہ نگل لے جس سے ہیئت نماز نہ بگڑنے پائے تو فعل قلیل متصور ہو گا۔ اور اس سے نماز باطل نہ ہو گی چونکہ احادیث میں اکل و شرب کا کوئی علیحدہ امتیازی تذکرہ نہیں ہے اس واسطے اس کیلئے مستقل عنوان قائم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ اسی مذکورہ بالا عمومی عنوان میں داخل ہے واللہ الموفق

مکروہات نماز یا وہ چیزیں جنکا حالت نماز میں ترک کرنا افضل ہے

یعنی وہ امور کہ جن کے بجالانے سے گو نماز باطل تو نہیں ہوتی البتہ اس کے اجر و ثواب میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور وہ چند چیزیں ہیں۔

۱۔ منہ یا آنکھ سے ادھر ادھر توجہ کرنا (نہ اس حد تک جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے) وقد تقدم تفصیلہ)

۲۔ لمبے بالوں کو سر کے وسط یا اگلے حصے میں گوندھ کر (جسے ہماری قومی اصطلاح میں "جوڑا" کہتے ہیں) نماز پڑھنا یہ کراہت صرف مردوں کے ساتھ مختص ہے۔

۳۔ ڈاڑھی یا سر کے بالوں کے ساتھ بازی کرنا۔

۴۔ تھوکنا اور ناک صاف کرنا

۵۔ انگلیوں کے بل نکالنا (جسے پنجابی میں کڑاکے نکالنا کہتے ہیں) یہ سب امور توجہ نفس کے منافی ہیں۔

۶۔ انگڑائی لینا

۷۔ جمائی لینا کیونکہ یہ سب چیزیں سستی اور کاہلی کی علامات ہیں جو نماز میں مذموم ہے۔

۸۔ پیشاب' پاخانہ' اور ریح روک کر نماز پڑھنا' نیند روکنے کا بھی یہی حکم ہے یہ امر خشوع کے خلاف ہے کیونکہ نماز کی بجائے نمازی کی توجہ ادھر ہو جاتی ہے۔

۹۔ دونوں پاؤں کو اس طرح باہم ملا کر رکھنا کہ گویا ان میں بیڑی پڑی ہوئی ہے۔

۱۰۔ سرین یا کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا کہ یہ لاپرواہی اور بدتہذیبی کی علامت ہے جو شہنشاہ عالم

کی بارگاہ کے لائق نہیں۔

۱۱۔ ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے کی انگلیوں میں پیوست کرنا۔

۱۲۔ آنکھوں کا بند کر لینا جو غنودگی کی علامت ہے حالانکہ یہاں پوری بیدار مغزی کی ضرورت ہے۔

۱۳۔ بالوں میں کنگھی کرنا۔

۱۴۔ حدیث نفس یعنی دل میں خیالات فاسدہ کو جگہ دینا کہ اس کی وجہ سے نماز سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔

۱۵۔ الغرض ہر وہ چیز نماز میں مکروہ ہے جس سے نماز گزار کے خشوع و خضوع اور توجہ میں خلل پڑے حالانکہ یہی خشوع و خضوع جسم نماز کی جان ہے۔ (کمالا یخفی علی اہل الایمان)

مسئلۂ مہمہ،

نماز کو شروع کرنے کے بعد بالخصوص نماز فریضہ کو بلاکسی شدید دینی یا دنیوی ضرورت کے توڑنا جائز نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ روایات کثیرہ میں وارد ہے کہ نماز کی تحریم تکبیرۃ الاحرام اور تحلیل سلام ہے البتہ ضرورت کی بات اور ہے کیونکہ "الضرورات تبیح المحذورات" **کما لا یخفی علی المخفورات لفضلا" عن العلماء والسادات**

نماز میں واقع شدہ خلل کا بیان اور اسکے احکام؟

نماز میں جو خلل واقع ہوتا ہے وہ تین حال سے خالی نہیں ہے۔ (۱) یا تو عمدا" واقع ہوگا۔ (۲) یا سہوا" اور (۳) یا بوجہ شک؟ چونکہ ہر قسم کے احکام الگ الگ ہیں اس لئے ہم سب کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں تاکہ حقیقت حال بالکل واضح و آشکار ہوجائے۔

خلل عمدی کے احکام

سو واضح ہو کہ جو شخص عمدا" (جان بوجھ کر) نماز کے کسی واجبی (رکنی یا غیر رکنی) جزء کو بڑھائے یا گھٹائے یا اس کی ہیئت کو تبدیل کرے یا اس کے شرائط کو ترک کرے بہر حال اس سے بالاتفاق نماز باطل ہو جاتی ہے وہو واضح۔

خلل سہوی کے احکام

اور اگر یہ خلل سہوا" واقع ہوا ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اس کا تعلق یا تو شرائط نماز

سے ہو گا۔ (۲) یا اجزاء سے اور ان سے پھر آگے متعدد صورتیں پیدا ہوتی ہیں کیونکہ پہلی قسم میں وہ شرائط یا تو از قسم وقت، قبلہ اور طہارت ہوں گے یا دوسرے عام شرائط اور دوسری قسم میں وہ جز نماز یا تو پوری رکعت ہو گی یا رکعت کا کچھ حصہ؟ پھر وہ حصہ یا تو بناء بر تقسیم مشہور رکن ہو گا یا غیر رکن۔ ذیل میں ان تمام صورتوں کے ترتیب وار احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

وھی ھذہ

اگر وہ شرائط جن کو سہواً ترک کیا گیا ہے (کیونکہ شرائط میں زیادتی کا تصور نہیں ہو سکتا یعنی سہواً وقت سے پہلے یا خلاف قبلہ یا بے طہارت نماز پڑھی گئی ہے) تو نماز باطل ہے۔

(۲) اور اگر دوسرے شرائط ہیں جیسے ترتیب یا مکان و لباس سے متعلقہ شرائط تو اس صورت میں نماز صحیح ہے اور دوسری قسم میں (ا) اگر وہ جزء نماز پوری رکعت ہے تو اس کی زیادتی سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس طرح کئی ارکان کی زیادتی لازم آتی ہے الا اگر ایک رکعت کی کمی واقع ہو جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے جبکہ تدارک ممکن نہ ہو اور اگر تدارک ممکن ہو کیونکہ اسطرح کئی ارکان کی کمی واقع ہو جاتی ہے اور تدارک بھی لیا جائے جیسے سلام کے بعد اور منافیات نماز بجا لانے سے پہلے علم ہو جائے کہ ایک رکعت رہ گئی ہے تو اٹھ کر چونکہ وہ رکعت پڑھی جاسکتی ہے لہذا اگر پڑھ لی جائے تو نماز صحیح متصور ہو گی اور اگر وہ سہو جزء رکعت کے متعلق ہے اور وہ جزء رکن ہے جیسے رکوع یا دو سجدے تو بنا بر مشہور اس کا حکم پوری رکعت والا ہے اس کی زیادتی سے اور کمی سے بھی جبکہ اس کا تدارک نہ ہو سکتا ہو یا اگر ہو سکتا تھا مگر نہ کیا گیا ہو تو اس سے نماز باطل ہو جائے گی اور اگر تدارک ہو سکتا ہو اور کر بھی لیا جائے تو نماز صحیح ہو گی۔ مثلاً اگر کوئی جزء (رکن یا غیر رکن) رہ جائے تو جب تک اس کا محل باقی ہے تو اس کو بجا لا کر تدارک کیا جاسکتا ہے مثلاً رکوع رہ گیا ہے تو وہ کیا جاسکتا ہے قرات رہ گئی ہے تو پڑھی جاسکتی ہے اور اگر سجدے رہ گئے ہیں تو کئے جاسکتے ہیں ہاں البتہ جب تدارک کا محل گزر جائے تو پھر تدارک نہیں ہو سکتا۔

تجاوز محل کی صورتیں

اور یہ تجاوز از محل تین طرح متصور ہو سکتا ہے۔ (ا) دوسرے رکن میں داخل ہو جانے سے جیسے قرات رہ جائے اور نماز گزار رکوع میں چلا جائے یا رکوع رہ جائے اور وہ سجدہ میں

داخل ہو جائے۔ (۲) سلام پھیرنے سے جیسے دو سجدے رہ جائیں اور نمازی تشہد کے بعد سلام پھیر دے۔ (۳) یا وہ فعل گزر جائے جس میں اس ترک شدہ چیز کو بجالانا تھا جیسے کوئی شخص ذکر رکوع و سجود یا ان میں طمانیت کرنا بھول جائے اور رکوع و سجود سے سر اٹھانے کے بعد یاد آئے لہٰذا اس آخری شق (تدارک نہ کر سکنے کی صورت میں) اگر وہ ترک شدہ جزء واجب رکنی ہے جیسے رکوع و سجود وغیرہ تو پھر بناء بر مشہور نماز باطل ہے۔

واجب غیر رکنی کے ترک کرنے کی صورتیں

اور اگر واجب غیر رکنی ہے تو پھر نماز باطل تو نہیں ہوتی۔

۱۔ مگر کہیں تدارک کی ضرورت نہیں پڑتی اور کہیں نماز کی صحت کو بحال رکھنے کے لئے تدارک کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ اور یہ تدارک کہیں تو صرف اس فوت شدہ جزء کو بجالانے سے کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ کہیں صرف دو سجدے سہو کے کرنے پڑتے ہیں۔

۴۔ اور کہیں یہ ہر دو کام کرنے پڑتے ہیں تب جا کر نماز صحیح ہوتی ہے۔ (یہ کل چار صورتیں ہو گئیں) اس اجمال کی بقدرت ضرورت تفصیل یہ ہے۔

۱۔ پہلی صورت جہاں تدارک کے بغیر نماز صحیح ہے جیسے قرات' ذکر رکوع و سجود یا ان میں طمانیت وغیرہ رہ جائیں اور تدارک کا محل گزر جائے (جس کی اوپر وضاحت کی جا چکی ہے) تو نماز بلا تدارک اور بلا سجدہ سہو درست ہے (اگرچہ بعد ازیں بیان کیا جائے گا کہ غیر مبطل ہر کمی یا زیادتی کے لئے بھی سجدہ سہوا حوط ہے)

۲۔ دوسری صورت جہاں صرف فوت شدہ جزء کو بجا لانا پڑتا ہے مگر سجدہ سہو نہیں کرنا پڑتا جیسے کوئی سورہ حمد سہوا چھوڑ کر دوسری سورہ شروع کر دے اور اس کے تمام کرنے کے بعد یا اثناء میں سورہ حمد چھوڑنے کا علم ہو جائے۔ تو سورہ فاتحہ پڑھے گا اور اس کے بعد دوسری کوئی سورہ پڑھے گا (اگرچہ اسی سورہ کا دوبارہ پڑھنا احوط ہے جو پہلے پڑھی تھی) یا جیسے کسی شخص سے ایک سجدہ سہوا" رہ جائے اور اس کے بعد والی رکعت کے رکوع سے پہلے یاد آجائے تو بالاتفاق اور بناء بر مشہور اگر دو سجدے رہ جائیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے یعنی واپس لوٹ کر ان کو بجا لایا جائے گا اور یہاں بھی ان ترک شدہ سجدوں کی وجہ سے سجدہ سہو واجب نہیں ہے اگرچہ قیام و قرائت

بے جا کے لئے سجدہ احوط ہے(جیسا کہ اس کی تفصیل آرہی ہے ہاں البتہ دونوں سجدوں کی صورت میں احوط استحبابی یہ ہے کہ مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق عمل کر کے نماز کو تمام کرے اور پھر اعادہ بھی کرے اور یہی حکم تشہد کا ہے جبکہ سہواً رہ جائے اور رکوع سے پہلے یاد آجائے اور اگر صرف ایک سجدہ رہ جانے کی صورت میں رکوع کے درمیان یا اس کے بعد یاد آئے۔ تو بناء بر تحقیق بعض محققین نماز کے سلام کے بعد صرف اس فوت شدہ سجدہ کی قضا لازم ہے سجدہ سہو لازم نہیں (و ہو الظاہر من بعض الاخبار)

۳۔ تیسری صورت جہاں صرف دو سجدے سہو کے کرنے پڑتے ہیں جیسے سہواً تشہد رہ جائے اور رکوع کے درمیان یا رکوع کے بعد یاد آئے تو اگرچہ مشہور قضاء اور سجدہ سہو ہے مگر بعض فقہاء محققین کی تحقیق کے مطابق (وہو الظاہر من الاخبار) صرف دو سجدہ سہو کرنے پڑیں گے۔ اسی طرح بناء بر احتیاط ہر غیر مبطل کمی یا زیادتی کے لئے سجدہ سہو کرنا چاہئے جیسے سہواً ترک شدہ قرات اور ذکر رکوع و سجود وغیرہ۔

۴۔ چوتھی صورت جہاں فوت شدہ جزء کی قضا کے ساتھ ساتھ دو سجدہ ہائے سہو بھی کرنے پڑتے ہیں وہ بنابر مشہور وجوباً اور دیگر بعض فقہاء کی طرح ہمارے نزدیک احتیاطاً ایک سجدہ اور تشہد کے سہواً رہ جانے کی صورت ہے جبکہ رکوع میں جانے کے بعد یا رکوع کے بعد یاد آئیں تو ان کی قضا اور دو سجدہ سہو ہر دو بجالانے چاہیں یعنی پہلے قضاء اور پھر سجدہ سہو۔

موجبات سجدۂ سہو

یعنی کن کن چیزوں کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے؟ اس میں شدید اختلاف ہے بعض نے دو بعض نے تین بعض نے پانچ بعض نے سات اور بعض نے نو چیزوں کے نام گنوائے ہیں جو کچھ آئمہ اطہارؑ کے روایات اور علماء ابرارؒ کی تحقیقات سے مستفاد ہوتا ہے اس کا ماحصل ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ نماز میں سہواً کلام کرنا۔ اُسی تفصیل کے ساتھ جو مبطلات نماز میں بیان ہو چکی ہے فرق اس قدر ہے کہ کلام عمدی موجب بطلان ہے اور کلام سہوی باعث سجدہ۔

۲۔ سلام بے جا یعنی جہاں سلام نہ پھیرنا ہو جیسے تین یا چار رکعتی نماز میں کوئی شخص سہواً دوسری رکعت میں سلام پھیر دے تو مشہور یہ ہے کہ یہاں سجدہ سہو واجب ہے مگر اس کے

وجوب پر کوئی قابل اطمینان دلیل نہیں ہے اس لئے اقوی عدم وجوب ہے البتہ احوط یہ ہے کہ سجدہ سہو کیا جائے۔

۳۔ "چار اور پانچ میں شک۔ یعنی جب دوسری رکعت کے دونوں سجدے مکمل کرنے کے بعد شک پڑ جائے کہ یہ چوتھی رکعت ہے یا پانچویں۔ تو یہاں بنابر مشہور و منصور چار پر بنا رکھ کر نماز ختم کی جائے گی اور بعد از سلام دو سجدہ سہو کئے جائیں گے۔

۴۔ بعض روایات اور بعض فقہا کی تحقیقات کے پیش نظر جب تیسری اور چوتھی رکعت میں شک ہو مگر غور و فکر کرنے کے بعد چوتھی رکعت کا ظن غالب ہو جائے تو چار پر بناء رکھ کر سلام پھیرا جائے گا اور بعد ازاں دو سجدے سہو کے کئے جائیں گے۔

۵۔ سہواً" ایک سجدہ ترک ہو جائے اور محل تدارک کے گزر جانے کے بعد یاد آئے مگر سابقہ مبحث میں بیان کیا جاچکا ہے کہ ایک سجدہ رہ جانے کی صورت میں اس کی قضا کرنا تو مسلم ہے مگر سجدہ سہو میں اختلاف ہے اس لئے سجدہ سہو صرف احوط ہے۔

۶۔ سہواً" تشہد رہ جائے اور محل تدارک گزر جانے کے بعد یاد آئے۔ یہاں بالاتفاق سجدہ سہو واجب ہے۔

۷۔ سہواً" قیام کی جگہ قعود اور قعود کی جگہ قیام کرنے بلکہ ہر اس کمی یا زیادتی کے لئے جو مبطل نماز نہیں ہے بناء بر مشہور دو سجدہ سہو واجب ہیں مگر انکے وجوب پر کوئی مقنع دلیل موجود نہیں ہے اس لئے صرف احوط ہیں۔

۸۔ جب اجزاء نماز میں سے کسی جزء یا نماز کی رکعتوں میں کمی یا زیادتی کا شک ہو تو بعض آثار و افکار کی بناء پر سجدہ سہو واجب ہے وھوالاحوط۔

سجدۂ سہو کی کیفیت

نماز کا سلام پھیرنے کے بعد نماز گزار نیت کر کے اس چیز پر پیشانی رکھ کر جس پر سجدہ جائز ہے یکے بعد دیگرے دو سجدے سہو کے بجالائے اگرچہ بناء بر مشہور اس سجدہ میں کوئی مخصوص ذکر واجب نہیں ہے لیکن افضل بلکہ احتیاط واجب یہ ہے کہ ہر دو سجدہ میں یہ ذکر کرے۔ بسم اللہ وباللہ وصلی اللہ علی محمد والہ یا بسم اللہ وباللہ اللھم صل علی محمد وال محمد یا یہ ورد کیا جائے۔ بسم اللہ وباللہ والسلام علیک ایھا النبی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ بعد ازاں مختصر

تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔ تشہد خفیف یہ ہے۔ **اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہدُ انّ محمدٌ رسول اللہ اللھم صل علی محمد وال محمد** اگرچہ احوط یہ ہے کہ عام نماز والا مروجہ تشہد مستحبی اجزاء کے بغیر پڑھا جائے۔

سجدۂ سہو کے احکام

مسئلہ ۱۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ یہ سجدہائے سہو خواہ کسی کمی کی وجہ سے ہوں یا زیادتی کی وجہ سے ان کا محل نماز کا سلام پھیرنے کے بعد ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگرچہ فقہاء میں اس بات کی شہرت ہے کہ ان ہر دو سجدوں میں تکبیر کہنا مستحب ہے مگر اس استحباب پر کوئی قابل اطمینان دلیل نہیں ہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۳۔ سجدہ سہو میں تشہد اور سلام واجب ہے۔

مسئلہ ۴۔ اظہر یہ ہے کہ سجدہ میں ذکر واجب ہے اور بناء براحتیاط واجب اسی مخصوص ذکر پر اکتفا کیا جائے جو اوپر مذکور ہے۔

مسئلہ ۵۔ احتیاط واجب یہ ہے کہ سجدہ سہو اعضاء سبعہ پر کیا جائے اور پیشانی **مایصح علیہ السجود** پر رکھی جائے بلکہ اس میں نماز کے سجدہ والے تمام شرائط کو ملحوظ رکھا جائے۔

مسئلہ ۶۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ سجدہ سہو کا وجوب فوری ہے یعنی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد فوراً منافیات نماز بجالانے سے پہلے کیا جائے وھوالاحوط۔

مسئلہ ۷۔ چونکہ یہ سجدہ جزء نماز نہیں بلکہ الگ ایک مستقل واجب ہے اس لئے اس کو فوراً بجا نہ لانے سے بلکہ اس کے بالکل ترک کر دینے سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ شخص جب تک انہیں بجا نہیں لائے گا مشغول الذمہ رہے گا اگرچہ مدت دراز گزر جائے۔

مسئلہ ۸۔ اس میں اختلاف ہے کہ اگر اسباب سجدہ متعدد ہوں تو آیا سجدے بھی متعدد ہوں گے یا نہ؟ احتیاط واجب یہ ہے کہ تعدد اسباب کے ساتھ سجدے بھی متعدد کئے جائیں خواہ اسباب ایک جنس سے ہوں یا مختلف اجناس سے۔

مسئلہ ۹۔ جہاں جہاں فوت شدہ اجزاء کی قضا اور سجدہ سہو ہر دو واجب ہیں وہاں ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یعنی پہلے فوت شدہ جزء کی قضا کی جائے پھر سجدہ سہو ادا کیا جائے۔ بلکہ اولی یہ ہے کہ جہاں سجدہ کے اسباب متعدد ہوں سجدہ میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ پہلے کون سا

سبب سرزد ہوا ہے؟ لہٰذا پہلے اسکے لئے کیا جائے۔

مسئلہ ۱۶۔ نوافل میں سجدہ سہو نہیں ہے۔

شک والے خلل کے احکام

شک کی وجہ سے نماز میں جو خلل واقع ہوتا ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) کیونکہ اس شک کا تعلق یا تو اس نماز کے ساتھ ہو گا۔ (۲) یا اس کے شرائط کے ساتھ۔ (۳) یا اس کے اجزاء کے ساتھ۔ (۴) اور یا اس کی رکعات کے ساتھ ہو گا ہر ایک قسم کے احکام جدا جدا ہیں وھی ھذہ۔

۱۔ سو اگر یہ شک اصل نماز کے متعلق ہے کہ پڑھی ہے یا نہ ؟ تو اگر نماز کا وقت باقی ہے اگرچہ بمقدار ایک رکعت کے ہی کیوں نہ ہو تو اس کا پڑھنا واجب ہے اور اگر وقت نماز گزر جانے کے بعد یہ شک پڑے تو اس کی کوئی پروا نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہی سمجھنا چاہئے کہ نماز پڑھی جاچکی ہے اور اگر ایک رکعت سے کمتر وقت باقی ہے تو اس کا حکم بھی شک بعد از وقت والا متصور ہو گا۔

۲۔ اور اگر وہ شک شرائط نماز کے متعلق ہے تو حقیقت حال تین حال سے خالی نہیں۔

۱۔ یا تو یہ تو شک نماز شروع کرنے سے پہلے پڑے گا۔ (۲) یا حالت نماز میں (۳) یا نماز سے فراغت کے بعد پہلی دونوں صورتوں میں ان شرائط کا حاصل کرنا ضروری ہے اور تیسری صورت میں یعنی اگر یہ شک بعد از نماز پڑا ہے تو اس کی پروا نہیں کرنا چاہئے۔

۳۔ اور اگر یہ شک اجزاء و افعال نماز کے متعلق ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ یا تو یہ شک محل تدارک کے اندر ہو گا۔ (۲) یا اس سے تجاوز کر جانے کے بعد لہٰذا اگر تدارک کا محل باقی ہے تو پھر اس جز اور فعل کا بجالانا واجب ہے اور اگر محل تدارک کے گزر جانے کے بعد شک پڑا ہے تو پھر اس کی طرف التفات نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ نماز کو جاری رکھ کر ختم کرنا چاہئے۔

شکیات میں محل تدارک سے تجاوز کی وضاحت

باقی رہی محل تدارک سے تجاوز کی وضاحت کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ تو اس کے متعلق واضح ہو کہ خلل سہوی اور خلل شکی کے محل تجاوز میں قدرے اختلاف ہے پہلی قسم کی وضاحت

تو خلل سہوی کے ضمن میں کر دی گئی ہے اب یہاں شک والے تجاوز محل کی وضاحت کی جاتی ہے گو اس میں فقہاء کے درمیان قدرے اختلاف ہے مگر اشہر و اظہر قول یہ ہے کہ نماز کے واجبی اجزاء و افعال (جو کہ مشہور و معلوم ہیں) میں سے اگر کسی فعل میں اس وقت شک پڑے جب کہ نمازی اس فعل کے بعد والے فعل میں داخل ہو جائے مثلاً" تکبیرۃ الاحرام میں اس وقت شک پڑے جب کہ سورہ فاتحہ میں مشغول ہو اور سورہ حمد میں اس وقت شک لاحق ہو جبکہ نماز گذار رکوع میں چلا جائے، رکوع میں اس وقت شک پیدا ہو جب کہ سجدہ میں سر رکھ دے اور سجدہ کے متعلق اس وقت جلائے شک ہو جبکہ تشہد شروع کر دے تو ان تمام صورتوں میں شک ناقابل توجہ ہوتا ہے بلکہ یہی تصور کرنا چاہیے کہ وہ مشکوک فعل بجا لایا جاچکا ہے بنابریں دوسرے فعل کے مقدمات میں داخل ہونا اس فعل میں داخل ہونا متصور نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر سجدہ میں جھکتے وقت شک پڑ جائے کہ رکوع کیا ہے یا نہ؟ یا سجدے کے بعد اٹھتے وقت شک پڑ جائے کہ سجدہ کیا ہے یا نہ؟ تو اس مشکوک فعل کا بجالانا واجب ہوگا واللہ العالم۔

شکیات نماز کا بیان

۲۔ اور اگر یہ شک نماز کی رکعات کے متعلق ہے تو اس کی تیئس قسمیں ہیں چھ شک ناقابل اعتبار ہیں جن سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آٹھ مبطل نماز، ہیں جن سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور نو شک ایسے ہیں جن کا تدارک ہو سکتا ہے اور ان کا تدارک کرنے سے نماز صحیح ہو سکتی ہے جنکی ترتیب وار تفصیل درج ذیل ہے۔

ناقابل توجہ چھ شک

ناقابل توجہ چھ شک یہ ہیں۔

۱۔ شک بعد از تجاوز محل تدارک جس کی تفصیل ابھی اوپر گزر چکی ہے۔

۲۔ شک بعد از سلام کہ نماز پوری پڑھی ہے یا ادھوری؟ رکعتیں مکمل پڑھی ہیں یا ناقص الغرض صحیح نماز پڑھی ہے یا غلط؟ ان تمام صورتوں میں یہی سمجھا جائے گا کہ نماز صحیح پڑھی گئی ہے اور اس شک کو کالعدم تصور کیا جائے گا۔

۳۔ شک بعد از وقت کہ آیا نماز پڑھی ہے یا نہ؟ اور اگر پڑھی ہے تو صحیح پڑھی ہے یا غلط؟ اس شک کی بھی کوئی پروا نہیں کی جائے گی اور یہی سمجھا جائے گا کہ نماز پڑھی ہے اور پڑھی بھی

صحیح ہے۔

۴۔ شک کثیر الشک یعنی جس شخص کو بکثرت شک پڑتا ہے اس کو بھی اپنے اس شک کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے اب رہی اس بات کی تعیین کہ اس کثرت شک کا معیار کیا ہے؟ کثیر الشک کون ہے؟ تو اس کا صحیح معیار عرف عام ہے جس شخص کو اس قدر کثرت سے شک پڑتے ہوں کہ عرف عام میں اسے کثیر الشک کہا جائے بس وہ کثیر الشک متصور ہو گا۔

کیونکہ احکام شرعیہ کے موضوعات خارجیہ کی تعیین و تشخیص کرنا عرف عام یا عرف خاص کا کام ہے مثلاً" شریعت کا کام یہ ہے کہ یہ بتائے کہ غنا (راگ) حرام ہے اب رہی یہ بات کہ غنا کیا چیز ہے؟ اس کی تشخیص عرف خاص (گانے بجانے والا گروہ) کرے گا یا شریعت نے کہا ہے کہ شراب حرام ہے اب شراب کی تعیین عرف خاص (شرابخوار طبقہ) کرے گا۔ **وعلی ھذا القیاس**

ہاں البتہ ہمارے متعلقہ موضوع کے سلسلے میں ایک حدیث ملتی ہے جس کے معنی میں فی الجملہ اجمال ہے اس میں کثرت شک کا معیار یہ قرار دیا گیا ہے کہ جس شخص کو ایک ایک نماز میں تین تین بار شک پڑتا ہو۔ یا جس شخص سے تین نمازیں بغیر شک نہ پڑھی جاسکیں (والثانی اقرب)

بنا بریں کثرت شک کا مرض زائل اس طرح ہو گا کہ مسلسل تین نمازوں میں اسے کوئی شک نہ پڑے۔

۵۔ شک امام و ماموم = اگر پیشنماز کو شک پڑے مگر مقتدی اپنے یقین پر قائم ہوں یا اس کے برعکس مقتدیوں کو شک لاحق ہو اور پیشنماز اپنے یقین پر قائم ہو۔ تو جس فریق کو شک پڑ جائے اسے اپنے شک کی پروا نہیں کرنی چاہئے بلکہ دوسرے کے یقین کی طرف رجوع کر کے اپنے شک کا ازالہ کرنا چاہئے اس کی مزید وضاحت نماز با جماعت کے بیان میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ

۶۔ شک در نماز غیر واجب = واجبی نماز میں سہو اور شک کے جو احکام بیان کئے گئے' میں مستحبی نمازیں اس سے مستثنیٰ ہیں نہ ان میں سجدہ سہو ہے اور نہ ان میں شکیات والے احکام جاری ہوتے ہیں۔ (جو ذیل میں آرہے ہیں کہ بعض صورتوں میں نماز باطل ہو جاتی ہے اور بعض میں تدارک کرنا پڑتا ہے) بلکہ ان کا حکم یہ ہے کہ جب بھی ان میں رکعتوں کے متعلق شک پڑ

جائے۔ تو نمازی کو اختیار ہے کہ خواہ اقل پر بنا رکھے۔ یا اکثر پر بنا رکھ کر نماز ختم کرے اگرچہ اقل پر بنا رکھنا افضل ہے۔

آٹھ شکیات مبطلہ

وہ آٹھ شک جن سے نماز باطل ہو جاتی ہے یہ ہیں۔ (۱) دو رکعتی واجبی نماز (خواہ بالاصالتہ دو رکعتی ہو جیسے نماز صبح نماز جمعہ اور نماز آیات یا بالعرض جیسے نماز مسافر) میں جہاں بھی رکعتوں میں شک پڑ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

۲۔ تین رکعتی واجبی نماز جیسے نماز مغرب کی رکعتوں میں شک واقع ہو جائے۔

۳۔ چار رکعتی واجبی نماز کی رکعتوں میں اس طرح شک پڑے کہ شک کی ایک طرف پہلی رکعت ہو جیسے یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری پہلی ہے یا تیسری پہلی ہے یا چوتھی و ھکذا

۴۔ چار رکعتی واجبی نماز میں دوسرا سجدہ مکمل کرنے سے پہلے شک پڑ جائے کہ یہ دوسری رکعت ہے یا تیسری دوسری ہے یا چوتھی کیونکہ تکمیل سجدتین سے پہلے اس شک کی بازگشت پہلی رکعت کی طرف ہو جاتی ہے۔

۵۔ چار رکعتی نماز کی دوسری اور پانچویں میں شک پڑ جائے کہ دوسری ہے یا پانچویں۔ خواہ تکمیل سجدتین سے پہلے ہو یا بعد اس سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

۶۔ چار رکعتی نماز کی دوسری تیسری اور پانچویں میں شک پڑ جائے کہ دوسری ہے یا تیسری ہے یا پانچویں۔

۷۔ چار رکعتی نماز میں شک کی ایک طرف چھٹی رکعت ہو وہاں بھی اظہر نماز کا بطلان ہے جیسے تیسری اور چھٹی رکعت میں یا چوتھی اور چھٹی رکعت میں شک پڑ جائے کیونکہ اس کے متعلق کوئی نص موجود نہیں ہے۔ اگرچہ احوط یہ ہے کہ اگر یہ شک (چوتھی اور چھٹی میں) سجدتین کی تکمیل کے بعد پڑے تو اس نماز کو مکمل کر کے چار اور پانچ کے درمیان والے شک کا پہلے تدارک کیا جائے یعنی دو سجدے سہو کے بجالائے جائیں اور بعد ازاں نماز کا اعادہ کیا جائے۔

۸۔ چار رکعتی نماز کی ------- رکعتوں میں اس طرح شک پڑے کہ نمازی پادر گل ہو کر رہ جائے یعنی اسے پتہ ہی نہ چلے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں اور کتنی باقی ہیں؟

فائدہ۔ احوط یہ ہے کہ جب کسی شخص کو شک... پڑے تو تھوڑی دیر غور و فکر کرے اگر اس طرح شک زائل ہو جائے تو فبہا ورنہ پھر مذکورہ بالا یا بعد ازاں آنے والے احکام شک پر عمل درآمد کرے۔ فافہم

نو شکیات صحیحہ

وہ نو عدد شکیات نماز جو صحیح ہیں یعنی ان کی وجہ سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ بلکہ قابل تدارک ہوتی ہے یہ ہیں نیز مخفی نہ رہے کہ یہ تمام شکوک چار رکعتی نماز سے متعلق ہیں۔

۱۔ دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد شک پڑ جائے کہ یہ دوسری رکعت پڑھی ہے یا تیسری اس صورت میں حکم یہ ہے کہ تین پر بنا رکھ کر (یعنی اسے تین تصور کرکے) ایک رکعت (چوتھی) اور پڑھ کے نماز کو تکمیل کرے اور سلام کے بعد ایک رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر پڑھے۔

۲۔ دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد دو اور چار میں شک پڑ جائے کہ یہ دوسری رکعت تھی یا چوتھی تو چار پر بنا رکھ کر اور تشہد پڑھ کے نماز کو ختم کرے اور بعد ازاں کھڑے ہو کر دو رکعت نماز احتیاط پڑھے۔

۳۔ دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد دو تین اور چار میں شک پڑ جائے تو چار پر بنا رکھ کر نماز کو ختم کرے اور سلام کے بعد پہلے دو رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر بعد ازاں دو رکعت بیٹھ کر پڑھے۔

۴۔ دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد چار یا پانچ میں شک پڑ جائے تو چار رکعت پر بناء رکھ کر نماز کو ختم کرے پھر سلام کے بعد دو سجدہ سہو کرے۔

توضیح

ان چاروں مقامات پر جہاں جہاں دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کا ذکر ہے اگر وہاں دوسرے سجدہ کا ذکر تکمیل کرنے کے بعد اور سر اٹھانے سے پہلے یہ شک پڑ جائیں تو بھی بناء بر اقوی اس کا حکم بھی وہی ہے جو سر اٹھانے کے بعد والے شک کا ہے جو اوپر مذکور ہے ہاں البتہ اگر پہلے سجدہ کے بعد اور دوسرے سجدہ کے واجبی ذکر کرنے سے پہلے یہ شک پڑ جائیں تو احتیاط واجب یہ ہے کہ بدستور مذکور عمل کرنے کے بعد نماز کا اعادہ بھی کیا جائے اور بناء بر احتیاط مستحب دوسرے سجدہ کا ذکر تکمیل کرتے اور سر اٹھانے سے پہلے شک کی صورت میں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ واللہ العالم

۵۔ تین و چار رکعت کے درمیان جہاں اور جس حالت میں بھی شک پڑ جائے۔ چار پر بنا رکھ کر نماز کو ختم کرے اور بعد از سلام ایک رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر پڑھے قبل ازیں سجدہ سہو کے موجبات میں بیان ہوچکا ہے کہ اس صورت میں غور کرنے کے بعد

اگر چوتھی رکعت کا ظن غالب حاصل ہو جائے تو بدستور سابق چار پر بنا رکھ کر نماز کو تمام کرے اور بعد سلام دو سجدہ سہو کرے فراجع

۶۔ چار اور پانچ رکعت میں شک پڑ جائے تو تشہد پڑھ کر نماز کو ختم کرے اور سلام کے بعد دو سجدہ سہو کرے اور بنابر مشہور بین المتاخرین اگر یہی شک حالت قیام میں پڑے تو فوراً بیٹھ کر اور تشہد پڑھ کر نماز کو ختم کرے اور بعد ازاں ایک رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر پڑھے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ چھ صورتیں منصوص ہیں احادیث میں ان کا خصوصی تذکرہ اور ان کے احکام مذکور ہیں۔

۷۔ تین چار اور پانچ میں شک پڑ جائے یہ صورت دراصل دو منصوص شکوں پر مشتمل ہے۔ (تین چار اور چار و پانچ کے درمیان شک) لہٰذا انہی شکوک والے احکام یہاں نافذ ہوں گے۔ یعنی چار پر بنا رکھ کر نماز کو تمام کرے اور اس کے بعد ایک رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر پڑھے اور پھر دو سجدہ سہو کرے۔

مگر متاخرین کی فقہی کتب میں اس شک کا تدارک جبکہ قیام کی حالت میں شک پڑے یہ مذکور ہے کہ بیٹھ کر تشہد پڑھے اور نماز کو ختم کرے اور اس کے بعد پہلے دو رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر پھر دو رکعت بیٹھ کر پڑھے۔ اس طرح اس شک کی دو تین اور چار والے شک کی طرف بازگشت ہو جائے گی۔ بنابریں جو حکم ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے وہ اس صورت کے ساتھ مخصوص ہو گا کہ جب دو سجدوں کے بعد یہ شک پڑے۔

۸۔ دو چار اور پانچ کے درمیان شک پڑ جائے یہ بھی دو منصوص شکوں پر مشتمل ہے (دو، چار اور چار، پانچ کے درمیان شک) لہٰذا وہی حکم یہاں جاری ہو گا۔ یعنی چار پر بنا رکھ کر نماز ختم کرے اس کے بعد دو رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر پڑھے اور اس کے بعد دو سجدہ سہو بھی کرے۔

۹۔ دو تین چار اور پانچ کے درمیان شک پڑ جائے یہ صورت بھی دو منصوص شکوں (دو تین اور چار کے درمیان اور چار و پانچ کے درمیان شک) پر مشتمل ہے۔ لہٰذا انہی کا حکم یہاں بھی نافذ العمل ہو گا۔ لہٰذا چار پر بناء رکھ کر سلام پھیرے۔ بعد ازاں پہلے دو رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر، پھر دو رکعت بیٹھ کر پڑھے۔ بعد ازاں دو سجدہ سہو ادا کرے۔ واللہ العالم۔

نماز احتیاط کی کیفیت

نیت کرکے اور بناء بر احتیاط و جوبی تکبیرۃ الاحرام کہہ کر نماز احتیاط شروع کرے اور صرف سورہ فاتحہ پڑھ کر رکوع و سجود کرے پس اگر صرف ایک رکعت ہے تو دوسرے سجدہ کے بعد تشہد پڑھ کر نماز ختم کرے اور اگر دو رکعت ہے تو دوسرے سجدہ کے بعد اٹھ کر دوسری رکعت بجالائے اور پھر سجدہ کے بعد تشہد پڑھ کر ختم کرے۔

احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ نماز احتیاط میں وہی شرائط معتبر ہیں جو واجبی نمازوں میں معتبر ہیں۔

مسئلہ ۲۔ نماز احتیاط میں دوسری سورہ اور قنوت نہیں ہے اور نہ آذان و اقامت ہے۔

مسئلہ ۳۔ احوط یہ ہے کہ اسے اخفات سے پڑھا جائے۔

مسئلہ ۴۔ اس کا مقام بعد از سلام ہے۔

مسئلہ ۵۔ بنابر مشہور اس کا وجوب فوری ہے۔

مسئلہ ۶۔ اگرچہ اظہر یہ ہے کہ نماز احتیاط سے قبل اگر منافیات نماز از قسم کلام وحدث وغیرہ سرزد ہوجائیں تب بھی نماز باطل نہیں ہوتی اور بعد از طہارت نماز احتیاط پڑھی جاسکتی ہے۔ **(لانہٗ واجب مستقل براسہ لا جزء من الصلوۃ)** لیکن احتیاط وجوبی یہ ہے کہ اس صورت میں نماز احتیاط کے بعد اصل نماز کا اعادہ بھی کیا جائے۔ واللہ العالم

نماز مسافر یا قصرو اتمام کا بیان

یہ حقیقت کئی بار واضح و آشکار کی جاچکی ہے کہ شریعت اسلامیہ کے منجملہ دیگر خصوصیات کے اسکی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ بالکل سہل و آسان ہے یعنی اسکے ہر امرو نہی میں بندوں کی سہولت و آرام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور کوئی شرعی تکلیف انسانی وسعت و طاقت سے زیادہ نہیں دی گئی اس امر کے دیگر شواہد و دلائل کے علاوہ ایک یہی قصرو اتمام کا مسئلہ بھی ہے کہ خالق رحمن نے سفر میں مقررہ شرائط کے ماتحت چار رکعتی نماز کی دو رکعتیں معاف کردی ہیں اگرچہ ابتداء اسلام میں یہ خصوصی رعایت صرف سفر اور کفار سے خوف کی صورت میں حاصل تھی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ **واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا** (نساء)

"جب تم زمین میں سفر کرو اور کفار سے رنج و زحمت کا خوف ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں

نماز قصر کے شرائط اور احکام

اور وہ شرائط علی التحقیق چھ ہیں۔

اول = مسافت مقررہ شرعیہ کے طے کرنے کا قصد ہو اگرچہ عام فقہی کتب و رسائل میں "مسافت شرعیہ" اور اس کے قصد کو دو شرطیں شمار کیا گیا ہے مگر فی الحقیقت یہ ایک شرط ہے کیونکہ مسافت کے قطع کرنے یا نہ کرنے کو قصر میں کوئی دخل نہیں بلکہ تمام دارو مدار قصد مسافت پر ہے چنانچہ ایک آدمی بلا قصد سینکڑوں میل طے کر جاتا ہے مگر اسکی نماز قصر نہیں ہوتی اور ایک آدمی قصد سفر کر کے نکلتا ہے اور حد ترخص کے بعد قصر شروع کر دیتا ہے اگرچہ دو چار میل طے کرنے کے بعد سفر کا ارادہ ملتوی کر دیتا ہے الغرض وہ مسافت شرعیہ بالاتفاق آٹھ فرسخ ہے اور ایک فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے اور ایک میل بنابر مشہور چار ہزار ہاتھ یا دو ہزار گز کا ہوتا ہے بنابریں ایک فرسخ چھ ہزار گز اور آٹھ فرسخ اڑتالیس ہزار گز کے ہوں گے جو مروجہ ملکی میلوں کے اعتبار سے ستائیس میل دو فرلانگ اور چالیس گز بنتے ہیں اور کلومیٹر کے لحاظ سے قریباً" ساڑھے تینتالیس کلو میٹر بنیں گے۔

مسئلہ ۱۔ مشہور یہ ہے کہ مسافت کی ابتداء چھوٹے شہروں میں شہر کی آخری دیواروں سے اور بڑے شہروں میں محلہ کے آخری حدود سے شروع ہوتی ہے مگر ارشادات معصومینؑ میں اس فرق کا کہیں نام و نشان نہیں ہے لہذا ظاہر یہی ہے کہ شہر خواہ چھوٹا ہو اور خواہ بڑا ہر دو صورت میں اس مسافت کی ابتداء شہر کی آخری دیواروں سے متصور ہوگی۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ اگر مذکورہ بالا مسافت یکطرفہ ہو یا آمدو رفت سے مل کر مکمل ہو یعنی چار فرسخ جانے کے اور چار آنے کے بشرطیکہ مسافر اسی دن یا اسی رات واپس لوٹ آئے۔ یعنی راستہ میں شب باشی نہ کرے تو اس صورت میں تو نماز کے قصر ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے لیکن اگر یہ مسافت آمدو رفت سے مرکب ہو اور مسافر اسی دن یا اسی رات واپس نہ آئے تو یہاں قصر کرنے یا اتمام کرنے یا دونوں کے جمع کرنے میں فقہاء کے درمیان شدید اختلاف ہے اقوی یہ ہے کہ جب تک اثناء سفر میں دس دن بالقصد کہیں قیام نہ کرے تب تک اگر نویں دن بھی واپس آئے تو نماز قصر ہی ہوگی کیونکہ اولاً" وہ روایات جن میں آمدو رفت سے مرکب مسافت میں قصر کرنے

کا ذکر ہے ان میں اس قید (اسی شب و روز میں واپسی) کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ثانیاً" متعدد روایات میں اہل مکہ کو عرفات میں نماز قصر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور قصر نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے ظاہر ہے کہ مکہ سے عرفات کی مسافت آمدو رفت کو ملا کر ہی مکمل ہو سکتی ہے جبکہ اس آمدو رفت میں کم از کم تین راتیں مشعر اور منیٰ میں گزارنی پڑتی ہیں۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ احتیاط واجب یہ ہے کہ آمدو رفت کو ملا کر مسافت کو مکمل کرنے کی صورت میں صرف جانا نصف مسافت سے کم نہ ہو۔ زیادہ ہو تو بہتر ہے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ جانے کی مسافت نصف سے کم ہو اور آنے کی نصف سے زیادہ تو نماز پوری پڑھی جائے گی۔ اگرچہ احوط یہ ہے کہ اس صورت میں قصرو تمام کو جمع کیا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ نماز قصر کرنے سے پہلے مسافت شرعی کا معلوم کرنا ضروری ہے عام اس سے کہ یہ علم ذاتی تحقیق سے حاصل ہو یا شیاع و شہرت سے اور خواہ دو عادل آدمیوں کی گواہی سے۔

مسئلہ ۵۔ قصد مسافت بالاتفاق شرط قصر ہے لہٰذا اگر مسافت کا قصد نہ ہو تو بلا قصد اگر کوئی شخص ایک نہیں کئی شرعی مسافتیں بھی طے کر جائے۔ جیسے کوئی شخص گمشدہ مال کی تلاش میں نکلے اور اسی تلاش و جستجو میں آگے بڑھتے بڑھتے کئی سو میل ـــ طے کر جائے تب بھی نماز قصر نہ ہوگی کیونکہ ابتداء میں اس کا ارادہ شرعی مسافت طے کرنے کا نہیں تھا بلکہ ارادہ یہ تھا کہ جہاں بھی اسے اپنا گمشدہ مال مل جائے گا وہیں سے واپس لوٹ آئے گا۔ ہاں البتہ اگر واپس لوٹتے وقت گھر تک مسافت پوری ہو جائے تو نماز قصر پڑھی جائے گی۔

مسئلہ ۶۔ اس قصد میں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مستقل ہو بلکہ اگر کوئی شخص کسی کے عمداً" تابع ہو جیسے بیوی' غلام' یا جبراً" تابع ہو جیسے قیدی جبکہ زوجہ کو طلاق' غلام کو آزادی اور قیدی کو رہائی کی امید نہ ہو تو ان کا یہ تبعی قصد بھی کافی ہے۔ بشرطیکہ ان کو اپنے متبوع (جس کے یہ عمداً" یا جبراً" تابع ہیں) کے قصد مسافت کا علم ہو اور اگر انہیں اس کے ارادہ کا علم نہ ہو اور نہ ہی اپنا ارادہ ہو تو پھر نماز پوری پڑھیں گے ہاں اس صورت میں احوط یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو اپنے متبوع کے ارادہ کو معلوم کریں۔ اگرچہ تابع مجبور کے لئے احوط یہ ہے کہ وہ قصرو اتمام کے درمیان جمع کرے۔

دوم = قصد مذکور کا دوام و استمرار یعنی قصر کی دوسری شرط یہ ہے کہ مقررہ مسافت کو طے کرنے میں آخر تک اس قصد و ارادہ کو برقرار رکھا جائے۔ لہٰذا اگر کچھ مسافت طے کرنے کے بعد آگے سفر کو جاری رکھنے کا ارادہ ختم ہو جائے یا اسمیں تردد و تذبذب پیدا ہو جائے تو قصر کی سہولت بھی ختم ہو جائے گی۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اس قصد سفر کا ختم ہونا نماز کے قصر ہونے پر اسی صورت میں اثر انداز ہوگا کہ جب پوری مسافت طے کرنے سے پہلے ارادہ ملتوی ہو جائے۔ لیکن اگر پوری مسافت طے کرنے کے بعد تردد واقع ہو تو نماز کے قصر ہونے پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے بعد بھی آدمی جو نماز پڑھے گا۔ قصر ہی پڑھے گا۔

مسئلہ ۲۔ ارادہ کی اس تبدیلی سے پہلے جو نمازیں قصر پڑھی جا چکی ہیں علی القاعدہ ان کے اعادہ و قضا کی ضرورت نہیں ہے لیکن چونکہ بعض احادیث میں اعادہ و قضا کا حکم وارد ہے اس لئے احوط یہ ہے کہ وقت کے اندر اعادہ اور وقت کے بعد ان کی قضا کی جائے۔ واللہ العالم۔

سیوم = سفر کا جائز ہونا عام اس سے کہ واجب ہو جیسے حج واجب کا سفر یا مستحب ہو جیسے سفر زیارت عتبات عالیات یا مباح ہو جیسے سفر تجارت وغیرہ اس شرط کا مقصد صرف یہ ہے کہ سفر معصیت نہ ہو کیونکہ شریعت مقدسہ کی یہ رعایت صرف جائز سفر کے لئے ہے۔ یہ سفر معصیت عام ہے۔ خواہ فی ذاتہ حرام ہو جیسے میدان جہاد سے فرار یا غلام کا آقا سے' نافرمان زوجہ کا شوہر سے یا مقروض کا قرض ادا کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود قرض خواہوں سے فرار کرنا یا اس سفر کی غرض و غایت ناجائز و حرام ہو جیسے چوری کرنے یا کسی کا مال غصب کرنے یا مومن کو قتل کرنے یا اس کی آبرو ریزی کرنے یا ناجائز گواہی دینے یا ظلم و زیادتی کرنے میں ظالم کی امداد کرنے کے لئے سفر کرنا' یا لہوی شکار کرنا ان تمام صورتوں میں یا ان جیسی دیگر ناجائز صورتوں میں نماز قصر نہ ہوگی۔

ہاں البتہ اگر سفر کسی ناجائز مقصد کے لئے نہ ہو مگر راستہ میں اتفاقاً" کسی فعل حرام جیسے غیبت و گلہ گوئی یا شرابخوری' قمار بازی وغیرہ کا ارتکاب ہو جائے تو اس سے سفر کے جواز اور نماز و روزہ کے قصر ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ **لان الاعمال بالنیات ولکل امرء مانوی**

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر سفر کی ابتداء میں قصد حرام تھا لیکن راستہ میں اس نے غلط ارادہ کو نیک ارادہ سے تبدیل کرلیا تو اب دیکھا جائے گا کہ آیا باقیماندہ سفر بقدر مسافت شرعی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو نماز قصر ہوگی۔ ورنہ نہیں۔

مسئلہ ۲۔ اگر پہلے سفر مباح تھا اور بعد ازاں سفر معصیت بن گیا تو ہر حصہ سفر میں اس کے احکام جاری ہوں گے۔ کمالا یخفی

چہارم = سفر کا پیشہ نہ ہونا یعنی مسافر کا ذریعہ معاش اور شغل سفر نہ ہو جس کو کثیر السفر بھی کہا جاتا ہے جیسے شتربان، ملاح، ڈرائیور، خانہ بدوش، کرایہ پر سواری دینے والا، چلتا پھرتا کاروبار کرنے والا تاجر یا موجودہ زمانہ میں مجالس خوان مبلغ و ذاکر وغیرہ۔ الغرض معیار یہی ہے کہ جس کا ذریعہ معاش ایسا ہو کہ اس کے لئے سفر لازم ہو اور جس کا سفر عام عادی سفروں سے جداگانہ نوعیت کا حامل ہو جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے یہ معیار درست نہیں ہے کہ جس کا سفر حضر سے زیادہ ہو یا جو شخص پے درپے تین سفر کرے اور درمیان میں دس دن قیام نہ کرے۔ وغیرہ وغیرہ خلاصہ یہ کہ جس شخص کا پیشہ سفر ہو اس کے لئے قصر کی رعایت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے سفر و حضر یکساں ہیں یعنی اس پر سفر میں صوم و صلوۃ اسی کیفیت کے ساتھ واجب ہے جس طرح حضر میں ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ بعض فقہاء نے کثیر السفر بننے کا ضابطہ یہ بیان فرمایا ہے کہ جو شخص مسلسل تین سفر کرے اور درمیان میں وطن میں مطلقاً" اور غیر وطن میں قصد اقامت کے ساتھ دس دن قیام نہ کرے تو وہ تیسرے سفر میں کثیر السفر بن جائے گا اور اس وقت تک کثیر السفر رہے گا جب تک مذکورہ بالا طریقہ پر دس دن قیام نہ کرے اور اگر بطریق مذکور دس روز قیام کرے تو اسکے بعد پہلے سفر میں نماز قصر پڑے گا مگر اس ضابطہ پر کوئی قطعی دلیل قائم نہیں ہے بلکہ کثرت سفر کا معیار وہی ہے جو اوپر مذکور ہے کہ جس شخص کا مشغلہ سفر ہو اور جس کو عرف عام میں مذکورہ بالا عناوین کے ساتھ یاد کیا جائے (کہ فلاں ڈرائیور ہے فلاں خانہ بدوش ہے وغیرہ وغیرہ) اور یہ سلسلہ اس

وقت تک قائم رہے گا۔ جب تک اس کا وہ عنوان قائم رہے گا اور اس کا شغل جاری رہے گا۔
ہاں البتہ حضرت شیخ طوسیؒ نے باسناد خود عبداللہ بن سنان اور انہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب مکاری (کرایہ پر گھوڑے، گدھے، خچر اور اونٹ وغیرہ دے کر روزی کمانے والا) دس روز قیام کرے تو اس کے بعد پہلے سفر میں نماز قصر کرے گا۔ مگر قطع نظر اس روایت کی سندی اور دلالتی کمزوریوں کے یہ روایت صرف "مکاری" کے بارے میں وارد ہے دوسرے لوگوں کا اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا اس کے لئے احوط یہ ہے کہ پہلے سفر میں قصر و اتمام ہر دو کو جمع کرے بلکہ مخالفت مشہور کے محذور سے بچنے کے لئے مکاری کے بھائی بندوں کے لئے بھی پہلے سفر میں احوط یہ ہے کہ وہ قصر و اتمام کے درمیان جمع کریں۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ جن لوگوں کا پیشہ سفر ہے اور ان کا فرض یہ ہے کہ وہ سفر میں نماز پوری پڑھیں اور روزہ بھی رکھیں اگر وہ اپنے پیشہ سے ہٹ کر کوئی سفر کریں جیسے سفر حج و زیارات یا دیگر شرعی سفر تو ان پر دوسرے مسافروں والے احکام جاری ہوں گے۔

مسئلہ ۳۔ جس آدمی کا پیشہ سفر نہیں ہے لیکن اس کو کچھ ذاتی قسم کے اور کچھ لوگوں کے کام کے لئے عموماً سفر کرنا پڑتا ہے تو اس پر کثیر السفر کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

پنجم = حد ترخص سے باہر نکل جانا اور اس کی حد بندی دو طرح سے کی گئی ہے۔

۱۔ شہر سے اس قدر دور نکل جائے کہ شہر والے اسے نہ دیکھ سکیں۔

۲۔ یا وہ شہر کی اذان نہ سن سکے۔ اس حد سے باہر نکلنے کے بعد قصر شروع ہو جاتی ہے واضح ہو کہ عام شہرت اس بات کی ہے کہ مسافر شہر کی دیواروں کو نہ دیکھ سکے مگر اس سلسلہ میں جو صحیح السند روایت کتب اربعہ میں باسناد جناب محمد بن مسلم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اس میں یہ وارد ہے۔ **اذا تواری من البیوت** یعنی نماز قصر اس وقت شروع ہوگی جب کہ مسافر گھروں سے پوشیدہ ہو جائے۔ یعنی گھروں والے اسے نہ دیکھ سکیں اور یہی مفہوم دوسری حد بندی (آذان کی آواز نہ سننے) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ شہر والوں کا اسے نہ دیکھنا اور اس کا شہر کی آذان کو نہ سننا قریب قریب ایک ہی فاصلہ پر متحقق ہوتے ہیں بخلاف دوسرے مشہور معنی کے (کہ مسافر کو شہر کی دیواریں نظر نہ آئیں) کہ اس طرح ان دو حد بندیوں میں بڑا تفاوت پیدا

ہو جاتا ہے کیونکہ اذان کی آواز سننے کا سلسلہ پہلے ختم ہو جاتا ہے اور شہر کی دیواریں بہت فاصلہ تک نظر آتی رہتی ہیں۔ کمالا یخفی واللہ العالم

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ علی الاقوی ان دونوں حد بندیوں میں سے کوئی ایک کافی ہے اگرچہ دونوں کی رعایت کرنا افضل ہے۔

مسئلہ ۲۔ مشہور معنی کے اعتبار سے شہر کی دیواروں اور آذان کی آواز میں یہ شرط ہے کہ ہر دو اوسط درجہ کی ہوں یعنی نہ تو بہت بلند ہوں اور نہ ہی بہت پست لہٰذا مناروں یا غیر معمولی بلند عمارت یا لاؤڈ سپیکر والی اذان معیار نہیں ہے جبکہ دیکھنے اور سننے میں بھی اوسط درجہ کی بصارت اور سماعت معتبر ہے۔ نہ وہ بصارت و سماعت جو حد اعتدال سے کم یا زیادہ ہو۔

مسئلہ ۳۔ اگرچہ بظاہر یہ حد ترخص سفر کی ابتدا اور انتہاء ہر دو کے لئے ہے یعنی جس طرح سفر کی ابتداء میں اس حد سے قصر کی رخصت شروع ہوتی ہے اسی طرح واپسی پر اسی حد پر پہنچ کر وہ رعایت ختم ہو جاتی ہے اور نماز تمام شروع ہوجاتی ہے مگر احتیاط واجب یہ ہے کہ واپسی پر اس حد تک پہنچنے کے بعد گھر کی حدود میں داخل ہونے تک یا تو نماز کو موخر کیا جائے یا اگر یہاں پڑھی جائے تو قصر بھی اور پوری بھی پڑھی جائے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں بظاہر آثار و انظار میں اختلاف ہے جہاں بعض احادیث میں مذکورہ بالا حد ترخص کی صراحت ہے وہاں بہت سی روایات صحیحہ و صریحہ میں گھر کی چار دیواری میں داخل ہونے تک قصر پڑھنے کی وضاحت موجود ہے۔ واللہ العالم

نوٹ = جہاں دس روزہ قیام کرنا ہو وہاں کی حد ترخص کا بھی یہی حکم ہے۔ فتدبر

ششم = اثناء سفر میں مسافر اپنے وطن سے نہ گزرے اور نہ ہی کہیں دس روز قیام کرے اور نہ ہی تذبذب اور تردد کی حالت میں تیس دن گزارے۔ ان ہرسہ امور کی تشریح و توضیح ذیل میں بذیل عنوان قواطع سفر پیش کی جاتی ہے۔ فاستمع لما یتلی علیک

قواطع سفر کا بیان

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ تین چیزوں سے سفر منقطع ہو جاتا ہے اور نماز تمام پڑھنی پڑتی ہے اور پھر قصر کرنے کے لئے نیا قصد مسافت کرنا پڑتا ہے۔

اول = وطن سے گزرنا' وطن کا مفہوم محتاج وضاحت نہیں ہے ظاہر ہے کہ وطن سے مراد وہ جگہ ہے جس کو آدمی اپنی دائمی بود و باش کے لئے منتخب کرتا ہے اور بغیر کسی عقلائی غرض و غایت کے وہاں سے نہیں نکلتا اور اگر نکلتا ہے تو پھر وہیں پلٹ کر آنے کا ارادہ ہوتا ہے عام اس سے کہ یہ وطن آبائی ہو یا سن رشد (عاقل و بالغ ہونے) کے بعد خود اختیار کیا ہو کسی جگہ کو اس طرح دائمی مسکن و مقر قرار دینے کے بعد اس میں ذاتی مکان یا کسی اور ملکیت کا ہونا یا وہاں کم از کم چھ مہینہ تک بقید و طنیت قیام کرنا وطن ہونے کی شرط نہیں ہے ہاں البتہ قصد مذکور کے بعد اتنا عرصہ قیام کرنا معتبر ہے کہ عرف عام میں یہ کہا جائے کہ فلاں شخص کا فلاں جگہ وطن ہے ہاں احوط یہ ہے کہ چھ مہینہ تک وہاں قیام کیا جائے تاکہ وطن عرفی کے ساتھ وطن شرعی بھی صادق آئے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ اگر کسی شخص کی کسی جگہ کچھ جائداد ہو مگر اس میں بقصد وطن اس نے کبھی قیام نہ کیا ہو یا کسی جگہ اس کا ملکیتی گھر موجود ہو جس میں بقصد وطن چھ مہینہ گزار بھی چکا ہو مگر اب وہاں سے ترک سکونت کر چکا ہو تو اگر وہ شخص وہاں جائے تو آیا وہاں وطن والے احکام جاری ہوں گے یا نہ۔ خلاصہ یہ کہ یہ بھی قواطع سفر سے ہے یا نہ؟ اس میں بظاہر اخبار و آثار اور فقہاء کے افکار و انظار میں اختلاف واضح و آشکار ہے احتیاط واجب یہ ہے کہ جب آدمی ایسے مقام پر جائے تو یا تو وہاں دس روزہ قیام کر کے نماز و روزہ تمام کرے اور یا بصورت دیگر قصر و تمام میں جمع کرے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ ایک آدمی تحصیل علم یا ملازمت کے سلسلہ میں عرصہ دراز سے ایک جگہ مقیم ہے اور ہنوز مزید کچھ عرصہ وہیں رہنا ہے حتی کہ اب عرف میں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں جگہ رہتا ہے مگر چونکہ وہاں دائمی بود و باش رکھنے کا ارادہ نہیں ہے (جو کہ وطن کے ثبوت کے لئے ضروری ہے) تو کیا اس آدمی پر اس جگہ وطن والے احکام جاری ہوں گے یا مسافر والے بعض

فقہاء کرام نے اس جگہ کو "وطن عرفی" کا نام دے کر اور بعض نے اسے "حکم وطن" میں قرار دے کر اور بعض نے وطن کی تعریف سے قصد دوام کی قید کو ختم فرما کر اس شخص پر اس جگہ وطن والے احکام جاری کئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر قصرو تمام کے متعلقہ دلائل میں غورو فکر کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قصرو تمام کے احکام کا دارو مدار مسافر اور غیر مسافر کے عنوان پر ہے حضر یا وطن پر ان کا انحصار نہیں ہے پس جو شخص مسافر ہے اس پر قصر لازم ہے اور جو مسافر نہیں ہے اس پر تمام لازم ہے بنابریں ایسے طلبہ یا ملازمین جو اپنے وطن سے بہت دور علم حاصل کرنے یا ملازمت کرنے میں مشغول ہوں اب جہاں ان پر "وطن میں حاضر" ہونے کا عنوان صادق نہیں آتا۔ وہاں ان پر مسافر کا عنوان بھی صادق نہیں آتا۔ (جس پر قصر کا دارو مدار ہے) لہٰذا ان کی شرعی تکلیف یہ ہے کہ وہ وہاں نماز بھی پوری پڑھیں اور روزہ بھی رکھیں اگرچہ دس روزہ قیام کا ارادہ نہ بھی رکھتے ہوں یا ایک سفر کے بعد دس دن کے اندر اندر دوبارہ سفر کا ارادہ ہو۔واللہ العالم

دوم = اثناء سفر میں ایک جگہ مسلسل پورے دس روزہ قیام کا ارادہ ہو لہٰذا اگر اثناء سفر میں اس طرح دس روزہ قیام کا ارادہ کر لیا جائے تو سفر منقطع ہو جاتا ہے اور پھر قصر کی سہولت حاصل کرنے کے لئے از سر نو شرعی مسافت کا قصد کرنا پڑتا ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ جہاں مسافر دس روزہ قیام کی نیت سے مقیم ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی مکان کی چار دیواری میں محصور ہو کر رہ جائے بلکہ اس شہر کے گلی کوچوں' اس کے باغات اور دوسرے مشہور مقامات دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں البتہ احوط یہ ہے کہ وہاں کی حد ترخص سے باہر نہ جائے اور اگر حد ترخص کے باہر اور چار فرسخ کے اندر دور تک نکل جائے تو یا تو دوبارہ مزید دس روزہ قیام کا ارادہ کرے یا پھر قصرو تمام کے درمیان جمع کرے۔

مسئلہ ۲۔ اگر دس روزہ قیام کا ارادہ کرنے اور ایک نماز پوری پڑھنے کے بعد قیام کا ارادہ بدل جائے تو جب تک وہاں سے چل نہ پڑے وہاں اور جس قدر نمازیں پڑھے گا وہ پوری ہی پڑھے گا۔ ہاں البتہ اگر ہنوز ایک نماز بھی تمام نہیں پڑھی تھی کہ قیام کا ارادہ تبدیل ہوگیا تو پھر اس صورت میں نماز قصر پڑھے گا۔

مسئلہ ۳۔ اظہر یہ ہے کہ جس جگہ دس روزہ قیام کا ارادہ ہے وہاں بھی حد ترخص کا وہی حکم ہوگا جو وطن میں ہے۔

سیوم = تردد و تذبذب کی حالت میں تیس دن کا گزر جانا' ائمہ اطہارؑ کے اخبارو آثار اور فقہاء ابرار کے انظار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص کو حالت سفر میں ایک مقام پر تردد کی حالت میں کہ آج جاتا ہوں' کل جاؤں گا' پورے تیس دن گزر جائیں اس کے بعد اس کا سفر قطع ہو جاتا ہے بعد ازاں وہ جس قدر نمازیں وہاں پڑھے گا وہ تمام پڑھے گا جس طرح تیس دن تک قصر پڑھتا رہا ہے۔

توضیح = بعض روایات میں ایک ماہ اور بعض میں تیس دن وارد ہیں اگرچہ تیس دن کی تاویل ایک ماہ کے ساتھ ہوسکتی ہے کما لا یخفی مگر چونکہ ایک ماہ کا لفظ مجمل ہے (کیونکہ ایک اسلامی ماہ انتیس دن کا بھی ہوسکتا ہے) اور تیس کا لفظ مبین ہے اس لئے مسلمہ قاعدہ کے مطابق تیس دن کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر انتیس دن پر مہینہ مکمل ہو جائے تو مزید احتیاط کا اقتضا یہ ہے کہ تیسویں دن قصر بھی پڑھی جائے اور تمام بھی واللہ العالم

نماز مسافر کے احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ جب قصر کے تمام شرائط موجود ہوں تو قصر واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص اس صورت میں قصر کے بجائے تمام پڑھے تو حقیقت حال تین حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو وہ عمداً" ایسا کرے گا' یا جہلاً' یا نسیاناً" اگر عمداً" ایسا کرے تو اس کی نماز باطل ہے اور وقت کے اندر اس کا اعادہ اور وقت کے بعد اس کی قضا واجب ہے۔

اور اگر جہلاً" ایسا کیا ہے تو اس کی نماز صحیح ہے۔ اعادہ و قضا کی ضرورت نہیں ہے اور بناء بر تحقیق جہل بالحکم اور جہل بالموضوع میں کوئی فرق نہیں ہے اور اگر نسیاناً" ایسا کیا ہے تو اگر وقت کے اندر یاد آجائے تو اعادہ لازم ہے اور اگر بعد از وقت یاد آئے تو قضا لازم نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ جب شرائط قصر موجود نہ ہوں تو وہاں اتمام واجب ہے اور اگر کوئی شخص وہاں قصر کرے تو اس کی بھی مذکورہ بالا مسئلہ کی طرح تین صورتیں ہیں یا تو عمداً" ایسا ہوگا یا سہواً" اور یا نسیاناً" عمد کی صورت میں اعادہ و قضا واجب اور جہل کی صورت میں اعادہ و قضا لازم نہیں ہے جس پر علاوہ ان عمومی دلیلوں کے جو جاہل کی معذوری پر دلالت کرتی ہیں اس مقام پر ایک

خصوصی صحیح السند روایت بھی تہذیب الاحکام میں موجود ہے منصور بن حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا۔ **اذا اتیت بلدۃ وازمعت المقام بھاعشرۃ فلا تترک جاھلا فلیس علیہ الاعادۃ**

"یعنی جہاں دس روزہ قیام کی وجہ سے نماز تمام پڑھنی واجب تھی اگر کوئی شخص بوجہ جہالت قصر پڑھ لے تو اس پر اعادہ واجب نہیں ہے" باقی رہی نسیان والی صورت تو اس میں وقت کے اندر تو اعادہ واجب ہی ہے۔ احوط یہ ہے کہ بعد از وقت قضا بھی کرے۔

مسئلہ ۳۔ جب نماز کا وقت داخل ہوا تو اس وقت ایک آدمی گھر میں موجود تھا مگر نماز پڑھنے سے پہلے سفر کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اب سفر میں پوری پڑھے گا یا قصر؟ اور اس کے برعکس جب نماز کا وقت داخل ہوا تو وہ سفر میں تھا مگر ابھی نماز نہیں پڑھی تھی کہ گھر پہنچ گیا۔ اب یہ قصر پڑھے گا یا تمام؟ یہ مسئلہ دراصل اس پیچیدہ مسئلہ کی فرع ہے کہ نماز کے سلسلہ میں وقت وجوب معتبر ہوتا ہے یا وقت ادا؟

اگرچہ اشہر واظہر یہ ہے کہ ہر دو صورت میں وقت ادا کا اعتبار کیا جائے گا۔ لہٰذا پہلی شق میں قصر پڑھے گا اور دوسری میں تمام مگر احوط استحبابی یہ ہے کہ ہر دو صورت میں قصر و اتمام کے درمیان جمع کیا جائے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۴۔ جن واجبی نمازوں میں قصر واجب ہے ان کے نوافل سفر میں ساقط ہو جاتے ہیں۔ البتہ عشاء کے "وتیرہ" میں شدید اختلاف ہے احوط یہ ہے کہ ان کو بامید مطلوبیت قربت مطلقہ کی نیت سے پڑھا جائے۔ (اوقات نماز کے ضمن میں نماز وتیرہ کے متعلق ایک تحقیقی بیان گزر چکا ہے وہاں رجوع کیا جائے گا)

مسئلہ ۵۔ نماز و روزہ کی قصر و اتمام لازم و ملزوم ہیں یعنی جو شرائط نماز قصر کے ہیں وہی افطار روزہ کے ہیں بالفاظ دیگر جہاں شرعاً نماز قصر ہوگی وہاں روزہ افطار کرنا ہوگا اور جہاں روزہ افطار ہوگا وہاں نماز قصر ہوگی۔ **حذو النعل بالنعل**

مسئلہ ۶۔ چار مقامات ایسے ہیں کہ ان کی شرافت و عظمت کی وجہ سے شریعت مقدسہ میں مسافر کو اجازت دی گئی ہے کہ باوجود دس روز کے قیام کا قصد نہ کرنے کے وہاں چاہے تو نماز کو تمام

پڑھ سکتا ہے بلکہ اتمام کو افضل اور اس امر کو امور مذخورہ اور اسرار مکنونہ میں سے قرار دیا گیا ہے اگرچہ قصر بھی جائز ہے اور وہ مقامات بناء برا شہرو اظہر یہ ہیں (۱) مکہ مکرمہ' (۲) مدینہ منورہ' (۳) مسجد کوفہ اور (۴) حائر حسینیؑ۔ بعض آثار اور اقوال کی بناء پر یہ خصوصیت تمام مکہ و مدینہ کو حاصل نہیں بلکہ صرف مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ تک محدود ہے۔ وہوالاحوط۔ اور مزید

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مساجد میں بھی اس رعایت کو پرانی حدود تک محدود رکھا جائے۔ جس طرح کہ بعض اثار و افکار سے تمام کوفہ کے لئے یہ شرف معلوم ہوتا ہے مگر یقینی مقدار صرف مسجد کوفہ ہے وہوالاحوط۔ اسی طرح حائر حسینیؑ کی تعیین و تحدید میں شدید اختلاف ہے احوط یہ ہے کہ صرف اسی مقدار پر اکتفا کیا جائے۔ جس پر قبہ مبارکہ مشتمل ہے با ایں ہمہ اگرچہ اتمام افضل ہے مگر چونکہ اس مسئلہ میں اخبار اور علماء اعلام کے انظار میں شدید اختلافات ہیں لہٰذا قصر احوط ہے حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے (خصال میں) ان روایات شریفہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان مقامات شریفہ کی شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ مسافر کو وہاں ضرور دس روز قیام کرنا چاہئے تاکہ اطمینان سے نماز پوری پڑھی جائے اور وہاں کے فیوض و برکات سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۷۔ یہ رعایت صرف نماز کے لئے ہے اس میں روزہ داخل نہیں ہے یعنی اگر نماز تمام بھی پڑھی جائے تب بھی روزہ رکھنا وہاں جائز نہیں ہے جب تک دس روزہ قیام کا ارادہ نہ کیا جائے۔

مسئلہ ۸۔ نماز قصر پڑھنے سے نماز میں دو رکعت کی جو کمی واقع ہو جاتی ہے اس کو پر کرنے کے لئے مستحب موکد ہے کہ قصر نماز کے بعد تیس مرتبہ تسبیحات اربعہ پڑھی جائیں مگر چونکہ ویسے بھی ہر نماز کے تعقیبات مشترکہ میں تیس مرتبہ تسبیحات اربعہ کا پڑھنا شامل ہے۔ اس لئے صاحب العروہ قدس سرہ نے بجا فرمایا ہے کہ **(بل الاولی تکرارها مرتین مرة من باب التعقیب ومرة من حیث بدلیتها عن الرکعتین الساقطتین)**

یعنی افضل یہ ہے کہ دو مرتبہ تیس تیس بار تسبیحات اربعہ کو پڑھا جائے۔ ایک بار تعقیبات کے طور پر اور دوسری بار ساقط شدہ دو رکعتوں کے بدل کے طور پر۔ واللہ العالم

"قضا شدہ نمازوں کی ادائیگی کا بیان"

اس بات میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انسان سے جو نماز بلا وجہ رہ جائے یا شرائط یا اجزاء کو ترک کرنے کی وجہ سے غلط پڑھی جائے۔ اس کی قضا واجب ہے ہاں البتہ جو نمازیں صغر سنی' جنون' بے ہوشی' حیض' نفاس' یا کفر اصلی کی حالت میں ترک ہو جائیں تو عذر کے زائل ہو جانے کے بعد ان کی قضا واجب نہیں ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ اشہر و اظہر قول یہ ہے کہ بے ہوش آدمی سے بے ہوشی کے عالم میں جو نمازیں قضا ہو جائیں۔ ان کی قضا اس پر واجب نہیں ہے ہاں البتہ جس نماز کے وقت میں افاقہ ہو اس کا پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ ۲۔ مذکورہ بالا حکم اس صورت میں ہے کہ بے ہوشی قدرتی اور طبعی ہو۔ (**لان کلما غلب اللہ علی العبد فھو اعذر لہ**) لیکن اگر کوئی شخص عمداً" کوئی غشی آور چیز استعمال کرلے تو اس غشی کے دوران جو نمازیں ترک ہوں گی علی الاقوی ان کی قضا واجب ہوگی اور یہی حکم جنون کا ہے۔

مسئلہ ۳۔ کافر کے ساتھ "اصلی کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ کافر اصلی جب اسلام لائے تو زمانہ کفر میں ترک شدہ نمازوں کی اس پر قضا واجب نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی مسلمان (العیاذ باللہ) مرتد ہو جائے اور پھر توبہ کرلے تو چونکہ مرتد ملی اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ بالاتفاق اور علی الاطلاق قابل قبول ہے اس لئے توبہ کے بعد ارتداد کے زمانہ والی فوت شدہ نمازوں کی اس پر قضا واجب ہے باقی رہا مرتد فطری تو وہ اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ کے قبول ہونے یا قبول نہ ہونے میں تین قول ہیں۔ ظاہر" و باطنا" اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہے۔ (مرتد ہوتے ہی وہ واجب القتل ہو جاتا ہے' اس کی زوجہ عدت وفات گزار کر اس سے جدا ہو جاتی ہے۔ گو وہ ظاہری طور پر قتل ہونے سے بچ بھی جائے اور اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہو جاتا ہے)

۲۔ ظاہرا" و باطنا" اس کی توبہ قبول ہے لہٰذا توبہ کے بعد جہاں وہ اخروی عذاب سے بچ جائے گا۔ وہاں ظاہری سزا سے بھی محفوظ ہو جائے گا۔

۳۔ باطنی طور پر (فیمابینہ و بین اللہ) اس کی توبہ منظور ہو سکتی ہے اور اخروی سزا سے بھی بچ سکتا ہے مگر ظاہری طور پر اس کی توبہ قابل قبول نہیں ہے لہٰذا اس پر ظاہری شرعی حد جاری ہو کر رہے گی اور یہی آخری قول ہی متاخرین میں اشہر اور یہی **جمعا بین الا دلتہ فی المقام کما لا یخفی علی اولی الافہام اظہر** ہے لہٰذا اگر کسی وجہ سے اس پر شرعی حد جاری نہ ہو سکے اور وہ توبۃ النصوح کرلے تو زمانہ ارتداد کی نمازوں کی قضا اس پر واجب ہوگی۔ مخفی نہ رہے کہ عورت خواہ مرتدہ فطریہ ہو یا مرتدیہ ملیہ بہرحال اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے اور ارتداد کی صورت میں اس کی سزا قتل نہیں بلکہ اسے توبہ کرنے کو کہا جائے گا اگر کرلے تو فبہا ورنہ اسے قید کردیا جائے گا اور نماز کے وقت اسے مارا پیٹا جائے گا حتی کہ یا تو توبہ کرلے یا اسی حالت میں مرجائے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ مرتد کے لئے یہ کڑی سزائیں اس لئے ہیں کہ ہمیشہ کیلئے اس غلط روش و رفتار کا سدباب ہو جائے۔ اور ارتداد کی وبا نہ پھوٹنے پائے۔ واللہ الھادی۔

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی شخص کسی باطل مذہب کو چھوڑ کر مذہب حق پر آجائے تو اس نے اپنے باطل مذہب کے زمانہ میں جو نمازیں اس مذہب کے قواعد کے مطابق صحیح پڑھی ہیں ان کی قضا اس پر واجب نہیں ہے۔ ہاں البتہ جو نمازیں اس نے پڑھی ہی نہیں یا اپنے سابق مذہب کی رو سے غلط پڑھی ہیں ان کی قضا واجب ہوگی۔

مسئلہ ۵۔ جس وقت لڑکی یا لڑکا بالغ ہو یا حیض و نفاس والی عورت ان عوارض سے پاک ہو اور طہارت کرنے اور نماز پڑھنے کا وقت باقی ہو تو ان پر طہارت کرکے اس وقت کی نماز پڑھنا واجب ہے اگر طہارت وغیرہ کرنے کے بعد صرف بقدر ایک رکعت بھی وقت باقی ہو تو علی الاحوط اس کا حکم بھی یہی ہے اور اگر اسے ترک کیا گیا تو اس کی قضا واجب ہوگی۔

مسئلہ ۶۔ اگر کسی شخص سے پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی ایک نماز قضا ہو جائے مگر یہ نہ معلوم ہو سکے کہ وہ کون سی نماز ہے؟ تو وہ تین نمازیں پڑھے گا ایک تین رکعتی مغرب کے لئے دوسری دو رکعتی صبح کے لئے اور تیسری چار رکعتی ظہر و عصر اور عشاء کے لئے کہ ان میں سے جو اس کے ذمہ ہے اس کی ادائیگی کا قصد کرے گا اور اگر سفر کی حالت میں یہ صورت پیش آئے تو پھر صرف دو نمازیں پڑھنا کافی ہیں۔ ایک تین رکعتی مغرب کے لئے دوسری دو رکعتی صبح، ظہر، عصر اور عشاء کے لئے .قصد مافی الذمہ اور اس مشترکہ قصد کی صورت میں اسے جہر و اخفات میں

اختیار ہے کہ جہر کرے یا اخفات

مسئلہ ۷۔ اشہر و اظہر یہ ہے کہ قضا میں قصر و اتمام کا دار و مدار وقت فوت پر ہے یعنی وہ آخری وقت جبکہ نماز قضا ہوئی ہے قضاء میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔ لہذا اگر بحالت حضر قضا ہوئی ہے تو سفر میں بھی اس کی پوری قضا کی جائے گی اور اگر حالت سفر میں قضا ہوئی ہے تو حضر میں بھی اس کی قضا قصر کی جائے گی جس طرح کہ علی الاظہر ادا میں وقت ادا کو ملحوظ رکھا جاتا ہے نہ وقت وجوب کو (کما تقدم) اگرچہ احوط یہ ہے کہ اس صورت میں ادا کی طرح قضا میں بھی قصر و تمام کو جمع کیا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۸۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حاضرہ نمازوں میں ترتیب واجب ہے مثلاً" ظہر پہلے ہے عصر اس کے بعد' مغرب پہلے ہے اور عشاء اسکے بعد اور اگر اس ترتیب کی خلاف ورزی کی جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے مگر غور طلب امر یہ ہے کہ آیا فوت شدہ نمازوں کی قضا میں بھی اس ترتیب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے یا نہ؟ صورت حال دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو فوت شدہ نمازوں کی ترتیب معلوم ہوگی کہ پہلے فلاں نماز قضا ہوئی اور اس کے بعد فلاں و ھکذا۔ یا یہ ترتیب معلوم نہ ہوگی لہذا اگر معلوم ہو تو پھر تو نہ صرف یہ کہ مشہور ہے بلکہ مجمع علیہ ہے کہ قضا میں اس ترتیب کا ملحوظ رکھنا واجب ہے ہاں جو کچھ اجمال و اشکال ہے وہ صرف اس صورت میں ہے کہ جب یہ معلوم نہ ہو کہ فوت شدہ نمازوں کی ترتیب کیا ہے؟ اقوی یہ ہے کہ اس صورت میں ترتیب واجب نہیں ہے ہاں چونکہ بعض فقہاء کے نزدیک اس صورت میں بھی ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس لئے احوط یہ ہے کہ اس صورت میں اس قدر تکرار کیا جائے کہ ترتیب کے حاصل ہونے کا یقین ہو جائے اور اس کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ جس قدر نمازیں فوت ہوئی ہیں (جنکی ترتیب مجہول ہے) اتنی نمازیں پہلے جس ترتیب سے چاہے پڑھ لے پھر ان کی تعداد سے ایک عدد کم ان کا تکرار کرے بعد ازاں جس نماز سے پہلے ابتداء کی تھی صرف اس کو پڑھ کر ختم کردے اس طرح کرنے سے ضرور اصلی اور واقعی ترتیب حاصل ہو جائے گی۔ مثلاً" ایک شخص سے دو دن میں دو نمازیں فوت ہوئیں۔ ایک ظہر اور دوسری عصر۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ پہلے ظہر فوت ہوئی تھی یا عصر تو قضا میں اس طرح کرے کہ پہلے ظہر پڑھے پھر عصر اور پھر ظہر۔ یا پہلے عصر پڑھے بعد ازاں ظہر اور پھر عصر اور اگر تیسرے دن کی مغرب بھی ان میں

شامل ہو جائے مگر ترتیب کا علم نہ ہو کہ کس دن کون سی نماز فوت ہوئی تھی تو اب پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب بعد ازاں اسی طرح دو بار تکرار کرے گا اور آخر میں نماز ظہر پڑھ کے ختم کر دے گا اور اگر چوتھے دن کی نماز عشاء بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائے تو ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کا تین بار تکرار کر کے آخر میں ظہر پڑھ کے ختم کرے گا اور اگر پانچویں دن کی صبح بھی شامل ہے تو پھر ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور صبح کا چار بار تکرار کر کے آخر میں ظہر پر خاتمہ کرے گا۔ اس طرح پہلی صورت میں تین دوسری میں سات چوتھی میں تیرہ اور پانچویں میں اکیس نمازوں میں اصل ترتیب لا محالہ حاصل ہو جائے گی اسی طرح جب بہت سی نمازیں قضا ہوں تو اس طرح نماز پنجگانہ کا ایک دورہ مکمل کرنے سے یعنی اکیس نمازیں پڑھنے سے ضرور اصل ترتیب حاصل ہو جاتی ہے۔ فا حفظ ھذا فانہ مفید

مسئلہ ۹۔ مذکورہ بالا بحث تو پنجگانہ نمازوں کے بارے میں ہے آیا باقی فوت شدہ واجبی نمازوں جیسے نماز آیات کی مختلف قسموں میں کہ کوئی زلزلہ کی وجہ سے واجب ہوئی تھی تو کوئی آندھی کی وجہ سے و ھکذا۔ قضا کرتے وقت ترتیب کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ پہلے جس قسم کی نماز واجب ہوئی تھی قضا بھی پہلے اسی کی بجا لائے یا نہ؟ اسی طرح جب ایک آدمی کے ذمہ پنجگانہ نمازوں کی قضا بھی ہو اور نماز آیات کی قضا بھی تو کیا یہاں بھی ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جو پہلے قضا ہوئی تھی اسے پہلے ادا کیا جائے؟ اس مسئلہ میں کوئی نص موجود نہیں ہاں مشہور بین الفقہاء یہی ہے کہ یہاں ترتیب ضروری نہیں ہے۔ وھو الاقرب۔ اگرچہ احوط یہ ہے کہ حتی الامکان اس صورت میں بھی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۱۰۔ واجبی نمازوں کے نوافل اگر ترک ہو جائیں تو ان کی قضا مستحب مؤکد ہے بعض احادیث میں تو یہاں تک وارد ہے کہ اگر کسی شخص نے دنیوی مال و متاع کی جمع آوری میں حرص و آز کی وجہ سے نوافل ترک کر دیے اور ان کی قضا نہ کی تو وہ بروز حشر سنت رسولؐ کو خفیف سمجھنے والا اور ضائع کرنے والا محشور ہوگا۔ (کافی) اور اگر کثرت کی وجہ سے قضا نہ کر سکتا ہو تو پھر ہر دو رکعت کے عوض ایک مد اور اگر یہ بھی نہ دے سکے تو پھر ہر چار رکعت کے عوض ایک مد اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو ایک دن کے تمام نوافل کے عوض ایک مد طعام مستحقین میں تقسیم کرے (کافی) واضح رہے کہ ایک مد تقریباً" بارہ چھٹانک کا ہوتا ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ احتیاط واجب یہ ہے کہ جب نماز فریضہ کا وقت داخل ہو جائے تو اس وقت سوائے ان نوافل' یومیہ کے جن کا وقت مقرر و معین ہے (جیسے صبح' ظہر اور عصر کے نوافل) اور کوئی مستحی نماز نہ پڑھی جائے اور اگر ان نوافل کا معینہ وقت گزر جائے تو پھر وہ بھی نہ پڑھے جائیں بلکہ نماز فریضہ کے بعد ان کی قضاء کی جائے۔ جیسا کہ اخبار مستفیضہ میں وارد ہے۔ **اذا دخل وقت الفریضۃ فابدا بالفریضۃ فلا صلوۃ نافلۃ**

یعنی جب نماز فریضہ کا وقت داخل ہو جائے تو پہلے اسے ہی پڑھو کیونکہ فریضہ کے وقت میں نافلہ نہیں ہو سکتا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۱۲۔ اسی طرح اقوی یہ ہے کہ جس آدمی کے ذمہ واجبی نمازوں کی قضا ہو جب تک ان کی قضا سے فارغ الذمہ نہ ہو جائے وہ مستحی نمازیں نہیں پڑھ سکتا۔ جیسا کہ متعدد اخبار و اثار میں وارد ہے علاوہ بریں واضح ہے کہ جو شخص واجبات کا تارک ہو۔ اس کا کوئی مستحی عمل قبول نہیں ہوتا کیونکہ۔ **(انما یتقبل اللہ من المتقین)**

مسئلہ ۱۳۔ جس آدمی کے ذمہ قضا نمازیں ہوں آیا اس کو فوراً" ادا کرنی چاہیں اور جب تک نماز حاضرہ کا وقت تنگ نہ ہو جائے۔ قضا ہی میں مشغول رہے۔ الغرض نماز حاضرہ کو اول وقت میں نہ پڑھے یا یہ فوریت ضروری نہیں ہے اور نماز حاضرہ کو اول وقت میں پڑھا جاسکتا ہے اس مسئلہ میں علماء متقدمین و متاخرین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے اصطلاح میں یہ مسئلہ' مضائقہ و مواسعہ کے نام سے مشہور ہے اور فقہاء کا یہ اختلاف انظار دراصل اخبار و آثار کے ظاہری اختلاف کی وجہ سے ہے یہاں تفصیلات میں جانے اور ہر فریق کے دلائل پر نقض و ابرام کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے اس مقام پر ہم صرف یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ پہلا قول (مضائقہ والا) احتیاط کے مطابق ہے۔ بالخصوص جبکہ صرف اسی دن کی نمازیں قضا ہوں جس دن کی یہ نماز حاضرہ پڑھنی ہے؟ اور بالاخص یہ احتیاط اس وقت اور بھی ناقابل ترک ہو جاتی ہے جبکہ اس دن کی بھی صرف ایک نماز قضا ہو بہرحال سب صورتوں میں احتیاط فی

مسئلہ ۱۴۔ جس آدمی کے ذمہ اس قدر قضا نمازیں ہوں کہ ان کی تعداد معلوم نہ ہو تو احوط یہ ہے کہ اس قدر نمازوں کی قضا کرے کہ برأت ذمہ کا یقین ہو جائے۔ کیونکہ یقینی اشتغال ذمہ برات یقینی چاہتا ہے۔ **کما ہو اوضح من ان یخفی**

میت کی قضا شدہ نمازوں کی ادائیگی کا بیان

شریعت مقدسہ اسلامیہ کے سہلہ و فطریہ اور خدائے رحمن و رحیم کی مقررہ کردہ ہونے کے منجملہ دیگر دلائل و شواہد کے ایک شاہد یہ بھی ہے کہ اس میں گنہگار بندوں کی موت کے بعد بھی ان کی بخشش کا بندوبست اور تلافی مافات کا انتظام کیا گیا ہے چنانچہ اسلامی فقہ کا ایک پورا عنوان ہی مرنے والوں کے واجبی حقوق اللہ اور حقوق الناس کی ادائیگی کے بندوبست سے متعلق ہے۔ چنانچہ حقوق اللہ میں سے حج اور لوگوں کے سب مالی حقوق کے متعلق تو شریعت کا یہ حکم ہے کہ وہ میت کے اصل ترکہ سے قبل از تقسیم ادا کئے جائیں اور جہاں تک صوم و صلواۃ کا تعلق ہے تو ان کے متعلق اگر مرنے والا وصیت کر جائے تو وہ بھی اصل ترکہ (ثلث میں) سے نکالے جائیں اور اگر وصیت نہ کر جائے تو شرع مبین کا یہ فیصلہ ہے کہ جو شخص میراث حاصل کرنے میں سب سے اولی اور سب پر مقدم ہے اسی پر ان کی ادائیگی واجب ہے اس کا میت کو فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ جنت میں ہے تو اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اگر گرفتار عذاب ہے تو اس کو اس سے رہائی مل جاتی ہے یا کم از کم اس کی تکلیف میں تخفیف ہو جاتی ہے اس سلسلہ میں بکثرت احادیث معصومینؑ موجود ہیں محض تبرکاً ایک دو حدیثیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا جاتا ہے۔ (یصلی عن المیت) کیا میت کی طرف سے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ فرمایا۔ نعم ہاں۔ پھر فرمایا۔ **حتی انه یکون فی ضیق فیوسع علیه ذالک الضیق ثم یوتی فیقال له خفف عنه ذلک الضیق بصلوۃ فلان اخیک عنک**

مرنے والا بعض اوقات تنگی میں ہوتا ہے اور اس عمل کی وجہ سے اس کی وہ تنگی دور کردی جاتی ہے اور اس سے جا کر کہا جاتا ہے کہ تیری یہ تنگی تیرے فلاں بھائی کے تیری طرف سے نماز پڑھنے کی وجہ سے دور ہوئی ہے۔ ہشام بن عالم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا۔ **ایصل الی المیت الدعا والصدقه والصلوۃ ونحو ذلک** کیا ہماری (بخشش کی) دعا، صدقہ، نماز اور دیگر امور خیر میت تک پہنچتے ہیں؟ فرمایا نعم۔ ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ **و یعلم من صنع به** کیا میت کو یہ علم بھی ہوتا ہے کہ کس نے اس کے ساتھ یہ اچھا سلوک کیا ہے؟ فرمایا نعم۔ ہاں پھر فرمایا۔ **یکون مسخوطا علیه فیرضی عنه** بعض اوقات وہ خدا کی ناراضی میں مبتلا ہوتا ہے لیکن (اس عمل کی وجہ سے) خدا اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ (اخیاشلطان)

الروضۃ البہیۃ وغیرہا بہرحال اشہر و اظہر قول یہ ہے کہ مرنے والے کی جو واجبی نمازیں کسی شرعی عذر کی وجہ سے قضا ہوئی ہیں یا بلا عذر مرض الموت میں ہوئی ہیں یا اس سے قبل ان سب کی قضا بناء بر مشہور میت کے بڑے لڑکے پر اور بنا تحقیق میت کے سب سے اولیٰ و اقرب بڑے وارث پر واجب ہے کیونکہ نصوص میں کہیں بھی میت کے بڑے یا چھوٹے لڑکے کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف اولی الناس کی لفظ مذکور ہے بناء بریں وہ وارث جس طبقہ سے تعلق رکھتا ہو مرنے والے کی موت کے وقت اسے سب سے اقرب و اکبر ہونا چاہیے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ بناء بر احتیاط اس سلسلہ میں کوئی فرق نہیں کہ مرنے والا خواہ مرد ہو اور خواہ عورت! کیونکہ نصوص میں یا تو لفظ میت وارد ہے جس کا مرد و عورت ہر دو پر اطلاق ہوتا ہے یا بطور مثال مرد کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے اس حکم کا اس کے ساتھ اختصاص ظاہر نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۲۔ ولی سے جو مراد ہم نے لی ہے اس کی بناء پر قضا کا تعلق صرف والدین سے ہی نہیں بلکہ ہر مرنے والے کی قضا نمازوں کی ادائیگی اس کے اقرب وارث پر واجب ہے۔

مسئلہ ۳۔ سابقاً "قضا کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر قضا شدہ نمازوں کی ترتیب کا علم ہو تو قضا میں واجباً" اور عدم علم کی صورت میں احتیاطاً" اس ترتیب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے لیکن میت کی طرف سے قضا کی صورت میں بھی اس تریب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے یا نہ؟ اس میں فی الجملہ اختلاف ہے اگرچہ مشہور یہی ہے کہ یہاں بھی ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے بنابریں ایک وقت میں چند آدمی میت کی طرف سے قضا نماز نہیں پڑھ سکیں گے بلکہ یا تو پڑھنے والا ایک ہو یا اگر زیادہ ہوں تو یکے بعد دیگرے ان کے اوقات مقرر کئے جائیں مگر ترتیب والے نصوص تو صرف اپنی قضا کے متعلق ہیں پس یہ متعلقہ مسئلہ نصوص سے خالی ہے تو یہاں ترتیب کے وجوب پر کسی دلیل کا نہ ہونا ہی اس کے عدم وجوب کے لئے کافی ہے کیونکہ اگر اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا تو نصوص میں ضرور اس کا کوئی تذکرہ ہوتا۔ **اذ لا تکلیف الا بعد البیان ولا مواخذۃ الا بعد اقامۃ البرہان کما لا یخفی علی اولی الالباب**

مسئلہ ۴۔ اگر نماز کے بعض مسائل و احکام میں اجتہاداً" یا تقلیداً" مرنے والے اور اس کے ولی میں اختلاف ہو تو ولی اپنی شرعی تکلیف کے مطابق نماز پڑھے گا۔

مسئلہ ۵۔ اگرچہ اولیٰ و احوط یہ ہے کہ جس ولی پر میت کی قضا شدہ نماز و روزہ کی ادائیگی واجب

ہے وہ خود ہی ادا کرے مگر علی الاشہر و الاظہر اس کے لئے اجرت دے کر بھی ان فرائض کی ادائیگی کرانا جائز ہے اسی طرح جس مرنے والے کا کوئی ولی نہ ہو اس کی نمازیں بھی اجرت پر پڑھائی جاسکتی ہیں۔

کیونکہ اگرچہ نماز میت کے متعلق بالخصوص کوئی نص موجود نہیں ہے مگر اجارہ کے عمومی ادلہ اس مورد و مقام کو بھی شامل ہیں لہٰذا بظاہر اجارہ پر نماز پڑھوانا اور روزہ رکھوانا جائز ہے۔ وان کان الاحوط ترکہ واللہ العالم

ایک اشکال کا ابطال

اگرچہ بعض اعلام نے یہاں اس کے جواز پر یہ اشکال عائد کیا ہے کہ اجرت لینا قصد قربت کے منافی ہے اور نماز یا کوئی بھی عبادت بغیر قصد قربت کے ہو نہیں سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں نص نہیں وہاں تو بجا لیکن چونکہ بعض عبادات جیسے حج وغیرہ میں نصوص موجود ہیں اس لئے ان کی کوئی مناسب تاویل کرنا پڑے گی اور وہ یہی ہے کہ بظاہر یہاں اجرت کا لینا داعی علی الداعی ہے یعنی قصد قربت کے ساتھ نماز پڑھنے کا محرک اجرت ہے جیسے نماز حاجت' نماز استخارہ اور نماز استسقا وغیرہ کہ گو یہاں نماز قربتہ الی اللہ ہی پڑھی جاتی ہے مگر اس کے پڑھنے کا محرک یا کوئی مخصوص حاجت ہے یا استخارہ ہے یا طلب باراں ہے۔

مسئلہ ۶۔ چونکہ اجیر (اجرت پر نماز پڑھنے والا) اپنے آپ کو مرنے والے کا نائب اور قائم مقام سمجھ کر عمل بجا لاتا ہے اور یہ قصد کرتا ہے کہ جو کچھ میت کے ذمہ تھا وہ اسی کے لئے بجا لا رہا ہے لہٰذا اگر نماز کے بعض مسائل و احکام میں مرنے والے اور اجرت پر پڑھنے والے کے درمیان از روئے اجتہاد یا تقلید اختلاف ہو تو وہ مرنے والے کے عندیہ کے مطابق پڑھے گا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۷۔ اگر کوئی شخص میت کی طرف سے محض قربتہ الی اللہ (مفت) اجیر سے پہلے نماز و روزہ وغیرہ فرائض ادا کردے تو میت بری الذمہ ہو جائے گا اور اجارہ ختم ہو جائے گا۔

مسئلہ ۸۔ اجیر میں عقل و ایمان تو بالاتفاق اور بلوغت و عدالت علی الاحوط شرط ہے نیز اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی قرأت درست ہو اور نماز اور اس کی قضا کے عامتہ البلوی مسائل سے بھی واقف ہو۔ الغرض ہر لحاظ سے صحیح نماز پڑھ سکتا ہو تاکہ اس کی ادا کردہ نمازوں

پر اعتماد کیا جاسکے۔ واللہ الموفق

نماز باجماعت اور اس کے بعض اسرار و احکام کا بیان

پہلا فائدہ باہمی الفت و محبت: نماز با جماعت ادا کرنے کے اندر اس قدر فوائد و عوائد پوشیدہ ہیں کہ قلم ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے صرف بطور نمونہ مشتے از خروارے یہاں اس کے چند عمومی فوائد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

نماز با جماعت مسلمانوں میں باہمی الفت و محبت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے محلہ کے سب مسلمان جب پانچ وقت ایک جگہ جمع ہوں گے اور ایک دوسرے سے ملیں گے تو ان کی بیگانگی ختم ہو جائے گی اور انکے درمیان یگانگت پیدا ہوگی۔ تشتت و افتراق دور ہوگا اور اس کی جگہ اتحاد و اتفاق اور محبت و الفت کی فضا پیدا ہوگی۔ خدا کی عبادت آشکار ہوگی اور اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوگی۔

دوسرا فائدہ جذبہ غمخواری کی بیداری: جب مذکورہ بالا طریقہ سے مسلمانوں کے اندر میل و محبت پیدا ہوگی تو اس سے لازماً ان کے درمیان باہمی ہمدردی و غمخواری کا جذبہ بیدار ہوگا۔ امراء غرباء کی امداد کریں گے۔ بیمار کی مزاج پرسی کی جائے گی اور ایک مصیبت زدہ مسلمان کے دکھ درد میں دوسرے مسلمان شریک ہوں گے اور یہی چیز اصل جوہر انسانیت ہے نیز اس طرح یہ بھی معلوم ہوگا کہ کون پابندی سے نماز پڑھتا ہے اور کون نہیں پڑھتا تاکہ شہادت (گواہی) وغیرہ دیگر معاملات میں آسانی ہو جائے۔

تیسرا فائدہ اسلامی اخوت و برادری کا درس: نماز با جماعت مسلمانوں میں برادرانہ مواسات و محبت اور انسانی الفت واخوت کی بڑی درس گاہ ہے یہاں امیر' فقیر' کالے' گورے' عرب و عجم اور آقا و غلام کی تمیز ختم ہو جاتی ہے سب ایک زمین پر' ایک امام کے پیچھے ایک صف میں ایک درجہ میں دوش بدوش سرنگوں کھڑے ہیں کوئی کسی کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔ اس سے بڑھ کر اسلامی اخوت و برادری کی کس طرح تعلیم دی جاسکتی ہے اور اس طرح اہل مشرق و مغرب پر اسلام کی شوکت کی دھاک بیٹھ جاتی ہے۔

چوتھا فائدہ جماعتی نظم و اجتماع: اجتماعیت ایک فطری چیز ہے اس لئے تمام قوموں نے اس کے لئے مختلف اوقات اور مختلف تہوار مقرر کر رکھے ہیں کسی بھی قوم کی قومی و ملی زندگی جماعتی نظم

و ضبط کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی جب یہ گرہ کھل جائے تو قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اسلام نے (جو دین فطرت ہے) نماز با جماعت کے ذریعہ سے قومی نظم و ضبط کی بہترین عملی تعلیم پیش کی ہے جس طرح نماز کی درستی' صف اور نظام جماعت پر موقوف ہے اسی طرح پوری قوم کی زندگی کا دارومدار بھی ان کے باہمی اتحاد و تعاون باہمی میل جول اور باہمی مشارکت و ہمدردی پر ہے۔

پانچواں فائدہ مرکز کی ضرورت اس کی اطاعت کا احساس = نماز با جماعت سے مرکز کی ضرورت اور امام مفترض الطاعہ کی اطاعت کا درس بھی ملتا ہے جس کے بغیر قومی و ملی زندگی کی گاڑی کا چلنا محال ہے کسی بھی جماعت کی ترقی کی بنیاد اس کے افراد کے باہمی نظم و ارتباط اور جماعتی مفاد کی خاطر اپنے ذاتی آرام اور شخصی مفاد کو قربان کردینے پر قائم ہے اور باہمی اختلاف کو دور کرکے ایک مرکز پر جمع ہو کر کام کرنے کے اندر مضمر ہے یہ نماز ہی ہے جو وحدت قوت کا دن میں پانچ بار سبق سکھاتی ہے۔

چھٹا فائدہ' روزانہ کی مجلس عمومی! انسان کی نجی زندگی میں بالعموم اور قومی و اجتماعی زندگی میں بالخصوص مشورہ کو جو اہم مقام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے با جماعت نماز پڑھنے سے یہ مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے جب محلہ کے مدبر' مفکر' مدبّر اور بابصیرت لوگ' پانچ بار ایک جگہ اکٹھے ہوں گے تو ان کو اہم قومی معاملات میں باہمی مشورہ کرنے کا بہترین موقع ملے گا جیسا کہ اوائل اسلام میں ایسا ہوتا تھا اور مسجد مسلمانوں کے ہر قومی اجتماع کا مرکز تھی وہی ان کی نماز کی جگہ' وہی ان کا دارالامارۃ وہی دارالشوریٰ' وہی بیت المال' وہی صیغہ جنگ کا دفتر' وہی درسگاہ اور وہی معبد تھا جب سے اس میں کمی واقع ہونے لگی ہے مسلمان ایک قالب بے جان ہو کر رہ گئے ہیں اس بیان سے معلوم ہوا کہ نماز با جماعت اسلام کے مذہبی' اجتماعی' تمدنی' سیاسی اور اخلاقی مقاصد حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے یہی نماز اور وہ بھی با جماعت اسلام کا اولین شعار ہے اور اسی سے مسلمانوں کی اسلامی زندگی وابستہ ہے۔ (ماخوذ)

نماز با جماعت کی فضیلت! جماعت کی اس اہمیت کے پیش نظر احادیث میں نماز با جماعت کا اس قدر فضل عظیم اور ثواب جسیم وارد ہوا ہے اور اس قدر اس کی تاکید شدید کی گئی ہے کہ جو اسے قریب قریب واجبات کے زمرہ میں شامل کردیتی ہے۔ (۱) متعدد روایات میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ سے مروی ہے فرمایا۔ صلوۃ الجماعۃ افضل من

الصلوة الفرد بخمس و عشرين درجته

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرادیٰ نماز پڑھنے سے پچیس درجہ افضل ہے۔ (کافی، محاسن)

(۲) محمد بن عمارہ بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ مسجد کوفہ میں فرادی نماز پڑھنا افضل ہے یا (کسی اور جگہ) جماعت کے ساتھ؟ امامؑ نے فرمایا (الصلوۃ فی جماعۃ افضل) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے (حدائق) حالانکہ سابقاً" مکان مصلی میں بیان کیا جاچکا ہے کہ مسجد کوفہ میں ایک رکعت نماز پڑھنا دوسرے مقامات پر ایکہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ نماز با جماعت ہزار نماز سے افضل ہے بلکہ انہی جنابؑ سے یہاں تک مروی ہے فرمایا۔ فضل الجماعتہ علی الفرد بکل رکعتہ الفا رکعتہ

یعنی جماعت کے ساتھ ایک رکعت دوسری دو ہزار رکعت کے برابر ہے۔ (تحف العقول) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔ من مشی الی مسجد یطلب فیہ الجماعتہ کان لہ بکل خطوۃ سبعون الف حسنتہ و یرفع لہ من الدرجات مثل ذلک

جو شخص جماعت میں نماز پڑھنے کی خاطر مسجد کی طرف چلکر جاتا ہے اس کو ایک ایک قدم کے عوض ستر ہزار نیکیاں ملتی ہیں اور ستر ہزار درجے بلند ہوتے ہیں۔ (وسائل الشیعہ) ظاہر ہے کہ یہ اجر و ثواب کا تفاوت مقام اور امام کے اختلاف کی وجہ سے ہے کیونکہ مسجد اور غیر مسجد اور عالم اور غیر عالم کے درمیان جو تفاوت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اور ترک جماعت کی مذمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جناب پیغمبر اسلامؐ نے ان لوگوں کے گھر جلانے کی دھمکی دی تھی جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے۔ (وسائل الشیعہ) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ من ترکھا رغبتہ عنھا و عن جماعتہ المومنین من غیر علتہ فلا صلوۃ لہ

نماز با جماعت سنت ہے اور جو شخص اس سے اور اہل ایمان کی جماعت سے بلا عذر شرعی رو گردانی کرتا ہے اس کی نماز نہیں (یعنی قبول نہیں ہے) الغرض نماز با جماعت کی فضیلت ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا ثواب عظیم و فضل جسیم ناقابل انکار ہے اسی لئے شیطان سب سے زیادہ اس میں وسوسہ ڈال کر لوگوں کو اس کے حصول سے روکتا ہے۔ اعاذنا اللہ و جمیع المومنین من شرہ و مکائدہ۔

نماز با جماعت کے متعلقہ مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اس بات پر تمام علماء و فقہاء کا اتفاق ہے کہ دراصل جماعت صرف جمعہ اور عیدین (عیدالفطر و عیدالاضحی) میں واجب ہے جبکہ ان کے وجوب کے شرائط موجود ہوں (جن کا تذکرہ بعد ازیں کیا جائے گا) ہاں البتہ کبھی بالعرض نذر' عہد اور قسم کی وجہ سے نیز اس جاہل کے حق میں جسے حمد و سورہ نہ آتی ہو اور سیکھنے کے لئے وقت تنگ ہو اور جماعت کے ساتھ پڑھنا ممکن ہو۔ واجب ہو جاتی ہے ان موارد کے علاوہ دیگر نماز ہائے فریضہ میں مستحب ہے البتہ نماز پنجگانہ میں اس کی تاکید بہت زیادہ ہے اسی طرح ہمارے فقہاء کرام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ سوائے نماز استسقاء (طلب باراں) کے اور نوافل اصلیہ یعنی ان نمازوں میں جو دراصل مستحب ہیں جماعت جائز نہیں ہے اور یہ بات ہمارے مذہب کے خصوصیات میں سے ہے۔ (لا جماعۃ فی نافلۃ) ہاں جو نماز اصل میں واجب ہو مگر کسی وجہ سے عارضی طور پر مستحب ہو گئی ہو۔ جیسے نماز عیدین جبکہ شرائط وجوب موجود نہ ہوں یا وہ واجبی نماز جو پہلے فرادی ادا کی جا چکی ہو اور دوبارہ اسے جماعت کے ساتھ پڑھنا ہو تو وہ با جماعت ادا کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ ۲۔ جب نماز پنجگانہ میں سے کوئی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جا رہی ہو تو پنجگانہ نمازوں میں سے ہر نماز اس کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے جیسے ظہر کے ساتھ عصر اور عصر کے ساتھ ظہر' مغرب کے ساتھ عشاء اور عشاء کے ساتھ مغرب۔ ادا کے ساتھ قضا اور قضا کے ساتھ ادا۔ اگرچہ جہر و اخفات میں مختلف بھی ہوں' خلاصہ یہ کہ امام و ماموم کی نمازوں کی ایک نوع ہونی چاہیے۔ اگرچہ فردی خصوصیات الگ الگ ہوں اور اگر نوع علیحدہ ہو جیسے نماز پنجگانہ اور نماز آیات و عیدین تو ان میں ایک دوسرے کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ مسافر کے لئے حاضر کی اور حاضر کے لئے مسافر کی اقتداء کراہت کے ساتھ جائز ہے بخلاف بعض علماء کے جو اس کو ناجائز سمجھتے ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ روایات کثیرہ میں جواز وارد ہے لہٰذا جن بعض اخبار میں منع وارد ہوئی ہے وہ "جمعاً بین الاخبار کراہت پر محمول ہے اور کراہت فی العبادہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا ثواب کم ہے۔

مسئلہ ۴۔ بناء بر مشہور سوائے نماز جمعہ و عیدین کے دوسری نمازوں میں پیش نماز کے لئے امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے لہٰذا اس کے بغیر بھی جماعت منعقد ہو سکتی ہے بشرطیکہ ماموم

اقتداء کی نیت کرلے۔ ہاں البتہ جماعت کے ثواب کا حصول بظاہر نیت امامت پر موقوف ہے لیکن اگر وہ کریم و وہاب اس کے بغیر بھی "تفضلا" عطا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔ اگر نماز کے بعد دونوں (امام و مقتدی) یہ دعوی کریں کہ انہوں نے تو امامت کی نیت کی تھی تو فراوی طور پر دونوں کی نماز صحیح متصور ہوگی کیونکہ ہر دو حضرات نماز کے اجزاء و ارکان بجا لائے ہیں اور اگر دونوں یہ دعوی کریں کہ انہوں نے دوسرے کی اقتداء کی نیت کی تھی تو بوجہ بعض واجبی اجزاء کے ترک کرنے کے دونوں کی نماز باطل متصور ہوگی۔

مسئلہ ۵۔ جو شخص جماعت میں کسی بھی رکعت کے رکوع میں شامل ہو جائے اس کی وہ رکعت شمار ہو جائے گی اور اسے نماز با جماعت کا ثواب بھی مل جائے گا لیکن اگر آخری رکعت کے رکوع کے بعد آئے اور نیت اور تکبیرۃ الاحرام کہہ کر حالت سجدہ یا حالت تشہد میں شامل ہو کر جماعت کا ثواب حاصل کرنا چاہے۔ تو اس بارے میں فقہاء میں شدید اختلاف ہے یعنی آیا وہی نیت اور تکبیرۃ الاحرام کافی ہے یا از سر نو کرنا پڑے گی مگر بہت سی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہی سابقہ نیت اور تکبیر کافی ہے اس لئے احوط یہ ہے کہ آخری رکوع کے بعد جماعت میں شمولیت ہی نہ کی جائے۔

نماز با جماعت کے شرائط کا بیان

وہ شرائط جن پر جماعت کے انعقاد اور حصول ثواب کا دارو مدار ہے۔ پانچ ہیں۔

اول = عدد ہے جو جمعہ و عیدین کے علاوہ کم از کم دو ہے ایک پیشنماز اور ایک مقتدی خواہ مرد ہو اور خواہ عورت اور جمعہ عیدین میں کم از کم تعداد پانچ ہے یعنی ایک پیشنماز اور چار مقتدی اگر اس سے تعداد کم ہو تو جماعت منعقد نہیں ہو سکتی۔ ہاں البتہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ جب انسان مسجد میں بغرض جماعت جائے گا مگر وہاں کوئی آدمی موجود نہ ہو تو پھر مومن تنہا بھی جماعت ہے یعنی اسے اپنی نیت پر جماعت کا ثواب مل جائے گا اور یہ بھی وارد ہے کہ اس حالت میں اگر وہ اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو ملائکہ کی دو صفیں اور اگر صرف اقامت کہہ کر پڑھے تو ایک صف اس کی اقتداء میں نماز پڑھتی ہے (من لا یحضرہ الفقیہ)

مسئلہ = اگر مقتدی ایک ہو اور ہو بھی مرد تو واجب ہے کہ وہ پیشنماز کی دائیں جانب علی الاحوط تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو اور اگر صرف ایک عورت ہو تو پیشنماز کے پیچھے اور اگر دو یا دو

سے زیادہ مقتدی ہوں تو پھر پیچھے کی جانب اور اگر مرد و عورتیں ہر دو ہوں تو مرد آگے اور عورتیں ان کے پیچھے کھڑی ہوں اور اگر عورت عورتوں کو نماز پڑھائے تو وہ ان کے وسط میں کھڑی ہو۔ اسی طرح ساتر عورتیں کے نہ ہونے کی صورت میں اگر پیشنماز اور مقتدی سب ننگے ہوں تو اس صورت میں پیش نماز ان کے درمیان بیٹھ کر نماز پڑھائے اور رکوع و سجود اشارہ کے ساتھ کرے۔ باقی رہے مقتدی تو اگر وہاں کوئی ناظر محترم موجود ہو تو وہ بھی بیٹھ کر پڑھیں گے اور رکوع و سجود اشارہ کے ساتھ کریں گے اور اگر کوئی ناظر محترم موجود نہ ہو تو کھڑے ہو کر پڑھیں گے اور باقاعدہ رکوع و سجود کریں گے۔

نیز مخفی نہ رہے کہ تقدم و تاخر کا معیار کاندھا ہے جیسا کہ بعض اثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اگر کاندھے کے ساتھ کاندھا ملا ہوا ہے تو یہ مساوات و محاذات ہوگی اور جس کا کاندھا دوسرے سے مقدم ہے وہ مقدم اور دوسرا موخر متصور ہوگا۔ واللہ العالم

دوم = پیشنماز اور اس کے مقتدیوں کے درمیان اور اسی طرح مقتدیوں کے درمیان کوئی دیوار یا پردہ وغیرہ حائل و حاجب نہ ہو جو مشاہدہ سے مانع ہو۔ ہاں اگر مومنین کی صفیں اس قدر زیادہ ہوں کہ کثرت اژدہام کی وجہ سے پیشنماز کو نہ دیکھ سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس صورت میں پیشنماز کے ساتھ بالواسطہ اتصال کافی ہے۔ مثلاً" آخری صف والے اپنے سے اگلی صف والے ماموین کو دیکھیں گے اور وہ اپنے سے اگلی صف والوں کو حتی کہ پہلی صف والے پیشنماز کو دیکھیں گے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ اگر مسجد کے اندر جماعت ہو رہی ہو اور مسجد کے دروازے بند ہوں تو جو شخص مسجد کے باہر کھڑا ہو کر اقتداء کرے گا اس کی نماز و اقتداء باطل ہوگی۔ ہاں اگر کوئی دروازہ کھلا ہو اور یہ شخص اس کے بالمقابل کھڑا ہو کر اقتداء کرے تو نہ صرف اس کی بلکہ جو لوگ اس کے دائیں بائیں کھڑے ہوں گے ان کی بھی نماز و اقتداء درست ہوگی۔ کیونکہ ان کا رابطہ اس شخص سے ہوگا اور اس کا بوجہ دروازہ کے کھلا ہونے کے اگلے مقتدیوں سے قائم ہوگا اور اس طرح بالواسطہ پیشنماز سے اس کا تعلق قائم ہو جائے گا۔

مسئلہ ۲۔ مسجد کے ستونوں کے درمیان یا ان کے پیچھے کھڑے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ یہاں بھی بالواسطہ پیشنماز سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ جو ستونوں کے درمیان کھڑے ہیں وہ اپنے سے آگے والوں کو اور جو ان کے پیچھے کھڑے ہیں وہ اپنے سے دائیں

بائیں والے مقتدیوں کو دیکھ رہے ہیں لہٰذا ان سب کی نماز درست ہوگی۔

مسئلہ ۳۔ بناء بر اشہر واظہر مذکورہ بالا حکم سے عورتیں مستثنیٰ ہیں یعنی اگر پیش نماز مرد ہو اور مقتدی عورتیں تو درمیان میں دیوار یا پردہ کے حائل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سیوم = پیشنماز کے کھڑے ہونے اور ماموم کے سجدہ گاہ کے درمیان اور اسی طرح ماموین کی صفوں میں (جبکہ ایک سے زائد ہوں) تو پہلی اور دوسری صف کے درمیان ایک "خطوہ" (ایک گام) سے زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اندازاً" وہ اتنی جگہ ہوتی ہے جتنی جگہ حالت سجدہ میں انسانی جسم پُر کرتا ہے احوط یہ ہے کہ پیش نماز اور اس کے مقتدیوں اور پہلی اور دوسری صف والوں کے کھڑے ہونے کے مقام کے درمیان اس سے زیادہ فاصلہ نہ ہو یعنی سجدہ میں جہاں پہلی صف والوں کی ایڑیاں ہوں۔ اس کے پیچھے بلا فاصلہ دوسری صف والوں کی پیشانیاں ہوں۔

بناء بریں اگر پیشنماز اور مقتدیوں کے درمیان کوئی نہریا سڑک یا اس قسم کی کوئی چیز آجائے جس کی وجہ سے مذکورہ بالا حد سے زیادہ فاصلہ ہو جائے تو اقتداء ختم ہو جائے گی۔ ہاں اگر صف کے بعد صف کا سلسلہ بہت دور دراز تک بھی چلا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی شرعاً" کوئی حد بندی ہے ہاں البتہ مقتدیوں کو بلا واسطہ یا بالواسطہ پیشنماز کے افعال اور حرکات و سکنات کا علم ہونا چاہیے تاکہ اس کی اقتداء کر سکیں۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ احوط یہ ہے کہ جب ماموین زیادہ ہوں تو پہلے وہ تکبیرۃ الاحرام کہیں جو پیش نماز کے پیچھے کھڑے ہیں اس کے بعد ان کے دائیں اور بائیں جانب والے۔ اس کے بعد دوسری صف والے۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔

مسئلہ ۲۔ اگر صورت حال یہ ہو کہ جماعت شروع ہوتے وقت یہ فاصلہ والی شرط موجود تھی مگر اثناء نماز میں بعض مقتدیوں کی نماز (بوجہ قصروغیرہ ہونے کے) ختم ہو جائے یا وہ علیحدگی کا قصد کر کے علیحدہ ہو جائیں تو آیا اس صورت میں زائد فاصلہ کی وجہ سے دور والوں کی نماز صحیح ہوگی یا باطل؟ ظاہر یہ ہے کہ ان کی نماز صحیح ہے کیونکہ یہ شرط صرف ابتدائی ہے دائمی نہیں ہے جیسا کہ نماز جمعہ وعیدین میں عدد اور جماعت کی شرط صرف ابتدائی ہے استدامی نہیں ہے یعنی اگر بعد میں یہ تعداد کم بھی ہو جائے حتیٰ کہ ایک پیش نماز اور ایک مقتدی رہ جائے یا صرف پیشنماز باقی رہ جائے تب بھی بطور نماز جمعہ ہی اسے تمام کیا جائے گا۔ بایں ہمہ احوط یہ ہے کہ

اس صورت میں وہ مقتدی علیحدگی کا قصد کر کے نماز تمام کریں۔

چہارم = پیش نماز کے کھڑے ہونے کا مقام مقتدیوں کے کھڑے ہونے کے مقام سے بمقدار معتدبہ بلند نہ ہو بلکہ ان کے برابر ہو یا ان سے پست۔ احوط یہ ہے کہ یہ بلندی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو اگرچہ اقوی یہ ہے کہ ایک گام تک کا فاصلہ جائز ہے اور اگر زمین نشیب و فراز والی ہو اور پیشنماز فراز والی جگہ کھڑا ہو جبکہ مقتدی نشیبی جگہ پر ہوں تو اس سے زیادہ بلندی بھی جائز ہے ہاں البتہ اگر مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ پیشنماز کے مقام سے بلند ہو تو کوئی مضائقہ نہیں جب تک اس حد تک بلند نہ ہو کہ عرف میں اسے نماز با جماعت ہی نہ کہا جا سکے۔

پنجم = مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ پیشنماز کے کھڑے ہونے کی جگہ سے مقدم نہ ہو۔ بلکہ واجب ہے کہ اگر مقتدی ایک ہو تو پیشنماز کے دائیں طرف علی الاحوط تھوڑے سے فاصلے پر پیچھے ہٹ کر اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ پیشنماز کے پیچھے کھڑے ہوں اگر اس شرط کو ملحوظ رکھا گیا تو مقتدی کی نماز اور اقتداء باطل ہو جائے گی۔ واللہ العالم

پیشنماز کے شرائط

پیش نماز میں چند شرطیں پائی جانی ضروری ہیں۔

اول = احوط یہ ہے کہ پیشنماز بالغ ہو۔ اگرچہ طفل ممیز کی امامت بھی قوت سے خالی نہیں ہے۔

دوم = عقل کیونکہ بالاتفاق مجنوں کی امامت جائز نہیں ہے علی الاحوط مجنون ادواری کا بھی یہی حکم ہے۔

سیوم = ایمان یعنی عقائد حقہ کا قائل ہو اس کی شرطیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

چہارم = طہارۃ مولد۔ یعنی ولدالزنا نہ ہو کیونکہ ولد الزنا کی اقتداء بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

پنجم = ذکورت = یعنی پیشنماز کے لئے مرد ہونا بھی لازمی شرط ہے جبکہ سب مقتدی یا ان میں سے کوئی ایک بھی مرد ہو کیونکہ عورت مردوں کو بالاتفاق نماز نہیں پڑھا سکتی۔ اگرچہ علی الاقوی عورتوں کو پڑھا سکتی ہے۔

ششم = قیام جب کہ مقتدی کھڑے ہوں کیونکہ بیٹھا ہوا آدمی جیسے فالج کا مریض بالاتفاق کھڑے ہوؤں کو نماز نہیں پڑھا سکتا ہے بلکہ احوط یہ ہے کہ ہر ناقص کامل کو نماز نہ پڑھائے۔

ہفتم = قرأت کی صحت = کیونکہ جس شخص کی قرات درست نہ ہو بناء بر مشہور و منصور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

ہشتم = عدالت' یہ سب شرائط سے عظیم المرتبت شرط ہے بالاتفاق فاسق کی اقتداء جائز نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے شرعی مفہوم میں شدید اختلاف ہے مگر مشہورو معروف قول یہ ہے کہ "عدالت ایک ملکہ نفسانیہ ہے جو آدمی کو تقویٰ و پرہیزگاری پر آمادہ کرتا ہے یعنی اس کی موجودگی میں انسان جان بوجھ کر نہ واجبات کو ترک کرتا ہے اور نہ ہی محرمات کا ارتکاب کرتا ہے اور حسن ظاہر اس ملکہ کی موجودگی کا کاشف ہے العیاذ باللہ۔ اگر گناہوں کے ارتکاب سے یہ ملکہ زائل ہو جائے تو توبۃ النصوح کرنے سے بالاتفاق عود کر آتا ہے۔ **لا نہ لاصغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار**

نماز باجماعت کے احکام و مسائل

مسئلہ ا۔ بناء بر مشہور وہوا الاحوط اقتداء کرنے سے پہلے پیش نماز کی نام' وصف یا اشارہ کے ساتھ تعین کرنا ضروری ہے کہ وہ کس کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

مسئلہ ۲۔ اقتداء کی صورت میں پہلی دو رکعتوں میں حمد و سورہ پڑھنے کے متعلق فقہاء میں شدید اختلافات ہیں ائمہ اطہارؑ کے اخبار اور فقہاء ابرار کے افکار و انظار میں مکمل غورو فکر کرنے سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پیش نماز کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں قرأت حرام ہے خواہ جہری نماز ہو یا اخفاتی۔ ہاں البتہ اخفاتی نماز میں کوئی سا ذکر مستحب ہے۔ (تسبیحات اربعہ افضل ہیں) اور جہری میں جبکہ پیشنماز کی آواز کا ہمہمہ بھی مقتدی نہ سن سکے تو پھر قرات' مستحب ہے جیسا کہ حلبی کی صحیح السند روایت میں حضرت امام جعفر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ **اذا صلیت خلف امام تاتم بہ فلا تقراء خلفہ سمعت قرائتہ اولم تسمع الا ان تکون صلوۃ یجہر فیہا ولم تسمع فاقراء**

(کافی وتہذیب) مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔

مسئلہ ۳۔ افعال نماز جیسے رکوع و سجود اور تشہد وغیرہ میں پیشنماز کی متابعت واجب ہے اگرچہ اس کی مخالفت سے بناء بر مشہور اس وقت تک نماز باطل نہیں ہوتی۔ جب تک کھلم کھلی علیحدگی نہ اختیار کرلی جائے اور جہاں تک اقوال کا تعلق ہے تکبیرۃ الاحرام (یعنی اللہ اکبر) کہنے میں تو متابعت یقیناً" واجب ہے بلکہ اس کے بغیر اولویت اقتداء ثابت ہی نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ دیگر اذکار میں متابعت کا وجوب معلوم نہیں ہے اگرچہ اولویت لا کلام ہے۔ (وہوالاحوط) نیز مخفی نہ رہے کہ

متابعت کے اصل مفہوم میں تاخیر پیچھے چلنا ماخوذ ہے اس لئے ہر فعل میں نہ صرف یہ کہ پیش نماز سے سبقت کرنے سے اجتناب لازم ہے بلکہ مقارنت سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔بلکہ پیشنماز کے پیچھے پیچھے رہنا چاہئے مثلاً" پہلے پیشنماز رکوع میں جائے مقتدی بعد میں جائے پھر پیشنماز پہلے رکوع سے سر اٹھائے اور مقتدی بعد میں۔ و علی هذا القیاس

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی شخص عمداً" پیشنماز سے پہلے رکوع و سجود میں چلا جائے یا پیش نماز سے پہلے رکوع و سجود سے سر اٹھائے تو بناء بر مشہور اسی حالت پر قائم رہے حتی کہ پیش نماز آکر اس کے ساتھ شامل ہو جائے اور اگر اشتباہاً" یا سہواً" ایسا کرے تو پلٹ کر پیش نماز کے ساتھ شامل ہو جائے۔ یہ مقام ان مقامات میں سے ایک ہے جہاں رکن کی کمی یا زیادتی سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

مسئلہ ۵۔ مشہور بین الاصحاب یہ ہے۔ (وهو المنصور) کہ اگر کوئی شخص ظاہری تحقیق کرنے کے بعد کسی شخص کو پیش نمازی کا اہل سمجھ کر اس کی اقتداء میں نماز پڑھتا رہا کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بوجہ فسق یا کفر یا عدم طہارت وغیرہ شرائط کے فقدان کی وجہ سے امامت کے لائق نہ تھا تو اس کی پڑھی ہوئی نمازیں درست متصور ہوں گی اور اعادہ کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ ظاہری شریعت کے مطابق وہ صحیح پڑھی گئی ہیں۔

مسئلہ ۶۔ اقوی یہ ہے کہ مقتدی بلا عذر شرعی بھی جب اور جہاں چاہے انفرادیت کی نیت کرکے پیش نماز سے الگ ہو سکتا ہے مگر احوط یہ ہے کہ ضرورت اور عذر شرعی کے بغیر علیحدگی اختیار نہ کرے ہاں جماعت واجبہ (جمعہ و عیدین بشرائطہا) میں بلا عذر علیحدگی اختیار کرنا یقیناً" ناجائز ہے۔

مسئلہ ۷۔ جو شخص جماعت کے اثناء میں آکر شامل ہو تو وہ جس رکعت میں شامل ہوا اسے اپنی پہلی رکعت شمار کرے اور اس کے مطابق عمل کرے مثلاً" ایک شخص دوسری رکعت میں شامل ہوا تو وہ اسے اپنی پہلی رکعت سمجھے گا پس جب پیش نماز تشہد پڑھے گا تو یہ بطور استحباب ہاتھ زمین پر ٹیک کر اور گھٹنے زمین سے اٹھا کر جیسے کوئی اٹھنے کی تیاری کرتا ہے ساتھ ساتھ بقصد متابعت تشہد پڑھتا جائے گا اور پھر جب پیشنماز تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگا تو یہ اس کو اپنی دوسری رکعت سمجھ کر جلدی جلدی حمد و سورہ اور قنوت پڑھ کر رکوع میں پیش نماز کے ساتھ شامل ہو جائے گا۔ اور اگر اتنی فرصت نہ ہو تو صرف سورہ فاتحہ پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے پھر سجدتین کے بعد اگر پیشنماز چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو تو یہ بیٹھ کر تشہد پڑھ کر پیش نماز کے

ساتھ چوتھی رکعت میں جو کہ اس کی تیسری ہوگی شامل ہو جائے گا پھر سجدوں کے بعد بدستور سابق متابعت کی نیت کے ساتھ تشہد میں شامل رہے گا اور جب پیشنماز سلام پھیرنے لگے تو یہ اٹھ کر اپنی چوتھی رکعت پڑھ کر سلام پھیرے گا۔ اسی تفصیل سے دوسری تمام شقوں کی کیفیت بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ **فلا نطیل الکلام بالتفصیل**

مسئلہ ۸۔ بحالت تقیہ تو بالاتفاق مخالف مذہب پیش نماز کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن آیا بحالت اختیاری بھی ایسا جائز ہے یا نہ؟ مشہور یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے مگر قریباً" ۳۷ عدد احادیث سے (جن میں صحاح و حسان احادیث شامل ہیں) اس کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے اور اس کے طریقے دو ہیں۔

۱۔ یا تو اپنی حقیقی نماز پہلے گھر میں پڑھ لے اور وحدت اسلامی اور اسلامی رواداری کی خاطر جماعت کے ساتھ جا کر شامل ہو جائے۔

۲۔ یا اپنی اذان و اقامت کہہ کر علیحدہ نیت کر کے ساتھ شامل ہو جائے اور قرات وغیرہ اذکار سب فرادیٰ کی طرح ادا کرے اور صرف حسب ظاہر رکوع و سجود اور قیام و قعود میں جماعت میں شامل رہے مخفی نہ رہے کہ یہاں جہر و اخفات کی پابندی لازم نہیں ہے۔

مسئلہ ۹۔ جب مقتدیوں میں یا حصول ثواب وغیرہ جیسی کسی عقلائی غرض و غایت کے تحت خود پیش نمازوں میں جھگڑا پیدا ہو جائے کہ نماز کون پڑھائے؟ تو اس سلسلہ میں مرجحات شرعیہ کے مطابق ترجیح دی جائے گی ان مرجحات کی تعداد اور انکی تقدیم و تاخیر میں فی الجملہ اختلاف ہے مگر فروع کافی میں جو تفصیل درج ہے وہ سب سے زیادہ قابل قبول اور لائق اعتماد ہے اس میں پہلے اقرء (جس کی قرات از روئے قواعد تجوید سب سے بہتر ہو' اسے مقدم سمجھا جائے گا۔ اگر اس میں مساوی ہوں تو پھر افقہ (جو نماز وغیرہ کے مسائل زیادہ بہتر جانتا ہو)اور اگر فقہ میں بھی برابر ہوں جس کی ہجرت مقدم ہو (از دارالحرب بسوئے دارالاسلام) یا (جس کی دینی بصیرت سب سے زیادہ ہو اسے مقدم قرار دیا جائے گا۔ مخفی نہ رہے کہ اگر ائمہ کی نزاع حب جاہ' شہرت طلبی اور حصول مال و متاع کی خاطر ہے تو پھر کسی کی بھی اقتداء جائز نہیں ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۱۰۔ صاحب امارۃ (جسے معصومؑ نے حاکم مقرر کیا ہے' صاحب منزل (گھر والا جب کہ امامت کرانے کے لائق ہو) اور امام مسجد (مقررہ پیش نماز) دوسروں پر مقدم ہیں اور جسے یہ اجازت دے دیں وہ دوسروں پر مقدم ہوگا۔ (یعنی نزاع کی صورت میں) ویسے یہ چیز صرف

اولویت کی حد تک ہے وجوب کی حد تک اس کا مد نظر رکھنا لازم نہیں ہے۔

نماز با جماعت کے مستحبات

ان مستحبات میں سے بعض کا تعلق اصل جماعت کے ساتھ ہے بعض کا امام اور بعض کا ماموم کے ساتھ اور وہ کل بارہ ہیں جو اجمالاً ذیل میں درج کئے جاتے ہیں اور کچھ پہلے مباحث میں ضمنی طور پر بیان ہو چکے ہیں۔

۱۔ پہلی صف میں اہل فضل و کمال کو جگہ دینی چاہئے۔ کیونکہ افضل مقام پر کھڑے ہونے کے حقدار صاحبان فضل ہی ہو سکتے ہیں۔

۲۔ امام یا ماموم جو بھی فرادی نماز پڑھ چکا ہو اور بعد ازاں جماعت کا انتظام ہو جائے تو اس کے لئے اس نماز کا دوبارہ جماعت کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے واضح رہے کہ اگرچہ پیشنماز کی نماز بالعرض مستحی ہے مگر واجبی نماز والے بھی اس کی اقتداء کر سکتے ہیں۔

۳۔ جماعت کی صفوں کو سیدھا رکھنا اور ان کے اندر خالی جگہ کو پر کرنا یعنی کاندھے کے ساتھ کاندھا ملا کر کھڑا ہونا۔

۴۔ چونکہ اذکار میں امام کی متابعت واجب نہیں ہے اس لئے اگر ماموم امام سے پہلے اپنی قرات سے فارغ ہو جائے تو جہاں اس کے لئے قرات جائز ہے۔ (وقد مربیانہ) تو اس کے لئے مستحب ہے کہ امام کی تکمیل تک کوئی تسبیح و تقدیس ایزدی کرتا رہے۔

۵۔ پیش نماز کے لئے افضل و اولی یہ ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں میں سے کمزور ترین آدمی کی رعایت کر کے مختصر نماز پڑھائے۔ تاکہ سب لوگ اور ہر قسم کے قوی و کمزور اور حاضر و مسافر وغیرہ باسانی نماز با جماعت کی سعادت بھی حاصل کر سکیں اور ان کو کچھ بوجھ بھی محسوس نہ ہو۔ ہاں اگر تمام مقتدی خود طوالت کو پسند کریں تو یہ دوسری بات ہے۔

۶۔ جب پیش نماز کی نماز بعض ماموین سے پہلے ختم ہو جائے جیسے اس کی قصر ہو اور مقتدیوں کی تمام یا وہ بعد میں آکر شامل ہوئے ہوں تو اس صورت میں پیش نماز کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس وقت تک جائے نماز سے نہ اٹھے۔ جب تک وہ لوگ نماز ختم نہ کرلیں بلکہ بعض اثار سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بدستور ہیئت نماز پر بیٹھا رہے نہ کسی سے کلام کرے اور نہ ہی قبلہ سے انحراف کرے' جب تک مقتدی نماز ختم نہ کرلیں۔

۷۔ پیش نماز کو چاہئے کہ جہری نماز کی قرأت اور ہر دو (جہری و اخفاتی) کے دیگر واجبی' مستحی

اذکار بالخصوص تشہد کو اس طرح بلند آواز سے پڑھے کہ تمام مقتدی سن سکیں' بشرطیکہ حد سے نہ بڑھ جائے۔

۸۔ پیش نماز کو چاہیے کہ جب اسے رکوع میں محسوس ہو کہ کوئی شخص جماعت میں داخل ہونا چاہتا ہے تو وہ اس کی انتظار میں دو رکوع کے برابر طول دے اس کے بعد کھڑا ہو جائے اگرچہ یہ جانتا ہو کہ کوئی اور شخص اقتداء کرنا چاہتا ہے۔

۹۔ جب پیش نماز سورہ فاتحہ ختم کرے تو ماموین کے لئے مستحب ہے کہ آہستہ سے کہیں الحمد للہ رب العالمین۔

۱۰۔ جب اقامت کہنے والا "قد قامت الصلوۃ" کہے تو تمام مقتدیوں کو نماز کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیے۔

۱۱۔ مشہور یہ ہے کہ پیش نماز پہلی صف کے آگے وسط میں کھڑا ہو مگر صف کے بائیں طرف سرے پر کھڑا ہونے کا افضل ہونا بعید نہیں ہے جیسا کہ جناب صادق آل محمدؑ کے عمل سے ظاہر ہے۔

۱۲۔ پیش نماز کے دائیں طرف کھڑا ہونا کیونکہ صفوں میں سے بہترین صف پہلی ہے اور اس میں بھی بہترین جگہ پیش نماز کی دائیں جانب ہے اسی بناء پر پیش نماز کے لئے بائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے تاکہ زیادہ مقتدی اس فضیلت کو حاصل کر سکیں۔

نماز با جماعت کے مکروہات

مستحبات کی طرح یہ مکروہات بھی ایسے ہیں کہ ان میں سے بعض کا اصل جماعت' بعض کا امام اور بعض کا ماموم کے ساتھ تعلق ہے اور وہ کل آٹھ ہیں جو بالا جمال ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ کوئی ماموم صفوں کو چھوڑ کر تنہا کھڑا ہو جائے ہاں جب صفوں میں جگہ نہ ہو تو پیش نماز کے بالمقابل پیچھے کی طرف تنہا کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ قد قامت الصلوۃ کہے جانے کے بعد نوافل پڑھنا بلکہ اقامت شروع ہونے کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے ہاں اگر پہلے شروع کر چکا ہے تو ان کو تمام کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

۳۔ پیش نماز کے لئے صرف اپنی ذات کے لئے مفرد کے صیغہ سے دعا کرنا مکروہ ہے بلکہ اسے چاہیے کہ جمع کے صیغے استعمال کر کے اپنے تمام مقتدیوں کو بھی دعا میں شامل کرے۔

۴۔ مجذوم، مبروص، اعرابی (جاہل بدو) اور جس پر ایک بار حد شرعی جاری ہو چکی ہے اب اگرچہ بوجہ توبہ عادل بھی ہو مگر اس کا نماز پڑھانا مکروہ ہے بلکہ بعض فقہاء تو نام بردہ اشخاص کے نماز پڑھانے کی حرمت کے قائل ہیں۔

۵۔ جس کا ہنوز ختنہ نہ ہوا ہو اس کا نماز پڑھانا۔

۶۔ اس شخص کا نماز پڑھانا بھی مکروہ ہے جس کو مقتدی ناپسند کرتے ہوں۔

۷۔ تیمم والے آدمی کا وضو والے کو نماز پڑھانا۔

۸۔ مسافر کا حاضر اور حاضر کا مسافر کی اقتداء کرنا بھی مکروہ ہے یعنی اس جماعت کا ثواب اس نماز با جماعت سے کم ہے جس میں یہ نقص نہ ہو۔ **واللہ العالم با حکامہ والقائمون مقامہ بمعالم حلالہ و حرامہ**

دیگر واجبی نمازوں کا بیان

نماز آیات = جیسا کہ باب الصلوٰۃ کی ابتداء میں بیان کیا جا چکا ہے کہ نماز پنجگانہ کے علاوہ بعض اور بھی واجبی نمازیں ہیں جن میں سے ایک نماز آیات بھی ہے اس کے متعلق تین مرحلوں پر گفتگو کی جائے گی۔

۱۔ اس کے وجوب کے اسباب کیا ہیں۔ (۲) اس کی ادائیگی کی کیفیت کیا ہے۔ (۳) اور اس کے احکام کیا ہیں؟

(۱) نماز آیات کے اسباب؟

سو اس مرحلہ کے متعلق عرض ہے کہ یہ نماز چند چیزوں کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ (۱) سورج گہن۔ (۲) چاند گہن۔ ان دونوں کے موجب نماز ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ (۳) زلزلہ۔ اسے بھی اجماع کی حد تک شہرت حاصل ہے۔ (۴) ہر سماوی یا ارضی خوفناک چیز جیسے خوفناک جھکڑ خطرناک تاریکی یا سرخی، خوف آور کڑک، یا زمین اور پہاڑ میں زبردست شگاف الغرض ہر اس چیز کے لئے نماز آیات واجب ہے جس سے لوگوں کی غالب اکثریت خائف و ترساں ہو جائے اور اگر صرف شاذ و نادر طور پر محض کسی ڈرپوک آدمی پر اس کا اثر ہو اور اس کا دل دہل جائے تو پھر یہ نماز واجب نہیں ہوگی۔

اس نماز کے وجوب کا فلسفہ

اس بیان سے نماز آیات کے وجوب کا فلسفہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ چونکہ یہ چیزیں خدا کی نشانیاں ہیں جن کے متعلق یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ رحمت ورافت کے لئے ظاہر ہوئی ہیں یا عذاب و نقمت کے لئے۔ اس لئے شریعت مقدسہ نے حکم دیا کہ ایسے حالات میں خالق اکبر کی بارگاہ میں جھک کر مخصوص قسم کی عبادت کرنی چاہئے تاکہ وہ ان کے شرو ضرر سے محفوظ رکھے اور خیرو خوبی سے متمتع فرمائے۔

اس نماز کے اوقات

جہاں تک اس نماز کے وقت کا تعلق ہے تو سورج و چاند گہن کے متعلق تو یہ مشہور ہے کہ وہ گہن کی ابتداء کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور اس کے خاتمہ تک باقی رہتا ہے اور زلزلہ وغیرہ کو بالعموم از قسم سبب وجوب قرار دیا جاتا ہے یعنی ان کے صادر ہونے سے نماز آیات واجب ہو جاتی ہے مگر اس کا کوئی خاص وقت نہیں ہے لہٰذا جب بھی وہ پڑھی جائے ادا ہی ہوگی۔

اگرچہ احادیث میں ان امور کے صادر ہونے کے بعد اس نماز کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے مگر کسی حدیث میں یہ صراحت موجود نہیں ہے کہ اس کی ادائیگی اس وقت خاص کے ساتھ مختص ہے۔ الغرض جب توقیت ثابت نہیں ہے تو یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ دوسری آیات کی طرح کسوف و خسوف (سورج اور چاند گرہن) بھی از قسم اسباب وجوب ہیں یعنی ان کے وقوع پذیر ہونے کے ساتھ یہ نماز واجب ہو جاتی ہے اور جب بھی پڑھی جائے ادا ہی ہوگی مگر بناء بر احتیاط بلا وجہ اسے موخر نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر موخر ہو جائے تو جب بھی پڑھی جائے ادا ہی ہوگی اور احوط یہ ہے کہ ایسی صورت میں صرف قربت مطلقہ کے قصد سے پڑھی جائے اور ادا و قضا کی سرے سے نیت ہی نہ کی جائے۔ جیسا کہ ویسے بھی نماز وغیرہ عبادات میں بنابر تحقیق ادا و قضا کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف .قصد قربت ان کا بجالانا کافی ہے۔

اور اگر بروقت ان نشانہائے قدرت کے ظہور کا علم ہو جائے اور انسان عمداً" یا سہواً" اس وقت یہ نماز نہ پڑھے تو اس صورت میں تو مدۃ العمر تک ان کی ادائیگی واجب ہے اور اگر اس وقت علم نہ ہوسکے بلکہ بعد میں پتہ چلے تو بناء بر مشہور سوائے ایک صورت کے اور کسی حالت میں ان کی قضا (بالفاظ مناسب ادائیگی) واجب نہیں ہے اور وہ ایک صورت یہ ہے کہ جب تمام قرص آفتاب و ماہتاب گہنا جائے اور اگر جزوی گہن لگے اور بعد از وقت علم ہو تو پھر بالاتفاق اس کی قضا/ادائیگی واجب نہیں ہے۔

نماز آیات پڑھنے کی کیفیت

نماز آیات دو رکعت ہے اس میں دس رکوع اور پانچ قنوت ہیں ہر دوسرے رکوع سے پہلے ایک قنوت ویسے دو قنوتوں پر بھی اکتفا کی جاسکتی ہے ایک پانچویں رکوع سے پہلے اور دوسرا دسویں رکوع سے قبل اُس کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں۔ (ا) افضل اور قدرے مشکل طریقہ یہ ہے کہ نیت کرکے نماز شروع کرے سورہ حمد پڑھنے کے بعد ایک اور سورہ پڑھ کے رکوع میں جائے رکوع سے سر اٹھا کر پھر سورہ فاتحہ پڑھ کے ایک اور سورہ پڑھنے کے بعد قنوت پڑھ کے رکوع میں جائے اسی طرح پانچویں بار رکوع کے بعد سجدہ میں جائے دو سجدوں کے بعد اٹھ کر سورہ فاتحہ پڑھے اور بدستور سابق اس رکعت میں بھی پانچ بار سورہ فاتحہ اور پانچ سورتیں پڑھے۔ بعد ازاں سجود کے بعد تشہد پڑھ کے نماز ختم کرے۔

دوسرا غیر افضل اور آسان طریقہ یہ ہے کہ نماز شروع کرکے سورہ فاتحہ پڑھے اس کے بعد ایک سورہ کے پانچ حصے کرے جیسے سورہ قل ہو اللہ۔ مع بسم اللہ پانچ آیتوں پر مشتمل ہے اسی کو منتخب کرے اور اس کا ایک حصہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر رکوع میں چلا جائے۔ پھر سر اٹھا کر دوسرا حصہ (قل ہو اللہ احد) پڑھ کر اور قنوت پڑھ کر پھر رکوع میں چلا جائے۔ پھر سر اٹھانے کے بعد تیسرا حصہ اللہ الصمد پڑھ کے رکوع میں چلا جائے۔ وعلی ھذا القیاس

اس طرح ہر رکوع کے بعد سورہ فاتحہ نہیں پڑھنی پڑے گی بلکہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد صرف دوسری سورہ کی ایک آیت پڑھی جائے گی اور ہر دوسرے رکوع سے پہلے قنوت پڑھا جائے گا۔ مخفی نہ رہے کہ اس نماز میں ہر رکوع میں جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہنا مستحب ہے اسی طرح اس نماز میں ہر رکوع کے بعد "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنا مستحب نہیں بلکہ صرف پانچویں اور دسویں رکوع کے بعد یعنی پہلی اور آخری رکعت کے آخری رکوع کے بعد کہنا مستحب ہے نیز یہ ضروری نہیں کہ ہر دو رکعتیں ایک ہی طریقہ پر پڑھی جائیں بلکہ ان میں تفریق جائز ہے کہ اس کی ایک رکعت پہلے افضل طریقہ کے مطابق پڑھی جائے اور دوسری دوسرے غیر افضل طریقہ کے مطابق۔

نماز آیات کے احکام

مسئلہ ا۔ اگر نماز پنجگانہ میں سے کسی نماز کے وقت نماز آیات واجب ہو جائے تو

حقیقت حال تین حال سے خالی نہیں یا تو دونوں کا وقت وسیع ہوگا یا دونوں کا تنگ ہو یا ایک کا وسیع اور دوسری کا تنگ۔ پہلی صورت میں اختیار ہے کہ جس کو چاہے پہلے اور جس کو چاہے بعد میں پڑھے۔ اگرچہ نماز پنجگانہ کا مقدم کرنا افضل ہے دوسری صورت میں یومیہ مقدم ہے اور تیسری میں اس کو پہلے پڑھا جائے گا جس کا وقت تنگ ہے۔

مسئلہ ۲۔ قبل ازیں شکیات نماز میں بیان کیا جاچکا ہے کہ نماز آیات کی رکعتوں میں جہاں بھی شک پڑ جائے اور غور و فکر کے بعد وہ شک دور نہ ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور اسے از سر نو پڑھنا پڑتا ہے۔

مسئلہ ۳۔ بناء بر مشہور اس نماز میں ہر رکوع کو ایک رکن کی حیثیت حاصل ہے لہٰذا اس کی عمدی یا سہوی کمی یا زیادتی سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۴۔ جماعت کی صورت میں کوئی مقتدی پہلی رکعت کے رکوع سے پہلے یا حالت رکوع میں شامل ہو جائے تب تو بلا اشکال اقتدا درست ہے اسی طرح اگر دوسری رکعت کے پہلے رکوع میں شامل ہو جائے تب بھی ایک رکعت جماعت کے ساتھ اور دوسری فرادیٰ ہو جائے گی۔ لیکن اگر پہلی رکعت کے پہلے رکوع میں شامل نہ ہو سکے تو احوط یہ ہے کہ دوسری رکعت کا انتظار کرے اور اگر دوسری رکعت کے پہلے رکوع میں بھی شامل نہ ہو سکے تو پھر احوط یہ ہے کہ فرادیٰ پڑھے۔ کیونکہ دوسرے رکوعوں میں شامل ہونا بعض اشکالات سے خالی نہیں ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ اس نماز کے شرائط' واجبات اور مستحبات وہی ہیں جو نماز پنجگانہ کے ہیں ہاں فرق صرف اس قدر ہے کہ اس میں اذان و اقامت نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۔ اگر اسباب متعدد ہوں تو نماز بھی متعدد بار واجب ہوگی۔

فائدہ = مخفی نہ رہے کہ کسوف و خسوف وغیرہ اسباب ذاتی علم' یا دو عادل آدمیوں کی شہادت سے ثابت ہوتے ہیں نجومیوں یا رصدیوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نماز آیات کے مستحبات

اس نماز میں پانچ چیزیں مستحب ہیں۔ (۱) قرأت میں جہر کرنا (۲) زیر آسمان پڑھنا۔ (۳) جماعت کے ساتھ پڑھنا۔ (۴) اگر کسوف و خسوف میں ان کا گہن زائل ہونے سے پہلے نماز ختم ہو جائے تو اس کے انجلا تک نماز کا مکرر پڑھنا یا مصلی پر بیٹھ کر دعا کرنا۔ (۵) نیز اس کا مسجد میں

پڑھنا افضل ہے۔ واللہ الموفق

نماز جمعہ' اس کے بعض اسرار اور احکام کا بیان

نماز جمعہ کے بعض اسرار و رموز = ارباب عقل و دانش پر پوشیدہ نہیں ہے کہ نماز جمعہ کے انعقاد سے شارع اقدسؑ کے وہی اغراض عالیہ و مقاصد سامیہ وابستہ ہیں جن کا تذکرہ نماز با جماعت کے سلسلہ میں کیا جاچکا ہے بلکہ ان مقاصد کے حصول کا دائرہ بڑھا دیا گیا ہے اور تاکید میں شدت پیدا ہوگئی ہے عام نماز جماعت میں گو شب و روز میں پانچ مرتبہ اہل اسلام و ایمان کا اجتماع ہوتا ہے مگر زیادہ سے زیادہ ایک دو محلہ یا زیادہ سے زیادہ ایک شہر کے لوگوں کا اور وہ بھی بطور استحباب۔ مگر جمعہ میں (جہاں وہ منعقد ہوتا ہے اس کے) ہر چہار طرف جو لوگ تین میل تین فرلانگ کے اندر رہتے ہیں ان پر اس نماز میں حاضر ہونا واجب قرار دیا گیا ہے تاکہ جہاں اس روح پرور اجتماع کی برکت سے مسلمانوں کی قوت و طاقت کا مظاہرہ ہو' خدائے قدوس کی عبادت و اطاعت آشکارا ہو' باہمی محبت و الفت کے مراسم استوار ہوں' کدورت و نفرت دور ہو' یگانگت و یکجہتی کی فضا خوشگوار ہو اور سب مسلمان بھائی ایک دوسرے کے دکھ سکھ سے آگاہ ہو کر اس میں شریک ہوسکیں اور صاحبان احتیاج کی حاجتیں برلا کر سعادت دارین سے اپنے دامن مراد کو پر کرسکیں وہاں ان کے دینی معلومات و معارف میں اضافہ بھی ہو اور ان کو اپنے قومی و ملی مسائل اور حالات حاضرہ پر اطلاع بھی حاصل ہو اور پھر ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کو آئندہ جمعہ تک ہفتہ بھر کا لائحہ عمل (پروگرام) بتایا جاسکے۔ اسی مقصد جلیل کے لئے جمعہ میں دو خطبے واجب ہیں جن میں خداوند عالم کی حمد و ثنا کرنے اور سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام بھیجنے کے علاوہ مذکورہ بالا امور کا ہی تذکرہ ہوتا ہے۔

نماز جمعہ کی فضیلت

انہی اجل و ارفع مقاصد کے حصول کی خاطر قرآن و حدیث میں نماز جمعہ کی بڑی تاکید اور فضیلت وارد ہوئی ہے بطور نمونہ مشتے از خروارے جلاء ایمانی کی غرض سے یہاں ان کا ایک شمہ بیان کیا جاتا ہے ارشاد قدرت ہے۔ **یا ایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعتہ فاسعوا الی ذکر اللہ وذرو البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون** (جمعہ)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر (نماز جمعہ) کی

طرف جلدی چل کر جاؤ اور خرید و فروخت ترک کردو۔ اگر تم کچھ جانتے ہو تو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس آیت مبارکہ سے نماز جمعہ کی اہمیت پر جو تیز روشنی پڑتی ہے وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ان لکم فی کل جمعة حجة و عمرة الحجة الهجرة الی الجمعة والعمرة انتظار العصر بعد الجمعة**

یعنی ہر جمعہ کے دن تمہارے لئے حج و عمرہ کا ثواب حاصل کرنے کا سامان موجود ہے حج؟ گھر سے چل کر نماز جمعہ کی طرف جانا اور عمرہ؟ جمعہ کے بعد عصر کا انتظار کرنا۔ (خصائص جمعہ از جناب شہید ثانی) (۲) نیز آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا۔ **من اغتسل یوم الجمعة و غسل ثم بکرو ابتکرو مشی ودنا من الا مام واستمع ولم یلغ فان له بکل خطوة عمل سنة اجر صیامها وقیامها**

یعنی جو شخص جمعہ کے دن غسل (جمعہ) کرکے سویرے سویرے پیدل چل کر مقام جمعہ کی طرف جائے اور پیش نماز کے قریب جا کر توجہ سے اس کی باتیں سنے اور کوئی لغو و بے ہودہ بات نہ کرے تو خداوند عالم اسے ایک ایک قدم کے عوض ایسے ایک سال کی عبادت کا ثواب عطا فرماتا ہے جس میں دن کو روزہ اور رات کو قیام کیا گیا ہو۔ (ایضا" حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **فضل الله یوم الجمعة علی غیرها من الایام وان الجنان لتزخرف و تزین یوم الجمعة لمن اتاها وانکم تتسابقون الی الجنة علی قدر سبقکم الی الجمعة**

یعنی خداوند عالم نے روز جمعہ کو باقی تمام دنوں پر فضیلت دی ہے جمعہ پڑھنے والوں کے لئے جمعہ کے دن جنت کو آراستہ و پیراستہ کیا جاتا ہے اور جس قدر تم نماز جمعہ ادا کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت کرو گے۔ اسی قدر جنت کی طرف سبقت کرکے جاؤ گے۔ (فروع کافی) (۴)۔ انہی جناب سے مروی ہے فرمایا۔ **ما من قدم سبقت الی الجمعة الا حرم الله جسدها علی النار**
یعنی جو قدم نماز جمعہ کی طرف بڑھتا ہے خداوند کریم اس کے جسم پر آتش جہنم کو حرام قرار دے دیتا ہے۔ (مستدرک الوسائل)

ترک جمعہ کی مذمت

حکیمان امت نے صرف جمعہ کی فضیلت بیان کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کی اہمیت

کے پیش نظر اس کے ترک کرنے کی شدید مذمت[۳۸] بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ (۱) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ان اللہ تبارک وتعالی قد فرض علیکم الجمعۃ فمن ترکہا فی حیاتی او بعد مماتی ولہ امام عادل استخفافاً بہا وجحوداً فلا جمع اللہ شملہ ولا بارک لہ فی امرہ الا ولا صلوۃ لہ الا ولا زکوۃ لہ الا ولا حج لہ الا ولا صوم لہ ولا برکۃ لہ فی امرہ حتی یتوب۔

"یعنی خداوند عالم نے تم پر نماز جمعہ کو واجب قرار دیا ہے پس جو شخص باوجود امام عادل (نیکو کار پیشنماز) کے موجود ہونے کے محض جمعہ کو خفیف سمجھتے ہوئے اور اس کا انکار کرتے ہوئے میری زندگی میں یا میرے بعد ترک کرے تو خداوند جبار کبھی اس کی پراگندگی کو جمع نہیں فرمائے گا۔ اور نہ ہی اس کے معاملات میں برکت دے گا۔ (جملہ خبریہ کی شکل میں بد دعا ہے) آگاہ ہو جاؤ کہ ایسے شخص کی جب تک توبہ نہ کرے نہ کوئی نماز ہے نہ زکوۃ' نہ حج' نہ روزہ اور نہ ہی اس کے معاملات میں کوئی برکت ہے۔ (وسائل الشیعہ) (۲) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **صلوۃ الجمعۃ فریضۃ والاجتماع الیہا فریضۃ مع امام فان ترک رجل ثلاث جمع من غیر علۃ فقد ترک ثلث فرائض ولا یدع ثلاث فرائض من غیر علۃ الا منافق۔**
یعنی نماز جمعہ فرض ہے اور امام (پیشنماز) کے ساتھ جا کر اس کا پڑھنا بھی فرض ہے پس جو شخص بلا عذر شرعی تین جمعے ترک کردے تو اس نے (گویا) تین فرائض کو ترک کیا ہے اور بلا عذر شرعی تین فرائض کو ترک کرنے والا منافق ہوتا ہے۔ (ایضاً)"

زمانہ غیبت امامؑ میں نماز جمعہ میں اختلاف آراء

اس بات پر تو تمام فقہاء شیعہ کا اتفاق ہے کہ اگر نبیؐ یا امامؑ موجود ہوں اور مبسوط الید بھی ہوں تو جمعہ کے دن نماز ظہر نہیں بلکہ نماز جمعہ واجب عینی ہوتی ہے مگر اب جبکہ امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ پردہ غیبت میں روپوش ہیں تو بدقسمتی سے نماز جمعہ کا مسئلہ معرکۃ الاراء بن گیا ہے۔ ویسے تو اس کے متعلق پانچ چھ بلکہ اس سے بھی زیادہ اقوال موجود ہیں مگر مشہور اور قابل توجہ تین قول ہیں۔

۱۔ واجب عینی یعنی بروز جمعہ نماز ظہر کے عوض ہر مکلف پر نماز جمعہ کا اپنے مقررہ شرائط کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔ **الامن اخرجہ الدلیل** (۲) حرمت۔ یعنی اس دور میں نماز جمعہ پڑھنا حرام ہے۔ (۳) واجب تخییری یعنی بروز جمعہ مکلف کو نماز جمعہ یا نماز ظہر پڑھنے میں اختیار ہے ان تمام اقوال میں سے پہلا یعنی واجب عینی والا قول اقوی و اظہر ہے اگرچہ اپنے موقف کی صحت پر

تفصیلی دلائل ذکر کر کے دوسرے اقوال کی تفصیلی دلائل سے رد کرنا اس مختصر کتاب کی وضع سے خارج ہے مگر اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اپنے موقف کی صحت پر بعض ارشادات معصومینؑ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ شائقین تفصیل اس موضوع پر ہمارے مستقل رسالہ "نماز جمعہ اور اسلام" کا مطالعہ فرمائیں۔ **فان فیھا دواء لکل علیل وریا لکل غلیل۔ واللہ الھادی الی سواء السبیل۔**

نماز جمعہ کے وجوب عینی کے بعض دلائل

اس سلسلہ میں جہاں تک کتاب خداوندی کا تعلق ہے تو بذیل فضیلت نماز جمعہ اس کا اجمالی تذکرہ کیا جاچکا ہے کہ قرآن مجید میں کس صراحت کے ساتھ وجوب جمعہ کا تاکیدی حکم موجود ہے کیونکہ آیت جمعہ **اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعتہ فاسعوا الی ذکر اللہ۔** میں بالاتفاق یہاں "الذکر" سے مراد نماز جمعہ ہے اور یہ بات بھی اپنے مقام پر پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ بلا قرینہ صارفہ صیغہ امر وجوب میں حقیقت ہے تو اس آیت میں "سعی" کا وجوب جو نماز پڑھنے کا مقدمہ ہے اس کے ذوالمقدمہ (نماز جمعہ) کے وجوب کی ناقابل انکار اور قطعی دلیل ہے کیونکہ جب نماز جمعہ کو واجب تسلیم نہ کیا جائے تو اس کی طرف جلدی جلدی جانے کے وجوب کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ نیز یہ بھی واضح ہے کہ **یا ایھا الذین امنوا** کا خطاب صرف زمانہ رسولؐ و امامؑ کے اہل ایمان سے نہیں بلکہ قیامت تک کے تمام امکنہ و ازمان کے اہل ایمان سے ہے۔ کما لا یخفی۔ لہذا نماز جمعہ تمام اہل ایمان پر فرض ہے۔

قرآن کی صحیح تفسیر وہی ہوتی ہے جو وارثان علم قرآن سے یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام سے مروی ہو۔ **(وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم)**

اب ذیل میں ان کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں نماز جمعہ کا وجوب بے غبار اور بالکل واضح و آشکار ہو جائے۔

۱۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **الجمعتہ فریضتہ واجبتہ الی یوم القیامتہ**

یعنی نماز جمعہ قیام قیامت تک فرض اور واجب ہے۔ (تذکرہ الفقہاء للعلامتہ والمعتبر للمحقق) اس سے بڑھ کر کس طرح نماز جمعہ کے وجوب کی صراحت ہو سکتی ہے۔ (۲) حضرت امام محمد باقر علیہ

السلام فرماتے ہیں۔ **فرض اللہ علی الناس من الجمعتہ الی الجمعتہ خمسا و ثلاثین صلوۃ منھا صلوۃ واحدۃ فرضھا اللہ فی جماعتہ**

یعنی خداوند عالم نے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک لوگوں پر پینتیس نمازیں فرض قرار دی ہیں ان میں سے ایک نماز ایسی ہے جو جماعت کے ساتھ پڑھنی فرض ہے اور وہ ہے نماز جمعہ (فروع کافی) ایسی ہی ایک روایت حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے اس میں صرف یہ اضافہ ہے کہ اس کا وجوب پانچ شخصوں سے ساقط ہے۔ مریض' غلام' مسافر' عورت اور بچہ (ایضاً) اس حدیث کی صراحت اور عمومیت' عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔

۳۔ انہی جناب سے راوی ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ کتنے لوگوں پر نماز جمعہ فرض ہے فرمایا۔ **علی سبعتہ نفر من المسلمین ولا جمعتہ لا قل من خمستہ من المسلمین احد ہم الامام فاذا اجتمع سبعتہ ولم یخافوا امھم بعضھم و خطبھم**

سات عدد مسلمانوں پر اور پانچ سے کم مسلمانوں پر واجب نہیں ہے۔ ان سات میں ایک امام بھی ہے پس جب سات آدمی جمع ہو جائیں اور کوئی خوف (اور تقیہ) بھی نہ ہو تو ان سے کوئی ایک امامت کے فرائض انجام دے گا اور دو خطبے پڑھے گا۔ (وسائل الشیعہ) اس حدیث سے نماز جمعہ کے وجوب کے ساتھ ساتھ ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا اور وہ یہ کہ نماز جمعہ کے سلسلے میں جہاں "لفظ امام" وارد ہے ظاہر ہے کہ اس جگہ امام سے امام معصوم مراد نہیں بلکہ امام جماعت مراد ہے جس میں عدالت شرط ہے جیسا کہ "امھم بعضھم" سے روز روشن کی طرح واضح و آشکارا ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ جن بعض روایات میں وارد ہے کہ "لا جمعتہ الا بامام کہ جمعہ بغیر امام کے نہیں ہوسکتا" قطع نظر ان کی اسنادی حیثیت سے ان کا ماحصل صرف یہ ہے کہ جمعہ بغیر جماعت کے نہیں ہوسکتا۔ (۴) جیسا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **الجمعتہ واجبتہ علی کل مسلم فی جماعتہ** ہر شخص پر جماعت کے ساتھ جمعہ پڑھنا واجب ہے (وسائل الشیعہ) (۵) جناب اسماء بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں نماز جمعہ کے متعلق عرض کیا۔ فرمایا **امامع الامام فرکعتان واما من یصلی وحدہ فھو اربع رکعات بمنزلہ الظھر**

جو شخص تو امام (پیشنماز) کے ساتھ پڑھے وہ تو صرف دو رکعت پڑھے۔ ہاں جو تنہا پڑھے وہ نماز

ظہر کی مانند چار رکعت پڑھے گا۔ (فروع کافی) یہاں بھی لفظ "امام" سے مراد امام جماعت (پیشنماز) ہے نہ کہ امام العصر مطلب صرف یہ ہے کہ جو شخص جماعت کے ساتھ پڑھے جیسا کہ اس اگلے فقرہ (یصلی وحدہ) (جو تنہا پڑھے) سے واضح و آشکار ہے اس بیان سے جہاں نماز جمعہ کا وجوب عینی ثابت ہوگیا وہاں دوسرے اقوال کا بطلان بھی واضح و عیاں ہوگیا کیونکہ حرمت والے قول کا زیادہ تر دارو مدار احادیث جمعہ میں وارد شدہ لفظ امام پر ہے کہ اس سے مراد امام معصومؑ ہیں ہم نے ثابت کردیا ہے کہ اس سے مراد جامع الشرائط پیشنماز ہے اور وجوب تخییری والا قول وجوب عینی اور حرمت کے ادلہ کے درمیان جمع و توفیق کے لئے اختیار کیا جاتا ہے لیکن جب یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ کہ حرمت والے قول میں جان ہی نہیں ہے تو پھر اسے وجوب عینی والے قول کا ہم پلہ و ہموزن قرار دے کر ان کے درمیان جمع و توفیق کی کوشش کرنا کس طرح درست ہوسکتی ہے۔؟

نماز جمعہ کے شرائط

نماز جمعہ واجب مطلق نہیں بلکہ واجب مشروط ہے یعنی اس کے وجوب کی چند شرطیں ہیں جن کے بغیر نہ وہ واجب ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا انعقاد درست ہے اور وہ پانچ ہیں۔ اول جامع الشرائط پیشنماز (ان شرائط کا نماز جماعت کے ضمن میں ذکر کیا جاچکا ہے) دوم عدد اور وہ علی التحقیق پانچ ہے یعنی ایک پیشنماز اور چار مقتدی۔ افضل یہ ہے کہ سات ہوں۔ جیسا کہ بسند صحیح منصور بن حازم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا۔ **یجمع القوم یوم الجمعۃ اذا کانوا خمسۃ فمازا دوا ان کانوا اقل من خمسۃ فلا جمعۃ لھم**

یعنی جب پانچ یا پانچ سے زیادہ آدمی ہوں تو وہ نماز جمعہ پڑھیں گے اور اگر پانچ سے کم ہوں تو ان کا جمعہ نہیں ہے۔ (فروع کافی)

تنبیہہ مخفی نہ رہے کہ یہ شرط ابتدائی ہے۔ دائمی نہیں ہے یعنی جمعہ شروع کرتے وقت یہ تعداد پوری ہونی چاہیئے۔ اگر بعد میں کسی وجہ سے کم بھی ہو جائے تو اس سے وجوب جمعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۲۔ اس عدد پر وہاں حاضر ہونا واجب کفائی ہے جہاں جمعہ منعقد ہوتا ہے ورنہ وہ تمام مسلمان

گنہگار متصور ہوں گے جو جمعہ کے مقام کے چاروں طرف تین میل تین فرلانگ کے اندر رہتے ہیں۔

سیوم = دو خطبے جو کہ بالاتفاق نماز جمعہ کے وجوب اور اس کے انعقاد کی صحت کی شرط ہیں اور انہی کی وجہ سے نماز جمعہ دو رکعت ہے یعنی یہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **لا جمعتہ الا بخطبتہ وانما جعلت رکعتین لمکان الخطبتین** (معتبر محقق)

یعنی خطبہ کے بغیر نماز جمعہ نہیں ہو سکتی انہی دو خطبوں کی وجہ سے نماز جمعہ دو رکعت قرار دی گئی ہے۔

ان خطبوں میں آٹھ امور کی رعایت کرنا واجب ہے۔

(۱) نماز جمعہ سے پہلے پڑھنا۔ (۲) کھڑے ہو کر پڑھنا۔ (۳) اشہرو اظہر قول کی بناء پر خطبہ پڑھنے والے اور نماز جمعہ پڑھانے والے شخص کا ایک ہونا۔ (۴) دو خطبوں کے درمیان بیٹھ کر تھوڑا سا وقفہ کرنا۔ (۵) ان خطبوں کا خدا کی حمد و ثناء اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام اور وعظ و نصیحت اور مختصر سی سورہ پر مشتمل ہونا۔ (۶) خاموشی کے ساتھ اور توجہ کے ساتھ ان کا سننا۔ (۷) بناء پر احتیاط واجب امام و ماموم کا خطبہ پڑھتے اور سنتے وقت باطہارت ہونا۔ (۸) بناء بر مشہور و منصور زوال آفتاب کے بعد پڑھنا۔

چہارم = جماعت۔ بالاتفاق نماز جمعہ جماعت کے بغیر نہیں ہو سکتی ہاں جو شخص صرف ایک رکعت حتی کہ دوسری رکعت کے رکوع میں بھی شامل ہو جائے۔ اس کی نماز جمعہ صحیح ہے اگرچہ دوسری رکعت فرادی ہی پڑھے۔ لہذا عدد کی طرح یہ شرط بھی صرف ابتدائی ہے۔ استدامی نہیں ہے۔

پنجم = تین میل اور تین فرلانگ کے اندر دوسرا جمعہ نہ ہو کیونکہ اس کا انعقاد حرام ہے۔

نماز جمعہ کن لوگوں پر واجب ہے

جس شخص میں دس شرطیں پائی جائیں اس پر نماز جمعہ واجب ہوتی ہے۔ (۱) بالغ ہونا۔ (۲) عاقل ہونا۔

یہ دونوں شرطیں تو عمومی ہیں ظاہر ہے کہ نابالغ اور مجنوں پر کوئی بھی شرعی تکلیف نہیں ہے۔ (۳) آزاد ہونا۔ کیونکہ بالاتفاق غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ (۴) اندھا نہ ہو۔ (۵) مریض

نہ ہو۔ کیونکہ اس مریض سے جس کے لئے حاضر ہونا دشوار ہو اور نابینا سے وجوب جمعہ ساقط ہے۔ (۶) حاضر ہونا۔ کیونکہ جس شخص کی تکلیف نماز قصر پڑھنا ہے اس پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ (۷) مرد ہونا کیونکہ عورت پر بالاتفاق نماز جمعہ واجب نہیں ہے۔ (۸) بہت بوڑھا نہ ہونا۔ کیونکہ جو شخص عمر کی اس منزل میں داخل ہو جائے کہ جس کے لئے چلنا پھرنا دشوار ہو جائے۔ اس سے نماز جمعہ کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ (۹) شدید بارش کا نہ ہونا۔ ورنہ اس صورت میں بھی وجوب جمعہ ختم ہو جاتا ہے۔ (۱۰) دو فرسخ سے زیادہ مسافت پر نہ ہونا۔ کیونکہ اس مسافت پر رہنے والوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ البتہ جو شخص بلا کم و بیش دو فرسخ کی مسافت پر ہے اس کے لئے احتیاط واجب یہ ہے کہ وہ جمعہ میں حاضر ہو۔ واللہ العالم

۸۔ نماز جمعہ کا وقت

نصوص کثیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز جمعہ کا وقت بالکل مضیّق (تنگ) ہے اس میں تو کوئی شک، نہیں کہ زوال آفتاب کے ساتھ ہی اسکا وقت شروع ہو جاتا ہے جو کچھ اختلاف ہے وہ اسکے آخری وقت میں ہے پس جو کچھ ارشادات معصومینؑ سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عام ایام میں جو نماز ظہر کی فضیلت کا وقت ہے وہ بروز جمعہ نماز عصر کا وقت ہے اور قبل ازیں اوقات نماز کی بحث میں بیان کیا جاچکا ہے کہ نماز ظہر کی فضیلت کا وقت بناء بر مشہور کسی چیز کے سایہ کے اسکے برابر ہونے تک رہتا ہے بناء بریں نماز جمعہ کو اس حد کے اندر اندر پڑھنا چاہیے۔ اگر یہ وقت گزر جائے تو پھر جمعہ کی بجائے نماز ظہر پڑھنی چاہیے باایں ہمہ افضل و احوط یہ ہے کہ انسان کا سایہ ایک ہاتھ یا ۲/۷ قدم ہونے تک پڑھا جائے اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو ہمارے ملک میں رسم ہے کہ اڑھائی تین بجے تک مومنین کا انتظار یا تقریر کی طوالت کی وجہ سے جمعہ کو موخر کیا جاتا ہے جبکہ سایہ ایک ہاتھ تو کیا شاخص کے برابر ہونے سے بھی آگے نکل جاتا ہے تو ایسا کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ واللہ الموفق

۹۔ نماز جمعہ کی کیفیت

نماز جمعہ دو رکعت ہے جو اگرچہ بناء بر اشہر و اظہر بالکل نماز صبح کی طرح پڑھی جاسکتی ہے مگر سنت موکدہ یہ ہے کہ اسکی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ منافقین پڑھی جائے اور اس میں دو قنوت پڑھے جائیں ایک پہلی رکعت میں رکوع سے پہلے اور دوسرا دوسری رکعت میں رکوع کے بعد۔

۱۰۔ نماز جمعہ کے دو خطبے

نماز جمعہ سے پہلے دو خطبے پڑھنے واجب ہیں اگرچہ اس سلسلہ میں کوئی مخصوص خطبہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ جو خطبہ بھی ان حقائق پر مشتمل ہو جن کا بیان قبل ازیں ہو چکا ہے اسکا پڑھنا کافی ہے ہاں اس سلسلہ میں جو خطبے ائمہ طاہرینؑ سے منقول ہیں ان کا پڑھنا یقیناً" افضل ہے اس سلسلہ میں دو مختصر خطبے درج کئے جاتے ہیں۔ (یہ خطبے صفحہ ۳۱۸ پر ملاحظہ ہوں)

۱۱۔ نماز جمعہ کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ تین میل شرعی (جو ہمارے میلوں کے حساب سے تین میل اور تین فرلانگ بنتے ہیں) کے اندر دو جمعے پڑھنا جائز نہیں ہیں جیسا کہ آج کل بعض مقامات پر ایسا ہو رہا ہے اور یہ جمعے اجتماع و ائتلاف کی بجائے اختلاف و افتراق کا سبب بن کر رہ گئے ہیں اور اگر ایسا کیا گیا تو بناء بر مشہور جو جمعہ پہلے پڑھا جائے گا وہ صحیح متصور ہوگا اور دوسرا باطل۔ اگرچہ دو جمعہ کا انعقاد حرام ہے۔

مسئلہ ۲۔ جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد اور زوال آفتاب سے پہلے سفر کرنا مکروہ ہے اور جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہو وہاں سے اس شخص کا جس پر نماز جمعہ واجب ہے زوال کے بعد اور جمعہ پڑھنے سے پہلے بناء بر مشہور سفر کرنا حرام ہے اگرچہ دلیل حرمت میں خفا ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ احوط یہی ہے۔

مسئلہ ۳۔ جمعہ کی اذان کے بعد اور نماز جمعہ پڑھنے سے پہلے کسی چیز کی خرید و فروخت کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ اقرب یہ ہے کہ "اذان" کا لفظ وقت کے داخل ہونے کا صرف کنایہ ہے مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن زوال آفتاب کے بعد اور نماز جمعہ پڑھنے سے پہلے بیع و شرا حرام ہے اور احوط یہ ہے کہ بیع و شرا کے علاوہ دیگر تمام عقود وایقاعات مثل نکاح و طلاق وغیرہ سے بھی اجتناب کیا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ نمبر ۴۔ بروز جمعہ دوسری اذان کہنا بدعت ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور اس سے مراد وہ اذان ہے جو پہلی اذان اور پیشنماز کے خطبوں سے فارغ ہونے کے بعد کہی جاتی ہے۔

۱۲۔ نماز جمعہ کے آداب

نماز جمعہ کے بہت سے آداب ہیں بنظر اختصار چند آداب ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) غسل کرنا جس کی تفصیل اور استحباب و وجوب کی بحث باب الطہارۃ میں گزر چکی ہے۔ (۲) بیس رکعت نوافل پڑھنا۔ (۳) نماز جمعہ کی طرف سبقت کرنا۔ (۴) ناخن اور مونچھیں کٹوانا۔ (۵) صاف ستھرے اور عمدہ کپڑے زیب تن کرنا۔ (۶) خوشبو لگانا۔ (۷) پیشنماز کے لئے برد یمانی یا کوئی اور چادر اوڑھنا۔ (۸) خطیب کا تلوار یا عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھنا۔ (۹) عمامہ باندھ کر خطبہ پڑھنا۔ (۱۰) خطبہ شروع کرنے سے پہلے حاضرین کو سلام کہنا۔ (۱۱) شب و روز جمعہ کی مخصوص دعائیں پڑھنا جو کتب ادعیہ میں مذکور ہیں۔ (۱۲) عام دنوں میں ایک سو اور شب و روز جمعہ میں ایک ہزار بار درود پڑھنا تاکہ اسے جہنم کی آگ مس بھی نہ کرے۔ انشاء اللہ الی غیر ذلک من الآداب والمستحبات وفقنا للتادب بآداب الشریعۃ والرعایۃ للمستحبات المرعیۃ

نماز عیدین کا بیان

"یہ حقیقت محتاج وضاحت نہیں ہے کہ تمام اقوام عالم کے میلے اور تہوار مقرر ہیں جن میں وہ دل کھول کر سرور و انبساط مسرت و شادمانی بلکہ ہر قسم کی عیاشی و عیاری مئے نوشی و بدکرداری، ہوا و ہوس پرستی اور عیش و طرب کی بدمستی کا مظاہرہ کرتی ہیں اسلام نے بھی ان کی اصل روح کو تسلیم کرتے ہوئے عباد اللہ الصالحین کی خوشی و انبساط کی خاطر بعض دن مقرر رکھے ہیں جن میں سے بڑے دو دن ہیں عیدالفطر اور عیدالاضحی جو سب سے بڑی اسلامی عیدین ہیں ان میں وہ سب خوبیاں اور خوشیاں جمع کر دی گئی ہیں جو ایک زندہ عملی قوم کی زندگی کی بقاء کے لئے ضروری ہوتی ہیں دنیا کے تہواروں میں نفس و ہوا پرستی ہوتی ہے اور اسلامی تہواروں میں خدا پرستی ان میں خدا سے غفلت برتی جاتی ہے اور ان میں خدا کی عظمت پائی جاتی ہے ان میں دنیاوی لذائذ ہوتے ہیں اور ان میں اخروی فوائد۔ ان میں لغویت پائی جاتی ہے اور ان میں عبدیت و بندگی کی شان جھلکتی ہے سبحان اللہ۔ اسلام کیسا پاکیزہ دین ہے کہ جس کے خوشی منانے کے تہوار بھی عبادات خدا پر مشتمل ہیں عید صرف لباس فاخرہ زیب تن کرنے، اچھی خوراک سے شکم پر کرنے اور لہو و لعب میں مشغول ہونے کا نام نہیں بلکہ ماہ رمضان کے روزے رکھنے، قربانی کرنے اور دیگر اعمال صالحہ بجا لانے کی سپاس گزاری اور پروردگار کی اطاعت شعاری کے اظہار کا نام ہے بعض اخبار و آثار میں وارد ہے کہ **العید لیس لمن لبس الجدید بل العید لمن امن الوعید** عید صرف لباس جدید پہننے والے کی نہیں ہوتی بلکہ تہدید و وعید ایزدی سے

مامون و محفوظ ہونے والے کی عید ہے ہاں اچھا کھانا کھانا' احباب و اقارب کے ہاں بھجوانا اچھا لباس زیب تن کرنا۔ دوست و احباب کی ملاقات کرنا حدود شریعت کے اندر رہ کر فرحت و انبساط کا اظہار کرنا ممنوع نہیں بلکہ ممدوح ہے الغرض عیدین کا مقصد قومی اصلاح' قومی تنظیم' باہمی ہمدردی' ازدیاد محبت و الفت' باہمی میل و ملاقات' اخلاق و عادات کی اصلاح دل و دماغ کی تطہیر رشد و ہدایت کی تلقین' ایثار و قربانی کا درس اور مقصد حیات کی یاد دہانی ہے اس مقصد اعلیٰ کو حاصل کرنے کے لئے نماز عید اور خطبہ مسنونہ مقرر ہوئے ہیں۔ **واللہ الہادی الی سواء السبیل**

نماز عیدین کے شرائط

اس بات پر فقہاء شیعہ کا اتفاق ہے کہ نماز عیدین کے وجوب کے وہی شرائط ہیں جو نماز جمعہ کے وجوب کے ہیں (جو کہ پانچ ہیں اور نماز جمعہ کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں) لہٰذا نماز جمعہ کی طرح نماز عیدین بھی نبی و امام کے موجود اور مبسوط الید ہونے کی صورت میں تو بالاتفاق واجب عینی ہے جو کچھ اختلاف ہے وہ زمانہ غیبت امام علیہ السلام میں ہے پس جو فقہاء نماز جمعہ کے وجوب میں وجود نبی و امام کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے۔ بلکہ جامع الشرائط امام الجماعت کو کافی سمجھتے ہیں وہ غیبت امام میں بھی نماز عید کو واجب عینی قرار دیتے ہیں اور جو وجود نبیؐ و امامؑ کو واجب عینی کی شرط جانتے ہیں۔ وہ موجودہ دور میں اسے مستحب جانتے ہیں۔ واجب تخییری کا تو یہاں تصور بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ واجب تخییری میں دو افراد کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے جبکہ یہاں دوسرا کوئی فرد موجود نہیں ہے نماز عیدین میں وجود امام معصومؑ کو شرط جاننے والے وہی دلیل پیش کرتے ہیں جو نماز جمعہ میں اس شرط کے قائل پیش کیا کرتے ہیں کہ روایات میں وارد ہے۔ **لا صلوٰۃ العیدین الا مع امام وان صلیت وحدک فلا باس۔** (کافی)

اور بعض اخبار میں "مع امام عادل" کی لفظ وارد ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو نماز جمعہ کے ضمن میں دیا جا چکا ہے کہ یہاں لفظ "امام" سے امام الاصل مراد نہیں بلکہ امام جماعت مراد ہے جیسا کہ لفظ "امام" کی تنکیر (کسی امام کے ساتھ) اور جماعت کے ساتھ تقابل سے بھی ظاہر ہے مطلب صرف یہ ہے کہ جمعہ کی طرح نماز عیدین کے وجوب کی بھی جماعت شرط ہے اور چونکہ ہمارا بھی موقف یہی ہے کہ نماز جمعہ و عیدین میں وجود نبیؐ و امامؑ شرط نہیں ہے لہٰذا ہمارے نزدیک نماز عیدین اپنے دیگر مقررہ شرائط کے ساتھ واجب عینی ہے اور جمعہ کی طرح اس میں بھی

جماعت، عدد، یعنی کم از کم پانچ افراد کی موجودگی، دو خطبے وغیرہ۔ ان تمام شرائط کے متعلق معصومینؑ کے متعدد فرامین وافی، وسائل اور مستدرک وغیرہ مجامع حدیثیہ میں مذکور ہیں یہ درست ہے کہ یہ نظریہ اس نظریہ کے خلاف ضرور ہے جو علماء متاخرین میں مشہور ہے اور مشہور نظریہ سے دست برداری بڑی مشکل ہوتی ہے مگر بقول سید المجتہدین صاحب المدارک، "اتباعھم بغیر دلیل اشکل" بغیر دلیل و برہان آنکھیں بند کر کے ان کی متابعت کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے ان کے اصل الفاظ یہ ہیں جو انہوں نے اسی مقام اور اسی مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے سپرد قلم فرمائے ہیں۔ **فالخروج عن کلام الاصحاب مشکل واتباعھم بغیر دلیل اشکل**

اور شیخ المحدثین علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار ج ۱۸ میں نماز عیدین کا وجوب ثابت کرنے کے بعد اسی شہرت پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ وبالجملۃ ترک ھذہ الفریضۃ بمحض الشھرۃ بین الاصحاب جرأۃ عظیمۃ مع انہ لاریب فی رجحانہ ونیۃ الوجوب لا دلیل علیہا ونیۃ القربۃ کافیۃ فی جمیع العبادات کما عرفت سابقاً

یعنی محض شہرت فتوائی کی وجہ سے اس فریضہ کا ترک کرنا بہت بڑی جرأت و جسارت ہے حالانکہ اس کے رجحان میں کوئی کلام نہیں اور وجوب کے قصد پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے بلکہ تمام عبادات میں صرف قصد قربت کافی ہے جیسا کہ تم قبل ازیں یہ معلوم کر چکے ہو۔ **وھو جید متین بل جوہر ثمین** اور اپنا تو بقول صاحب قوانین الاصول اصول یہ ہے کہ **لا ینبغی التوحش اذا ساعدنا الدلیل** "یعنی جب دلیل مساعد و معاون ہو تو پھر وحدت و تنہائی سے نہیں گھبرانا چاہیے" حالانکہ یہاں تو کوئی وحدت و تنہائی بھی نہیں ہے کیونکہ علماء اعلام و فقہاء عظام کی وہ جمع کثیر اور جم غفیر جو نماز جمعہ کو واجب عینی جانتی ہے (ان اعلام کی مختصر فہرست ہم نے اپنے رسالہ "نماز جمعہ اور اسلام" میں دے دی ہے۔ (فراجع) **فقد یرجیدا" ولا تکن من الجاحدین**

کن لوگوں پر نماز عیدین واجب ہے

جب سطور بالا میں اتفاق علماء کی روشنی میں یہ امر ثابت کر دیا گیا ہے کہ نماز جمعہ اور نماز عیدین کے شرائط و احکام ایک ہیں تو اس سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جن لوگوں پر نماز جمعہ واجب ہے ان پر نماز عیدین بھی واجب ہے اور جن سے وجوب جمعہ ساقط ہے ان سے عیدین کا وجوب بھی ساقط ہے (تفصیل کے لئے نماز جمعہ کے بیان کی طرف رجوع کیا جائے) مسافر اور عورتوں سے سقوط کے متعلق تو خصوصی نصوص موجود ہیں اور مریض، نابینا اور

زیادہ بوڑھے آدمی کے متعلق بھی عسر و حرج کی نفی کے عموی ادلہ سے تمسک کیا جاسکتا ہے مگر احوط یہ ہے کہ جن اصناف سے نماز عیدین کے ساقط ہونے کے متعلق کوئی خصوصی نص موجود نہیں ہے جیسے غلام' مریض' بوڑھا اور نابینا وغیرہ تا بامکان وہ حاضر ہونے کی اور نماز عیدین پڑھنے کی کوشش کریں۔ واللہ العالم

نماز عیدین کی کیفیت

نماز عید دو رکعت ہے جس میں رکوع و سجود والی دو دو عموی تکبیروں کے علاوہ نو تکبیریں زیادہ ہیں پانچ پہلی میں اور چار دوسری میں اور ہر تکبیر کے بعد قنوت پڑھنا مستحب ہے اس طرح تکبیروں کی طرح قنوت بھی نو ہو جائیں گے اور سابقہ تکبیروں سمیت تکبیروں کی کل تعداد بارہ ہو جائے گی۔ اگرچہ اشہر و اظہر قول کی بناء پر سورہ فاتحہ کے بعد کسی مخصوص سورہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ کوئی بھی سورہ پڑھی جاسکتی ہے مگر افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں سورہ والشمس و ضحٰھا۔ یا پہلی میں سورۃ والشمس اور دوسری میں سورہ ھل اتٰک حدیث الغاشیہ پڑھی جائے۔ اسی طرح گو قنوت میں بھی کوئی خاص دعا پڑھنا لازم نہیں ہے ہاں البتہ جو قنوت ائمہ اطہار سے مروی و ماثور ہیں ان کو اختیار کرنا افضل ہے اور وہ مختلف ہیں۔ مصباح المتہجد شیخ طوسیؒ کے حوالہ سے جس قنوت کو قبولیت عامہ کی سند حاصل ہے وہ یہ ہے

اَللّٰھُمَّ اَھْلَ الْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَۃِ وَاَھْلَ الْجُوْدِ وَالْجَبَرُوْتِ وَاَھْلَ الْعَفْوِ وَالرَّحْمَۃِ وَاَھْلَ التَّقْوٰی وَالْمَغْفِرَۃِ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ ھٰذَا الْیَوْمِ الَّذِیْ جَعَلْتَہٗ لِلْمُسْلِمِیْنَ عِیْدًا وَلِمُحَمَّدٍ ذُخْرًا وَمَزِیْدًا اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْ تُدْخِلَنِیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ اَدْخَلْتَ فِیْہِ مُحَمَّدًا وَّآلَ مُحَمَّدٍ وَاَنْ تُخْرِجَنِیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ اَخْرَجْتَ مِنْہُ مُحَمَّدًا وَّآلَ مُحَمَّدٍ صَلَوَاتُکَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ مَا سَئَلَکَ عِبَادُکَ الصَّالِحُوْنَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِمَّا اسْتَعَاذَ مِنْہُ عِبَادُکَ الصَّالِحُوْنَ

بعد ازاں رکوع و سجود اور تشہد پڑھ کے سلام پھیرا جائے اور اختتام نماز کے بعد پیش نماز کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھے جن کی کیفیت وہی ہے جو نماز جمعہ کے خطبوں کے ضمن میں بیان کی جاچکی ہے۔ مزید برآں عید الفطر کے خطبوں میں فطرہ اور عید الاضحی کے خطبوں میں قربانی کے

احکام کا تذکرہ بھی کرنا ضروری ہے گو خوف طوالت دامن گیر ہے اور وہ دامن بیان کو مزید پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا مگر محض اس خیال کے تحت کہ ہماری یہ تازہ فقہی پیش کش دوسری کتابوں کی طرح اپنے موضوع پر ہر لحاظ سے نہ صرف مکمل بلکہ اکمل ہو ذیل میں پرچے درج کیے جاتے ہیں

"نمازِ عیدین کے خطبے"

عید الفطر کا پہلا خطبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر و للہ الحمد اللہ اکبر علی ما ھدانا ولہ الشکر علی ما اولانا والحمد للہ الذی ھدانا لدینہ الذی ارتضاہ وسبیلہ الذی اصطفاہ ونصرنا بہ یوجب الزلفۃ لدیہ والوصول الیہ وامرنا بصیام شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن وجعل فیہ لیلۃ القدر التی ھی خیر من الف شھر وھو سید الشھور وخیر الشھور وشھر تطھیر ونعمتہ تبارک وتمت

لیلۃ علی تقصیر و ادینا فیہ من حقہ قلیلا من کثیر حتی فارقنا عند تمام وقتہ وانقطاع مدتہ فنحن مودعوہ وداع من عز فراقہ علینا واوحشنا انصرافہ عنا فلنا نقول السلام علیک یا شھر اللہ الاکبر ویا عید اولیائہ الاعظم اللھم فارحمنا برحمتک واعممنا بعافیتک الا ان ھذا الیوم یوم جعلہ اللہ لکم عیدا وجعلکم لہ اھلا فاذکروا اللہ یذکرکم وکبروہ وسبحوہ وادعوہ یستجب لکم وادوا فطرتکم فانھا سنۃ نبیکم فاخرجوا عن کل واحد من عیالکم صاعا من بر او شعیر او تمرۃ او زبیب ان احسن الحدیث کتاب اللہ العزیز الحکیم بسم اللہ الرحمن الرحیم قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی

دوسرا خطبہ عید الفطر الحمد للہ الذی لا الٰہ الا ھو الواحد الاحد الصمد الذی لم یتخذ صاحبۃ ولا ولدا و اشھد ان محمدا

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْمُجْتَبٰى وَاَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَيِّدُ الْوَصِيِّيْنَ
وَاَنَّ ذُرِّيَّتَهُ الْمَعْصُوْمِيْنَ اَئِمَّتُنَا اُوْصِيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ
وَاغْتِنَامِ طَاعَتِهٖ وَاِعْدَادِ الْعَمَلِ الصَّالِحِ فِيْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْفَانِيَةِ
الْخَالِيَةِ قَبْلَ اَنْ يَّهْجُمَ عَلَيْكُمُ الْمَوْتُ الَّذِيْ لَا مَهْرَبَ مِنْهُ وَلَا مَفَرَّ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَفَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ وَمُحَمَّدِ بْنِ
عَلِيٍّ وَجَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَمُوْسَى بْنِ جَعْفَرٍ وَعَلِيِّ بْنِ مُوْسٰى وَمُحَمَّدِ بْنِ
عَلِيٍّ وَعَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ وَالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَالْحُجَّةِ الْقَائِمِ بِالْحَقِّ الْمَهْدِيِّ
الَّذِيْ بِبَقَائِهٖ بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَبِيُمْنِهٖ رُزِقَ الْوَرٰى وَبِوُجُوْدِهٖ ثَبَتَتِ
الْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ وَبِهٖ يَمْلَاُ اللّٰهُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا
وَّجَوْرًا وَّاجْعَلْ لَنَا اَللّٰهُمَّ ظُهُوْرَهٗ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرَاهُ قَرِيْبًا بِرَحْمَتِكَ
يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

عیدالاضحیٰ کا پہلا خطبہ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ
عَلٰى مَا رَزَقَنَا مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا اَبْلَانَا فَسُبْحَانَ
اللّٰهِ الَّذِي ابْتَلَى الْبَرَايَا بِاَنْوَاعِ الْبَلَايَا لِكَيْلَا يَبْطُلَ الْجَزَاءُ وَلِيُمَحِّصَ
الْخَطَايَا فَبَعَثَ الرُّسُلَ وَنَصَبَ هُدَاةَ خَيْرِ السُّبُلِ ضَعِيْفَةً حَالَاتٍ
قَوِيَّةً فِيْ عَزَائِمِ النِّيَّاتِ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُمْ اُولِيْ قُوَّةٍ شَدِيْدَةٍ فَظَلَّتِ
الْاَعْنَاقُ لَهُمْ خَاضِعِيْنَ وَخُفِضَتْ لَهُمْ اَجْنِحَةُ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْ وَضَعَ الْبَيْتَ بِبَكَّةَ بَيْتًا مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ وَجَعَلَهٗ مَثَابَةً
لِّلنَّاسِ كَافَّةً وَّمَاْمَنًا لِلْعَاكِفِيْنَ وَالْعَابِدِيْنَ اِعْلَمُوْا عِبَادَ اللّٰهِ فِيْ
مِثْلِ هٰذَا الْيَوْمِ الْعَظِيْمِ ابْتَلَى اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلَ بِذَبْحِ وَلَدِهٖ اِسْمٰعِيْلَ
فَرَاَى الْخَلِيْلُ فِي الْمَنَامِ وَهُوَ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ اَنَّهٗ لِوَلَدِهٖ ذَابِحٌ
وَلِدَمِهٖ سَافِحٌ فَانْتَبَهَ مِنْ رَقْدَتِهٖ مَرْهُوْبًا وَّمِنْ مَنَامِهٖ مَرْعُوْبًا

فقال لابنه إني أرى في المنام عياناً أني أذبحك قرباناً فانظر ما
ذا ترى يا سيد الورى فقال يا أبت افعل ما تؤمر ستجدني إن شاء
الله من الصابرين فلا تضمم ثوبك من دمي لئلا تراه أمي الشفيقة
وأقرأ عليها سلامي منعياً واردد إليها قميصي مسلياً وقل لها
إن ابنك نقله مولاه الكريم إلى دار الخلد والنعيم فلما انتهت مقالته
وانتهت وصيته شده الخليل شداً وثيقاً وأضجعه إضجاعاً رفيقاً
فأقبلت الطير عليه عاكفة وأضجت الأرض والجبال راجفة
والملائكة متضرعة والوحوش متسرعة والسماء من
فوقهم تضج والأرض من تحتهم تعج رحمة للطفل الصغير
وتعجباً من صبر الشيخ الكبير فنادى أرحم الراحمين يا إبراهيم
قد صدقت الرؤيا إنا كذلك نجزي المحسنين إن هذا لهو البلاء
المبين وفديناه بذبح عظيم فنهض عند ذلك الخليل بالفدية
إلى أن أتاه به جبرئيل من السماء [illegible] عليهما
بسم الله عياناً وأحسن الحديث بسم الله الرحمن الرحيم قل هو الله
أحد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد

عیدالاضحٰی کا دوسرا خطبہ

الحمد لله الذي لا إله إلا هو الواحد
الأحد الصمد الذي لم يتخذ صاحبة ولا ولداً وأشهد أن محمداً
عبده ورسوله المجتبى وأن علياً أمير المؤمنين وسيد الوصيين
وأن ذريته المعصومين أئمتنا أوصيكم عباد الله بتقوى الله
واغتنام طاعته وازدياد العمل الصالح في هذه الأيام الفانية
قبل أن يهجم عليكم الموت الذي لا مهرب منه إن الله
وملائكته يصلون على النبي يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا
تسليماً اللهم صل على محمد سيد المرسلين وعلى أمير المؤمنين
وعلى فاطمة بنت محمد وعلى الحسن المسموم بسم الجعدة والحسين الشهيد

بِكُنْ عَلَاهُ وَعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ذِي الْمِحَنِ وَالْعَنَاءِ وَمُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَجَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَمُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ وَعَلِيِّ بْنِ مُوسَى وَمُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَعَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ وَالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَالْحُجَّةِ الْقَائِمِ بِالْحَقِّ الْمُنْتَظَرِ الْمَهْدِيِّ الَّذِي بِبَقَائِهِ بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَبِيُمْنِهِ رُزِقَ الْوَرَى اَللّٰهُمَّ تَفَضَّلْ عَلَيْنَا بِدَوَامِ الْإِيمَانِ وَتَشْيِيدِ أَرْكَانِ مَعَالِمِ الشَّرْعِ وَالْإِيمَانِ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا تَوْفِيقَ الطَّاعَةِ وَبُعْدَ الْمَعْصِيَةِ وَصِدْقَ النِّيَّةِ وَعِرْفَانَ الْحُرْمَةِ وَأَكْرِمْنَا بِالْهُدَى وَالْاِسْتِقَامَةِ وَصَلَاةً تُنَوِّرُنَا بِالْعِلْمِ وَالْمَعْرِفَةِ وَطَهِّرْ بُطُونَنَا مِنَ الْحَرَامِ وَالشُّبْهَةِ وَاكْفُفْ أَيْدِيَنَا عَنِ الظُّلْمِ وَالسَّرِقَةِ وَاغْضُضْ أَبْصَارَنَا عَنِ الْفُجُورِ وَالْخِيَانَةِ وَاسْدُدْ أَسْمَاعَنَا عَنِ اللَّغْوِ وَالْغِيبَةِ بِجُودِكَ وَكَرَمِكَ يَا ذَا الْجُودِ وَالْكَرَمِ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

نماز عیدین کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ بناء بر مشہور و منصور نماز عیدین کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر زوال آفتاب تک ہے لیکن احوط یہ ہے کہ جس قدر ہو سکے صبح سویرے پڑھی جائے۔

مسئلہ ۲۔ اگر نماز عید اور جمعہ ایک ہی دن میں اکٹھے ہو جائیں تو مشہور یہ ہے کہ جو لوگ شریک ہوں۔ نزدیک والے ہوں یا دور والے بہرحال ان کو اختیار ہے کہ چاہیں تو نماز جمعہ میں شریک ہوں اور چاہیں تو شریک نہ ہوں اور پیشنماز کو چاہیئے کہ نماز عید کے بعد یہ وضاحت کرے مگر اقوی یہ ہے کہ یہ خصوصی رعایت ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کی رہائش دور ہو لہٰذا دوسرے لوگوں کو نماز جمعہ میں حاضر ہونا چاہیئے۔

مسئلہ ۳۔ نہ صرف بناء بر احتیاط بلکہ بناء بر اقوی شکیات و سہویات اور اجزاء منسیّہ کے تمام احکام نماز جمعہ اور نماز عیدین میں جاری ہوں گے۔

مسئلہ ۴۔ اگر کسی شخص سے نماز عید ترک ہو جائے تو اس کی قضا کی جا سکتی ہے یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ اس کی قضا نہیں ہے اور بعض کے نزدیک بہرحال اسکی قضا لازم ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ تفصیل والا قول جمیل ہے اور وہ یہ ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ نماز عید ترک

کس وجہ سے ہوئی ہے؟ اگر اس کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں پر زوال آفتاب کے بعد شرعاً ثابت ہوا کہ گذشتہ رات چاند ہوگیا ہے تو متعدد روایات معتبرہ میں مذکور ہے کہ وہ روزہ تو اس وقت افطار کردیں گے مگر نماز عید دوسرے دن پڑھیں گے اور اگر اس ترک کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص جماعت کے ساتھ شامل نہیں ہوسکا۔ تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر اس کی ادائیگی کا وقت باقی ہے تو تنہا استحباب کی نیت سے پڑھ لے اور اگر وقت نکل گیا ہے تو پھر قضا نہیں ہوسکتی۔ واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ جو شخص اس وقت جماعت کے ساتھ شامل ہو جب کہ پیشنماز بعض تکبیریں اور قرأت کرچکا ہو تو اسے چاہئے کہ جب پیشنماز اپنی تکبیریں مکمل کرکے رکوع میں جائے تو یہ باقیماندہ تکبیریں اور مختصر قنوت (اگرچہ صرف سبحان اللہ یا الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ یا اللہ اکبر وغیرہ اذکار پر مشتمل ہو) پڑھ کر رکوع میں پیش نماز کے ساتھ شامل ہوسکے تو فبہا ورنہ صرف مسلسل تکبیریں کہہ کر (بغیر قنوت پڑھے) رکوع میں پیش نماز کے ساتھ شامل ہونے کا جواز بعید نہیں ہے اسی طرح بعید نہیں کہ ابتداً" بحالت رکوع جماعت میں شامل ہونا درست ہو اور وہ رکعت شمار بھی ہو جائے اگرچہ تمام تکبیریں اور قنوت چھوٹ جائیں۔ واللہ العالم

نماز عیدین کے مستحبات

نماز عیدین میں بارہ امور مستحب ہیں جن کا ذیل میں اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے اور وہ بارہ ہیں۔

(۱) صحراء میں جاکر پڑھنا ہاں مکہ مکرمہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہاں آبادی کے اندر پڑھنا افضل ہے۔ (۲) نہ صرف سجدہ زمین پر کرنا (جیسا کہ مشہور ہے) بلکہ تمام نماز مصلی اور چٹائی بچھائے بغیر زمین پر پڑھنا (جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ (۳) اذان و اقامت کے عوض تین بار الصلوۃ' الصلوۃ' الصلوۃ کہنا۔ (۴) غسل عید کرنا۔ (۵) پاؤں ننگے' پورے سکینہ و وقار کے ساتھ عید گاہ کی طرف جانا۔ (۶) جاتے وقت تکبیر و دعا میں مشغول رہنا۔ (۷) جاتے وقت اور راستہ سے جانا اور واپس آتے وقت دوسرے راستہ سے آنا۔ (۸) سفید رنگ کا عمامہ باندھ کر جانا۔ (۹) عیدالفطر میں نماز سے پہلے کھجور وغیرہ کسی شیرینی سے افطار کرنا اور عید قربان میں نماز عید کے بعد قربانی کے گوشت سے افطار کرنا۔ (۱۰) عیدالفطر میں چار نمازوں یعنی شب عید کی نماز مغرب' عشاء' صبح اور خود نماز عید کے بعد ان تکبیروں کا پڑھنا۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد اللہ اکبر علیٰ ما ھدانا والحمد للہ علیٰ ما ابلانا،

اور عیدالاضحی میں جو لوگ منیٰ میں ہیں وہ عید والے دن کی نماز ظہر سے لے کر مسلسل پندرہ نمازوں کے بعد تیرہویں ذوالحجہ کی نماز صبح تک اور جو لوگ منیٰ میں نہیں وہ مذکورہ بالا نماز ظہر سے لے کر بارہویں ذی الحجہ کی نماز صبح تک دس نمازوں کے بعد یہ تکبیر پڑھیں۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد اللہ اکبر علیٰ ما رزقنا من بھیمۃ الانعام،، (کتب اربعہ)،، (کتب اربعہ) ۱۱۔ نماز کا بالجہر پڑھنا۔ (۱۲) تکبیریں کہتے وقت ہاتھوں کا بلند کرنا۔

نماز عیدین کے مکروہات

نماز عیدین میں چند چیزیں مکروہ ہیں۔

(۱) نماز عید سے پہلے یا اس کے بعد زوال آفتاب تک کسی قسم کا نافلہ پڑھنا۔ (۲) ہتھیار لگا کر نماز پڑھنے جانا۔ ہاں اگر دشمنوں کا خوف ہو تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے۔ (۳) طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے سفر کرنا۔ البتہ طلوع آفتاب کے بعد اس شخص کے لئے جس پر نماز عید پڑھنا واجب ہے بناء بر مشہور (علی الاحوط) سفر کرنا حرام ہے۔ (۴) صحراء کے اندر عید گاہ والا منبر منتقل کرنا بلکہ وہیں مٹی کا مختصر سا منبر تیار کرنا چاہئے۔ (۵) زیر سقف نماز پڑھنا۔ واللہ العالم

مستحبی نمازوں کا بیان

مستحبی نمازوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کے اقسام و انواع بھی بہت زیادہ ہیں جو کتب ادعیہ و عبادات میں مذکور ہیں۔ ہم بنظر اختصار یہاں صرف چند نمازوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔ نوافل یومیہ = نماز پنجگانہ کے نوافل جن کی تعداد چونتیس رکعت ہے بایں ترتیب نماز صبح کی دو، ظہر کی آٹھ، عصر کی آٹھ، مغرب کی چار اور عشاء کی بیٹھ کر دو رکعت جو کہ شمار ایک ہوتی ہے ان کی بجا آوری کی بالخصوص صبح اور مغرب کے نوافل کی بہت تاکید وارد ہوئی ہے۔

۲۔ نماز تہجد = دراصل نماز تہجد آٹھ رکعت ہے اور دو رکعت نماز شفع اور ایک رکعت نماز وتر ان گیارہ رکعتوں کو مجازاً "نماز تہجد یا نماز شب کہہ دیا جاتا ہے سفر و حضر ہر حال میں اس نماز کے پڑھنے کی ارشادات معصومینؑ میں بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ نماز پنجگانہ، اس کے مقررہ نوافل اور اس نماز شب کے ملانے سے شب و روز میں اکیاون رکعت بنتی ہیں جن کا پڑھنا مومن

کے علامات میں سے ہے۔ واللہ الموفق

۳۔ نوافل ماہ رمضان = ماہ رمضان المبارک میں ایک ہزار رکعت نوافل پڑھنا مستحب ہیں قول مشہور و منصور کی بناء پر ان کے پڑھنے کی ترتیب یہ ہے کہ یکم ماہ رمضان سے لے کر بیس تک ہر رات بیس رکعت بایں ترتیب کہ آٹھ رکعت نماز مغرب کے بعد اور بارہ رکعت نماز عشاء کے بعد اور اکیس سے لے کر تیس تک ہر رات تیس رکعت نماز مغرب کے بعد بدستور سابق آٹھ رکعت اور عشاء کے بعد بائیس رکعت۔ یہ کل سات سو رکعتیں ہوگئیں علاوہ بریں انیس، اکیس اور تیئس کی رات کو ایک ایک سو رکعت۔ یہ ہوگئیں مکمل ایک ہزار رکعت۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ ہمارے ہاں ماہ رمضان المبارک کے نوافل کی تعداد برادران اسلامی سے زیادہ ہے فرق صرف یہ ہے کہ ہم جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ کیونکہ یہ بدعت ہے۔ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ سبیلھا الی النار متفق بین الفریقین)

(متفق بین الفریقین) اسلامی برادری کے خلیفہ ثانی کو اس نماز تراویح کے بدعت ہونے کا خود اعتراف ہے ملاحظہ ہو۔ بخاری ج ۱ ص ۱۳۶ طبع دہلی (نعمت البدعۃ ھذہ)

۴۔ نماز اول ہر ماہ = ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو بایں طریق دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے کہ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورہ قل ہو اللہ تیس بار اور دوسری رکعت میں الحمد کے بعد سورہ انا انزلنا۔ تیس بار پھر نماز کے بعد حسب توفیق کچھ صدقہ دے دیا جائے۔ روایت میں وارد ہے کہ جو شخص ایسا کرے گویا اس نے اس مہینہ کی سلامتی خرید لی ہے۔

نیز اس نماز کے بعد درج ذیل دس آیات کا پڑھنا بھی مستحب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ

بسم الله الرحمن الرحيم ، وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ بسم الله الرحمن الرحيم سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ

نماز غفیلہ ۵۔ دو رکعت نماز غفیلہ۔ جو نماز مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھی جاتی ہے اس کو غفیلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ عام لوگ اس کے پڑھنے میں غفلت کرتے ہیں حالانکہ اس کی بڑی فضیلت مروی ہے۔ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد یہ آیات پڑھے۔ "وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمَاتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اور دوسری رکعت میں الحمد کے بعد یہ آیات پڑھے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ بعد دعائے قنوت کے لئے ہاتھ اٹھائے ۔ اور یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ بِمَفَاتِحِ الْغَيْبِ الَّتِىْ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اَنْتَ اَنْ تُصَلِّىَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تَفْعَلَ بِىْ كَذَا وَكَذَا (کذا و کذا کی جگہ اپنی حاجات ذکر کرے) بعد ازاں پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ وَلِىُّ نِعْمَتِىْ وَالْقَادِرُ عَلٰى طَلِبَتِىْ تَعْلَمُ حَاجَتِىْ فَاَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَمَّا قَضَيْتَهَا لِىْ (یہاں پھر اپنی حاجات بیان کرے جو پوری ہوں گی۔ انشاء اللہ

۶۔ نماز ہدیہ میت

نماز ہدیہ میت جو نماز وحشۃ القبر کے نام سے مشہور ہے اگرچہ یہ نماز بطریق ائمہ اطہار مروی نہیں ہے اس لئے بعض فقہاء عظام نے اس کے جواز میں اشکال کیا ہے لیکن چونکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اس لئے احادیث "من بلغ" کے پیش نظر برجاء مطلوبیت اسکے پڑھنے میں بظاہر کوئی اشکال نہیں ہے۔ واللہ العالم۔ اس نماز کو شیخ کفعمی نے مصباح میں کتاب موجز شیخ ابن فہد حلی سے نقل کیا ہے انہوں نے مرسلاً حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میت پر قبر کی پہلی رات سے بڑھ کر کوئی سخت وقت نہیں آتا۔ اس لئے اس رات صدقہ و خیرات دے کر اپنے مرنے والوں پر رحم کرو اور اگر صدقہ نہ دے سکو تو پھر تم میں سے کوئی شخص بایں طور دو رکعت نماز پڑھے۔ پہلی رکعت میں حمد کے بعد آیت الکرسی ایک بار اور دوسری رکعت میں سورہ حمد کے بعد سورہ انا انزلنا دس بار اور سلام کے بعد کہے۔ **اللھم صل علی محمد وال محمد وابعث ثوابھا الی قبر (فلاں)**

(یہاں میت کا نام لے) یہ عمل کرتے ہی خداوند عالم ایک ہزار فرشتوں کو ایک ہزار حلہ دے کر مرنے والے کے پاس بھیجتا ہے اور اس کی قبر کو کشادہ کر دیتا ہے الخ جیسا کہ اس روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ نماز صدقہ نہ دے سکنے کی صورت میں وارد ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو کچھ نہ کچھ صدقہ بھی دیا جائے اور یہ نماز بھی پڑھی جائے نیز روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک شخص کا پڑھنا کافی ہے اس لئے احوط یہ ہے کہ اگر ایک سے زائد افراد پڑھیں تو بقصد ورود نہ پڑھیں بلکہ صرف بقصد رجاء مطلوبیت بجا لائیں۔ دوسری روایت میں اس نماز کی ترکیب یوں مروی ہے کہ پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورہ قل ہو اللہ احد دو مرتبہ اور دوسری میں حمد کے بعد سورۃ الہاکم التکاثر دس مرتبہ پڑھی جائے اور سلام کے بعد کہے۔ اللھم صلی علی محمد وال محمد وابعث ثوابھا الی قبر فلاں اس لئے افضل یہ ہے کہ ہر دو طریق کے مطابق دوبار یہ نماز پڑھی جائے۔ واللہ العالم

۷۔ نماز جعفر طیارؓ

جس کو نماز تسبیح بھی کہا جاتا ہے یہ وہ جلیل المرتبت نماز ہے جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب جعفر طیارؓ کو فتح خیبر کے بعد تعلیم فرمائی تھی احادیث میں اس کے بے حساب اجر و ثواب وارد ہیں نیز وارد ہے کہ اول تو یہ نماز ہر روز پڑھی جائے' ورنہ ہر ہفتہ' ورنہ ہر ماہ ورنہ ہر سال ورنہ پوری زندگی میں ایک بار ضرور پڑھی جائے۔ کیونکہ اس کے پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگرچہ ٹیلہ "عالج" کے ذروں اور سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں نیز اگرچہ یہ نماز ہر وقت پڑھی جا سکتی ہے مگر سب سے افضل بروز جمعہ چاشت کا وقت ہے اسی طرح اس میں حمد کے بعد ہر سورہ پڑھی جا سکتی ہے مگر افضل یہ کہ چار رکعت بدو سلام پڑھی جائے۔ پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورہ زلزال' دوسری میں حمد کے بعد سورہ العادیات' تیسری میں حمد کے بعد سورہ نصر اور چوتھی میں سورۃ توحید ایک ایک بار اس نماز کی اصل خصوصیت تسبیحات کی کثرت ہے بایں طور کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد دوسری سورہ ختم کرنے کے بعد پندرہ بار تسبیحات اربعہ (سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر) بعد ازاں رکوع میں' رکوع سے سر اٹھانے کے بعد' پہلے سجدہ میں' اس سے سر اٹھانے کے بعد' دوسرے سجدہ میں اور اس سے سر اٹھانے اور دوسری رکعت کے لئے اٹھنے سے پہلے دس دس بار یہی تسبیحات پھر

دوسری رکعت میں اسی طرح عمل کیا جائے حتی کہ دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے اور تشہد پڑھنے سے پہلے دس بار پڑھی جائیں اور یہی کیفیت دوسری رکعتوں کی ہے اس طرح ہر رکعت میں پچھتر بار اور مجموعی طور پر تین سو بار تسبیحات اربعہ پڑھی جائیں گی۔ نیز واجبی و مستحبی نماز کی طرح اس نماز میں ہر دوسری رکعت کے رکوع سے پہلے قنوت مستحب ہے اگر کسی حالت میں تسبیحات رہ جائیں یا کم ہو جائیں تو اس کے بعد دوسری حالت میں ان کی تلافی کی جاسکتی ہے اور اگر سلام کے بعد یاد آئیں تو برجاء مشروعیت ان کی قضا کی جاسکتی ہے نیز بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نماز کو نماز شب یا دیگر شب و روز کے نوافل میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے نیز جلدی کی حالت میں بغیر تسبیحات کے بھی پڑھی جاسکتی ہے اور سلام کے بعد جس حال میں چاہے تسبیحات کی قضا ہو سکتی ہے۔ واللہ العالم

۸۔ نماز استخارہ

استخارہ کے سلسلہ میں متعدد قسم کی نمازیں منقول ہیں مگر سب سے زیادہ مستند و معتبر نماز استخارہ ذات الرقاع ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چھ پرچیاں لکھی جائیں تین پر یہ عبارت لکھی جائے۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم خیرۃ من اللہ العزیز الحکیم لفلاں بن فلانہ افعل** اور تین پر یہ عبارت لکھی جائے۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم خیرۃ من اللہ العزیز الحکیم لفلاں بن فلانہ لا تفعل**

(فلاں بن فلانہ کی جگہ صاحب استخارہ اور اس کی والدہ کا نام لکھا جائے۔) پھر ان پرچیوں کو مصلی کے نیچے رکھ کر دو رکعت نماز استخارہ پڑھے اور سجدہ میں سر رکھ کر سو بار پڑھے۔ **استخیر اللہ برحمتہ خیرۃ فی عافیۃ** پھر اٹھ کر بیٹھ جائے اور ایک بار یہ دعا پڑھے۔ **اللھم خرلی و اخترلی فی جمیع اموری فی یُسْر منک وعافیہ**

بعد ازاں زیر مصلی ہاتھ لے جا کر ان پرچیوں کو خوب باہم ملا دے اور پھر یکے بعد دیگرے نکالے۔ اگر مسلسل وہ تین پرچیاں نکلیں۔ جن پر "افعل" لکھا ہے تو وہ کام کرے کہ بہت خوب ہے اور اگر مسلسل تینوں لا تفعل والی پرچیاں برآمد ہوں تو وہ کام ہرگز نہ کرے کہ بہت بد ہے اور اگر مختلف پرچیاں برآمد ہوں کہ بعض پر افعل اور بعض پر لا تفعل ہو تو پھر چار یا زیادہ سے زیادہ پانچ تک نکالے اور جس قسم کی پرچیاں زیادہ ہوں۔ اس کے مطابق عمل درآمد کرے۔

واللہ الموفق

۹۔ نماز ھدیہ والدین

یہ نماز گو شب و روز میں ہر وقت پڑھی جاسکتی ہے مگر دن میں پڑھنا افضل ہے یہ جو رسم ہے کہ اسے مغربین کے بعد پڑھنا بہتر خیال کیا جاتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اس کے دو طریقے مروی ہیں۔ (۱) دو رکعت نماز پہلی رکعت میں حمد کے بعد دس بار یہ آیت پڑھے۔ **رب اغفرلی ولو الدی و للمومنین یوم یقوم الحساب**

اور دوسری رکعت حمد کے بعد دس بار یہ آیت پڑھے۔ **رب اغفرلی ولو الدی ولمن دخل بیتی موسنا وللمؤمنین والمومنات**

اور سلام کے بعد دس بار یہ پڑھے۔ **رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا** (۲) دو رکعت پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورہ انا انزلنا۔ ایک بار اور دوسری رکعت میں حمد کے بعد سورہ انا اعطیناک الکوثر ایک بار' نیز یہی نماز والدین اپنی مردہ اولاد کے لئے بھی پڑھ سکتے ہیں ان کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ رات کے وقت پڑھیں۔ **(کما ورد عن الصادق علیہ السلام)**

۱۰۔ نماز وسعت رزق

دو رکعت نماز پڑھے۔ پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورہ انا اعطیناک الکوثر تین بار اور دوسری رکعت میں حمد کے بعد سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تین تین بار پڑھے اور بعد ازاں خدا سے وسعت رزق کا سوال کرے' نیز رزق کی وسعت اور قرض کی ادائیگی کے لئے یہ نماز بھی منقول ہے کہ کامل وضو کرکے مکمل رکوع و سجود کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے اور سلام کے بعد یہ دعا پڑھے۔

يَا مَاجِدُ يَا كَرِيمُ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنِّي اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ رَبِّي وَرَبِّكَ وَرَبِّ كُلِّ شَيْءٍ وَاَسْئَلُكَ اللّٰهُمَّ اَنْ تُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَاَهْلِ بَيْتِهِ وَاَسْئَلُكَ نَفْحَةً كَرِيمَةً مِنْ نَفَحَاتِكَ وَفَتْحًا يَسِيرًا وَرِزْقًا وَاسِعًا اَلُمُّ بِهِ شَعْثِي وَاَقْضِي بِهِ دَيْنِي وَاَسْتَعِينُ بِهِ عَلَى عِيَالِي۔

۱۱۔ نماز دفع عسرت و سختی

جو شخص عسرت و سختی میں گرفتار ہو وہ بوقت زوال آفتاب بایں ترکیب دو رکعت نماز پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد سورہ قل ہو اللہ احد ایک بار اور سورہ انا فتحنالک فتحا۔ ابتداء سے لے کر "ینصرک نصرا" عزیزا" تک ایک بار اور دوسری رکعت میں حمد کے بعد سورہ قل ہو اللہ احد اور سورہ الم نشرح ایک ایک بار ہر قسم کی سختی دور ہو جائے گی۔ بعض ذمہ

دار علماء کا بیان ہے کہ یہ نماز اس مقصد کے لئے مجرب ہے۔

۱۲۔ نماز طلب حاجت

نماز ہائے طلب حاجت بکثرت ہیں ہم صرف ایک نماز کے تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں یہ نماز حاجت شب جمعہ یا شب عید قربان میں پڑھی جاتی ہے دو رکعت ہر رکعت میں سورہ حمد ایک بار مگر آیت مبارکہ ایاک نعبدو ایاک نستعین کا سو بار تکرار کیا جائے اور حمد کے بعد سورہ قل ہو اللہ احد دو سو بار سلام کے بعد ستر بار۔ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** بعد ازاں سر سجدہ میں رکھ کر دو سو مرتبہ یا رب یا رب کا ورد کیا جائے بعد ازاں حاجت طلب کی جائے کہ پوری ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز

مستحبی نمازوں کے مسائل و احکام

گو ان مسائل و احکام میں سے اکثر و بیشتر بلکہ تمام مسائل قبل ازیں ضمنی طور پر مختلف مقامات پر ذکر کئے جا چکے ہیں۔ مگر ان کا یہاں یکجا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۔ تمام مستحبی نمازوں کو اختیاری حالت میں بھی بیٹھ کر پڑھا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں افضل یہ ہے کہ دو رکعت کو ایک ایک شمار کیا جائے۔ الغرض دو رکعت کی چار اور چار رکعت کی جگہ آٹھ رکعت پڑھی جائیں۔

مسئلہ ۳۔ تمام مستحبی نمازیں دو دو رکعت کر کے پڑھی جاتی ہیں سوائے نماز اعرابی کے (کہ وہ دس رکعت ہے اور اس کی آٹھ رکعتیں چار چار کر کے پڑھی جاتی ہیں) اور سوائے نماز وتر کے (کہ وہ صرف ایک رکعت ہے)

مسئلہ ۴۔ نوافل چلنے کی حالت میں بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔

مسئلہ ۵۔ ان میں دوسری سورہ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف سورہ حمد پر اکتفا کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ ۶۔ ان میں حمد کے بعد ایک سے زائد سورتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ ۷۔ ان میں "سور عزائم" (جن میں واجب سجدے ہیں) پڑھی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ ۸۔ ان کے اندر اگر رکعتوں میں شک پڑ جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی بلکہ اقل یا اکثر پر بنا رکھ کر نماز کو مکمل کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۹۔ ان میں سہویات کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

مسئلہ ۱۰۔ اان کو شروع کر کے اختیاری حالت میں بھی قطع کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ ان کو جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے سوائے نماز طلب باران کے۔

مسئلہ ۱۲۔ بہ نسبت مسجد کے نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل ہے (واللہ العالم)

تم باب الصلوۃ والحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد والہ الطاہرینؑ

باب الزکواۃ

(واتوا الزکواۃ)

زکواۃ' اس کی حقیقت اور اس کے احکام کا بیان

ارباب بصیرت پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ دین اسلام میں نماز کے بعد سب سے بڑا رکن زکواۃ ہے قرآن مجید میں قریباً" چالیس مقامات پر (۳۷ مقام) اقام "ا لصلواۃ) کے ساتھ ایتاء الزکواۃ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اسے کبھی رانفاق' کبھی "انفاق فی سبیل اللہ" کبھی صدقہ اور کبھی زکواۃ کے مختلف ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے نماز کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور زکوۃ کا حقوق العباد کے ساتھ۔ ان کا ہر جگہ یکجا تذکرہ کرنا حقوق اللہ کی طرح حقوق العباد کی اہمیت کی واضح دلیل ہے۔

وجوب زکواۃ کی اصلی غرض وغایت

انسانی زندگی کے چونکہ دو شعبے ہیں ایک ظاہر اوردوسرا باطن اور اسلام انسان کی ظاہری وباطنی زندگی کی اصلاح کا کفیل ہے۔ کیونکہ بموجب ارشاد قدرت (ظاہری اور باطنی گناہ کو چھوڑ دو) انسان کا حقیقی فضل و کمال اور مجد و شرف ظاہر و باطن ہر دو کی اصلاح میں ہے۔ چنانچہ زکواۃ میں ان ہر دو پہلوؤں کا خیال رکھا گیا ہے اس کا مرکزی مقصد تو وہی ہے جو خود لفظ زکواۃ کے اندر مضمر ہے کیونکہ اس کے اصلی معنی ہیں (پاکی اور صفائی) یعنی گناہ اور ہر قسم کی قلبی و روحانی برائیوں سے پاک ہونا۔ **قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا** (شمس) جس شخص نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اس کو میلا کیا وہ نامراد ہوا تزکیہ نفوس کو وظائف نبوت میں شامل کیا گیا ہے۔ **یتلوا علیھم ایاتہ ویز کیھم ویعلمھم الکتاب والحکمتہ** اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام میں تزکیہ نفس کی کیا اہمیت ہے؟ انسان کی روحانی بیماریاں بالعموم دو وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) خدا کے خوف اور خدا سے محبت کا فقدان۔ (۲) مال و دولت اور دیگر اسباب والات دنیوی سے محبت کا وجدان اسلام نے پہلے سبب کا ازالہ نماز کے ذریعے کیا ہے اور دوسرے سبب کا قلع قمع زکواۃ سے کیا ہے۔ خلاق عالم اپنے نبی اعظمؐ سے خطاب کرکے فرماتا ہے۔ **خذ من اموالھم صدقۃ تطہر ھم وتز کیھم بھا** (توبہ) ان کے مالوں سے مال زکواۃ لے کر ان کو پاک و پاکیزہ بناؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے پاک ہونے کے ساتھ آئینہ نفس کا سب سے بڑا زنگ یعنی محبت مال دور ہو جاتا ہے اور اس سے بخل ایسی مہلک بیماری کا علاج بھی ہو جاتا ہے **ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون** (تغابن) اور جو لوگ نفس کی بخیلی سے محفوظ رہیں وہی رستگاری حاصل کرنے والے ہیں۔ اس سے حرص کم ہوتی ہے (جو کفر کی جڑ ہے) بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی و غمگساری کا صالح جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو جوہر انسانیت ہے) اور شخصی مفاد کی بجائے جماعتی بلند اغراض کے لئے ایثار و قربانی کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے جو انسانیت کا سرمایہ افتخار ہے **ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ** اور یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر حسن خلق اور تہذیب و تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے اور آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص خدا کی دی ہوئی دولت سے خدا کے بندوں کا حق ادا نہیں کرتا اس کا مال بھی ناپاک اور اس کا نفس بھی ناپاک ہے کہ خدا نے اس کو ضرورت سے زیادہ دولت عطا فرمائی مگر یہ اپنی خودغرضی زر پرستی اور احسان نافراموشی کی وجہ سے اس کے احسان و امتنان کا حق ادا نہیں کرتا ایسے شخص سے اور کسی خیر و خوبی کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ **ھل جزا الاحسان الا الاحسان**

۲۔ غرباء و مساکین اور معذور لوگوں سے صحیح ہمدردی

انسانی معاشرہ کا یہی وہ مظلوم طبقہ ہے جس کے ساتھ ویسے تو تمام مذاہب نے ہمدردی ظاہر کی ہے اور ان کی تسکین کیلئے بڑے بڑے خوش آیند الفاظ بھی استعمال کئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی کی زندگی کی تلخی محض الفاظ کی شیرینی سے دور نہیں ہو سکتی جب تک اس کی تکلیف و مصیبت کو دور یا کم کرنے کیلئے کوئی عملی تدابیر اور چارہ جوئی نہ کی جائے پیغمبر اسلام صلی اللہ وآلہ وسلم وہ پہلے اور آخری شخص ہیں جنہوں نے اس گروہ کے ساتھ (زکواۃ خمس وغیرہ

صدقات و خیرات کے ذریعہ) عملی ہمدردی ظاہر فرمائی ہے اور اس طبقہ کی مصیبتوں کو کم کرنے کی عملی چارہ جوئی کی ہے (جس کی تفاصیل بعد ازیں آرہی ہیں)

۳۔ مسئلہ معیشت کی اہمیت

انسانی معاش کا مسئلہ گو ہمیشہ سے ہر زمانہ میں افراد جماعتوں' قوموں اور ملکوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے مگر موجودہ دور میں ضروریات زندگی کی ہوشربا گرانی اور روز بروز کی بڑھتی ہوئی آبادی نے اس مسئلہ کو اور بھی زیادہ اہم اور پیچیدہ بنا دیا ہے اور اب تو رفتہ رفتہ نوبت بایجا رسیدہ کہ لوگ روٹی کپڑا اور مکان کے نام پر ایمان کا سودا بھی کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں بلکہ کر رہے ہیں اور طالع آزما لوگ عام لوگوں کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں اور یہ لوگ ہیں کہ سراب کو آب سمجھ کر انکے دام تزویر میں گرفتار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ المستعان

۴۔ نظام سرمایہ داری اور اسکی کمزوری

انسانی معاشرہ کے اسی کمزور اور قابل رحم طبقہ کے مسائل سلجھانے کے لئے جو مختلف مکتبہ ہائے فکر کام کر رہے ہیں ان میں زیادہ نمایاں حیثیت دو نظاموں کو حاصل ہے جو دنیا کے مختلف علاقوں میں پر مسلط ہیں ایک نظام سرمایہ داری ہے اور دوسرا نظام اشتراکیت و سوشلزم ہے مگر اصل مسئلہ نہ صرف جوں کا توں ہے بلکہ سلجھنے کی بجائے غلط علاج کی وجہ سے مزید الجھ کر رہ گیا ہے اس نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں آدمی حلال و حرام اور خوف خدا کی قید سے آزاد ہو کر دنیا کے مال و متاع کو جمع کرتا چلا جاتا ہے اس میں خود غرضی اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ وہ لتمند آدمی جماعت کے ان افراد کا حق ماننے سے انکار کر دیتا ہے جو دولت کی تقسیم میں حصہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں یا جن کو بہت کم حصہ ملا ہے خدا نے زمین میں جو اسباب معیشت پیدا کئے ہیں وہ بلا شرکت ان کو اپنا حق اور ان کو اپنی آسائش 'آرائش رہائش تفریح طلبی خوش باشی اور عیاشی پر صرف کرنے کا مجاز سمجھتا ہے اور حاجت مند طبقہ کو فاقہ کشی 'خستہ حالی اور معاشی بحران میں مبتلا رکھنے میں مزید وسائل معیشت پر قبضہ کرنے کی تدبیریں سوچتا ہے اور اگر وہ کبھی کبھار کسی مد میں روپیہ خرچ بھی کرتا ہے تو محض شہرت اور نام و نمود کے لئے ورنہ اسے خدا کی اس مظلوم مخلوق سے ذرہ بھر ہمدردی نہیں ہوتی بلکہ وہ غریب کو غریب تر اور محتاج کو محتاج تر بنا کر ان کا خدا اور ان کا داتا بننے کی کوشش کرتا ہے الغرض اس نظام میں

نہ تو مال و دولت جمع کرتے وقت حلال و حرام کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے خرچ کرنے میں جائز و ناجائز کے حدود کی پابندی کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ نظام غربت و افلاس کی بیماری کا علاج کرنے کی بجائے اس میں اضافہ کا باعث بنا ہے۔

۵۔ نظام اشتراکیت اور اس کی خرابی

نظام سرمایہ داری کے بالمقابل جو نظام بڑے شد و مد اور بڑے بلند و بانگ دعووں کے ساتھ ان معاشی مسائل کو سلجھانے کیلئے میدان میں آیا وہ ہے نظام اشتراکیت اس کا بنیادی منشور یہ ہے کہ "پیدائش دولت کے تمام وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعتی ملکیت میں دے دیئے جائیں اور پھر ضروریات زندگی کو وہی جماعت افراد پر تقسیم کرے بظاہر یہ منشور بڑا خوش آیند نظر آتا ہے لیکن اگر اس کے عملی پہلوؤں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نتائج بھی اتنے ہی خراب ہیں جتنے کہ پہلے نظام کے ہیں۔

ذرا غور کرو جب تمام ذرائع معاش اور (دیگر طاقت کے سرچشمے) ایک مختصر سی جماعت کے قبضہ میں ہوں گے تو اس طرح تمام آبادی اس کی مٹھی میں بے بس ہو کر رہ جائے گی۔ اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی دم نہ مار سکے گا اور جس شخص سے اس جماعت کی نظر پھر جائے گی وہ تمام وسائل حیات سے محروم ہو جائے گا نہ وہاں کوئی منظم طاقت ابھر سکے گی جو اس جماعت کو اقتدار سے ہٹا سکے نہ کسی مزدور میں سکت ہو گی کہ ہڑتال کر کے اپنا کوئی مطالبہ منوا سکے الغرض اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام سرمایہ داروں کو کھا کر ایک بڑا سرمایہ دار تمام کارخانہ داروں اور زمینداروں کو کھا کر ایک بڑا کارخانہ دار اور زمیندار وجود میں آکر لوگوں پر مسلط ہوجائے گا اور وہی بیک وقت زار اور قیصر بھی ہو گا درحقیقت یہ ظلم اجتماعی کی وہ بدترین شکل ہے جس کی نظیر کسی نمرود کسی فرعون اور کسی چنگیز خان کے دور میں بھی نہیں مل سکتی کیا اس کا نام عدل اجتماعی ہے کہ ایک یا چند اشخاص بیٹھ کر اجتماعی فلسفہ تصنیف کریں پھر زبردستی حکومت پر قبضہ کر کے اور غیر محدود اختیارات حاصل کر کے اس فلسفہ نظام کو بزور شمشیر ملک کے کروڑوں باشندوں پر ٹھونس دیں لوگوں کے اموال ضبط کریں زمینوں پر قبضہ کریں کارخانوں کو اپنی تحویل میں لیں اور پورے ملک کو ایک جیل خانہ میں تبدیل کر دیں۔ تنقید شکوہ و شکایت اور داد و فریاد کے دروازے بند کر دیں؟؟ ان باتوں کو بھی چھوڑیئے کیا جن ممالک میں اشتراکیت نافذ ہے وہاں

حاکموں اور محکوموں کے درمیان معاشی مساوات ہے؟ اور کیا زندگی کا سکون میسر ہے؟ لاواللہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ اس روگ کا مداوا کرنے سے اشتراکیت بھی قاصر ہے یہی وجہ ہے کہ اب روس میں اس کا جنازہ اٹھ رہا ہے۔

۶۔ اسلام کا نظام معیشت

اسلام چونکہ دین فطرت ہے۔ اس لئے اس نے جو حل پیش کیا ہے وہ مطابق فطرت ہونے کی وجہ سے قابل قبول ہے اسلام فرد اور جماعت کے درمیان ایسا توازن قائم رکھنا چاہتا ہے جس سے فرد کی شخصیت 'اسکی انفرادیت اور اس کی آزادی بھی برقرار رہے مگر اس کی یہ شخصی آزادی اجتماعی مفاد کیلئے نقصان دہ بھی ثابت نہ ہو بلکہ اس کے لئے فائدہ رساں ہو الغرض اسلام فرد اور جماعت کے درمیان تعاون کی خوشگوار فضا پیدا کرنا چاہتا ہے وہ فرد کو جماعت میں مدغم نہیں کرتا اس لئے جہاں اسلام مذکورہ بالا اشتراکی نظام کی حمایت نہیں کرتا جس میں انسان کی شخصی آزادی کا گلا گھونٹ کے جماعتی شکنجہ میں جکڑ دیا جائے اور اس کی شخصیت اور اس کی نشوونما کو قتل کر دیا جائے وہاں وہ ایسی مطلق العنانی اور پدر و مادر آزاد' آزادی کو بھی پسند نہیں کرتا۔ جس میں جائز و ناجائز کا لحاظ نہ کیا گیا ہو جس میں اپنے شخصی مفاد کی خاطر جماعتی مفاد کو نقصان پہنچانا روا ہو۔ بلکہ اسلام نے ایک درمیانی راستہ اختیار کیا ہے۔

۷۔ حصول دولت کے ذرائع

یہ درست ہے کہ اسلام شخصی ملکیت کا قائل ہے۔ یعنی وہ انسان کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ خدا کی زمین میں رہ کر اپنی طبیعت کے رحجان اور اپنی خدا داد استعداد و قابلیت کے مطابق اپنی زندگی کا سامان تلاش کرے۔ اور اسباب معیشت جمع کرے لیکن وہ اس کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ طلب معاش میں مخرب اخلاق یا نظام تمدن کو بگاڑنے والے ذرائع اختیار کرے خلاصہ یہ کہ وہ کسب معاش کے ذرائع اور روزی کمانے کے اسباب میں حلال و حرام کی کچھ قیود عائد کرتا ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ نقصان رساں ذرائع کو حرام اور ان کے ذریعے سے رزق حاصل کرنے کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اسلام کی شریعت میں شاہد و شراب' سود و رشوت' غناد سرور' چوری و ڈاکہ زنی' جوا و سٹہ بازی' دھوکہ دہی اور فریب کاری اور ملاوٹ وغیرہ ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

۸۔ حقوق ملکیت اور اصول صرف

جو دولت و جائیداد جائز ذرائع سے حاصل کی جائے اسلام اس شخص کے حقوق ملکیت کو تسلیم کرتا ہے مگر یہاں بھی وہ اسے اس کے استعمال کرنے میں بالکل آزاد نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اس سلسلہ میں بھی جائز و ناجائز کی کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے اور مال خرچ کرنے جس قدر اخلاق اور معاشرہ کو نقصان پہنچانے والے طریقے ہیں جیسے شرابخواری' زنا کاری' جوا بازی' عیاشی و بدمعاشی وغیرہ ان سب کو ممنوع قرار دیتا ہے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جائز طریقہ سے حاصل کی ہوئی دولت کو اپنی جائز اور معقول ضروریات زندگی پر بقدر ضرورت صرف کیا جائے اور اگر اس سے کچھ بچ رہے تو اسے نیکی اور رفاہ عامہ کے کاموں میں اور معاشرہ کے ان مظلوم لوگوں کی امداد میں صرف کیا جائے جو معاشی دولت میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حصہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں جیسے فقیر' مسکین' مقروض' اندھے' لولے لنگڑے یتیم اور بیوہ وغیرہ اس حصہ کا اسلام میں دوسرا نام زکواۃ' خمس' صدقہ اور خیرات ہے الغرض اگرچہ اسلام میں ملکیت کی کوئی حد معین نہیں ہے لیکن اگر دولت کمانے اور اس کے خرچ کرنے کے متعلق اسلامی احکام و قوانین کی پابندی کی جائے تو پھر کوئی انتہائی دولت مند اور سرمایہ دار بن سکتا ہی نہیں ہے۔ کمالا یخفی

۹۔ زکواۃ کی معاشی اہمیت و افادیت

شریعت اسلامیہ میں جس نہج پر زکواۃ کی تقسیم کا انتظام کیا گیا ہے اس سے اس کی معاشی افادیت و اہمیت کا باسانی اندازہ ہو جاتا ہے (اس کی تفصیل تو مصرف زکواۃ کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔ یہاں صرف اس کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے) ارشاد قدرت ہے۔ **انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمولفة قلو بهم و فی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل** (توبہ ۶۰) "صدقات تو دراصل فقراء و مساکین کیلئے ہیں اور ان کارکنوں کے لئے جو صدقات کی تحصیل پر مقرر ہوں اور ان لوگوں کیلئے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور لوگوں کی گردنیں بند اسیری سے چھڑانے کیلئے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے کیلئے اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کیلئے اور مسافروں کیلئے"۔

یہ مسافروں کی کواپریٹو سوسائٹی ہے یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے یہ ان کے بے کاروں کا سرمایہ اعانت ہے۔ یہ ان کے معذوروں' اپاہجوں' بیماروں' غریبوں' یتیموں' بیواؤں اور بے روزگاروں کا ذریعہ پرورش ہے یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ مسلم معاشرہ

میں کوئی شخص ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے گا اور ان سب سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمان کو فکر فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے اس کا سیدھا سادھا اصول یہ ہے کہ آج تم مالدار ہو تو دوسروں کی مدد کرو کل تم نادار ہو گئے تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے تمہیں یہ فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ مفلس ہو گئے تو کیا بنے گا؟ مر گئے تو بیوی بچوں کا کیا حشر ہو گا؟ کوئی آفت ناگہانی آپڑی' بیمار ہو گئے' گھر میں آگ لگ گئی' سیلاب آگیا' دیوالیہ نکل گیا تو ان مصیبتوں سے مخلصی کی کیا سبیل ہو گی؟ سفر میں پیسہ ساتھ نہ رہا تو کیونکر گزر بسر ہو گی؟ ان سب فکروں سے صرف زکواۃ تم کو ہمیشہ کیلئے بے فکر کر دیتی ہے تمہارا کام بس اتنا ہے کہ اپنی پس انداز کی ہوئی دولت میں سے ایک حصہ دے کر اللہ کی انشورنش کمپنی میں اپنا بیمہ کرالو۔ اس وقت تم کو اس دولت کی ضرورت نہیں ہے یہ ان کے کام آئے گی جو اس کے ضرورت مند ہیں کل جب تم ضرورت مند ہوگے یا تمہاری اولاد ضرورت مند ہو گی تو نہ صرف تمہارا اپنا دیا ہوا بلکہ ضرورت ہوئی تو اس سے بھی زیادہ تم کو واپس مل جائے گا۔ (از معاشیات اسلام)

۱۰۔ زکواۃ ٹیکس نہیں بلکہ عبادت ہے

مذکورہ بالا بیان حقیقت ترجمان سے ناظرین کرام پر یہ حقیقت واضح و عیاں ہو گئی ہے کہ زکواۃ کوئی حکومتی ٹیکس نہیں بلکہ نماز و روزہ کی طرح ایک عبادت اور ارکان اسلام میں سے ایک عظیم الشان اسلامی رکن ہے لہذا جس طرح کوئی اسلامی حکومت اپنے ملازم طبقہ سے دفتر وغیرہ کا کام لیکر ان کو نماز کی بجا آوری سے سبکدوش نہیں کر سکتی اس طرح وہ لوگوں سے ٹیکس وصول کر کے زکواۃ کی چھٹی بھی نہیں دے سکتی۔ اور نہ ہی کوئی غیر شرعی حکومت اسے رعایا سے بجبر وصول کر سکتی ہے کہ ایسا کرنا زکواۃ کی شان عبادت کے منافی ہے۔

۱۱۔ زکواۃ ادا کرنے کا ثواب

خداوند عالم نے قرآن مجید میں جابجا زکواۃ اور صدقہ دینے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ **ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما" و اسیرا"** (دھر) باوجود اپنی احتیاج کے مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (۲) **مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبتہ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلتہ ماۃ حبتہ** (البقرہ ۲۶۱) "جو لوگ خدا کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر ہر بالی میں سو سو

دانہ ہو گا۔ (۳) **وفی اموالھم حق للسائل والمحروم** (الذاریات) ان اہل ایمان کے مال میں مانگنے اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے۔ (۴) **ومما رزقنٰھم ینفقون** (البقرہ) "متقیوں کی ایک علامت یہ ہے کہ ہم نے ان کو جو روزی دی ہے اس سے کچھ (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ (۵) **الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیہ** اہل ایمان وہ ہیں جو رات اور دن میں پوشیدہ اور کھلم کھلا طور پر اپنے مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ (۱) حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **ان اللہ سبحانہ فرض فی اموال الاغنیاء اقوات الفقرا فما جاع فقیر الابما منع غنی واللہ تعالی جاہ سائلھم عن ذلک۔** خداوندعالم نے دو لتمندوں کی دولت میں فقراء کی روزی فرض قرار دی ہے جب بھی کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے۔ تو مالدار کے حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے اور خدا تعالی ضرور ان سے اس کی باز پرس کرے گا۔ (نہج البلاغہ) (۲) بکثرت روایات میں یہ مضمون وارد ہے کہ **لو ان الناس ادوا زکوۃ اموالھم ما بقی فقیر محتاجا** "اگر لوگ اپنے مال کی زکواۃ ادا کرتے تو کوئی مسلمان فقیر باقی نہ رہتا۔ (کافی) نیز یہ بھی وارد ہے۔ (۳) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **وان احب الناس الی اللہ اسخاھم کفا" واسخی الناس من ادی زکوۃ مالہ ولم یبخل بما افترض اللہ لھم من مالہ** خدا کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب سخی ہے اور سب سے بڑا سخی وہ ہے جو اپنے مال کی زکواۃ ادا کرنے میں بخل نہ کرے۔ (فقیہ) (۴) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک حج کرنا مجھے ستر غلام راہ خدا میں آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے اور ایک غریب خاندان کے خوردونوش کی کفالت کرنا ستر حج ادا کرنے سے مجھے زیادہ مرغوب ہے (کافی) (۵) حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **ان السخی قریب من اللہ قریب من الجنتہ قریب من الناس والبخیل بعید من اللہ و بعید من الجنتہ وبعید من الناس** (عیون الاخبار) سخی خدا کے قریب ہے سخی جنت کے قریب ہے سخی لوگوں کے قریب ہے بخیل خدا سے دور ہے جنت سے دور ہے اور لوگوں سے بھی دور ہے۔ (۶) حضرت رسول خدا ﷺ سے مروی ہے سخی وہ جو زکواۃ وغیرہ واجبی مالی حقوق ادا کرتا ہے اور بخیل وہ ہے جو زکواۃ وغیرہ واجبی مالی حقوق ادا نہیں کرتا (امالی شیخ طوسی)"

۱۱۔ زکواۃ ادا نہ کرنے کا عقاب؟

قرآن و حدیث تارک زکواۃ کی مذمت سے چھلک رہے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے۔ **والذین**

یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشر ھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوٰی بھا جباھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنز تم لا نفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون (توبہ۔ ۵) جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے رہتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دو جس دن وہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ اور ان کی پیشانیوں پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا آج اس کا ذائقہ چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔

(۲) ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم سیطوقون ما بخلوا یوم القیامۃ (آل عمران) جو لوگ خدا کے دیئے ہوئے فضل (مال) میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے جس مال میں انہوں نے بخل کیا ہے اس کا طوق قیامت کے دن ان کی گردن میں ڈالا جائے گا۔ (۱) حضرت رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں۔ ما من ذی زکوٰۃ مال نخل اوزرع او کرم یمنع زکوٰۃ مالہ الا قلدہ اللہ تربتہ ارضہ یطوق بھا من سبع ارضین الی یوم القیامۃ۔ جس شخص پہ گندم، کھجور، انگور وغیرہ مال کی زکواۃ واجب ہو اور وہ ادا نہ کرے تو خدا تعالیٰ اس مال کی زمین کا ساتوں طبقوں سمیت طوق بنا کر قیامت تک اس کی گردن میں ڈالے گا۔ (کافی) مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں جناب محمد بن مسلم روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ اسلام سے اس کا مطلب دریافت کیا آپ نے فرمایا۔ یا محمد ما من احد یمنع من زکوٰۃ مالہ شیا" الا جعل اللہ ذلک یوم القیامۃ ثعبانا من نار مطوقا فی عنقہ ینھش من لحمہ حتی یفرغ من الحساب۔ اے محمد جو شخص بھی اپنے مال کی زکواۃ ادا نہیں کرتا خدائے تعالیٰ قیامت کے دن اس مال کو جہنم کا سانپ بنا کر اس کی گردن میں ڈالے گا جو اس کے گوشت کو نوچے گا یہاں تک کہ وہ حساب سے فارغ ہو گا۔ (کافی) نیز بروایت ابو بصیر انہی جناب سے مروی ہے فرمایا۔ من منع قیراطا" من الزکوٰۃ فلیمت ان شلہ یھودیا او نصرانیا۔ جو شخص بمقدار ایک قیراط (بارہ جو کے برابر) زکواۃ ادا نہ کرے وہ خواہ یہودی ہو کر مرجائے اور خواہ نصرانی ہو کر (کافی اور عقاب الاعمال)

انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا۔ من منع قیراطا" من الزکوٰۃ فلیس بمومن ولا مسلم (کافی و صافی) جو شخص بمقدار ایک قیراط کے زکواۃ ادا نہ کرے وہ مومن ہے اور نہ حقیقی مسلمان

(انصا") انہی جناب سے منقول ہے فرمایا۔ **ما ضاع مال فی برولا بحر الا بمنع الزکوۃ** یعنی خشکی یا تری میں جہاں بھی کسی کا کچھ مال ضائع ہوتا ہے یہ سب نتیجہ ہے زکواۃ ادا نہ کرنے کا (عقاب الاعمال) خلاصہ کلام یہ کہ زکواۃ کی اہمیت کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ نماز کی قبولیت اس کے ساتھ وابستہ ہے جو شخص زکواۃ ادا نہیں کرتا اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **ان اللہ قرن الزکوۃ بالصلوۃ قال اقیموا الصلوۃ واتو الزکوۃ فمن اقام الصلوۃ ولم یوت الزکوۃ فلم یقم الصلوۃ۔** خدا نے نماز کے ساتھ ملا کر زکواۃ کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے نماز قائم کرو اور زکواۃ دو۔ پس جو شخص (بظاہر) نماز تو قائم کرتا ہے مگر زکواۃ ادا نہیں کرتا۔ تو گویا اس نے نماز بھی قائم نہیں کی (کافی) دیدہ بینا اور گوش شنوندہ رکھنے والوں کیلئے زکواۃ کی اہمیت و عظمت ظاہر کرنے کیلئے اتنی مقدار کافی وافی ہے۔ واللہ الموفق۔

وجوب زکواۃ کے شرائط

وجوب زکواۃ کی پانچ شرطیں ہیں اگر ان میں سے صرف ایک بھی نہ پائی جائے تو زکواۃ واجب نہ ہوگی۔

اول۔ بلوغ چونکہ نابالغ شرعی احکام کا مکلف نہیں ہے خواہ یتیم ہو اور خواہ غیر یتیم بہرحال اس پر زکواۃ واجب نہیں ہے اور بناء برا شہر و اظہر اس سلسلہ میں نقدین (سونا چاندی) غلات اور مویشی میں کوئی فرق نہیں ہے اور جس حدیث میں یہ وارد ہے کہ طفل نابالغ کے غلات میں زکواۃ واجب ہے وہ بناء بر تحقیق تقیہ پر محمول ہے وجوب زکواۃ کے سلسلہ میں جن چیزوں میں سال گزرنے کی شرط ہے جیسے نقدین اور مویشی تو بچہ پر ان میں زکواۃ اس صورت میں واجب ہوگی کہ بلوغ کے بعد ایک سال تک اسکے قبضہ میں رہیں۔ پس اگر وہ آخر سال میں بالغ ہو جائے تو علی الاظہر اس پر زکواۃ واجب نہ ہوگی۔

دوم۔ عقل بالاتفاق عقل شرط تکلیف ہے لہذا۔ مجنون (دیوانہ) پر زکواۃ واجب نہیں ہے اور بناء بر مشہور و منصور اس سلسلہ میں جنون کی ہر دو قسم یعنی "جنون مطبق" (جو مسلسل رہتا ہے) اور جنون ادواری (جس کے کبھی کبھار دورے پڑتے ہیں) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہاں البتہ جن چیزوں میں سال کا گزرنا ضروری ہے اگر ان کا نصاب سال بھر اس کے پاس رہے اور اس اثناء میں اسے جنون کا دورہ نہ پڑے تو پھر علی الاقرب زکواۃ واجب ہوگی۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر طفل نابالغ یا مجنوں کا ولی و سرپرست ان کے مال سے ان کیلئے تجارت کرے تو اس صورت میں جو منافع بچے اور دیوانہ کو ملے گا۔ اس میں زکواۃ مستحب ہے جیسا کہ جناب محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کیا یتیم کے مال میں زکواۃ ہے۔ فرمایا لا نہیں پھر فرمایا **الا ان یتجربہ او یعمل بہ** مگر یہ کہ اس مال سے تجارت کی جائے یا کسی اور کاروبار میں لگایا جائے۔ (کافی) اسی طرح مجنوں کے متعلق بھی روایت موجود ہے۔

مسئلہ ۲۔ نابالغ (اور مجنوں) کا ولی (ناظر و نگران) جبکہ ملی (مالدار) ہو تو اسے شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ ان کے مال کو بطور قرض وغیرہ اپنے ذمہ لے کر اس سے اپنے لئے تجارت کرے اس صورت میں جو منافع حاصل ہوگا وہ ولی کا ہوگا اور اس صورت میں زکواۃ بھی اس پر مستحب ہو گی۔

مسئلہ ۳۔ اگر یہ مال اپنے ذمہ لینے والا ولی نہ ہو۔ یا ولی تو ہو مگر ملی (مالدار) نہ ہو تو اس صورت میں اس کیلئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کرے گا تو وہ مال کا ضامن ہوگا اور منافع بہرحال بچہ اور دیوانے کو ہی ملے گا (علی اشکال فیہ) اور اس صورت میں زکواۃ کسی پر بھی مستحب نہ ہوگی۔ تاجر پر اس لئے نہیں کہ مال اس کا نہیں اور بچہ وغیرہ پر اس لئے نہیں کہ تجارت ان کیلئے کی نہیں گئی۔ واللہ العالم۔

سیوم۔ آزادی' بالاتفاق غلام پر زکواۃ واجب نہیں ہے اس میں کوئی فرق نہیں خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ غلام مال کا مالک ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے یا اس کے قائل ہوں کہ وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ خود اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے اس کے آقا کی ملکیت ہے جیسا کہ مشہور ہے بہرنوع زکواۃ کے وجوب میں آزاد ہونا شرط ہے اور بناء بر مشہور اسلام میں غلام پر زکواۃ واجب نہیں ہے۔ **ولو کان لہ الف الف درھم کما قال الصادق علیہ السلام**

اس سلسلہ میں غلام "قن" (خالص غلام) اور "مدبر" (جسے مالک کہدے کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہوگا اور "مکاتب" (جس کی قیمت مقرر کر کے مالک کہدے تو اپنی قیمت ادا

کر کے آزاد ہو سکتا ہے۔ اور پھر مکاتب خواہ مشروط ہو(جسے مالک کہدے کہ اگر ایک روپیہ قیمت سے باقی رہ گیا تو بدستور غلام رہے گا) یا غیر مشروط(کہ اپنی مقررہ قیمت کا جس قدر حصہ ادا کرتا جائے گا اتنا آزاد ہوتا جائے گا) ہاں اس آخری صورت میں اگر اس کا کچھ حصہ آزاد ہو جائے اور اس کے مال کا اتنا حصہ جتنا اسکے آزاد حصہ سے متعلق ہے نصاب کی مقدار تک پہنچ جائے تو پھر زکواۃ کا وجوب بعید نہیں ہے واللہ العالم

چہارم۔ ملکیت نصاب لہٰذا جو شخص کسی چیز کا مالک نہیں یا مالک تو ہے مگر وہ نصاب سے کم ہے تو اس صورت میں اس پر زکواۃ واجب نہ ہو گی۔ بناء بریں اگر کسی شخص کو کوئی چیز ہبہ کی جائے یا کسی کے حق میں کوئی وصیت کی جائے یا کسی سے کوئی چیز قرض لی جائے یا کوئی چیز خریدی جائے تو جب تک یہ شخص اس چیز کو اپنے قبضہ میں نہیں لے گا اس وقت تک اس سال کا آغاز نہیں ہو گا اور وہ قرضہ میں لیا ہوا مال جو سال بھر تک اس کے پاس پڑا رہے تو اس پر اس کی زکواۃ واجب ہو گی ہاں البتہ اگر اس کی اجازت سے یا خود بخود اصل مالک اس مال کی زکواۃ ادا کر دے تو پھر اس سے اس کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔

پنجم۔ اختیار تصرف یعنی ملکیت نصاب کے ساتھ وجوب زکواۃ میں یہ بھی شرط ہے کہ مالک اس مال میں عقلاً" و شرعاً" تصرف بھی کر سکتا ہو لہٰذا چوری شدہ' گمشدہ' یا وقف شدہ اور گروی کردہ یا دور دراز کے علاقہ والا وہ مال جو مالک کی دسترس سے باہر ہے اس پر زکواۃ واجب نہ ہو گی ہاں یہ دور والا مال اگر مالک کے ایسے معتمد نمائندے کے پاس ہو کہ یہ جب چاہے اس سے لے سکتا ہو تب اسکی زکواۃ واجب ہو گی۔

توضیح

قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ جو شخص کسی شخص کو بطور قرضہ مال دے تو زکواۃ قرض لینے والے پر ہو گی۔ کیونکہ وقتی طور پر وہ مال قرضہ دینے والے کی ملکیت سے نکل کر قرضہ لینے والے کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر چند سال کے بعد قرضہ والا مال جب واپس ملے تو سال گزرنے کے بعد مالک کو صرف ایک سال کی زکواۃ ادا کرنا پڑتی ہے لیکن جو محل کلام ہے وہ صرف اس صورت میں ہے کہ جس آدمی نے قرض لیا ہے وہ مالدار بھی ہے اور خوش معاملہ بھی لہٰذا قرض دہندہ جب چاہے اس سے واپس لے سکتا ہے مگر وہ عمداً" نہیں لیتا آیا اس

صورت میں سال کے بعد اس پر اس مال کی زکواۃ واجب ہو گی یا نہ؟

بعض فقہاء وجوب کے اور بعض استحباب کے قائل ہیں مگر بعض کسی چیز کے قائل نہیں ہیں اقوی یہ ہے کہ صرف مستحب ہے اس طرح ان اخبار کے درمیان جو بظاہر وجوب پر دلالت کرتے ہیں اور ان کے آثار کے درمیان جو عدم وجوب پر دلالت کرتے ہیں جمع ہو جاتی ہے پہلی قسم جیسے عبدالعزیز کی روایت **سئلت ابا عبداللہ علیہ السلام عن الرجل یکون لہ دین علی صاحبہ وھو اذا اراد اخذہ فعلیہ زکوۃ** میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے لوگوں سے قرض لینا ہے (یعنی آیا اس پر اس مال کی زکواۃ واجب ہے؟) فرمایا ہر وہ قرضہ جس کو مالک جب چاہے وصول کر سکتا ہے مگر وہ خود وصول نہیں کرتا اس پر اس کی زکواۃ واجب ہے اور دوسری قسم جیسے جناب علیؑ بن جعفر کی روایت وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے اس قرض کے متعلق پوچھا جو مالدار قوم پر ہو کہ مالک جب چاہے لے سکتا ہے آیا اس پر زکواۃ واجب ہے؟ فرمایا **لا حتیٰ یقبضہ ویحول علیہ الحول** نہیں حتیٰ کہ اسے اپنے قبضہ میں لے اور سال گزر جائے (قرب الاسناد حمیری)

نیز اگر غائب یا دفن شدہ مال چند سال کے بعد مل جائے تو مستحب ہے کہ ایک سال کی زکواۃ ادا کر دی جائے۔

کن چیزوں میں زکواۃ واجب ہے

علماءِ امامیہ میں مشہور یہ ہے کہ نو چیزوں میں زکواۃ واجب ہے تین قسم کے مویشی (۱) اونٹ (۲) گائے بھینس اور (۳) بھیڑ بکری اور نقدین (سونا چاندی) اور چار قسم کے غلات (۱) گندم' (۲) جو' (۳) کھجور اور (۴) انگور اس طرح گویا موالید ثلاثہ (معدنیات' نباتات اور حیوانات) پر زکواۃ واجب ہو گی اور یہ وجوب بھی مطلق نہیں بلکہ بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے ذیل میں ان تمام اشیاء کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

حیوانات ثلاثہ پر زکواۃ کے شرائط

جانوروں پر وجوب زکواۃ کی (علاوہ سابقہ مجموعی شرائط کے) چار شرطیں ہیں۔ (۱) نصاب کا کامل ہونا۔ (۲) سال کا گزرنا۔ (۳) چر چک کر گزارہ کرنا اور مالک کا چارہ نہ کھانا۔ (۴) دوران سال ان سے کام نہ لینا ذیل میں ان شرائط کی تشریح کی جاتی ہے۔

چونکہ ہر قسم کے جانوروں میں نسل کی افزائش کی قابلیت اور پھر اس افزائش کی مدت برابر نہیں ہوتی اسی طرح حیوانات میں دسویں' بیسویں کا مشاع حصہ ہر تعداد پر مطابق نہیں ہوتا اس لئے شریعت محمدیہ میں بے نسل یا کم نسل والے جانوروں کو زکواۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے جیسے گھوڑے خچر اور ہاتھی وغیرہ دوسرے حیوانات کی مالیت اور افزائش کی کیفیت کے لحاظ سے تعداد کے حساب سے زکواۃ کی درج ذیل شرح معین فرمائی ہے اور صرف تین قسم کے جانوروں پر زکواۃ عائد کی گئی ہے اونٹ گائے بھینس اور بھیڑ بکریاں پھر ہر ایک جانور کے نصاب الگ الگ ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

پہلی شرط نصاب

اونٹ کے بارہ نصاب

باتفاق علماء اسلام اونٹ کے بارہ نصاب ہیں۔ (۱) پانچ اونٹ ان میں ایک بکری واجب ہے۔ (۲) دس۔ دو بکریاں۔ (۳) پندرہ۔ تین بکریاں (۴) بیس۔ چار بکریاں (۵) پچیس۔ پانچ بکریاں (۶) چھبیس۔ اونٹ کی دو سالہ بچی (یعنی جس کا دوسرا سال شروع ہو) (۷) چھتیس۔ اونٹ کی تین سالہ بچی (۸) چھیالیس۔ اونٹ کی چار سالہ بچی (۹) اکسٹھ۔ اونٹ کی پانچ سالہ بچی (۱۰) چھتر۔ اونٹ کی دو تین سالہ بچیاں (۱۱) اکانوے' اونٹ کی دو چار سالہ بچیاں (۱۲) ایک سو اکیس یہاں ہر چالیس اونٹ پر اونٹ کی دو سالہ بچی اور ہر پچاس پر اونٹ کی چار سالہ بچی احوط یہ ہے کہ اگر تعداد اسطرح چالیس کے مطابق ہو کہ جب چالیس سے اسے شمار کیا جائے تو نہ کم ہو اور نہ زیادہ جیسے ایک سو ساٹھ تو چالیس سے شمار کیا جائے گا اور اگر اسی طرح پچاس سے بلا کم و زیاد شمار ہو جائے جیسے ایک سو پچاس تو پچاس سے شمار کیا جائے گا اور اگر ہر ایک کے ساتھ مطابق ہے جیسے دو سو تو پھر مالک کو اختیار ہو گا کہ چالیس سے شمار کرے یا پچاس سے (پھر اسکے مطابق زکواۃ ادا کرے) اور اگر تعداد ایسی ہے کہ بیک وقت دونوں سے ہی شمار ہو سکتی ہے جیسے دو سو ساٹھ تو پھر دونوں کو بروئے کار لانا پڑے گا۔

گائے بیل اور بھینس کے دو نصاب

گائے' بیل اور بھینس کے دو نصاب ہیں۔ (۱) تیس اس میں دو سالہ بچھڑا یعنی جو دوسرے سال میں داخل ہوں (۲) چالیس اس میں تین سالہ بچھڑی تیس سے کم پر کوئی زکواۃ نہیں ہے

اسی طرح تیس اور چالیس کے درمیان نو کی تعداد پر بھی کوئی زکواۃ نہیں ہے پہلے نصاب سے کم مقدار اور دو نصابوں کے اس درمیانی حدود کو فقہاء کی اصطلاح میں اونٹوں میں "شنق" گائے ہیں "وقص" اور بکریوں میں "عفو" کہا جاتا ہے اس کے بعد جوں جوں تعداد بڑھتی جائے تو تیس یا چالیس میں سے اس کے مطابق عدد کے ساتھ شمار کیا جائے گا جس میں "عفو" نہ ہو مثلاً" اگر ساٹھ ہیں تو تیس کے ساتھ اور اگر اسی ہیں تو چالیس کے ساتھ اور اگر دونوں کے ساتھ مطابق ہیں جیسے ستر تو دونوں کے ساتھ شمار کیا جائے گا اور اگر ہر ایک ساتھ مطابق ہو جیسے ایک سو بیس تو مالک کو اختیار ہے کہ تیس یا چالیس میں سے جس عدد کے ساتھ چاہے شمار کرے اور اس کے حساب سے زکواۃ ادا کرے الغرض پہلے نصاب (تیس) کے بعد ہر تیس بننے والے عدد پر دو سالہ بچھڑا اور ہر چالیس بننے والے عدد پر تین سالہ بچھڑی۔

بھیڑ بکری کے پانچ نصاب

بھیڑ بکری کے پانچ نصاب ہیں۔ (۱) چالیس' اس میں ایک بکری (۲) ایک سو اکیس' اس میں دو بکریاں (۳) دو سو ایک اس میں تین بکریاں (۴) تین سو ایک اس میں چار بکریاں (۵) چار سو اس میں اور اس کے بعد ہر سو میں ایک بکری

(مسائل و احکام)

مسئلہ ۱۔ اونٹ اور بھیڑ بکریوں کے مختلف نصابوں میں جو بکریاں زکواۃ میں دی جاتی ہیں ان کے سن و سال کے متعلق اگرچہ اشبہ یہ ہے کہ بھیڑ اور دنبی میں سات ماہ اور بکری ایک سال کی جگہ دوسرے میں داخل ہو کافی ہے مگر احوط یہ ہے کہ بھیڑ اور دنبی کامل ایک سال کی ہو اور دوسرے میں داخل ہو اور بکری کامل دو سال کی ہو اور تیسرے سال میں داخل ہو جائیں بایں ہمہ اقوی یہ ہے کہ صرف اس قدر کافی ہے کہ ان کو عرف عام مین بھیڑ بکری کہا جائے۔ جبکہ احادیث میں صرف یہی لفظ وارد ہوا ہے اور سن و سال کی کوئی قید مذکور نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ جب نصاب کی بھیڑ بکریاں صحیح و سالم ہوں تو زکواۃ میں مریض عیب دار اور بہت بوڑھی بکریاں دینا جائز نہیں ہے اور جب نصاب میں صحیح و مریض سلیم و معیب ہر قسم کی بکریاں ہوں تو بھی اگر اقوی نہیں تو احوط یہی ہے کہ مریض و معیب نہ دی جائیں ہاں البتہ اگر سب کی سب ہی مریض یا معیب یا بوڑھی ہوں تو زکواۃ میں بھی یہی دی جاسکتی ہیں۔ و ھذا واضح

مسئلہ ۳۔ اگر چند آدمیوں کا مشترکہ مال ہو تو ان پر زکواۃ صرف اسی صورت میں واجب ہوگی جبکہ ہر ایک کا حصہ مقررہ نصاب کو پہنچ جائے۔

مسئلہ ۴۔ زکواۃ کے سلسلہ میں ہر قسم کے عربی اور غیر عربی اونٹ ایک قسم گائے اور بھینس ایک قسم اور بھیڑ، بکری اور دنبی ایک قسم شمار ہوتی ہے نیز نصاب شمار کرنے میں نر و مادہ مریض و صحیح، سلیم و معیب اور طاقتور اور بوڑھے اور جوان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

فائدہ وعائدہ

حیوانات ثلاثہ کے اوپر جو نصاب اور ان کی جو زکواۃ بیان کی گئی ہے اسے بغرض سہولت یہاں ایک جامع نقشہ کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

تعداد نصاب	جانور کا نام	تعداد	زکواۃ کی شرح
	اونٹ	ایک سے چار	کچھ نہیں
۱	"	۵ " ۹	ایک بکری
۲	"	۱۰ " ۱۴	دو بکریاں
۳	"	۱۵ " ۱۹	تین بکریاں
۴	"	۲۰ " ۲۴	چار بکریاں
۵	"	۲۵ "	پانچ بکریاں
۶	"	۲۶"	اونٹ کی دو سال کی بچی
۷	"	۳۶ " ۴۵	" تین سالہ "
۸	"	۴۶ " ۶۰	" چار سالہ "
۹	"	۶۱ " ۷۵	" پانچ سالہ "
۱۰	"	۷۶ " ۹۰	" دو تین سالہ بچیاں
۱۱	"	۹۱ " ۱۲۰	" دو چار سالہ
۱۲	"	۱۲۱ اور اس کے بعد	" دو سالہ بچی
		ہر چالیس پر	"
		اور ہر پچاس پر	" " چار سالہ بچی

تعداد نصاب	جانور کا نام	تعداد	زکواۃ کی شرح
	گائے، بیل اور بھینس	ایک سے ۲۹	کچھ نہیں
۱	"	۳۰	دو سال کا بچھڑا
۲	"	۴۰	تین سالہ بچھڑی
۳	"	۶۰	دو سال کے دو بچھڑے
۴	گائے بیل اور بھینس	۷۰	دو سال کا بچھڑا اور تین سال کی بچھڑی
۵	"	۸۰	تین سال کی دو بچھڑیاں
۶	"	۹۰	دو دو سال کے تین بچھڑے
۷	"	۱۰۰	دو سال کے دو بچھڑے اور تین سال کی ایک بچھڑی

تعداد نصاب	جانور کا نام	تعداد	زکواۃ کی شرح
	بھیڑ، بکری	ایک سے ۳۹ تک	کچھ نہیں
۱	"	۴۰ سے ۱۲۰	ایک بکری
۲	"	۱۲۱ سے ۲۰۰	دو بکریاں
۳	"	۲۰۱ سے ۳۰۰	تین بکریاں
۴	"	۳۰۱ سے ۴۰۰	چار بکریاں
۵	"	۴۰۰ یا اس کے بعد	ہر سو پر ایک بکری

دوسری شرط

سال کا گذرنا یعنی مذکورہ بالا نصاب کا سال بھر مالک کی ملکیت میں رہنا وجوب زکواۃ میں شرط ہے لہٰذا اگر دوران سال نصاب کم ہو جائے بایں طور کہ مالک فروخت کر دے یا ہبہ کر دے یا تبادلہ کر دے اگرچہ علی الاقوی ہم جنس کیساتھ ہی ہو یا مرنے کی وجہ سے کمی واقع ہو جائے تو زکواۃ واجب نہیں ہو گی اگرچہ لغوی لحاظ سے سال پورے بارہ مہینہ کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے مگر

شرعی نقطہ نظر سے جب گیارہ مہینہ گذر جائیں اور بارہویں صرف داخل ہو جائے تو سال پورا ہو جاتا ہے۔

توضیح

اگر اونٹ، گائے اور بکری کے اثناء سال میں بقدر نصاب بچے پیدا ہوں یا مالک بقدر نصاب مزید جانور خریدے تو ان کا سال پیدائش یا خرید کے وقت سے شروع ہو گا۔

تیسری شرط

چر کر گذارہ کرنا یعنی وجوب زکواۃ کی تیسری شرط یہ ہے کہ جانور سال بھر خدا کی وسیع و عریض زمین میں گھاس بھوس چر چک کر گذارہ کریں ------- نہ مالک اور نہ کوئی اور شخص انہیں مالک کا چارہ کھلائے اور نہ ہی مالک کا مزروعہ ملکیتی چارہ چریں ------- ورنہ شرط کے ختم ہونے سے زکواۃ کا وجوب ختم ہو جائے گا ہاں البتہ اگر پورے سال میں ایک دو مرتبہ یا ایک دو دن مالک انہیں چارہ کھلائے یا مالک کا مزروعہ چارہ چریں تو اس سے علی الاظہر وجوب زکواۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

چوتھی شرط بے کار ہوں یعنی جانوروں میں زکوۃ کے واجب ہونے کی بالاتفاق چوتھی شرط یہ ہے کہ سال بھر بے کار رہیں اور ان سے کوئی کام نہ لیا جائے ورنہ زکواۃ کا وجوب ختم ہو جائے گا ہاں البتہ علی الاقوی سال میں ایک آدھ دفعہ یا ایک دو دن کام لینے سے وجوب زکواۃ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سونا چاندی پر زکوۃ کے شرائط

سونا چاندی کے دو دو نصاب ہیں سونا چاندی پر زکواۃ کے واجب ہونے کی عمومی پانچ شرطوں کے علاوہ تین شرطیں ہیں۔ (۱) نصاب، (۲) سکہ، (۳) سال ہر ایک شرط کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ سونا اور چاندی بقدر نصاب ہو ہر دو کے دو دو نصاب ہیں۔ سونے کا پہلا نصاب ہے بیس مثقال شرعی اور مروجہ اوزان کے مطابق ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے اس طرح کل میزان ساڑھے سات تولہ بنتا ہے سونے کا نصاب معلوم کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے اور وہ یہ کہ ایک مثقال متوسط قسم کے ۱۸ نخود کے برابر ہوتا ہے اس طرح جب

بیس کو اٹھارہ میں ضرب دی جائے تو حاصل تین سو ساٹھ دانے بنتے ہیں۔ اگر اس سے کم ہو تو اس پر زکواۃ واجب نہیں ہے سونے کا دوسرا نصاب ہے چار مثقال یعنی ڈیڑھ تولہ جوں جوں بیس مثقال پر چار مثقال کا اضافہ ہوتا جائے گا اس زائد مقدار پر زکواۃ واجب ہوتی جائے گی اور اگر یہ اضافہ چار مثقال سے کم ہو تو اس پر زکواۃ واجب نہیں ہے۔

چاندی کا پہلا نصاب ہے دو سو درہم اور ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے اسطرح کل میزان اٹھاون تولہ بنتا ہے اگر اس سے کم ہو تو اس پر زکواۃ واجب نہیں ہے ہاں احوط یہ ہے کہ اگر باون تولہ ہو جائے تو اس کی زکواۃ ادا کی جائے

دوسرا نصاب چالیس درہم یعنی گیارہ تولہ آٹھ ماشہ ہے پس جوں جوں دو سو درہم کے بعد چالیس درہم کا اضافہ ہوتا جائے گا اس اضافہ پر بھی زکواۃ واجب ہوتی جائے گی۔ چالیس درہم سے کم پر زکواۃ واجب نہیں ہے۔ چاندی کا نصاب معلوم کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک درہم چھ وانق کا ہوتا ہے اور ایک وانق آٹھ متوسط جو کے دانوں کے برابر ہوتا ہے اس طرح ایک درہم اٹھتالیس جو کے دانوں کے برابر بنتا ہے اب ۴۸×۲۰۰ حاصل نو ہزار چھ سو بنتا ہے واللہ العالم۔

مقدار زکواۃ سونے اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکواۃ ہے بنابریں سونے کے پہلے نصاب سے دو ماشہ اور دو رتی اور دوسرے نصاب سے قریباً ساڑھے تین رتی زکواۃ واجب ہوتی ہے اور چاندی کے پہلے نصاب سے پانچ درہم دوسرے لفظوں میں ساڑھے سترہ ماشہ اور دوسرے نصاب سے ایک درہم یعنی ساڑھے تین ماشہ

دوسری شرط یہ ہے کہ سونا اور چاندی سکہ دار ہوں اور سکہ بھی رائج الوقت ہو یعنی اس سے بازار میں عام لین دین ہوتا ہو عام اس سے کہ وہ سکہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی موجود ہو یا مٹ چکا ہو بنابریں سونے چاندی کی ڈلیوں اور زیورات پر زکواۃ واجب نہیں ہے۔

(مسائل و احکام)

مسئلہ ۱۔ اگر ضرورت کے تحت سکہ دار سونا اور چاندی پگھلا کر زیور بنا لیا جائے تو اس پر یقیناً زکواۃ واجب نہیں ہے لیکن اگر کسی ہار وغیرہ زیور میں سونے کی اشرفی یا چاندی کا روپیہ اپنی اصلی ہیئت میں جڑ دیا جائے تو احتیاط واجب یہ ہے کہ شرائط مقررہ کے ساتھ اس کی زکواۃ ادا کی

جائے۔

مسئلہ ۲۔ جیسا کہ مسئلہ نمبر۱ میں بیان کیا گیا ہے اگر ضرورت کے تحت ایسا کیا جائے تب تو بالاتفاق اس صورت میں زکواۃ واجب نہیں ہے لیکن اگر محض زکواۃ سے فرار کی غرض سے ایسا کیا جائے تو اس صورت میں زکواۃ واجب ہو گی یا نہ؟ اس سلسلہ میں اخبار و انظار میں شدید اختلاف ہے احوط استحبابی ہے کہ زکواۃ ادا کی جائے۔

مسئلہ ۳۔ اس سلسلہ میں جید اور غیر جید اعلے اور ادنی کے درمیان کوئی فرق نہیں جیسا کہ ہر قسم کا زکواۃ میں دینا بھی جائز ہے اگرچہ اعلی سے افضل ہے۔

مسئلہ ۴۔ اگر کسی کے پاس سونا یا چاندی کا کھوٹا سکہ موجود ہو تو وجوب زکواۃ کے سلسلہ میں دیکھا جائے گا کہ اگر اس میں خالص سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر مقدار موجود ہے تو زکواۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں

مسئلہ ۵۔ موجودہ دور کے کاغذی نوٹوں میں چونکہ مذکورہ بالا شرطیں نہیں پائی جاتیں اسلئے بنابر مشہور ان پر زکواۃ واجب نہیں ہے اور یہ مسئلہ اپنی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر مزید غور و فکر کا محتاج ہے اور فقہاء عصر کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے اور قبل اس سے کہ ہمارے فقہاء عظام اس موضوع کے جملہ پہلوؤں کا جائزہ لے کر کوئی متفقہ لائحہ عمل تجویز فرمائیں اگر کوئی شخص احتیاطاً نوٹوں سے زکواۃ دے تو افضل ہے اور ایسا شخص عنداللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوگا۔ واللہ العالم

تیسری شرط یہ ہے کہ سونا اور چاندی مذکورہ بالا شرائط کے مطابق سال بھر مالک کے قبضہ میں رہے یعنی گیارہ مہینے کامل گزارنے کے بعد بارھویں مہینہ کا چاند ثابت ہوتے ہی زکواۃ واجب ہو جائے گی لہٰذا اگر سال کے دوران نصاب کم ہو جائے یا سکہ دار کو پگھلا دیا جائے یا زیور بنا دیا جائے یا اس کو بدل دیا جائے تو زکواۃ واجب نہ ہو گی ———— اور اگر بارھواں مہینہ شروع ہونے کے بعد ایسا کوئی تغیر و تبدل کیا جائے تو پھر زکواۃ بدستور واجب رہے گی۔

غلات اربعہ یعنی گندم، جو، خرما اور کشمش کی زکواۃ کا بیان

غلات میں نصاب

غلات میں زکواۃ کا وجوب علاوہ سابقہ پانچ عمومی شرائط کے مزید دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے (پہلی شرط) نصاب ہے اور وہ پانچ وسق ہے اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اس

طرح مجموعہ تین سو صاع کا ہو گا۔ اور ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے اور ہمارے مروجہ اوزان کے حساب سے علی التحقیق ایک مد گیارہ چھٹانک اور ساڑھے تین تولہ کا ہوتا ہے اس طرح ایک صاع دو سیر چودہ چھٹانک اور چار تولہ کا قرار پائے گا اور اس حساب سے نصاب زکوٰۃ اکیس من ساڑھے سینتیس سیر بنے گا۔ واللہ العالم۔

دوسری شرط وقت وجوب سے پہلے ان غلات کا مالک ہونا اس طرح کہ اسکی ملکیت میں یہ نشوونما پائیں عام اس سے کہ زراعت کے ذریعہ سے مالک ہو یا ہبہ سے یا وراثت وغیرہ شرعی اسباب سے اب رہی اس بات کی تحقیق کہ وقت وجوب کیا ہے؟ مشہور یہ ہے کہ جب گندم اور جو میں دانہ بندھ جائے اور قدرے سخت ہو جائے اور کھجور و انگور میں ان کی رنگت سرخ یا زرد ہو جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جس وقت عرف میں ان اشیاء پر گندم' جو' خرما اور انگور کا اطلاق ہو سکے بنابریں وقت وجوب اور وقت ادا ایک ہو گا اگرچہ دوسرا قول قوت سے خالی نہیں ہے۔ مگر پہلے مشہور قول کو موافق احتیاط ہونے کی وجہ سے ترجیح حاصل ہے۔

مقدار زکوٰۃ اگر گندم' جو' کھجور اور انگور زمین کی رطوبت یا بارش یا نہر کے پانی سے سیراب کئے جائیں تو زکوٰۃ میں دسواں حصہ واجب ہو گا اور اگر ان کو کنویں یا ڈولوں سے سیراب کیا جائے تو پھر بیسواں حصہ ادا کیا جائے گا اور اگر دونوں سے سینچا جائے یعنی کبھی نہر سے اور کبھی ------- کنویں سے تو پھر جس چیز کا غلبہ ہو گا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا اور اگر دونوں کی سینچائی بالکل برابر ہو تو پندرہواں حصہ نکالا جائے گا واللہ العالم۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ جو نصاب اوپر بیان کیا گیا ہے اس کا معیار یہ ہے کہ خشک اور صاف ہونے کے بعد اس مقدار کو پہنچ جائے اور یہی وقت ادا ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد گندم اور جو وغیرہ کے کھیت یا درخت فروخت کرے تو فروخت کنندہ پر زکوٰۃ واجب ہو گی اور اگر اس سے پہلے فروخت کرے تو پھر خریدار پر واجب ہو گی۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص وقت وجوب کے بعد بیع و شراء ہبہ یا وراثت وغیرہ اسباب کی وجہ سے ان غلات کا مالک ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔

مسئلہ ۴۔ ہر جنس پر زکواۃ صرف اس وقت واجب ہو گی جبکہ وہ جنس نصاب کو پہنچ جائے لہٰذا بعض کو دوسرے بعض جیسے گندم کو جو کے ساتھ شامل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ سونے اور چاندی میں بھی یہی معیار ہے کہ ہر ایک کا نصاب علیحدہ ہے اور حکم بھی الگ الگ

مسئلہ ۵۔ مشہور یہ ہے کہ ان اجناس کی بجائی سے لے کر ان کی صفائی تک از قسم بیج آلات زراعت اور مستاجری کی اجرت وغیرہ اخراجات کو منہا کرنے کے بعد دیکھا جائے گا کہ باقیماندہ مقدار نصاب کو پہنچتی ہے یا نہ؟ بعض فقہاء صرف وجوب زکواۃ کے بعد والے اخراجات منہا کرنے کے قائل ہیں۔ بہرحال یہ مسئلہ چونکہ اشکال سے خالی نہیں ہے اس لئے احتیاط واجب یہ ہے کہ کوئی خرچ اخراجات منہا نہ کیا جائے۔ بلکہ دیکھا جائے کہ مجموعی مقدار نصاب کو پہنچتی ہے یا نہ اگر پہنچ جائے تو زکوۃ ادا کی جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۶۔ حکومت وقت پیداوار پر از قسم معاملہ و آبیانہ وغیرہ جو لگان لگاتی ہے اس کو بالاتفاق منہا کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۷۔ زکواۃ کے وجوب میں یہ شرط نہیں ہے کہ مال سال کے اخراجات سے زائد ہو یا آدمی مقروض نہ ہو بلکہ اس میں صرف مذکورہ بالا دو شرطوں کا لحاظ ضروری ہے پس اگر وہ پائی جائیں تو زکواۃ واجب ہو جائے گی اگرچہ آدمی مقروض ہو یا چند ہفتوں کا بھی خرچ اخراجات نہ رکھتا ہو۔

مسئلہ ۸۔ اگر کوئی شخص وجوب زکواۃ کے بعد اور ادائیگی سے پہلے وفات پا جائے تو اس کے ورثہ پر اسکی ادائیگی واجب ہو گی۔

مسئلہ ۹۔ اگر کسی شخص نے مختلف مقامات پر فصل کاشت کی ہو جس کے پکنے اور تیار ہونے کے اوقات مختلف ہوں تو جب کسی جگہ کی پیداوار پہلے آجائے تو اگر وہ بقدر نصاب ہے تو پھر تو بلاتاخیر اس کی زکواۃ ادا کر دی جائے گی اور بعد ازاں جوں جوں پیداوار آتی جائے گی اس کی زکواۃ ادا ہوتی رہے گی اور اگر نصاب سے کم ہے تو پھر دوسری پیداوار کا انتظار کیا جائے گا لہٰذا اگر سب مل کر بقدر نصاب ہو جائیں تو زکواۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر نصاب میں اعلی و ادنے ہر قسم کی جنس موجود ہو تو اسی نسبت سے زکواۃ میں بھی اعلی و ادنی دی جاسکتی ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ ادنی کی جگہ بھی اعلی دی جائے۔ (یا ایھا الذین

امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم)

مسئلہ ۱۔ اجناس کی زکواۃ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اصل جنس سے ہی ادا کی جائے بلکہ ان کی بجائے ان کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے اور اس صورت میں اگر قیمت میں اختلاف ہو جائے تو آیا وقت ادا والی قیمت معتبر ہے یا اس وقت والی جب کہ مالک اس تبادلہ کا ارادہ کرے ؟ اس میں اختلاف ہے لیکن دوسرا قول قوت سے خالی نہیں ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ جس جنس کی زکواۃ ایک مرتبہ ادا ہو جائے اگرچہ وہ کئی سال تک بھی پڑی رہے تو اس پر دوبارہ زکواۃ واجب نہیں ہوگی البتہ سال بھر کے اخراجات کے بعد خمس واجب ہو جائے گا جیسا کہ اسکی تفصیل کتاب الخمس میں بیان کی جائے گی۔ (انشاء)

کن چیزوں میں زکواۃ مستحب ہے؟

بنا بر مشہور چند چیزوں میں زکواۃ مستحب ہے جن میں سے بعض کا استحباب تو "رب مشہور لا اصل لہ" کا مصداق ہے البتہ بعض چیزوں میں فی الواقع استحباب ثابت ہے۔

۱۔ وہ مال تجارت جو بقصد تجارت و اکتساب کسی معاوضہ شرعیہ مثل بیع و صلح وغیرہ کے ذریعہ آدمی کی طرف منتقل ہو۔ مگر اس کی چند شرطیں ہیں۔ (۱) مالیت میں بقدر نصاب نقدی (سونا چاندی) ہو (۲) قصد تجارت کے بعد سال بھر موجود رہے۔ (۳) قصد تجارت بھی قائم رہے۔ (۴) سال بھر میں کبھی بھی اصل قیمت سے اسکی قیمت گر نہ جائے ہاں اگر بڑھ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے

واللہ العالم

۲۔ ہر وہ چیز جو از قسم غلات زمین سے اگتی ہے بشرطیکہ گندم وجو وغیرہ غلات اربعہ میں سے نہ ہو کیونکہ ان میں تو بالاتفاق زکواۃ واجب ہے اور سبزیوں اور پھلوں کی قسم سے بھی نہ ہو جو جلد خراب ہو جاتے ہیں (کیونکہ ان میں بالاتفاق زکواۃ نہ واجب ہے نہ مستحب) جیسے چاول، نخود، مسور وغیرہ جن

کو تولا جاتا ہے یا وزن کیا جاتا ہے یہ قول جمع بین الروایات کرتے ہوئے اختیار کیا گیا ہے

جن میں سے بعض اس کے وجوب پر اور بعض عدم وجوب پر دلالت پر دلالت کرتے ہیں۔ لہذا احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ان چیزوں سے زکوٰۃ ضرور ادا کی جائے

(واللہ العالم)

۳۔ گھوڑیوں پر بشرطیکہ خدا کی زمین میں چر کر گذارہ کریں اگر ماں باپ دونوں کی طرف سے خالص عربی ہوں تو سال میں دو دینار (نو ماشہ سونا) اور اگر ماں عربی ہو اور باپ غیر عربی یا بالعکس ہو تو پھر ایک دینار (ساڑھے چار ماشہ سونا)

۴۔ جب کوئی شخص زکواۃ سے فرار کی غرض سے سال کے دوران حیوانات کا تبادلہ کر لے یا سکہ دار سونا اور چاندی کا زیور بنا لے جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے تو اس پر اس مال کی زکواۃ مستحب ہے۔

۵۔ غائب یا دفن شدہ مال جس پر تصرف کی قدرت حاصل نہ تھی جب چند سالوں کے بعد مل جائے اور تصرف کی قدرت بھی حاصل ہو جائے تو اس میں سے ایک سال کی زکواۃ ادا کرنا مستحب ہے اور یہ مسئلہ بھی وجوب زکواۃ کے شرائط میں بیان کیا جاچکا ہے۔

مستحقین زکواۃ کے اقسام ہشتگانہ یا مصارف زکواۃ!

قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ زکواۃ کے مستحقین کے آٹھ اقسام ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ **انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل** (توبہ۔ ۶۰) صدقات و زکواۃ تو درحقیقت فقراء اور مساکین کیلئے ہیں اور کام کرنے والوں کیلئے جو زکواۃ کی تحصیل پر مقرر ہیں اور وہ لوگ جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور لوگوں کو بند اسیری سے چھوڑانے کیلئے اور مقروضوں کے قرضے ادا کرنے کیلئے اور راہ خدا میں خرچ کرنے کیلئے اور مسافروں کیلئے ذیل میں ان اقسام ہشتگانہ کی قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

۲، فقراء و مساکین

حق یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ مترادف نہیں بلکہ متغائر ہیں ہاں دونوں میں یہ قدر مشترک ضرور پائی جاتی ہے کہ یہ دونوں اپنی اور اپنے واجب النفقہ افراد کی بالفعل یا بالقوہ قوت لایموت نہیں رکھتے یعنی یا تو روزی کمانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ جیسے بیمار' بوڑھے' اندھے' لولے اور لنگڑے وغیرہ یا صلاحیت تو رکھتے ہیں مگر بے روزگاری کا شکار ہیں یا روزی کمانے کی فرصت نہیں ہے جیسے مذہبی مبلغ اور دینی طالب علم وغیرہ مگر اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ مسکین وہ ہے جس کی حالت فقیر سے ابتر و بدتر ہے کیونکہ وہ تنگی معیشت اور خستہ حالی کی وجہ سے دست سوال دراز کرنے پر مجبور ہے جبکہ فقیر اس طرح مجبور نہیں ہے۔

الغرض اس گروہ میں لولے لنگڑے' اندھے' بوڑھے کوڑی' یتیم' بیوگان اور ہر قسم کے غریب و نادار لوگ داخل ہیں جن کی قابل رحم حالت محتاج وضاحت نہیں ہے۔

۳۔ عاملین

یعنی وہ لوگ جن کو نبی و امام صدقات کے وصول کرنے یا وصول شدہ مال کی حفاظت کرنے اور اس کا حساب کتاب رکھنے کیلئے مقرر کرتے ہیں یہ لوگ اگرچہ فقیر و مسکین نہ ہوں تاہم ان کی تنخواہ زکوۃ کی مد سے ہی دی جائیگی۔

۴۔ مؤلفتہ القلوب

بالعموم اس سے کفار کا وہ گروہ مراد لیا جاتا ہے جن کی مالی عطیوں سے تالیف قلب کی جاتی ہے تاکہ اور نہیں تو کم از کم بوقت جہاد مسلمانوں کی صفوں میں کھڑے ہو کر ان کی ظاہری تعداد میں تو اضافہ کا باعث بنیں مگر آئمہ اطہارؑ کی بیان کردہ تفسیر سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے نو مسلموں کی وہ جماعت مراد ہے جو خدا کو خدا اور رسول کو رسول تو مان چکی ہے مگر ہنوز اس کے عقائد و معارف پختہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اسلام کے بعض حقائق کے متعلق شک و شبہ میں مبتلا ہے اس واسطے اسے مالی وظیفے اور عطیئے دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کے عقائد مضبوط اور شکوک و شبہات دور ہوں اور وہ راسخ العقیدہ مسلمان بن جائیں اس جماعت میں بھی فقر و فاقہ شرط نہیں ہے۔

۵۔ وفی الرقاب

یعنی گردنوں کو بند اسیری سے آزاد کرانے میں زکواۃ خرچ کرنا اس کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ ایک غلام نے اپنے آقا سے یہ معاہدہ کیا ہو کہ وہ جب اتنی رقم ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا اور اب وہ اس رقم کی ادائیگی سے قاصر ہو۔ اس کی مدد کر کے اسے آزاد کرانا۔

۲۔ دوسرے مد زکواۃ سے غلام خرید کر آزاد کرنا بالخصوص جو کہ سختی و شدت میں گرفتار ہوں۔

۳۔ تیسرے جن لوگوں پر بعض کفاروں کے سلسلہ میں غلام آزاد کرنے واجب ہوں مگر وہ مالی کمزوری کی وجہ سے آزاد نہ کر سکتے ہوں' زکواۃ کی مد سے ان کی امداد کرنا تاکہ وہ غلام خرید کر آزاد کر سکیں۔

۶۔ والغارمین

یعنی قرض داروں کا قرضہ ادا کرنے کیلئے صرف کرنا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے جائز ضروریات زندگی کیلئے قرض لیا ہو اور اب اس کی ادائیگی سے یا تو بالکل عاجز ہوں یا اگر ادا کریں تو ان کے پاس سال کا خرچ و خوراک نہ بچتا ہو اور خود فقیر ہوتے ہوں زکواۃ کی مد سے ان کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ قرضہ نافرمانی خدا کے کاموں میں صرف کیا گیا ہے تو پھر اسے زکواۃ کی مد سے ادا نہیں کیا جا سکتا اور اگر اس چیز کا علم نہ ہو کہ وہ قرضہ جائز کاموں میں صرف کیا گیا ہے یا ناجائز میں تو پھر حسب ظاہر گو اس شخص کو زکواۃ دینا جائز ہے مگر جبکہ اس نے ناجائز کاموں میں صرف کیا ہو تو اس کیلئے۔ اس کا لینا حرام ہے نیز اس مد سے مقروض مرنے والے نادار لوگوں کا قرضہ بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ وفی سبیل اللہ

یعنی راہ خدا میں مال زکواۃ صرف کرنا بعض فقہاء کا خیال ہے کہ اس سے مراد جہاد ہے یعنی جہاد اور اس کے ساز و سامان پر زکواۃ صرف کرنا مگر تحقیق یہ ہے کہ راہ خدا کا لفظ عام ہے اور اس کا مفہوم بہت وسیع ہے اس میں نیکی کے وہ تمام کام داخل ہیں جن سے خداوند عالم کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو جیسے سفر حج و زیارت کیلئے لوگوں کی امداد کرنا' مساجد و معابد بنوانا' مدارس دینیہ قائم کرنا' طلبہ علوم دینیہ کی اعانت کرنا نیز مسافروں کی سہولت کے لئے کنواں کھدوانا' نلکا لگوانا' سرائے بنوانا سبیلیں لگوانا یا اس قسم کے اور رفاہ عامہ کے کام کرنا جیسے ہسپتال بنوانا اس

طرح جہاد بھی اس وسیع مفہوم میں داخل ہے بلکہ بعید نہیں کہ اس جہاد میں ہر وہ جدوجہد شامل ہو جس کا مقصد نظام کفر کو مٹا کر اس کی جگہ اسلامی نظام رائج و نافذ کرنا ہو لہٰذا جو لوگ اس جدوجہد میں عملی حصہ لیں ان کے سفر و حضر کے ضروریات و مصارف کا زکواۃ کے اس حصہ سے ادا کرنا جائز ہے واللہ العالم۔

۸۔ وابن السبیل

یعنی مسافروں پر زکواۃ صرف کرنا اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں مدد کا محتاج ہو جائے تو زکواۃ کی مد سے اسکی مدد کی جا سکتی ہے اگرچہ وہ شخص اپنے گھر میں غنی و مالدار ہی کیوں نہ ہو سفر خواہ گذشتہ زمانہ کا تکلیف دہ ہو یا موجودہ زمانہ کا آرام دہ' بہر حال اس کی مشکلات اور تکالیف محتاج تشریح نہیں ہیں اگرچہ آج قدم قدم پر بڑے بڑے عالیشان ہوٹل' مسافر خانے اور مختلف الوان و اقسام کے دستر خوان موجود ہیں لیکن اگر جیب میں پیسے موجود نہ ہوں خصوصاً" بحالت سفر جہاں نہ کوئی جان ہو نہ پہچان اور نہ ادھار ملنے کا امکان تو اس صورت میں مسافر کے دل و دماغ پر جو کیفیت گذرتی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے شریعت اسلامیہ نے آدمی کی اسی مجبوری کے پیش نظر زکواۃ کا ایک حصہ ایسے مسافروں کے لئے مخصوص کر دیا ہے جن کا زاد سفر ختم ہو جائے تاکہ وہ عزت و آبرو کے ساتھ اپنے وطن مالوف پہنچ سکیں۔

تبصرہ

زکواۃ کے مصارف ہشتگانہ کے سلسلہ میں جو مختصر حقائق اوپر بیان کئے گئے ہیں ان سے ناظرین کرام پر یہ حقیقت بخوبی واضح و عیاں ہو گئی ہو گی کہ ان مصارف میں کس قدر گہرائی و گیرائی اور پہنائی پائی جاتی ہے اور یہ ہر قسم کی نیکی و بھلائی اور فرد اور مجتمع کی فلاح و بہبود پر کس طرح حاوی ہیں؟ کہ انسانی ضرورت و احتیاج کا کوئی شعبہ اس سے خارج نہیں ہے۔

مستحقین زکواۃ کے اوصاف

سطور بالا میں زکواۃ کے جن مستحقین کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں چند اوصاف کا ہونا ضروری ہے جب تک ان میں یہ اوصاف نہ پائے جائیں اس وقت تک کسی شخص کی مَدِ زکوٰۃ سے امداد و اعانت نہیں کی جا سکتی اور یہ اوصاف چار ہیں۔

پہلی صفت ایمان ہے

اس صفت پر نصوص و فتاوی کا اتفاق ہے ایمان سے مراد یہ ہے کہ اسلامی عقائد کے ساتھ ساتھ آئمہ اہل بیتؑ کی امامت حقہ و خلافت مطلقہ کا اقرار بھی کیا جائے۔ متعدد روایات معتبرہ میں وارد ہے کہ انها لا هل الولاية یہ زکواۃ اہل ولایت کے لئے مخصوص ہے الغرض مستحقین میں بالاتفاق یہ شرط ہے کہ وہ صحیح العقیدہ ہوں نہ غالی ہوں اور نہ قالی خذلهم الله تعالی لہٰذا کافر اور مذہب حق کے مخالف بدعقیدہ آدمی کو بالاتفاق زکواۃ دینا جائز نہیں ہے۔

۲۔ دوسری صفت علی الاحوط یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عدالت بھی موجود ہو جیسا کہ فقہاء کرام کی ایک جماعت اس کی قائل ہے اگرچہ اقوی یہ ہے کہ یہ صفت لازمی نہیں ہے کیونکہ علل الشرائع کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ "مومن فاجر" کو بھی زکواۃ دی جاسکتی ہے۔

علاوہ بریں عدالت کے لزوم پر دلیل کا نہ ہونا بھی اس کے لازم نہ ہونے کی بین دلیل ہے زیادہ سے زیادہ داؤد صرمی کی روایت میں یہ وارد ہے کہ شرابخوار کو زکواۃ نہ دی جائے مگر اس سے عموی دعوائے عدالت تو کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔

۳۔ تیسری صفت یہ ہے کہ وہ مستحقین زکواۃ دینے والے کے واجب النفقہ نہ ہوں یعنی اس کے وہ قریبی قرابتدار نہ ہوں جن کا نان و نفقہ شرعاً اس پر واجب ہے جیسے ماں باپ دادادادی نانا نانی اولاد اولاد کی اولاد زوجہ اور غلام اس صفت پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے اور بکثرت نصوص میں اس صفت کا تذکرہ موجود ہے ہاں اگر کوئی شخص کسی اور عزیز رشتہ دار کی کفالت کرتا ہو تو زکواۃ سے اسکی مدد کر سکتا ہے۔

۴۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ زکواۃ لینے والا سید ہاشمی نہ ہو۔ جبکہ زکواۃ دینے والا غیر سید و غیر ہاشمی ہو اس واسطے کہ سادات کرام پر غیر سادات کی زکواۃ حرام ہے کیونکہ یہ لوگوں کے ہاتھوں کا میل کچیل ہے جس سے سادات کرام کی شان اجل و ارفع ہے ہاں البتہ سادات کی زکواۃ سادات لے سکتے ہیں اور جب اضطرار اس حد تک پہنچ جائے کہ جب حرام بھی حلال ہو جاتا ہے تو اس صورت میں غیر سادات کی زکواۃ بھی جائز و مباح ہو جاتی ہے۔ واللہ العاصم

توضیح

مخفی نہ رہے کہ اس صدقہ سے جو سادات پر حرام ہے مراد واجبی صدقہ ہے اور وہ بھی

صرف زکواۃ اور فطرہ نہ کہ دوسرے واجبی یا مستحبی صدقات اور اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے بنابریں سادات کے لئے غیر سادات کے عقیقہ وغیرہ کا گوشت کھانا بلا اشکال جائز ہے واللہ العالم۔

زکواۃ کے بعض مسائل و احکام کا بیان

مسئلہ ۱۔ جو شخص اپنے فقر و فاقہ کا دعویٰ کرے اگر تو دلائل و قرائن سے اس کے دعویٰ کی صحت یا بطلان کا یقین ہو تو اس کے مطابق کاروائی کی جائے گی اور اگر یہ یقین نہ ہو سکے تو پھر مشہور یہ ہے کہ اس کے دعویٰ کو صحیح تصور کیا جائے گا اور اس سے بینہ و برہان کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا بایں ہمہ احوط یہ ہے کہ پہلے مدعی فقر کے دعویٰ کی جانچ پڑتال کر لی جائے اور اطمینان کے بعد اسے مالی حقوق واجبہ دیئے جائیں۔

مسئلہ ۲۔ اگر ایک آدمی کو فقیر و مسکین سمجھ کر زکوٰۃ دی جائے مگر بعد میں انکشاف ہو کہ وہ تو مالدار تھا تو بنا بر احتیاط وہ زکوٰۃ جو ادا کی گئی ہے کافی نہ ہو گی اور دینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر ہنوز اصل مال باقی ہے تو اصل مال اور اگر وہ تلف ہو گیا ہے تو اس کا بدل اس شخص سے وصول کرے اگرچہ اظہر یہ ہے کہ اگر حسب ظاہر تحقیق کر کے زکوٰۃ دی تھی تو وہ بری الذمہ ہو جائے گا اور اگر بلا تحقیق دی تھی تو بری الذمہ نہیں ہو گا (اور اسے واپس لے سکتا ہے) جیسا کہ جناب زرارہ کی صحیح السند روایت میں یہ تفصیل وارد ہے۔ **ان اجتهد فقد بری وان قصر فی الاجتهاد فلا** (وسائل الشیعہ)

مسئلہ ۳۔ رہائشی مکان' سواری کا گھوڑا' خدمت گزار غلام' ضروری کتب اور لازمی ساز و سامان کسی شخص کے مستحق ہونے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے لہٰذا ایک شخص ان چیزوں کی موجودگی میں بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے بلکہ اس سلسلہ میں مستحق کی پوزیشن کا لحوظ رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ ۴۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ زکوٰۃ دیتے وقت مستحق پر یہ ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے لہٰذا اگر کوئی ایسا خود دار شخص ہے جو باوجود مستحق ہونے کے زکواۃ وصول کرنے سے اباو انکار کرتا ہے تو اسے بطور تحفہ اور ہدیہ وغیرہ کسی عنوان کے ماتحت زکواۃ دی جاسکتی ہے جیسا کہ ابو بصیر کی روایت میں جو **من لا یحضره الفقیه** میں مروی ہے اس کی صراحت موجود ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر نبیؐ یا امام موجود ہوں اور مبسوط الید بھی ہوں تو ان کا فریضہ ہے (جسے وہ خود

سب سے بہتر سمجھتے ہیں) کہ وہ لوگوں سے زکواۃ کا مطالبہ کریں اور لوگوں کا فرض ہے کہ ان کی خدمت میں پہنچائیں تاکہ وہ اسے شرعی مصارف پر صرف فرمائیں لیکن اگر وہ بظاہر موجود نہ ہوں یا موجود تو ہوں مگر مبسوط الید نہ ہوں تو نہ ان پر مطالبہ کرنا لازم ہے اور نہ اہل ایمان پر ان کی خدمت میں پہنچانا واجب ہے بلکہ انہوں نے اپنے موالیوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اس صورت میں خود بخود یا اپنے نمائندوں کے ذریعہ مستحقین میں تقسیم کریں یہ ہے اس سلسلہ میں بظاہر مختلف اخبار و اثار کے درمیان جمع کا آسان طریقہ کیا۔ **کما لا یخفی علی اولی الابصار**

مسئلہ ۶۔ سابقہ مبحث زکواۃ کے جو ہشتگانہ مصارف بیان کئے گئے ہیں ان تمام مدات میں اور وہ بھی برابر برابر زکواۃ کا صرف کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ تمام زکواۃ ان میں سے صرف بعض مدات میں صرف کی جاسکتی ہے اور حسب مصلحت اس میں کمی و بیشی بھی کی جاسکتی ہے آیت مبارکہ میں جو مصارف ہشتگانہ بیان کئے گئے ہیں اس سے مقصد صرف بیان مصرف ہے یعنی یہ بتلانا مقصود ہے کہ زکواۃ ان اقسام ہشتگانہ سے باہر کسی اور مصرف میں صرف نہیں کی جاسکتی بنابریں آیت مبارکہ میں للفقراء پر جو لام ہے وہ اختصاص و استحقاق کا ہو گا نہ ملکیت کا کمالا یخفیٰ

مسئلہ ۷۔ سب مستحقین کو برابر برابر حصہ دینا ضروری نہیں ہے بلکہ علم و فضل دین و دیانت اور شدت فقر و مسکنت کی وجہ سے بعض کو دوسرے بعض پر ترجیح دی جاسکتی ہے جیسا کہ ائمہ طاہرین کے فرامین اور فقہاء کرام کے فتاوی میں اس بات کی تصریحات موجود ہیں۔

مسئلہ ۸۔ مشہور یہ ہے کہ زکواۃ میں نماز کی طرح بلا عذر شرعی تقدیم و تاخیر جائز نہیں ہے یعنی نہ تو وقت سے پہلے ادا کی جاسکتی ہے اور نہ وقت سے مؤخر کی جاسکتی ہے مگر بہت سی روایات سے ہر دو امور کا جواز ظاہر ہوتا ہے اس لئے احوط یہ ہے کہ اگر وقت سے پہلے ادا کرے تو قرض کی نیت سے دے اور وقت آنے پر زکواۃ میں شمار کرے اور جب ادائیگی کا وقت آجائے تو بلاوجہ تاخیر نہ کرے —— ہاں البتہ اگر مستحق موجود نہ ہوں یا موجود تو ہوں مگر مالک افضل افراد تک پہنچانا چاہے یا اس غرض سے بچا کر رکھنا چاہئے کہ مبادا مستحق آکر مطالبہ کریں اور اسے خفت نہ اٹھانا پڑے تو ان صورتوں میں تاخیر جائز ہے مگر پھر بھی افضل یہ ہے کہ زکواۃ کا مال علیحدہ کر کے رکھ دے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۹۔ جس شہر میں زکواۃ واجب ہوئی ہے آیا اس سے نقل کر کے اسے دوسرے شہر میں لے

جانا جائز ہے یا نہ؟ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے گو مشہور یہ ہے کہ اگر وہاں مستحق موجود ہو تو پھر نقل حرام ہے اور اگر موجود نہ ہو تو پھر جائز ہے مگر اقوی یہ ہے کہ بہر حال نقل جائز ہے ہاں اگر وہاں مستحق موجود نہ ہو اور دوسری جگہ منتقل کرتے وقت زکواۃ ضائع ہو جائے تو مالک ضامن نہ ہو گا لیکن اگر وہاں مستحقین موجود ہوں اور پھر بھی منتقل کرے تو پھر تلف ہونے کی صورت میں دوبارہ ادا کرنے کا ضامن ہو گا جیسا کہ جناب محمد بن مسلم کی صحیح السند روایت میں جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اور فروع کافی میں موجود ہے یہ تفصیل وضاحت کے ساتھ مذکور ہے اسی طرح اگر مستحقین موجود ہوں اور وہ ادا کرنے میں بلاوجہ تاخیر کرے تو تلف ہونے کی صورت میں ضامن ہو گا۔

مسئلہ ۱۰۔ کم از کم زکواۃ کی کتنی مقدار ایک مستحق کو دینی چاہیے؟ اس میں اختلاف و اشکال ہے احتیاط واجب یہ ہے کہ پانچ درہم (یعنی بمقدار ساڑھے سترہ ماشہ چاندی) سے کم نہ دی جائے جو کہ چاندی کے پہلے نصاب کی زکواۃ ہے اگرچہ مشہور بین المتاخرین یہ ہے کہ یہ صرف بنابر استحباب ہے۔ **وھو لا یخلو من وجہ**

ہاں یہ واضح رہے کہ یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب زکواۃ کی مقدار پانچ درہم یا اس سے زائد ہو لیکن اگر اس کی مقدار ہی اس سے کم ہو جیسے چاندی کے دوسرے نصاب کی زکواۃ جو ایک درہم یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی ہے تو پھر بلا اشکال وہی مقدار مستحق کو دی جاسکتی ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ جس آدمی پر زکواۃ واجب ہو اور اس کی وفات کا وقت قریب آجائے اس پر واجب ہے کہ اس کو ادا کرے یا کم از کم ادا کرنے کی وصیت کرے ورنہ ایک اسلامی فریضہ کو ترک کرنے کی وجہ سے معذب و معاقب ہو گا۔

مسئلہ ۱۲۔ زکواۃ چونکہ عبادات میں شامل ہے اس لئے اس کی ادائیگی میں قصد قربت شرط ہے اگر یہ قصد نہ کیا گیا تو زکواۃ ادا کرنے والا بری الذمہ نہ ہو گا۔

مسئلہ ۱۳۔ مذکورہ بالا بیان سے واضح و عیاں ہے کہ زکواۃ عبادت ہے کوئی حکومتی ٹیکس نہیں لہذا نہ غیر شرعی حکومت اس کے لینے کی مجاز ہے اور نہ اسے دینا جائز ہے اور نہ ہی دینے والا بری الذمہ ہو سکتا ہے۔ واللہ العالم۔

زکواۃ فطرہ، اسکی حقیقت، اسکے مصارف اور احکام کا بیان

زکواۃ فطرہ تمام علماء اسلام کے اتفاق سے شرائط مقررہ کے ساتھ واجب ہے "فطرہ" سے خلقت یا دین یا افطار صوم مراد ہے پہلے معنی کے اعتبار سے اس کا مقصد ہوگا زکواۃ جسم و بدن دوسرے معنی کے لحاظ سے اس کا مفہوم ہوگا دین اسلام کی زکواۃ اور تیسرے معنی کے ماتحت مطلب ہو گا افطار روزہ کی زکواۃ بہرنوع یہ زکوۃ بھی دوسری عام زکواۃ کی ہی ایک قسم ہے جو اسلامی عبادات کا ایک اہم رکن ہے منجملہ اس کے فوائد و عوائد کے ایک یہ ہے کہ جس شخص کا فطرانہ ادا کر دیا جائے وہ اس سال مرنے سے بچ جاتا ہے دوسرا یہ کہ اس سے روزہ قبول ہوتا ہے پس جو شخص عمداً فطرہ ادا نہ کرے اس کا روزہ قبول نہیں ہوتا یہی بات اس کی اہمیت و عظمت ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے

زکوۃ فطرہ کے وجوب کے شرائط

زکوۃ فطرہ بھی دوسری زکوۃ کی طرح واجب مطلق نہیں بلکہ مشروط ہے۔ اس کے عمومی شرائط چار ہیں۔ (اول) بلوغ (دوم) عقل کیونکہ بالاتفاق یہ نابالغ بچہ اور دیوانہ پر واجب نہیں ہے۔ (سوم) آزادی کیونکہ ہر قسم کے غلام پر بالاتفاق فطرہ واجب نہیں ہے۔ (چہارم) بنابر اشہر و اظہر غنا و تونگری بھی شرط ہے۔ یعنی فطرہ اس شخص پر واجب ہوگا جو بالفعل یا بالقوۃ اپنا اور اپنے واجب النفقہ اہل و عیال کا سال بھر کا خرچ و خوراک رکھتا ہو اگر ایسا نہیں تو پھر اس پر فطرہ واجب نہ ہوگا۔

کس چیز سے فطرانہ ادا کرنا چاہیے۔

اگرچہ دیگر تمام فقہی ابواب کی طرح یہاں بھی فی الجملہ اختلاف ہے۔ مگر اشہر و اظہر قول یہ ہے کہ گندم، جو، خرما، کشمش، چاول، نخود مسور وغیرہ اجناس و غلات میں سے جہاں جو جنس زیادہ ہو اس سے فطرانہ ادا کرنا چاہیے۔ اگرچہ بہ نسبت دوسرے اجناس کے غلات اربعہ (گندم، جو، خرما اور مویز) افضل ہے نیز بلا اختلاف اصل جنس موجود ہو یا مفقود اسکی بجائے اسکی بازاری قیمت بطور فطرانہ دی جا سکتی ہے۔

۳۔ فطرانہ کی مقدار کیا ہے؟

بالاتفاق زکواۃ فطرہ کی مقدار ایک صاع ہے۔ اور موجودہ اوزان کے اعتبار سے علی التحقیق صاع کی مقدار دو سیر چودہ چھٹانک اور ۴ تولہ ہے۔ جیسا کہ اسکی تحقیق مزید مقدار زکواۃ کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

۴۔ فطرہ کا وقت وجوب کیا ہے؟

فطرہ کے وقت وجوب کی ابتداء کب شروع ہوتی ہے۔ اس میں فی الجملہ اختلاف ہے۔ مشہور بین المتاخرین یہ ہے۔ (وہوالمنصور) کہ اس کی ابتداء ماہ رمضان کے آخری دن کے غروب آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسکی تائید مزید اس سے ہوتی ہے۔ کہ اس وقت کے بعد کوئی کافر مسلمان ہو جائے' نابالغ بچہ بالغ ہو جائے یا پاگل عاقل ہو جائے یا کوئی بچہ پیدا ہو تو اس پر یا بچہ کے باپ پر زکواۃ واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ نصوص کثیرہ میں مذکور ہے۔ بنابریں مذکورہ بالا وقت میں وجوب کے تمام مذکورہ بالا شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص غروب سے ایک لحظہ پہلے دیوانہ ہو جائے یا فقیرو نادار ہو جائے تو اس پر فطرہ واجب نہ ہو گا۔ کمالا یخفی

۵۔ فطرہ کا وقت ادا اور اسکی انتہا کہاں ہے؟

مشہور یہ ہے کہ بروز عیدالفطر صبح صادق سے لے کر زوال آفتاب تک فطرہ ادا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن روایات متظافرہ میں وارد ہے کہ اگر نماز عید سے قبل ادا کیا جائے تو یہ فطرہ ہے۔ اور اگر نماز کے بعد ادا کیا جائے تو یہ صدقہ ہے فطرہ نہیں۔ (کتب اربعہ)

اس لئے احتیاط واجب ہے۔ کہ بلا عذر شرعی اسے نماز عید سے موخر نہ کیا جائے ہاں اگر نماز سے پہلے علیحدہ کر دیا جائے تو پھر اگرچہ بعد میں بھی ادا کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ متعدد روایات اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اسحاق بن عمار بیان کرتے ہیں۔

سالت ابا عبدالله عن الفطرة قال اذا عزلتها فلا يضرک متی اعطيتها قبل الصلوة او بعد ها الخ

———— (من لا يحضره الفقيه)

۶۔ فطرہ کا مصرف کیا ہے؟

بلا اختلاف فطرہ کا مصرف وہی ہے۔ جو زکواۃ کا ہے۔ کیونکہ یہ بھی زکواۃ کی ایک قسم ہے۔ لہٰذا بمطابق آیت مبارکہ انما الصدقات للفقراء والمساکین الایۃ انہی ہشتگانہ مصارف پر اسے صرف کیا جائے گا جن پر زکواۃ صرف کی جاتی ہے۔ جس کی تفصیل قبل ازیں زکوۃ کے ضمن میں گذر

بچی ہے بالخصوص فقراء و مساکین پر اسے صرف کرنا افضل ہے۔ (واللہ العالم)

فطرہ کے ضروری مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ آدمی پر صرف اپنا ہی نہیں بلکہ اپنے تمام واجب النفقہ افراد جیسے والدین' اولاد' بیوی اور غلام بلکہ ان تمام لوگوں کا فطرہ بھی واجب ہے جو بطور عیال اس کے ہاں پرورش پاتے اور اسی کے ہاں کھانا کھاتے ہیں اس سلسلہ میں بڑے' چھوٹے' بلکہ کافر و مسلمان میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر بیوی ناشزہ و نافرمان یا صغیرہ ہونے کی وجہ سے واجب النفقہ نہ ہو تو علی الاقوی اس کا فطرانہ' شوہر پر واجب نہ ہوگا اسی طرح اگر غلام بھاگ جائے تو اس کا فطرہ بھی مالک پر واجب نہ ہوگا۔ الغرض جن لوگوں کی یہ آدمی بالفعل پرورش کرتا ہے ان کا فطرانہ اس پر واجب ہے بنابریں اگر کسی شخص کی بیوی یا کسی کے غلام کی کوئی اور شخص پرورش کرتا ہے تو زکوۃ فطرہ اس پر واجب ہوگی نہ کہ شوہر اور مالک پر۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ اگر بیوی مالدار ہو اور شوہر ایسا غریب و نادار کہ فطرہ ادا نہ کر سکتا ہو تو احوط یہ ہے کہ بیوی اپنا فطرہ خود ادا کرے۔

مسئلہ ۴۔ یہ تو درست ہے کہ مہمان کا فطرہ میزبان پر واجب ہے لیکن کلام اس میں ہے کہ اس مہمان کی حد کیا ہے؟ جناب سید مرتضیٰ علم الھدیٰ اور جناب شیخ طوسیؒ نے پورا ماہ رمضان' حضرت شیخ مفیدؒ نے اس کا نصف' ابن ادریسؒ نے دو رات' علامہ حلیؒ نے ایک رات اور محقق حلیؒ نے ماہ رمضان کا آخری جزء کافی سمجھا ہے یعنی بس اتنا کافی ہے کہ مہمان ماہ رمضان آخری دن غروب آفتاب سے ایک لحظہ پہلے آجائے اور وہیں ہلال عید دیکھے۔ جناب محقق اردبیلیؒ اور جناب شہید ثانیؒ نے بھی اسی آخری قول کو اختیار کیا ہے گو جناب اردبیلی نے میزبان کے ہاں کھانا کھانا ضروری قرار دیا ہے مگر جناب شہید ثانی نے تو یہ شرط بھی ختم کر دی ہے کہاں ایک ماہ اور کہاں ایک لحظہ؟ یہ دونوں قول افراط و تفریط سے خالی نہیں ہیں اور بموجب خیر الامور اوساطہا۔

اظہر یہ ہے کہ مہمان کم از کم اس قدر میزبان کے ہاں قیام کرے کہ اس پر "عیلولہ" صادق آئے کہ فلاں شخص فلاں کی پرورش کرتا ہے اور اس کے اہل و عیال کے ساتھ شامل ہو

کر وہاں کھانا کھاتا ہے کیونکہ احادیث اہل بیتؑ سے یہی معیار واضح و آشکار ہوتا ہے جیسا کہ صحیح السند روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آنجناب سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی کسی کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا ہوا ہے اسی حال میں عید الفطر آجاتی ہے اس کا فطرہ میزبان پر ہے؟ فرمایا ہاں ہر شخص کا فطرہ اس آدمی پر واجب ہے جو اسکی پرورش کرتا ہے وہ خواہ مرد ہو یا عورت بڑا ہو یا چھوٹا آزاد ہو یا غلام بنا بریں آخری دن غروب آفتاب سے ایک لحظہ پہلے آنے والے مہمان پر کس طرح "عیلولہ" صادق آ سکتا ہے؟ بنابریں عیدالفطر کی آمد سے کم از کم دو رات پہلے اسے آنا چاہئے یا گو ماہ رمضان کے آخری دن غروب آفتاب سے پہلے آئے مگر اس رات کھانا بھی کھائے اور مزید کچھ دن قیام کا ارادہ بھی ہو بایں ہمہ یہ مسئلہ اجمال و اشکال سے خالی نہیں ہے اس لئے احتیاط ترک نہیں ہونی چاہئے واللہ العالم۔

مسئلہ ۵۔ موجودہ دور میں جو ذاتی طور پر نوکر رکھے جاتے ہیں وہ اگر تو صرف تنخواہ لیتے ہیں تو اس صورت میں ان کا فطرانہ خود ان پر واجب ہو گا اور اگر روٹی سردار کے ہاں کھاتے ہیں تو پھر ان کا فطرانہ اسی پر واجب ہو گا۔

مسئلہ ۶۔ شب عید الفطر غروب آفتاب کے بعد سے لے کر روز عید الفطر کے زوال سے پہلے جو بچہ متولد ہو یا جو نابالغ بچہ بالغ ہو یا یہودی و نصرانی مسلمان ہو یا دیوانہ شفایاب ہو تو ان پر یا ان کی طرف سے فطرانہ مستحب ہے۔

مسئلہ ۷۔ وقت وجوب سے پہلے فطرہ نکالنے کے جواز میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ جائز نہیں ہے مگر بعض فضلاء اور بعض فقہاء کے فتاوی سے ظاہر ہوتا ہے بایں ہمہ احوط یہ ہے کہ اگر وقت سے پہلے ادا کیا جائے تو قرض کی نیت سے کیا جائے اور وقت داخل ہونے کے بعد فطرانہ میں شمار کرلے بشرطیکہ جس کو بطور قرضہ دیا تھا مستحق ہو۔

مسئلہ ۸۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ ایک مستحق کو کم از کم ایک شخص کے فطرانہ سے کم نہ دیا جائے جو کہ ایک صاع غلہ یا اسکی قیمت ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں ایک شخص کو ایک شخص کے فطرانہ سے کم نہ دو (تہذیب الاحکام)

ہاں البتہ ایک مستحق کو اس قدر دیا جاسکتا ہے کہ وہ سال کے اخراجات کا مالک ہو جائے۔

مسئلہ ۹۔ جب کہیں کوئی مومن مستحق موجود نہ ہو تو پھر مستضعفین کو فطرانہ دیا جاسکتا ہے اور

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی سادہ لوحی کی بناء پر نہ تو اہلبیتؑ کی امامت کا اقرار کرتے ہیں اور نہ ہی انکار جو "مرجون لا مراللہ" کی جماعت میں داخل ہیں۔

مسئلہ ۱۰۔ مالی زکواۃ کی طرح چونکہ فطرانہ بھی ایک اسلامی عبادت ہے لہذا اس کے ادا کرتے وقت قصد قربت کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے بغیر ہر عبادت ایک ایسا جسم ہوتی ہے جس کے اندر روح نہ ہو یا ایک ایسا پھول ہے جس کے اندر خوشبو نہ ہو۔ **رزقنا اللہ تعالی وجمیع المومنین الاخلاص فی القول والعمل وحفظنا من الخطاء والزلل تم باب الزکوۃ والحمد رب العالمین وصلی اللہ تعالی علی اشرف انبیائہ وعترتہ الطاہرینؑ**

باب الخمس

واعلموا انما غنمتم من شی فان للہ خمسہ

خمس، اس کے اسرار، اسکی حقیقت اور اسکے احکام کا بیان

خمس اسلامی فرائض و واجبات میں سے ایک عظیم الشان فریضہ ہے اس کے وجوب کے وہی اسرار و رموز ہیں اور اس کے اندر وہی حکم و مصالح پوشیدہ ہیں جو زکواۃ کے اندر مضمر ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ زکواۃ کے عوض صرف بنی ہاشم کے فقراء و مساکین اور انہی کے یتامیٰ و ابناء سبیل اور بیوگان کے ساتھ مختص ہے ان اسرار و رموز کے اعادہ کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے باب الزکواۃ کے ابتدائی حصہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

خمس ادا کرنے کی فضیلت اور نہ دینے کی مذمت

ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ خداوند حکیم نے زکواۃ کے عوض جو کہ لوگوں کے ہاتھوں کا میل ہے قرابت داران رسولؐ کے لئے ان کی خاندانی عظمت و شرافت کے پیش نظر خمس واجب قرار دیا ہے چنانچہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان اللہ لا الہ الا ھو حیث حرم علینا الصدقتہ انزل لنا الخمس والصدقتہ علینا حرام والخمس لنا فریضتہ والکرامتہ لنا حلال

"وہ خدا جس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے (جب اس نے اپنی حکمت بالغہ سے) صدقہ "زکواۃ و فطرہ" ہم پر حرام قرار دیا تو اس کے عوض ہمارے لئے خمس کا حکم نازل فرمایا پس صدقہ

ہم پر حرام اور خمس اور تحفہ وہدیہ حلال ہے (وسائل الشیعہ)

۲۔ لہٰذا اسکی ادائیگی میں رسولؐ اور خاندان رسولؐ کے ساتھ ایک قسم کا احسان ہے۔

۳۔ اس کی ادائیگی میں اپنی شرافت اور احسان شناسی کا ثبوت ہے۔

۴۔ اس کی ادائیگی میں ان لوگوں کے عمل سے دوری ہے جنھوں نے خاندان نبوت کا یہ حق غصب کیا تھا۔

۵۔ سب سے بڑھ کر اسکی ادائیگی میں حکم خدا و رسولؐ کی تعمیل ہے۔

۶۔ اس کی ادائیگی سے رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

۷۔ اسکی ادائیگی سے گناہ معاف ہوتے ہیں

۸۔ اس کی ادائیگی توشہ آخرت ہے

۹۔ اسکی ادائیگی سے خاندان رسولؐ کی قوت لایموت کا انتظام ہوتا ہے

۱۰۔ اس کی ادائیگی سے آدمی خاندان مصطفےٰؐ کی دعائے خیر کا مستحق قرار پاتا ہے چنانچہ حضرت امام رضا علیہ افضل التحیۃ والثناء فرماتے ہیں۔

ان اللہ واسع کریم ضمن علی العمل الثواب وعلی الخلاف العقاب لا یحل مال الا من وجہ احلہ اللہ ان الخمس عوننا علی دیننا وعلی عیالاتنا وعلی موالینا' وما نبذل ونشتری من اعراضنا ممن نخاف سطوتہ فلا تزووہ عنا ولا تحرموا انفسکم دعائنا ما قدرتم فان اخراجہ' مفتاح رزقکم وتمحیص ذنوبکم وما تمہدون لانفسکم لیوم فاقتکم (الحدیث)

یعنی خداوندعالم بڑی وسعت اور رحم و کرم والا ہے اس نے عمل صالح پر ثواب اور مخالفت حکم پر عذاب کی ضمانت دی ہے کسی پر کوئی مال اس وقت تک حلال نہیں ہوتا جب تک اس طریقہ سے حاصل نہ کیا جائے جسے خدا نے حلال قرار دیا ہے خمس کے ذریعہ سے ہم اپنے دین' اپنے اہل وعیال' اپنے حشم و خدم پر مدد حاصل کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے ہم ظالموں سے اپنی ناموس کی حفاظت کرتے ہیں اس لئے اسے ہم سے نہ روکو اور حتی الامکان ہماری دعاؤں سے اپنے آپ کو محروم نہ کرو' کیونکہ اسکی ادائیگی تمہارے رزق کی کنجی تمہارے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے اور یوم فقر و فاقہ (قیامت) کے لئے تمہارا زاد راہ اور توشہ ہے۔ (تہذیب الاحکام)

اور اس کے ادا نہ کرنے کی مذمت میں بکثرت روایات وارد ہیں۔ فرمایا کہ جناب ابو

بصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کرتے ہیں کم از کم وہ چیز کیا ہے جس کی وجہ سے ایک آدمی دوزخ میں داخل ہوتا ہے؟

فرمایا۔ من اکل من مال الیتیم درھما"

جو شخص کسی یتیم کا ایک درہم کھائے پھر فرمایا اور ہم بھی یتیم ہیں۔ (من لا یحضرہ الفقیہ)

سات چیزوں میں خمس واجب ہے

ارشاد قدرت ہے۔ **واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل الایتہ۔** "جان لو کہ تحقیق جو کچھ تمہیں بطور غنیمت ملے یقیناً" اس کا پانچواں حصہ خدا اسکے رسول اور ان کے قرابتداروں یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے"

اگرچہ عام ذہنوں میں یہی چیز جاگزین ہے کہ غنیمت سے وہ مال مراد ہے جو کفار سے جنگ کرنے کے نتیجہ میں ہاتھ آئے (بشرطیکہ وہ جنگ نبی یا امام کے حکم سے ہو) مگر مہابط وحی و تنزل یعنی وہ ذوات مقدسہ جن کے گھروں میں قرآن اترا ہے ان کی تفسیر و توضیح دیکھنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ "غنیمت" کے معنی بہت وسیع و عریض ہیں اور وہ یہ ہیں ہر قسم کا مالی فائدہ خواہ جس جائز طریقہ سے حاصل ہو۔ چنانچہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **ھی واللہ الافادۃ یوما بیوم۔**

ربخدا وہ (غنیمت) روز بروز کا فائدہ ہے۔ (تہذیب الاحکام) اور صاحب مجمع البحرین لکھتے ہیں۔ **الغنیمتہ فی الاصل ھی الفائدۃ المکتسبتہ۔**

پھر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے احادیث شریفہ کا تتبع و استقراء کرنے سے اس معنائے کلی کے سات افراد معلوم ہوتے ہیں۔

غنائم دارالحرب' معدنیات' کنوز' غوصیات' اموال حلال مخلوط بحرام' وہ اراضی جو کافر ذمی مسلمان سے خریدے' ارباح مکاسب الغرض ان تمام اشیاء میں خمس کا وجوب اجمالاً" قرآن سے ثابت ہے اور تفصیلاً" احادیث سے قدر جیداً" ذیل میں ان "اشیاء سبعہ" کی بقدر ضرورت تفصیل درج کی جاتی ہے۔

۱۔ مال غنیمت دارالحرب

جب مسلمان نبی یا امام کے اذن وامر سے کفار سے جنگ کریں اور اس جنگ کے نتیجہ میں کفار کا جو مال و متاع مسلمانوں کے قبضہ میں آئے قلیل ہو یا کثیر اس کے مصارف حمل و نقل، حفاظت منہا کرنے اور اگر نبیؐ اور امامؑ اس مال سے کوئی چیز منتخب فرمائیں تو اس کے بعد باقیماندہ مال و متاع میں سے خمس نکالنا واجب ہے۔

۲۔ معدن

جو چیزیں کسی معدن و کان سے نکلتی ہیں خواہ جامد و خشک ہوں جیسے سونا چاندی تانبا پیتل فیروزہ عقیق اور نمک و کوئلہ وغیرہ یا مائع و سیال ہوں جیسے لک تیل اور پٹرول وغیرہ وہ نکالنے والے کی ملکیت متصور ہوں گی اور ان میں خمس واجب ہے بشرطیکہ نکالنے کے اخراجات منہا کرنے کے بعد ان کی قیمت نقدین کے پہلے نصاب زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ جائے جو کہ بنابر اشہر و اظہر سونے میں بیس دینار۔ ۲۰ مثقال او رایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے اور چاندی میں دو سو درہم نقرئی ہے "جبکہ ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے" اگرچہ احتیاط اس میں ہے کہ اگر ان کی مقدار ایک دینار تک بھی پہنچ جائے تب بھی خمس ادا کیا جائے بلکہ احوط یہ ہے کہ اگر اس سے بھی کم ہو یعنی جو چیز کان سے نکلے خواہ قلیل ہو یا کثیر اس کا خمس ادا کیا جائے۔ (واللہ العالم)

(مسائل واحکام)

مسئلہ ۱۔ یہ معدنی چیزیں نکالنے والے شخص (یا اشخاص) کی ملکیت صرف اس صورت میں متصور ہوں گی کہ وہ معدنی زمین (یا پہاڑ) اس کی اپنی ملکیت ہو یا تمام مسلمانوں کی مشترکہ ہو۔ جیسے وہ زمین جو بغیر جنگ وجدال فتح ہو جائے، اور اگر وہ زمین ملکیت کسی اور شخص کی ہو اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی اور شخص اس سے کوئی چیز برآمد کرے تو وہ چیز مالک زمین کی ملکیت متصور ہو گی اور نکالنے والا مجرم متصور ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ اگرچہ آدمی مل کر کوئی معدنی چیز برآمد کریں تو مشہور یہ ہے کہ ہر شخص پر خمس صرف اس صورت میں واجب ہو گا جبکہ اس کا حصہ نصاب کی مقدار تک پہنچ جائے مگر احتیاط واجب یہ ہے کہ اگر برآمد شدہ چیز مجموعی طور پر نصاب تک پہنچ جائے تو اس کا خمس ادا کیا جائے

مسئلہ ۳۔ وجوب خمس کے سلسلہ میں اس معدنی چیز کی نوع کا متحد ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ

اگرچہ مختلف النوع چیزیں جیسے لوہا نمک اور تانبا اور عقیق کی مجموعی قیمت بقدر نصاب ہو جائے تو خمس واجب ہو جائے گا۔

۳۔ کنز

جو مال و دولت زمین' دیوار درخت یا پہاڑ کے نیچے دفن شدہ ہو اسے کنز گنج اور خزانہ کہا جاتا ہے یہ مال اس شخص کی ملکیت تصور ہوتا ہے جسے دستیاب ہو اور اس میں خمس واجب ہے بشرطیکہ اخراجات وضع کرنے کے بعد مقدار نصاب ہو جو کہ بیس دینار طلائی یا دو سو درہم نقری ہے۔

احکام کنز کا خلاصہ

خزانہ کے وہ احکام جو مشہور بین الفقہاء ہیں کا جامع خلاصہ یہ ہے کہ جو خزانہ دارالحرب سے پیدا ہو تو وہ علی الاطلاق (عام اس سے کہ اس مال پر اسلامی نشانات ہوں یا نہ ہوں) اپنی مملوکہ زمین سے برآمد ہو ——— یا دارالاسلام کی زمین سے جبکہ اس پر کوئی اسلامی نشان نہ ہو خواہ وہ زمین غیر مملوکہ ہو یا مملوکہ ——— جبکہ اس کا مالک اس خزانہ کا دعویٰ نہ کرے) ان تمام صورتوں میں وہ مال پیدا کرنے والے کی ملکیت متصور ہو گا اور مذکورہ بالا شرائط کے تحت اس پر خمس واجب ہو گا ——— اور اگر اس پر کوئی اسلامی نشان موجود ہے مثلاً" اس پر پیغمبر اسلامؐ یا ائمہ علیہم السلام یا بادشاہان اسلام میں سے کسی کا نام کندہ ہے تو اس پر "لقطہ" والے احکام مرتب ہوں گے ایک سال تک اس کے مالکوں کو تلاش کرنا پڑے گا اور مالک کے نہ ملنے کی صورت میں اسے برآمد کرنے والے کی ملکیت سمجھا جائے گا یا مالک کی طرف سے بطور صدقہ دیا جائے گا جس کی تفصیل دوسری جلد میں بیان کی جائے گی انشاء اللہ

مگر احادیث آل محمدؐ سے اس تفصیل کا ثابت کرنا مشکل ہے ان سے تو صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر یہ مال ایسی جگہ سے ملا ہے جس کا مالک موجود ہے تو یہ مال اس جگہ کے مالک کا متصور ہو گا اور اگر غیر آباد اور غیر مملوکہ جگہ سے دستیاب ہوا ہے تو پھر جسے ملا ہے اس کی ملکیت سمجھا جائے گا اسکی کوئی قید نہیں ہے کہ اس پر اسلامی نشان ہو یا نہ ہو جیسا کہ جناب محمد بن مسلم کی دو صحیح السند روایتوں سے ظاہر ہے۔ (وافی' وسائل الشیعہ ——— واللہ العالم)

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ اگر مختلف جگہوں سے دفینے دستیاب ہوں تو ہر ایک کا نصاب الگ الگ معتبر ہوگا اور اگر دفینہ ایک جگہ سے ملے تو خواہ اس کے برتن الگ الگ ہی کیوں نہ ہوں اس کا ایک ہی نصاب متصور ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ اگر برآمد کرنے والے چند آدمی ہوں تو اس صورت میں خمس کا وہی حکم ہے جو معدن میں چند اشخاص کی شرکت کا ہے (جو اوپر مذکور ہے)

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی سے کوئی حیوان خریدے اور اس کے پیٹ سے کچھ مال برآمد ہو تو اصلی مالک کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ اگر وہ اس کا دعویٰ کرے تو بلا بینہ و برہان اس کا مال متصور ہوگا اور اگر وہ دعویٰ نہ کرے تو پھر خریدار کا مال سمجھا جائے گا اور مقررہ شرائط کے ماتحت اس کا خمس واجب ہوگا (خریدی ہوئی زمین سے دفینہ ملنے کا بھی یہی حکم ہے) (فلا تغفل)

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی بازار سے مچھلی خرید کر لائے اور اس کے پیٹ سے کچھ مال برآمد ہو تو وہ خریدار کا ملک متصور ہوگا اور مقررہ شرائط کے ساتھ اس پر خمس واجب ہوگا مخفی نہ رہے کہ یہاں بائع کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے

توضیح

مسئلہ ۳۔ ۴۔ ہم نے عام فقہاء کرام کی متابعت میں یہاں ذکر کر دیے ہیں ورنہ درحقیقت یہ ارباح مکاسب میں داخل ہیں کنز کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے زمین میں دفن شدہ مال کو کنز کہا جاتا ہے اور جو مال حیوان یا مچھلی کے پیٹ سے برآمد ہو اسے کنز نہیں کہا جاسکتا۔ (واللہ العالم)

۴۔ غوص وغوطہ زنی

اگر غوطہ زنی کے ذریعے سمندر سے یا علی الاحوط کسی بڑے دریا سے جواہرات لولو و مرجان زبرجد وغیرہ برآمد کئے جائیں تو یہ برآمد کرنے والے کی ملکیت متصور ہوں گے اور برآمدگی اخراجات منہا کرنے کے بعد اگر ان کی مجموعی قیمت ایک دینار طلائی (ایک مثقال جو کہ ساڑھے چار ماشہ یا ۱۸ متوسط دانہ جو کے برابر ہوتی ہے) تک پہنچ جائے تو اس پر خمس واجب ہو جاتا ہے۔

(مسائل واحکام)

مسئلہ ۱۔ اگرچہ چیزیں غوطہ زنی کے بغیر ساحل سمندر سے دستیاب ہو جائیں تو پھر ان پر غوطہ زنی والے احکام نافذ نہیں ہوں گے ــــــــ بلکہ پھر ان کا شمار ارباح مکاسب میں ہوگا اور اکی سالانہ بچت پر خمس واجب ہوگا) جس کی تفصیل آخر میں آرہی ہے انشاء اللہ)

مسئلہ ۲۔ بالاتفاق عنبر برآمد کرنے کا بھی یہی حکم ہے جو اوپر جواہر کے متعلق بیان ہوا ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر غوطہ زنی سے مچھلی وغیرہ برآمد کی جائے تو اس پر غوطہ زنی کے احکام کا نفاذ نہ ہوگا بلکہ اسے مکاسب کے منافع میں داخل سمجھا جائے گا اور سالانہ بچت پر خمس عائد ہوگا

۵۔ مال حلال مخلوط بحرام

اگر حلال مال کے ساتھ حرام مال اس طرح مخلوط اور گڈمڈ ہو جائے کہ نہ حرام کی مقدار کا علم ہو اور نہ مالک کا تو اس کا خمس ادا کرنے سے باقی مال حلال ہو جاتا ہے اور اگر مال حرام کی مقدار اور اس کا مالک معلوم ہو تو اس صورت میں خمس کی بجائے وہ مخصوص مقدار اس کے مالک کو ادا کی جائے گی اور اگر مقدار تو معلوم ہو مگر مالک معلوم نہ ہو تو وہ مقدار اس کے اصلی مالک کی طرف سے بطور صدقہ دی جائے گی اور اگر مالک معلوم ہو مگر مقدار معلوم نہ ہو تو اس صورت میں مالک کے ساتھ مصالحت کی جائے اور اگر مالک مصالحت پر رضامند نہ ہو تو آیا قلیل مقدار ادا کی جائے گی یا کثیر؟ اقوی پہلی صورت ہے اگرچہ احوط دوسری صورت ہے تاکہ برات ذمہ کا یقین کامل ہو جائے۔

(مسائل واحکام)

مسئلہ ۱۔ جس صورت میں مالک کی طرف سے مقدار معلوم بطور صدقہ دی گئی تھی اگر بعد ازاں مالک پیدا ہو جائے اور اپنے مال کا مطالبہ کرے تو اسکی ادائیگی واجب نہیں ہے ہاں احوط یہ ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

مسئلہ ۲۔ اس خمس کا مصرف بھی بنا بر اقوی دوسرے خمس جیسا ہے اگر مالک بعینہٖ معلوم نہ ہو مگر یہ معلوم ہو کہ وہ چند مخصوص آدمیوں میں منحصر ہے تو اس صورت میں احوط یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے ان تمام افراد کی رضامندی حاصل کی جائے اگرچہ یہ مال سب میں بحصہ مساوی تقسیم کرنے سے بھی یہ رضایت حاصل ہو۔ (واللہ العالم)

۶۔ وہ زمین جو کافر ذمی مسلمان سے خریدے

اگر کوئی کافر ذمی کسی مسلمان سے زمین خریدے تو ابو عبیدہ حذاء کی صحیح السند روایت کے مطابق جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے اس کافر سے اس زمین کا خمس لیا جائے گا خواہ اصل زمین سے ادا کرے یا دوسرے مال سے۔ اس زمین میں یہ کوئی خصوصیت نہیں ہے کہ زراعت کے لئے خریدی جائے یا سکونتی مکان بنانے کے لئے۔ ہاں البتہ اگر یہ بیع و شراء دکان یا مکان کی کی جائے تو پھر اس پر خمس واجب نہ ہوگا۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ یہاں قصد قربت شرط نہیں ہے کیونکہ ادا کرنے والا کافر ہے جس سے قصد قربت متصور ہی نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ ۲۔ اگر کافر ذمی بیع کے ضمن میں یہ شرط کرے کہ وہ خمس ادا نہیں کرے گا تو یہ شرط باطل تصور ہوگی اور اسے بہرحال خمس ادا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر بیع و شراء کے بغیر کسی اور طریقہ سے یہ زمین مسلمان سے کافر ذمی کو منتقل ہو جائے تو اقرب یہ ہے کہ اس صورت میں خمس واجب نہ ہوگا۔ وقوفاً علی مورد النص فیما خالف الاصل

۷۔ جو کچھ سال بھر کے اخراجات سے بچ جائے از قسم نفع تجارت و حاصل زراعت و صناعت وغیرہ

جن چیزوں میں خمس واجب ہے ان کی آخری قسم یہ ہے کہ آدمی جو جائز کاروبار کرتا ہے خواہ تجارت ہو یا زراعت، حرفت ہو یا صناعت عملی ہو یا روضہ خوانی، ملازمت ہو یا گلہ بانی پارچہ بافی ہو یا گلہ رانی اور اس سے اسے جو کچھ حاصل ہو بلکہ ہر وہ مال جو کسب و اکتساب کے بغیر حاصل ہو جائے جیسے ہبہ، ہدیہ، انعام اور وصیت شدہ مال یا غیر متوقعانہ میراث وغیرہ ان تمام اقسام میں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اپنی پوزیشن کے مطابق سال بھر کے اخراجات ضروریات زندگی وضع کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہے اس کا پانچواں حصہ بطور خمس ادا کرنا واجب ہے اس سلسلہ میں متعدد روایات معتبرہ موجود ہیں جن میں وارد ہے کہ فی کل ما افاد الناس من

قلیل ہو کثیر کہ جو کچھ لوگ کمائیں خود قلیل ہو یا کثیر اس میں خمس واجب ہے لیکن "بعد المؤنہ" یعنی سالانہ اخراجات کے بعد (کتب اربعہ)

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ بنابر اقوی حق مہر میں عورت پر خمس واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ توضیح کے مطابق میراث سے حاصل شدہ مال پر بھی خمس واجب نہیں ہے مگر یہ کہ علم و یقین حاصل ہو کہ مورث نے باوجود خمس کے واجب ہونے کے ادا نہیں کیا تھا تو پھر ادا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۳۔ اخراجات میں سفرحج و زیارات اور شادی و غمی کی تمام جائز تقریبات کے مصارف شامل ہیں۔

مسئلہ ۴۔ جو شخص سرے سے خمس کا معتقد نہیں ہے یا معتقد تو ہے مگر اسے ادا نہیں کرتا اس سے خرید و فروخت اور دیگر مالی معاملات میں لین دین جائز ہے۔

مسئلہ ۵۔ حیوانات پر خمس واجب نہیں ہے ہاں جب زائد از ضرورت حیوانات فروخت کئے جائیں تو اس سے جو آمدن ہوگی وہ سال کے منافع میں شامل ہوگی اور سالانہ بچت پر خمس واجب ہوگا اور یہی حکم اشجار و باغات وغیرہ کا ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۶۔ اگر کسی شخص کی آمدنی کے مختلف اور متعدد ذرائع ہوں تو اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر منفعت اور آمدن کا سال علیحدہ علیحدہ مقرر کرے بلکہ پہلی منفعت سے اسکے سال کا آغاز ہو جائے گا اور سال کے اختتام پر ان منافع کا خمس بھی ادا کیا جائے گا جو چند مہینے بلکہ چند روز پہلے حاصل ہوئے ہوں گے۔

مسئلہ ۷۔ سال کی ابتداء شمسی و قمری ہر دو سال سے کی جاسکتی ہے اگرچہ قمری سال افضل ہے جن ذرائع معاش کے فوائد و منافع کام شروع کرتے ہی حاصل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جیسے تجارت اور صنعت و حرفت' ان کے سال کی ابتداء تو کام کے شروع کرتے ہی شروع ہو جائے گی۔ مگر جن ذرائع آمدنی کے منافع کام شروع کرنے کے کچھ عرصہ بعد حاصل ہونا شروع ہوتے ہیں جیسے زراعت اور باغات وغیرہ تو ان کے سال کی ابتداء نفع حاصل ہونے کے وقت سے ہوگی۔ کما لا یخفیٰ

مسئلہ ۸۔ خمس کا تعلق علی الاظہر عین المال سے ہوتا ہے ہاں البتہ مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ عین المال سے ادا کرے یا اسکی قیمت ادا کرے یا دوسرے مال سے ادا کرے۔

مسئلہ ۹۔ کاروبار کے سلسلہ میں آدمی جو مصارف صرف کرتا ہے۔ وہ بھی سالانہ اخراجات میں شمار کئے جائیں گے۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر کسی شخص کے اخراجات کا کوئی اور شخص کفیل ہو جائے تو پھر اسے اپنے مال سے اخراجات منہا کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ بلکہ اسے اپنی تمام آمدنی اور منافع سے خمس ادا کرنا پڑے گا۔ واللہ العالم

تقسیم خمس کی کیفیت اور اسکے مستحقین کا بیان

خمس کو چھ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ خدا کا' دوسرا رسول خدا کا تیسرا ذی القربیٰ (یعنی امام) کاحق نہ رہے کہ نبی کے بعد یہ تینوں حصے امام کے ہوتے ہیں چوتھا قرابت داران رسولؐ کے یتیموں کا پانچواں ان کے مسکینوں کا اور چھٹا ان کے مسافروں کا ہے۔

مستحقین کے شرائط

خمس کے مستحقین (یتامیٰ' مساکین اور ابناء السبیل) میں علاوہ یتیم مسکین اور ابن السبیل ہونے کے چند دوسرے شرائط بھی معتبر ہیں۔

اول سیادت = یعنی ان کا سلسلہ نسب پدری یا علی الاظہر مادری طور پر جناب ہاشم (حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جدّ اعلیٰ) تک پہنچتا ہو۔ خواہ علوی ہوں یا عقیلی' جعفری ہوں یا عباسی وغیرہم اگرچہ علویوں کو غیر علویین پر اور پھر علویین میں سے فاطمیین کو غیر فاطمیین پر فضیلت اور ترجیح و تقدیم حاصل ہے اور یہ نسب بینہ عادلہ یا شیاع مفید علم یا اس شہرت بلدی سے ثابت ہوتا ہے جو موجب وثوق و اطمینان ہو صرف خالی دعویٰ سے کسی شخص کی سیادت ثابت نہیں ہو سکتی۔

دوم۔ ایمان = یعنی سیادت کے ساتھ ساتھ صحیح العقیدہ اثناء عشری ہونا بھی ضروری ہے لہٰذا غیر مومن دعویدار سیادت کو خمس نہیں دیا جاسکتا۔

سوم = یتیموں میں فقرو فاقہ یعنی سال کے اخراجات کا مالک نہ ہونا بھی شرط ہے صرف یتیم ہونا استحقاق خمس کے لئے کافی نہیں ہے ہاں البتہ ابن السبیل (مسافر) کے لئے اپنے وطن میں فقیرو

مسکین ہونا لازم نہیں البتہ حالت سفر میں استحقاق کافی ہے۔ (جس کی تفصیل مستحقین زکوۃ کے بیان میں گذر چکی ہے)

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ مستحقین میں عدالت شرط نہیں ہے اگرچہ احوط یہ ہے کہ مرتکب کبائر، بالخصوص متجاہر بالفسق کو بالاخص جبکہ خمس دینے میں اعانت علی الاثم ہوتی ہو خمس نہ دیا جائے۔ بلکہ صالح افراد کو ترجیح دی جائے۔ ہاں البتہ اولاد صغار کا سرپرست سمجھ کر خمس ایسے لوگوں کے حوالہ کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ ایک مستحق کو سال کے اخراجات سے زائد دینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ خمس کے آخری تینوں حصوں کو ہر سہ ۳ طبقات (یتیم، مسکین اور مسافر) پر تقسیم کرنا اور وہ بھی بحصہ مساوی ضروری نہیں ہے بلکہ ہر سہ حصص صرف ایک طبقہ پر بھی صرف کئے جاسکتے ہیں اور تقسیم کی صورت میں حصص میں برابری شرط نہیں ہے بلکہ استحقاق و تعداد کے مطابق کمی بیشی کی جاسکتی ہے بلکہ یہ امام وقت کی صوابدید پر منحصر ہے جس طرح وہ مناسب سمجھیں تقسیم فرمائیں۔ کسی کو چون و چرا کرنے اور لب کشائی کرنے کی گنجائش نہیں ہے ہاں احوط استحبابی یہی ہے کہ ان طبقات میں بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ جو کچھ احادیث آل محمدؐ کے تتبع و استقراء سے واضح و آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ امام وقت کی موجودگی میں ہر دو سہم (سہم امامؑ و سہم سادات کرام) خدمت امام میں پیش کئے جائیں گے اور وہ سہم سادات کو ان کے استحقاق کے مطابق ان پر صرف کریں گے اگر ان کا حصہ ان کی ضروریات کے لئے ناکافی ہوا تو امام اپنے حصہ سے بطور تتمہ و تکملہ ان کو دیں گے اور اگر ان کے حصہ سے کچھ بچ گیا تو وہ امام خود لے لیں گے لہٰذا ایک فقیہ جامع الشرائط کو بھی اسی اسوۂ امام پر عمل کرنا چاہئے۔

مسئلہ ۵۔ جہاں خمس ادا کرنے والا موجود ہے اگر وہاں خمس کے مستحق موجود ہوں تو پھر دوسرے شہر کی طرف خمس نقل کرنا خلاف احتیاط ہے اس صورت میں اگر خمس تلف ہوگیا تو ناقل ذمہ دار ہوگا۔

ہاں اگر وہاں مستحق موجود نہ ہوں یا دوسری جگہ ان سے زیادہ مستحق ہوں تو پھر خمس کے وہاں منتقل کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ (اس مسئلہ کی تفصیل باب الزکوۃ میں گذر چکی ہے)

زمانہ غیبت کبریٰ میں خمس کا حکم اور اسمیں شدید اختلاف کا اجمالی بیان؟

اب تک خمس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ زمانہ حضور امام علیہ السلام سے متعلق تھا آیا موجودہ زمانہ غیبت امامؑ میں بھی اس کا حکم یہی ہے جو مذکور ہوا یا کچھ اور؟ بقول محقق بحرانیؒ "**هذه المسئلته من امهات المسائل ومعضلات المشاكل وقد اضطربت فيها الهام الاعلام وذلت فيها اقدام الا قلام و دحضت فيها حجج اقوام واتسعت فيها دائرة النقض والابرام والسبب فى ذلک کله اختلاف الاخبار و تصادم الاثار الوارده عن السادة الاطهار**" یعنی "یہ مسئلہ بڑے اہم اور بنیادی مسائل اور انتہائی پیچیدہ مشکلات میں سے ہے جس میں علماء اعلام کے عقول و افہام پریشان ہوگئے قلموں کے قدم ڈگمگا گئے کئی لوگوں کے دلائل پھسل گئے اور نقد و نظر اور نقض و ابرام کا دائرہ وسیع ہوگیا اور اس کا واحد سبب ان اخبار و آثار کا ظاہری اختلاف ہے جو ائمہ اطہارؑ سے منقول ہیں۔" محقق مذکور کے اس بیان کی تصدیق کے لئے یہی کافی ہے کہ اس سلسلہ میں پورے پندرہ قول ہیں اور ان کے قائل بھی موجود ہیں تمام ابواب فقہ میں ہے اس اختلاف کی کوئی نظیر؟

ذیل میں ان اقوال و آراء کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ **تنبيها للغافلين و تبصرة للناظرين وايقاظا" للنائمين و تفكرا" للمفكرين۔**

اختلاف آراء کا نمونہ

(پہلا قول) خمس نکال کر علیحدہ رکھ دیا جائے اور مدۃ العمر تک اسکی حفاظت کی جائے۔ اور موت کے وقت کسی قابل وثوق آدمی کو اسکی حفاظت کرنے کی وصیت کی جائے اور پھر وہ اپنی موت کے وقت آگے کسی اور کو وصیت کرے۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہے حتی کہ آخری شخص ظہور امام کے وقت امام کی خدمت میں اس مال کو پیش کرے۔ یہ قول جناب شیخ مفیدؒ کا کتاب مقنعہ میں ہے۔

دوسرا قول = اس زمانہ میں خمس سرے سے ساقط ہے یہ قول متقدین میں سے جناب سلارؒ اور متاخرین میں سے جناب فاضل محمد باقرؒ خراسانی صاحب ذخیرہ اور شیخ عبداللہ بن صالح بحرانیؒ وغیرہم

کا ہے۔

تیسرا قول = خمس نکال کر زمین میں دفن کردیا جائے۔ جسے امام زمانہ اپنے ظہور کے وقت بوقت ضرورت نکال لیں گے۔ اس قول کا تذکرہ شیخ مفیدؒ نے مقنعہ میں اور شیخ طوسیؒ نے نہایہ میں بعض علماء کی طرف نسبت دے کر کیا ہے۔

چوتھا قول = سہم سادات تو سادات کے حوالہ کردیا جائے ار سہم امام پہلے قول کی طرح دست بدست یا بذریعہ دفن امامؑ تک پہنچایا جائے۔ یہ قول جناب شیخ طوسیؒ کا ہے کتاب نہایہ میں۔

پانچواں قول = حصہ سادات کو تو ان پر صرف کیا جائے اور سہم امامؑ کو ظہور امام تک حفاظت سے رکھا جائے یہ قول شیخ ابو الصلاحؒ، شیخ ابن البراجؒ اور شیخ ابن ادریس حلیؒ کا ہے جسے علامہ حلیؒ نے بھی منتہی الفقہ میں مستحسن قرار دیا ہے۔

چھٹا قول = سہم سادات ان پر خرچ کیا جائے اور سہم امامؑ کو محتاج سادات کرام کی ضروریات پر صرف کیا جائے اس قول کو علامہ حلی نے کتاب مختلف اور محقق حلی نے شرائع میں اختیار کیا ہے۔

ساتواں قول = سہم سادات تو سادات کی ضروریات پر صرف کیا جائے اور جہاں تک سہم امامؑ کا تعلق ہے وہ حتی الامکان امام کی خدمت میں پہنچایا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو حاجت مند سادات پر صرف کیا جائے اور اگر نہ امام تک پہنچانا ممکن ہو اور نہ ہی سادات کو اسکی ضرورت ہو تو یہ حصہ شیعوں کو معاف ہے اس قول کو شیخ محمد بن حسن حر عاملیؒ نے وسائل الشیعہ میں اختیار کیا ہے۔

آٹھواں قول = سہم سادات ان پر صرف کیا جائے اور سہم امامؑ زمانہ غیبت میں ساقط ہے کیونکہ انہوں نے اپنا حصہ شیعوں کو مباح کردیا ہے یہ اس قول کو سید سند سید محمدؒ صاحب المدارک، محدث کاشانیؒ صاحب الوافی اور بحر العلوم شیخ یوسف بحرانیؒ صاحب الحدائق نے اختیار کیا ہے اور سہم امام نکالنے اور اسے سادات پر صرف کرنے کو احوط قرار دیا ہے۔

نواں قول = سہم سادات تو انہی پر صرف کیا جائے باقی رہا سہم امامؑ تو وہ حاجت مند اہل ایمان کی ضروریات پر صرف کیا جائے اس قول کو جناب شیخ ابن حمزہؒ نے اختیار کیا ہے۔

دسواں قول = سہم سادات و سہم امامؑ بدستور ادا کیا جائے۔ صرف ارباح مکاسب میں سے سہم امامؑ ساقط ہے اس قول کو جناب شیخ حسنؒ بن حضرت شہید ثانیؒ نے منتقی الجمان میں اختیار کیا

ہے۔

گیارھواں قول = خمس میں سے کچھ بھی مباح نہیں ہے حتی کہ مناکح، مساکن اور متاجر بھی مباح نہیں ہیں جن کے مباح ہونے کے جمہور فقہاء قائل ہیں یہ قول جناب ابن الجنیدؒ کا ہے۔

بارھواں قول = جن اخبار و اثار میں خمس کی اباحت وارد ہوئی ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ جس مال میں خمس واجب ہے اس میں خمس ادا کرنے سے قبل تصرف کرنا جائز ہے جبکہ مالک ادائیگی اپنے ذمہ لے لے اس قول کو علامہ مجلسیؒ نے اختیار کیا ہے۔

تیرھواں قول = سہم سادات ان پر صرف کیا جائے اور سہم امام میں اختیار ہے چاہے دفن کرے چاہے بذریعہ وصیت دست بدست امامؑ تک پہنچائے اور چاہے تو فقیہ جامع الشرائط کے اذن سے حاجت مند سادات کی ضروریات پر صرف کرے اس قول کو جناب شہید اولؒ نے کتاب الدروس میں اختیار کیا ہے۔

چودھواں قول = سہم سادات تو بہر حال ان پر صرف کیا جائے باقی رہا سہم امام تو اس کی ظہور امام تک حفاظت کی جائے ہاں اگر علماء کرام اس سہم امام علیہ السلام کو ان سادات کرام پر صرف کریں جن کا حصہ انکی ضروریات کے لئے ناکافی ہے تو جائز ہے اس قول کو جناب شہید اولؒ نے کتاب البیان میں اختیار فرمایا ہے۔

پندرھواں قول = سہم سادات تو سادات پر صرف کیا جائے اور سہم امامؑ کو فقیہ جامع الشرائط یا اسکی اجازت سے مالک ہر اس کام میں صرف کرے جہاں امامؑ کی رضا مندی کا یقین ہو۔ یہ قول موجودہ دور کے فقہاء میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

منشائے اختلاف کی نشاندہی

اس تمام اختلاف و افتراق کا اصل منشاء جیسا کہ عالم خبیر محدث بحرانی نے نشاندہی فرمائی ہے اخبار و آثار کا ظاہری اختلاف ہے کیونکہ اس سلسلہ میں چار قسم کے احادیث ملتے ہیں۔

۱۔ بعض وہ ہیں جو علی الاطلاق (حضور اور غیبت امام میں) خمس کے واجب الادا ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

۲۔ بعض وہ ہیں جو حضور و غیاب ہر دو زمانہ میں مطلقاً" خمس کے مباح ہونے پر دلالت کرتے

ہیں۔

۳۔ بعض وہ ہیں جو اس اباحت کے انکار پر دلالت کرتے ہیں۔

۴۔ اور بعض وہ ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زمین اور جو کچھ اس سے برآمد ہوتا ہے وہ تمام امامؑ کی ملکیت ہے۔ اختصار مانع ہے ورنہ ہر قسم کی حدیثوں کا ایک شمہ یہاں پیش کیا جاتا؟ جن کی وجہ سے علماء ابرار کے انظار میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے جس کا پیدا ہونا فطری و بدیہی ہے۔۔۔

ہر کس بقدر فہمش فہمید مدعا را

ہماری تحقیق

ان حالات میں جہاں تک ہماری ناچیز تحقیق کا تعلق ہے اس کے مطابق ان اقوال میں سے آٹھواں قول اقرب الی الصواب ہے یعنی سہم سادات کی ادائیگی اور ہر سہ ۳ طبقات پر اس کا صرف کرنا تو بہرحال واجب ہے (جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے) ہاں البتہ اس دور میں سہم امامؑ کا وجوب ساقط ہے اور اسکی وجہ قطع نظر دیگر عموی احادیث اباحت خمس کے خود امام زمانہ کی وہ توقیع مبارک ہے جسے رئیس المحدثین شیخ صدوق نے کتاب اکمال الدین و اتمام النعمہ میں' علامہ طبرسی نے احتجاج طبرسی میں' سرکار علامہ مجلسیؒ نے سیزدہم بحارالانوار میں' علامہ محدث نوریؒ نے نجم ثاقب میں' فاضل نہاوندی نے العبقری الحسان میں' علامہ حائری نے غایت المقصود میں اور دیگر علماء اعلام نے اپنی ان کتابوں میں جو انہوں نے بارہویں سرکار کے حالات میں لکھی ہیں درج کیا ہے اس میں امام زمانہ فرماتے ہیں۔ **واما الخمس فقد ابیح لشیعتنا وقد جعلوا منہ فی حل الی وقت ظھور نا لتطیب ولاد تھم ولا تخبث** یعنی جہاں تک خمس کا تعلق ہے وہ ہمارے شیعوں کے لئے ہمارے ظہور تک مباح اور حلال قرار دے دیا گیا ہے تاکہ ان کی ولادتیں پاکیزہ ہوں (اور اسکی عدم ادائیگی کی وجہ سے) پلید نہ ہوں"

اگرچہ اس توقیع مبارک کے ظاہری الفاظ سے علی الاطلاق خمس کی اباحت مترشح ہوتی ہے لیکن جمع بین الادلہ کا تقاضا یہ ہے کہ اسؑ تعبیر کو مجاز پر محمول کیا جائے اور اس حلت و اباحت کو امامؑ کے اپنے حق (سہم امام) کے ساتھ مخصوص کیا جائے کیونکہ ہر شخص اپنے حق کے مباح کرنے کا مجاز ہوتا ہے نہ کہ (دوسروں کے حقوق کا) مطلب یہ کہ **اما حقنا من الخمس** یعنی خمس

میں سے جو ہمارا حصہ ہے وہ ہمارے ظہور تک ہمارے شیعوں کے لئے مباح اور حلال قرار دیا گیا ہے۔

بایں ہمہ احوط یہ ہے کہ سہم مبارک امام علیہ السلام بھی نکالا جائے اور اگر سادات کرام کا حصہ ان کی ضرورت کے لئے کافی نہ ہو تو بطور تتمہ سب سے پہلے اسے ان پر صرف کیا جائے اور اگر ان کو ضرورت نہ ہو تو پھر دوسرے حاجت مند اہل ایمان و ایقان کی ضروریات پر خرچ کیا جائے بلکہ اس صورت میں اسے ہر اس کار خیر میں صرف کیا جائے جس کے متعلق یہ قطع و یقین ہو کہ امام علیہ السلام اس اہم کار خیر میں صرف کرنے پر رضا مند ہوں گے۔

جیسے قومی دینی مدارس کا قیام اور انکی ترویج و ترقی پر امامؑ رضا مند ہوں گے۔

هذا ما عندی والله العالم بحقائق احکامه اوالقائمون مقامه فی حلاله وحرامه وانا استغفر الله مما قلت ومما اقول والله العاصم وبيده ازمة التحقيق وهو ولی التوفيق۔ هذا اخر الكلام فی الخمس والحمد لله الرحمٰن والصلوة علی اشرف الانام واله عليهم السلام

باب الصوم

يا ايها الذين امنوا كتب عليكم الصيام

روزہ' اس کے اسرار و اغراض' اسکی حقیقت اور اسکے مسائل و احکام کا بیان

جس طرح عالم آب و گل میں ادویہ کے افعال و خواص متعدد ہوتے ہیں اور ایک ایک دوا کئی کئی امراض و اسقام کے ازالہ و دفعیہ کے لئے مفید ہوتی ہے بعینہ اسی طرح احکام الٰیہ کے متعدد اغراض و مقاصد ہوتے ہیں اور اس کے ایک ایک حکم میں کئی اسرار و رموز پوشیدہ ہوتے ہیں۔۔۔

اس ہمہ منعش کتاب کار اوست
بے نہایت اندریں اسرار اوست

الغرض شریعت اسلامیہ کی ربانی تعلیم محض حکم کے طور پر نہیں ہے بلکہ وہ سرا سر حکم و مصالح پر مبنی ہے اور اس کے فرائض کی عمارت روحانی' اخلاقی' اجتماعی اور مادی فوائد و منافع کے ارکان پر قائم ہے ذیل میں روزہ کے ان چہار گانہ اغراض و مقاصد کا ایک ایک شمہ بیان کیا جاتا

ہے۔

ا۔ روزہ کے روحانی فوائد

ا۔ فطرت و شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ عقل نفس پر ہمیشہ غالب رہے مگر بشری تقاضوں کی وجہ سے اکثر نفس عقل پر غالب آجاتا ہے اس لئے شرع اقدس میں ماہ رمضان کا روزہ واجب قرار دیا گیا ہے تاکہ نفس کا تزکیہ کیا جاسکے اور عقل کو نفس پر پورا پورا غلبہ اور تسلط حاصل ہو جائے۔

۲۔ روزہ سے تقوی الہی کی بلند صفت حاصل ہوتی ہے چنانچہ خداوند حکیم نے روزے کا سب سے بڑا روحانی مقصد اسی تقوی کو قرار دیا ہے۔ **یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون**

(بقرہ) اے ایمان والو تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی و پرہیز گار بن جاؤ۔ تقوی خدا کے خوف اور اس کی محبت سے دل کے اندر پیدا ہونے والی اس طاقت و کیفیت کا نام ہے جس کے پیدا ہونے کے بعد دل میں گناہ کرنے سے نفرت اور جھجک محسوس ہونے لگتی ہے اور نیکی بجالانے کی طرف بے پناہ رغبت پیدا ہو جاتی ہے روزہ کا مقصد اقصی دل کے اندر اس کیفیت کا پیدا کرنا ہے ظاہر ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں گناہ کے اکثر جذبات بہیمی قوت کے افراط سے پیدا ہوتے ہیں روزہ انہی انسانی جذبات کی شدت کو کمزور کرتا ہے چنانچہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ روزہ شہوت کو توڑنے اور کمزور کرنے کے لئے بہترین شئی ہے۔

یہ خوف و خشیۃ الہی ہی ہے جو انسان کو تنہائی میں یا چوری چھپے کچھ کھانے پینے سے باز رکھتا ہے کیسا خوف خدا ہے اس کے دل میں کہ بھوک و پیاس کی بڑی سے بڑی تکلیف اٹھاتا ہے مگر جلوت تو بجائے خود خلوت میں بھی کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کے روزہ کو توڑ دے اور کیا مضبوط اعتقاد ہے اسکو آخرت کی جزا و سزا پر کہ مہینہ بھر روزہ رکھتا ہے مگر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل و دماغ میں آخرت کے متعلق شک و شبہ کا شائبہ تک نہیں آتا ورنہ اگر اسے شک ہو جاتا تو کبھی روزہ پورا نہ کرتا کیونکہ شک کی خاصیت یہی ہے کہ وہ انسان کے عزم و ارادہ کو متزلزل کر دیتا ہے اور اسے وہ کام انجام نہیں دینے دیتا۔

۳۔ روزہ رکھنے سے انسان کو اپنے عجز و انکسار اور خدائے قہار کی طاقت اور اس کے جلال کا

احساس ہوتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ ہر لمحہ اور ہر روز نفس کی چلنے والی مشین خود کار و خود اختیار نہیں بلکہ کسی عظیم طاقت کے ماتحت ہے اور انسان نفس کا نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہے۔

۴۔ روزہ رکھنے سے چشم بصیرت وا ہوتی ہے اور حقائق اشیاء کا کشف ہوتا ہے کیونکہ جب انسان کا معدہ ہضم و فتور سے خالی اور دل و دماغ تبخرہ معدی سے محفوظ ہو تو انسان کو دماغی اور روحانی یکسوئی و صفائی حاصل ہوتی ہے اس سلسلہ میں بڑے بڑے اکابر نے بڑے بڑے تجربے کئے ہیں۔

روزہ کے اخلاقی فوائد

۱۔ روزہ رکھنے سے انسان کی درندگی و بہیمگی دور ہوتی ہے اور ملائکہ سے قرب و شبہ پیدا ہوتا ہے اور اس طرح رفتہ رفتہ اسمیں ملکوتی اخلاق فاضلہ پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

۲۔ روزہ رکھنے میں منعم حقیقی کے اس عظیم الشان انعام و احسان کا شکریہ ہے جو اس نے اپنے پیغمبر آخر الزمانؐ کے ذریعہ بنی نوع انسان پر کیا ان ایام میں وہ کتاب ربانی و ہدایت روحانی نازل فرمائی جس نے ظلمانی کو نورانی' وحشی کو مہذب و با اخلاق' جاہل کو عالم اور نادان کو دانا بنا کر انسانیت کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے روزہ کے اغراض میں فرمایا ہے۔ **لتکبروا اللہ علی ما ھدیکم ولعلکم تشکرون۔** (بقرہ) روزہ اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ تم خدا کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت عطا فرمائی اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو" ظاہر ہے کہ محسن کے احسان کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا اخلاق حسنہ میں شامل ہے۔

۳۔ روزہ رکھنے سے انسان میں مشکلات و مصائب برداشت کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کو میدان جہاد میں بھوک و پیاس اور دیگر شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ روزہ ایک جبری فوجی ورزش ہے جو ہر بالغ و عاقل مسلمان کو سال میں ایک مہینہ اس لئے کرائی جاتی ہے تاکہ وہ جسمانی تکالیف اور بدنی مشکلات برداشت کرنے کے لئے آمادہ رہے اور دنیا کے مصائب و شدائد کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔

روزہ کے اجتماعی و معاشرتی فوائد

۱۔ روزہ رکھنے سے امیروں اور مالداروں کو بھوک و پیاس اور فقر و فاقہ کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے کیونکہ جو خود بھوکا نہ ہو اس کو بھوک کا اور جو خود پیاسا نہ ہو اس کو پیاس کی

اذیت کا کس طرح احساس ہو سکتا ہے؟ بقول بعضے "سوز جگر سمجھنے کے لئے پہلے سوختہ جگر ہونا ضروری ہے" اس سے ان کے اندر غریب پروری' رحمدلی' ہمدردی' ایثار و قربانی کے صالح جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ فراخدلی سے غرباء و مساکین کی امداد و اعانت کرتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے۔

۲۔ روزہ اس کے فدیہ اور کفارہ کے احکام پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مواقع پر روزہ کا بدل غریبوں کو کھانا کھلانا قرار دیا گیا ہے دائم المرض' بہت بوڑھے اور جو بمشکل تمام روزہ رکھ سکتے ہیں ان تمام کا فدیہ فی روزہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے جو شخص کسی عذر کی بناء پر احرام کھولنے سے پہلے سر منڈائے۔ **ففدیتہ من صیام او صدقتہ او نسک** اس کا فدیہ روزہ یا خیرات یا قربانی ہے جو شخص حج میں عمداً" شکار کرے وہ منی میں جانور ذبح کرے یا "**او کفارۃ طعام مسکین او عدل ذلک صیاما**" (مائدہ) چند مسکینوں کو کھانا کھلائے یا اس کے برابر روزے" اگر کوئی قسم کی مخالفت کرے تو دس یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا غلام آزاد کرے یا تین روزے رکھے جان بوجھ کر روزہ نہ رکھے یا روزہ توڑنے کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا یا دو ماہ روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ان احکام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اور صدقہ و خیرات کرنے اور غریبوں کو کھانا کھلانے اور غلام آزاد کرنے میں کتنا گہرا تعلق ہے اور یہ کہ یہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں۔

۳۔ روزہ بہت سے گناہوں سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے جیسے غیبت' بد زبانی' مکرو فریب رشوت و قمار بازی اور بہتان تراشی' غلط بیانی' یا وہ گوئی وغیرہ کیونکہ روزہ صرف بھوکا و پیاسا رہنے کا نام نہیں بلکہ تمام منکرات و مناہی سے مکمل اجتناب کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے معاشرہ کی اصلاح اور اجتماع کی فلاح ہو جاتی ہے۔

روزہ کے مادی اور طبی فوائد

۱۔ اکثر بیماریاں کھانے پینے میں بے اعتدالی کرنے سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **البطنتہ رأس کل داء** شکم پری تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ نیز فرمایا۔ **کلوا فی بعض بطنکم تصحوا** پیٹ کے بعض حصہ میں کھاؤ یعنی اس کا کچھ حصہ خالی چھوڑ دو اسی میں تمہاری صحت کا راز پوشیدہ ہے مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ اکثر لوگ پورا پیٹ بھر کر بھی بس نہیں کرتے جس کی وجہ سے معدہ پر ناقابل برداشت بوجھ پڑتا ہے۔ اور انسان مختلف

عوارض و امراض کی آماجگاہ بن جاتا ہے روزہ ان عوارض کا مکمل علاج ہے پورا ایک ماہ ہر روز ۱۲ یا ۱۴ گھنٹے اسے مکمل آرام ملتا ہے جس کی وجہ سے انسان کی صحت پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے رطوبات فاسدہ تحلیل ہو جاتی ہیں اور بدن کا تنقیہ ہو جاتا ہے اسی لئے بعض اطباء تو یہاں تک ہدایت کرتے ہیں کہ ہفتہ میں ایک بار فاقہ کیا جائے تاکہ جسمانی فضلہ خارج ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جسم کی صحت و صفائی کا روح کی صحت و صفائی پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

ایک اعتراض اور اسکا جواب

بعض جدت پسند مسلمان جو مذہبی قیود کا جُوا گردن سے اتارنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں نظر آتے ہیں ان کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ روزہ منافی صحت ہے اس سے جسم پژمردہ ہو کر کمزور ہو جاتا ہے چہرہ کی رونق ختم ہو جاتی ہے اور شدت بھوک و پیاس سے آنتوں میں درد اور دل میں جلن اور زبان میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے جس سے انسان کو از حد تکلیف ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بیمار کے لئے ماہر ڈاکٹر عمل جراحی تجویز کرتا ہے جس سے بیمار کو وقتی طور پر بڑی تکلیف ہوتی ہے مگر کوئی عقلمند نہ اس تجویز کو غلط کہے گا اور نہ ہی اسے ڈاکٹر کی مریض دشمنی پر محمول کرے گا کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس وقتی و عارضی تکلیف کا نتیجہ اور ثمرہ بڑا خوشگوار اور پائیدار ہے کیونکہ اگر ڈاکٹر یہ عمل نہ کرے تو اس کا نتیجہ مریض کی ہلاکت ہوگا بعینہ یہی کیفیت روزہ اور دیگر اسلامی عبادات کی عارضی اور وقتی تکلیف کی ہے چونکہ ان کا انجام دینی و دنیوی نقطہ نظر سے بڑا اچھا اور خوشگوار ہوتا ہے جس کے مقابلے میں اس عارضی دکھ اور تکلیف کی کوئی وقعت نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ عظیم الشان امور کی انجام دہی کے لئے جب تک جسم و جان کو محنت و مشقت کی کٹھالی میں نہ ڈالا جائے اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی کہ۔

بے رنج گنج ہرگز میسر نمی شود

تحدید روزہ کا راز

مذکورہ بالا بیان سے ایک اور سوال کا جواب بھی معلوم ہو گیا جو بعض حلقوں کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ روزہ صرف ایک ماہ کا کیوں واجب کیا گیا ہے اس سے کم و بیش کیوں واجب نہیں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "روزہ ایک قسم کی دوا ہے اور دوا کو بقدر دوا ہی استعمال کرنا

چاہئے اگر پورا سال اس دوا کے استعمال میں صرف کردیا جاتا تو یہ غیر طبعی علاج ہو جاتا جس سے جسمانی جدوجہد اور شگفتی مزاج کا خاتمہ ہو جاتا اور اگر صرف ایک دو روز کا محدود وقت مقرر کیا جاتا تو اس میں دوا کا فائدہ ظاہر نہ ہوتا اس لئے اسلام نے سال کے بارہ مہینوں میں سے صرف ایک ماہ کا روزہ مقرر کیا اور وہ مہینہ بھی معین کردیا گیا تاکہ امت مسلمہ اسلامی نظام وحدت کا مظاہرہ کرسکے اور یہ وہی مقدس مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ **شهر رمضان الذی انزل فیه القران۔**

روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا

قرآن و حدیث اور تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ نماز کی طرح روزہ بھی گذشتہ تمام شریعتوں اور امتوں میں فرض رہا ہے البتہ روزے کے احکام' اوقات اور ان کی تعداد بدلتی رہی ہے آج بھی اکثر مذاہب میں کسی نہ کسی شکل میں (اگرچہ مسخ شدہ ہی کیوں نہ ہو) روزہ موجود ضرور ہے ارشاد قدرت ہے۔ **یا ایها الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم**

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ میں وہ خصوصیت ہے کہ نماز و زکوۃ کی طرح ہر شریعت میں ہمیشہ فرض رہا ہے اسلام نے جو کہ دین فطرت ہے اس کے احکام اوقات اور اسکی تعداد میں بڑی مفید اصلاحات کرکے موجودہ شکل میں صرف ایک ماہ کے روزے واجب کئے ہیں اس سے زیادہ تفصیلات میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

روزہ کے بعض خصوصیات

روزہ کو دیگر اسلامی عبادات سے بعض خصوصی امتیازات حاصل ہیں۔ (۱) مثلاً" اسکی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک خالص اور بے ریا عبادت ہے جس میں ریاء و سمعہ کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ دوسری جتنی عبادتیں ہیں وہ کسی نہ کسی ظاہری ہیئت و حرکت سے بجا لائی جاتی ہیں مثلاً" نماز میں آدمی کو اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے رکوع و سجود کرنا پڑتا ہے حج میں طویل سفر کرکے لاکھوں افراد کی موجودگی میں ارکان حج بجا لانا پڑتے ہیں زکوۃ میں اور نہیں تو کم از کم ایک شخص دیتا ہے اور دوسرا لیتا ہے الغرض ان عبادتوں کا حال چھپ نہیں سکتا اس کے برعکس روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا حال خدا اور بندے کے سوا کسی اور پر ظاہر نہیں ہوسکتا ایک شخص سب کے روبرو سحری کھائے اور پھر افطار کے وقت تک بظاہر کچھ نہ کھائے پئے مگر چھپ کر کھا پی لے تو خدا

کے سوا کس کو اسکی خبر ہو سکتی ہے؟

لوگ تو یہی سمجھتے رہیں گے کہ وہ روزہ سے ہے حالانکہ وہ حقیقت میں روزہ سے نہیں ہے لہٰذا جو حقیقت میں روزہ رکھتا ہے سخت بھوک کی وجہ سے آنکھوں میں دم آرہا ہے مگر کوئی چیز نہیں کھاتا، شدت پیاس سے دل جل رہا ہے زبان کانٹے کی طرح سوکھ گئی ہے مگر پانی کا ایک قطرہ حلق سے نیچے نہیں اتارتا۔ اسے خدا کے عالم الغیب ہونے پر کس قدر پختہ یقین ہے وہ جانتا ہے کہ اسکی کوئی حرکت خواہ ساری دنیا سے چھپ جائے مگر خدائے علیم و خبیر سے نہیں چھپ سکتی۔ روزہ کے اسی اخلاص اور بے ریائی کا یہ اثر ہے کہ خداوند عالم (حدیث قدسی میں) فرماتا ہے۔ **الصوم لی وانا اجزی بہ** روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اسکی جزا دوں گا۔ حالانکہ ہر کار خیر کی جزا خدا ہی دیتا ہے مگر روزہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اسکی جزا کو خاص طور پر اپنی طرف نسبت دی ہے پھر مسلسل ایک ماہ تک انسان کو اس آزمائش میں ڈالا جاتا ہے یا اس کو یہ ٹریننگ دی جاتی ہے تاکہ خدا کو عالم الغیب جان کر اور حشر و نشر پر یقین رکھ کر گناہوں سے بچنے اور چھپ کر بھی اسکی قانون شکنی سے اجتناب کرنے کا اسمیں ملکہ کاملہ پیدا ہو جائے۔

۲۔ روزے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ طویل مدت تک بندے سے احکام شریعت کی اطاعت کراتا ہے نماز کی مدت ایک وقت میں چند منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی زکوۃ کی ادائیگی کا وقت سال میں صرف ایک بار آتا ہے اور وہ بھی چند منٹ اور وہ بھی سب کے لئے نہیں ان کے برخلاف روزہ سال میں پورے ایک مہینہ تک شب و روز اتباع شریعت کی مشق کراتا ہے جس طرح فوج کو جفاکش بنانے کے لئے ایک دو ماہ کے لئے ہر سال جنگلوں اور پہاڑوں میں رکھا جاتا ہے جہاں سپاہی ہر روز میلوں پیدل چلتے ہیں اور پہروں بھوکے پیاسے رہتے ہیں اور اسے "کیمپ لائف" کہا جاتا ہے اس طرح امت مسلمہ کے لئے ماہ رمضان "کیمپ لائف" ہے خود ہی اندازہ لگائیے کہ جو لوگ دنیا بھر کی نعمتوں کو ٹھکرا کر ہر روز کم از کم بارہ گھنٹے پیاسے رہتے ہیں نماز پنجگانہ کے علاوہ نماز تہجد بھی ادا کرتے ہیں سحری کے بعد تلاوت قرآن کرتے ہیں پورا مہینہ خدا کے تصور میں ڈوبے رہتے ہیں۔

غرباء اور مساکین کی نگہداشت کرتے ہیں اپنی کمائی راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں وہ تقدس و توازن کی کس منزل پر پہنچ جاتے ہوں گے؟ اس قسم کے جلیل و جمیل لوگ صرف مذہب کے سانچے ہی میں ڈھل سکتے ہیں اس کے بعد ان کو گیارہ مہینہ کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اس یکماہہ

تربیت کے آثار ظاہر ہوں اور اگر پھر بھی کچھ کمی رہ جائے تو آئندہ سال اسے پورا کیا جائے۔

(حل الخالق)

روزہ رکھنے کی فضیلت

روزہ کی فضیلت میں احادیث مستفیضہ وارد ہیں۔ (۱) جناب زرارہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا "**نبی الاسلام علی خمسته اشیاء علی الصلوۃ والزکوۃ والحج والصوم والولایتہ**"

اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر رکھی گئی ہے اور وہ پانچ ستون یہ ہیں نماز' روزہ' حج' زکوۃ اور ولایت اہلبیتؑ (اصول کافی)

۲۔ حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا نے فرمایا "**الصوم لی وانا اجازی علیہ**" روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا۔ (فقیہہ و کافی)

۳۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتےہیں۔ "**نوم الصائم عبادۃ و صمتہ تسبیح و عملہ متقبل و دعائہ مستجاب**" روزہ دار کی نیند عبادت اس کی خاموشی تسبیح اس کا عمل مقبول اور اس کی دعا مستجاب ہے (فقیہہ)

۴۔ فرمایا "**الصوم جنتہ من النار**" روزہ جہنم سے بچنے کی ڈھال ہے۔ (مستدرک الوسائل)

روزہ کے آداب

یہ بات صاحبان عقل و فکر پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر چیز کے کچھ شرائط و آداب ہوتے ہیں جب تک ان کو ملحوظ نہ رکھا جائے اس وقت تک اس چیز کے مطلوبہ نتائج و ثمرات حاصل نہیں ہوتے اسی طرح روزہ کے بھی کچھ آداب ہیں جن کا مذکورہ بالا مادی و روحانی فوائد حاصل کرنے کے لئے ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے اگر ان آداب کا خیال نہ رکھا گیا تو پھر روزہ دار کا حصہ روزہ سے بھوک و پیاس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا جیسا کہ بعض اخبار و اثار میں وارد ہے کہ "**کم من صائم لیس لہ من صیامہ الا الظماء**" بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کو روزے سے سوائے بھوک و پیاس کے اور کچھ نہیں ملتا"

بہرحال آداب کا جامع خلاصہ یہ ہے کہ جو دو حدیثوں میں مذکور ہے۔

۱۔ حضور ﷺ نے جابر بن عبداللہ انصاری سے فرمایا "**یا جابر ھذا شھر رمضان من صلم**

تھارہ وقام وردا" من لیلہ وعف بطنہ و فرجہ و کف لسانہ خرج من ذنوبہ کخروجہ من الشھر فقال جابر یا رسول اللہ ما احسن ہذا الحدیث فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ یا جابر ما اشد ھذہ الشروط" اے جابر یہ ماہ رمضان کا مہینہ ہے جو شخص اس کے دن میں روزہ رکھے اور رات کا کچھ حصہ نماز کیلئے قیام کرے اور اپنے شکم و شرمگاہ کی حرام سے حفاظت کرے اور زبان کو (ناجائز باتوں سے) روکے تو وہ گناہوں سے اس طرح خارج ہو جائے گا جس طرح اس مہینہ سے خارج ہو گا جابر نے کہا یارسول اللہ یہ حدیث کتنی عمدہ ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور یہ شرطیں کس قدر سخت ہیں؟ (فروع کافی)

۲۔ جناب محمد بن قاسم امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں فرمایا "اذا صمت فلیصم سمعک و بصرک و شعرک و جلدک وعدد اشیاء غیر ھذا وقال لایکون یوم صومک کیوم فطرک" جب تم روزہ رکھو تو چاہیے کہ تمہارے کان' آنکھیں' بال اور چمڑا بھی روزہ رکھے اسی طرح بعض اور اعضاء شمار کرنے کے بعد بطور خلاصہ فرمایا تمہارے روزہ والا دن تمہارے افطار کے دن کی مانند نہ ہو (فروع کافی)

۳۔ ایک اور حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ دار کو گالی دے تو یہ جواب میں کہے بھائی میں روزہ سے ہوں (اس لئے گالی کا جواب گالی سے نہیں دے سکتا) اس کے اس جواب پر خداوند عالم فرماتا ہے میرے بندے نے میرے بندے کے شر سے بچنے کیلئے روزہ سے پناہ مانگی ہے میں اسے آتش جہنم سے پناہ دیتا ہوں (حدائق ناظرہ)

کن لوگوں پر روزہ واجب ہے

روزے کے وجوب کے پانچ شرائط ہیں۔ (۱) بلوغ (۲) عقل (۳) صحت یا عدم مرض (۴) حضر یا عدم سفر (۵) حیض و نفاس سے خالی ہونا ان شرائط کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ بلوغ' بالا تفاق نابالغ پر (لڑکا ہو یا لڑکی) دیگر عبادات کی طرح روزہ بھی واجب نہیں ہے۔

بلوغ کے علامات

لڑکے لڑکی کے بلوغ کے علائم و آثار مختلف ہیں مثلاً" بنا پر مشہور ومنصور لڑکے کا بلوغ چند علامتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ (۱) زیر ناف بالوں کا سخت ہونا ' (۲) سوتے یا جاگتے کی حالت میں مادہ منویہ کا خارج ہونا جسے احتلام کہا جاتا ہے' (۳) کامل پندرہ سال کا ہو جانا' بعض اقوال اور

بعض اخبار و آثار سے چودہ سال بھی ظاہر ہوتے ہیں اور لڑکی کا بلوغ بھی چند علامتوں کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے اول اور دوم تو وہی علامتیں ہیں جو لڑکے کے بلوغ کے سلسلہ میں مذکور ہیں۔ سوم حیض کا آنا چہارم حاملہ ہو جانا پنجم بنا بر مشہور نو سال کا مکمل ہو جانا جناب شیخ طوسی نے مبسوط کے باب الصوم میں اور جناب ابن حمزہ نے دس سال کا قول اختیار کیا ہے اگر دوسری علامتیں پندرہ یا نو سال سے قبل بھی ظاہر ہو جائیں تو بلوغ ثابت ہو جائے گا۔

اظہار حقیقت

لڑکے کے بلوغ کی علامات اور اس کے سن و سال تو سمجھ میں آنے والی باتیں ہیں مگر لڑکی کے بلوغ کا مسئلہ کہ وہ جب کامل نو سال کی ہو جائے تو شرعاً" بالغ متصور ہوگی اور اس پر شریعت کے تمام اوامر و نواہی کی پابندی لازم ہوگی اور اس پر شرع اقدس کے تمام حدود و تعزیرات لاگو ہوں گے جب سے شعور کی حدود میں قدم رکھا ہے۔ یہ مسئلہ سوہان روح بنا رہا ہے کیونکہ سخت گرم علاقوں۔(جیسے عرب کے اکثر و بیشتر حصے) میں تو یہ ممکن ہے کہ نو سال کی لڑکی بالغہ و راشدہ ہو جائے لیکن معتدل اور بالخصوص سرد علاقوں میں تو نو سال کی لڑکی بالکل کم سن بچی سمجھی جاتی ہے نہ تو اسے یمین و یسار اور اپنے نفع و نقصان کا کوئی علم ہوتا ہے نہ روزہ رکھنے کی طاقت اور نہ دیگر قواعد شریعت کی پابندی کی عادت بلکہ گڑیوں اور سہیلیوں سے کھیلنا اس کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شریعت اسلامیہ صرف عربوں یا گرم علاقوں کے باشندوں کے لئے تو نہیں ہے بلکہ عالمی شریعت ہے اور ہر ملک اور ہر علاقے کے باشندوں کے لئے واجب الاتباع ہے تو پھر اس کے احکام میں بھی ایسی لچک اور موزونیت ہونی چاہیے کہ وہ باآسانی تمام ممالک کے لوگوں پر منطبق ہو سکیں۔ چنانچہ نجف اشرف کے دوران قیام میں ایک بار کاظمین کی زیارات پر جانے اور فیلسوف الفقہاء علامہ سید ہبتہ الدین شہرستانی سے نیاز ملاقات حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تو اپنے انہی دیرینہ قلبی تاثرات کا ان سے اظہار کیا اس وقت آنجناب بہت معمر اور مکفوف البصر ہو چکے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ایک بار میرے دل و دماغ میں بھی اس قسم کے خیالات پیدا ہوئے تھے اور جب بعض کتب حدیث جیسے وسائل الشیعہ کی طرف رجوع کیا تو اس قسم کی بعض حدیثیں نظر سے گزری تھیں کہ لڑکی پر اس وقت روزہ واجب ہوتا ہے جب اسے حیض آئے یا اسے روزہ رکھنے کی طاقت ہو اور یہ شبہ زائل ہو گیا تھا پھر فرمایا کہ تم بھی ان کتابوں کی

طرف رجوع کرنا چنانچہ حسب الحکم جب وسائل' مستدرک الرسائل' وافی' قواعد الدین اور حدائق وغیرہ کتابوں کی طرف رجوع کیا تو اس قسم کی متعدد حدیثیں نظر سے گزریں "**وعلی الجاریۃ اذا حاضیت الصیام**" جب لڑکی کو حیض آئے تو اس پر روزہ واجب ہے (وسائل الشیعہ) اسی طرح وسائل اور مستدرک میں کئی حدیثوں میں وارد ہے کہ لڑکے پر روزہ اس وقت واجب ہے کہ "اذا اطاق" جب اسے رکھنے کی طاقت ہو" ظاہر ہے کہ لڑکی کا حکم بھی یہی ہے کہ کیونکہ تکلیف بالا مطاق تو عقلاً" و شرعاً" محال اور قبیح ہے تہذیب الاحکام میں بروایت عمار ساباطی صادقِ آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ "**والجاریۃ مثل ذالک اذااتی بہا ثلث عشرۃ حاضت قبل ذلک فقد وجبت علیہا الصلوۃ وجری علیہا القلم**" اسی طرح جب لڑکی تیرہ سال کی ہو جائے یا اس سے پہلے اسے حیض آجائے (جیسا کہ گرم علاقوں یں ایسا ہوتا ہے) تو اس پر نماز واجب ہو گی اور اس پر قلم شریعت جاری ہو گا - اس حدیث میں لڑکی کے بلوغ کی عمر تیرہ سال وارد ہے یہ حدیث پہلی حدیثوں کے عین مطابق ہے کیونکہ معتدل علاقوں میں بالعموم حیض تیرہ چودہ سال کی عمر میں شروع ہوتا ہے اور اس وقت لڑکی کی سمجھ بوجھ اور طاقت و قدرت اس قدر ہو جاتی ہے کہ احکام شریعت کا بوجھ اٹھا سکے اور اپنے نفع و نقصان کو سمجھ سکے۔ لہٰذا اس طرح مذکورہ بالا شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے اور بات بالکل واضح و آشکار ہو جاتی ہے اس لئے ہمارا رجحان طبع اسی قول کی طرف ہے مگر شہرت عظیمہ اور احتیاط کی مخالفت بھی مشکل ہے - لیکن ان حالات میں مشہور کی موافقت کا اعلان کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے بہرحال احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ تا بامکان قول مشہور کی متابعت کی جائے - واللہ العالم۔

نابالغ

نابالغ بچوں کو (علی اختلاف الاقوال و آلاثار) جب سات یا نو سال کے ہوں تو نماز روزہ کی مشق کرانی چاہیے اگر تمام دن کا روزہ نہ رکھ سکیں تو جتنی مقدار کا رکھ سکتے ہوں رکھیں اور جب بھوک پیاس کا غلبہ ہو تو افطار کر دیں تاکہ جب بلوغت کے حدود میں قدم رکھیں تو نماز روزہ کے عادی ہو چکے ہوں نیز مخفی نہ رہے کہ نابالغ بچے بچی کی عبادت (علی الاظہر) شرعی ہے صرف تمرینی نہیں ہے یعنی انہیں ثواب بھی ملے گا اور ان کا عمل صحت و بطلان سے متصف بھی ہو گا۔

دیوانہ

۲۔ عقل ---- بالاتفاق دیوانہ پر روزہ واجب نہیں ہے خواہ اس کا جنون مطبق ہو (ہمیشہ والا) یا دوری (بشرطیکہ اس صورت میں دن کو بھی دورہ پڑتا ہو اور اگر دن کو صحیح رہتا ہو اور صرف رات کے وقت دورہ پڑتا ہو تو پھر روزہ واجب ہوگا حتی کہ اگر کوئی آدمی روزہ سے ہو اور کسی وقت جنون کا دورہ پڑ جائے تو اسکا روزہ باطل ہو جائے گا۔

فائدہ

مشہور بین المتاخرین یہ ہے کہ بے ہوشی کا حکم بھی جنون والا ہے یعنی بے ہوشی سے روزہ باطل ہو جاتا ہے لیکن چونکہ یہ مسئلہ نص سے خالی ہے نیز بعض اکابر متقدمین جیسے جناب شیخ مفید (در مقنعہ) اور جناب شیخ طوسی (درخلاف) بیہوشی سے روزہ کو باطل نہیں سمجھتے نیز اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ بیہوشی کے دوران فوت شدہ روزہ یا روزوں کی قضا واجب نہیں ہے تو پھر یہ نزاع بلا فائدہ ہے۔

ہاں بات رہ جاتی ہے صرف ثواب کی یعنی یہ کہ اگر اس کا روزہ صحیح ہے تو خداوند عالم اسے ثواب عطا فرمائے گا اور اگر باطل ہے تو ثواب سے محروم رہے گا تو چونکہ یہ عبد و معبود کا باہمی معاملہ ہے خدا اپنے علم بلکہ اپنے فضل و کرم کے مطابق اس سے برتاؤ کرے گا کسی کو اس میں مداخلت کرنے کا کیا حق ہے؟

مریض

۳۔ صحت بالاتفاق اس مریض پر روزہ واجب نہیں ہے جسے روزہ ضرر پہنچاتا ہو عام اس سے کہ روزہ رکھنے سے موجودہ مرض میں اضافہ ہو یا تندرستی حاصل ہونے میں دیر ہو یا نئے مرض کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو یا اتنی مشقت لازم آئے جو عادۃً ناقابل برداشت ہوتی ہے اور عام اس سے کہ ان امور کا یقین ہو یا ظن غالب پھر یہ یقین یا ظن خواہ ذاتی تجربہ کی بناء پر ہو یا کسی علامت کی وجہ سے یا ماہر ڈاکٹر یا حکیم کے قول کی بناء پر "**بل الانسان علی نفسہ بصیرہ و لوالقی**

قبل ٹھیک ہو جائے مگر کوئی مفطر استعمال کر چکا ہو تو پھر امساک مستحب ہے چونکہ یہ مسئلہ نص سے خالی ہے اس لئے پہلی صورت میں احوط یہ ہے کہ اس روزہ کے ساتھ ساتھ اس کی قضا بھی کی جائے ۔ واللہ عالم۔

مسافر

۲۔ حاضر ہونا ۔بالاتفاق اس مسافر پر جس پر نماز روزہ قصر ہے سفر میں روزہ رکھنا حرام ہے سفر کے شرائط وغیرہ کی جملہ تفصیلات نماز قصر کے ضمن میں گزر چکی ہیں وہاں رجوع کیا جائے ہاں وہ مسافر جو مقیم کے حکم میں ہے جیسے کثیر السفر' یا ناجائز سفر یا دس روزہ قیام کی نیت سے کسی جگہ قیام کرنے والا یا جس شخص کو کسی جگہ تردد کی حالت میں (کہ آج جاتا ہوں کل جاؤں گا) پورے تیس دن گزر جائیں ان تمام لوگوں پر روزہ رکھنا واجب اور پوری نماز پڑھنا لازم ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ مذکورہ بالا حکم سے تین صورتیں مستثنیٰ ہیں کہ ان صورتوں میں بحالت سفر بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے۔

(ا) وہ حاجی جسے قربانی کا جانور نہ مل سکے تو وہ اس کے عوض مکہ میں تین روزے رکھے گا۔

(۲) جو حاجی غروب آفتاب سے پہلے عمداً" مقام عرفات سے مشعر الحرام چلا جائے تو اسے دسویں ذی الحجہ کو بمقام منیٰ ایک اونٹ فدیہ کے طور پر نحر کرنا چاہیئے اور جو اس سے عاجز ہو اسے اس کے عوض مکہ میں یا حالت سفر میں یا واپس گھر پہنچ کر اٹھارہ روزے رکھنے چاہیں۔

(۳) نذر معین کا روزہ جس شخص نے اس طرح نذر مانی ہو کہ اگر اس کا فلاں کام ہو گیا تو وہ فلاں روز روزہ رکھے گا خواہ حضر میں ہو یا سفر میں تو بنا بر مشہور اسکے لئے حالت سفر میں بھی روزہ رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگرچہ قصر و تمام کے سلسلہ میں نماز و روزہ لازم و ملزوم ہیں یعنی جہاں نماز پوری پڑھی جائے وہاں روزہ بھی رکھنا لازم ہوتا ہے اور جہاں نماز قصر ہوگی وہاں روزہ ناجائز ہوگا مگر چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(ا) چار مقامات (مسجد الحرام' مسجد نبوی' مسجد کوفہ اور حائر حسینی) کہ یہاں پر مسافر کو اختیار ہے کہ نماز پوری پڑھے یا قصر۔ مگر روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

(۲) جو شخص زوال کے بعد گھر سے نکلے اس پر روزہ کا مکمل کرنا واجب ہے مگر نماز قصر پڑھے گا۔

(۳) جو شخص زوال کے بعد سفر سے واپس گھر لوٹے اس پر نماز پوری پڑھنی واجب ہے مگر روزہ نہیں رکھ سکتا۔

مسئلہ ۳۔ جو شخص حاضر تھا اور اب سفر میں جا رہا ہے تو اگر زوال سے پہلے سفر کرے تو حد ترخص پر افطار واجب ہے اور اگر زوال کے بعد روانہ ہو تو اس روزہ کا مکمل کرنا واجب اسی طرح سفر سے واپس آنے والا اگر زوال سے پہلے اپنے وطن یا اس مقام پر پہنچ جائے جہاں اس کا دس روزہ قیام کا پروگرام ہے اور راستہ میں کوئی مفطر استعمال نہ کیا ہو تو اس پر روزہ واجب ہوگا اور اگر مفطر استعمال کر چکا ہو یا زوال کے بعد مقام مذکورہ پر پہنچے تو پھر صرف امساک مستحب ہے اس کا وہ روزہ شمار نہ ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ سفر پر روانہ ہوتے وقت زوال یا قبل زوال کا دارومدار سفر کے شروع کرنے پر ہے نہ کہ حد ترخص پر اسی طرح واپسی پر اپنے شہر یا گھر میں داخل ہونے پر انحصار ہے نہ کہ حد ترخص کے حدود میں داخل ہونے پر۔ واللہ العالم۔

حائض و نفساء

(۵) حیض و نفاس سے پاک ہونا' بالاتفاق حیض و نفاس والی عورت پر روزہ واجب نہیں ہے حتی کہ اگر صبح صادق کے طلوع کے چند منٹ بعد پاک ہو جائے یا غروب آفتاب سے چند منٹ پہلے اس پر یہ کیفیت طاری ہو جائے تو پہلی صورت میں روزہ واجب نہ ہوگا اور دوسری صورت میں روزہ باطل ہو جائے گا۔

کن لوگوں کیلئے روزہ افطار کرنے کی رخصت ہے؟

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور اسکے احکام سہل و آسان ہیں اور اس میں ہرگز کسی قسم کا کوئی عسر و حرج نہیں ہے۔ **(یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر)** اس لئے اس نے روزہ کے حکم سے مجبور و معذور لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

(۱) جیسے بہت بڈھا مرد اور (۲) بہت بڈھی عورت جن کو روزہ رکھنے سے ناقابل برداشت تکلیف

کا سامنا کرنا پڑے' (۳) جسے پیاس کا مرض ہو اور روزہ رکھنے سے مشقت شدیدہ کا سامنا کرنا پڑے' (۴) وہ حاملہ عورت جس کے وضع حمل کے ایام قریب ہوں اور روزہ رکھنے سے اسے یا اس کے حمل کو ضرر کا اندیشہ ہو' (۵) دودھ پلانے والی عورت جس کا دودھ پہلے ہی کم ہے اور روزہ رکھنے سے اس میں مزید شدید قلت کا خطرہ ہے جس سے بچہ کی نقاہت بلکہ ہلاکت کا خطرہ لاحق ہے مذکورہ بالا اشخاص پر بطور کفارہ فی یوم ایک مدطعام واجب ہے اور ازالۂ عذر کے بعد قضا پہلے تین افراد پر علی الاحوط اور آخری دو قسموں پر علی الاشہر الاظہر واجب ہے۔ واللہ عالم۔

اور اسی مذکورہ بالا غرض و غایت کے ماتحت مسافر' مریض وغیرہ سے روزہ ساقط کیا گیا ہے کیونکہ سفر سواری پر ہو یا پیادہ سواری اچھی ہو یا بری بہرحال سفر میں حضروالی سہولت میسر نہیں ہو سکتی اور بموجب "السفر سقر و لو کان میلا" کی صداقت مسلم ہے اس واسطے شریعت مقدسہ نے اس حالت میں روزہ ساقط کرکے حالت سفر' مرض اور عذر کے زائل ہو جانے کے بعد اتنے دنوں کی قضا کو واجب قرار دیا ہے اور جو دائمی طور پر معذور ہوں ان پر مسکین کو کھانا کھلانا فدیہ قرار دیا۔ "فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر و علی الذین یطیقونہ فدیة طعام مسکین" (بقرہ)

روزہ کے اقسام

روزہ کی چار قسمیں ہیں واجب' مستحب' مکروہ اور حرام

واجبی روزے

واجب کل چھ ہیں۔ (۱) ماہ رمضان' (۲) کفارہ' (۳) حج تمتع میں قربانی کے عوض' (۴) نذر، عہد اور یمین' (۵) اعتکاف کا تیسرا روزہ' (۶) قضاء واجب۔

مستحبی روزے

اور پھر مستحب کی کئی قسمیں ہیں بعض وہ ہیں جن کا کسی خاص سبب یا خاص زمان سے تعلق نہیں ہے بلکہ سوائے بعض مخصوص ایام کے جیسے عیدین وغیرہ سال بھر میں رکھے جا سکتے ہیں کیونکہ روزہ ایک بہترین عبادت ہے روزہ جہنم کی ڈھال ہے۔ (الصوم جنة من النار) روزہ بدن کی زکوة ہے (الصوم زکوة الابدان) روزہ دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک افطار کے وقت اور دوسری قیامت کے روز اور بعض وہ ہیں جن کا وقت معین کے ساتھ تعلق ہے اور یہ بناء بر مشہور پندرہ ہیں (۱) ہر ماہ میں تین دن پہلا اور آخری خمیس اور دوسرے عشرہ کا پہلا بدھ (۲) ہر

ماہ کے ایام بیض (۱۳۔۱۴۔۱۵) کے تین روزے (۳) عید غدیر (۴) یوم مبعث یعنی ۲۷ رجب (۵) پندرہ رجب المرجب (۶) مولد النبی یعنی ۱۷ ربیع الاول (۷) یوم دحوالارض یعنی ۲۵ ذی القعدہ (۸) پہلی ذوالحجہ اور آٹھویں بلکہ ذوالحجہ کے پہلے تمام نو دنوں کے روزے (۹) عرفہ (نو ذی الحجہ) کا روزہ بشرطیکہ روزہ دار کو دعا اور استغفار سے کمزور نہ کرے (۱۰) یکم محرم الحرام اس کی تیسری ساتویں کا روزہ (بنا بر مشہور) (۱۱) عید مباہلہ کا روزہ (۲۴ ذی الحجہ) کا دن اگرچہ اس کے متعلق کوئی خصوصی نص وارد نہیں ہے (۱۲) بنا بر مشہور نو روز کا روزہ' (وفیہ مافیہ کتدبر) (۱۳) تمام ماہ رجب کے روزے یا جس قدر رکھے جا سکیں (۱۴) تمام ماہ شعبان کے روزے یا جس قدر ممکن ہوں (۱۵) ہر ماہ میں ہر خمیس اور جمعہ یا صرف جمعہ کا روزہ۔

مکروہ روزے

مکروہ روزے یعنی جن کا ثواب کم ہے بنا بر مشہور کل سات ہیں (۱) عاشورہ کا روزہ ہاں اس روز قریباً" پونے تین گھنٹے قبل غروب تک فاقہ کرنا اور اس کے بعد آب و غذائے سادہ کے ساتھ فاقہ شکنی کرنا مستحب ہے' (۲) عرفہ کا روزہ اس شخص کیلئے جسے روزہ دعا سے کمزور کرے' (۳) مہمان کا مستحبی روزہ میزبان کی اجازت کے بغیر اور بعض علماء اسکی حرمت کے قائل ہیں' (۴) اولاد کا روزہ بغیر والدین کی اجازت کے اور بعض فقہاء اسکی حرمت کے قائل ہیں' (۵) سفر میں مستحبی روزہ رکھنا بھی علی المشہور مکروہ ہے' (۶) غلام کا روزہ مالک کی اجازت کے بغیر اور بعض علماء اسکی حرمت کے قائل ہیں' واللہ العالم' (۷) زوجہ کا مستحبی روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر۔

حرام روزے

باقی رہے حرام روزے تو وہ کل بنا بر مشہور دس ہیں۔ (۱) عیدین (عید الفطر و عید الاضحی) کے دن (۲) ایام تشریق ۱۱۔۱۲۔۱۳ ذی الحجہ کا روزہ اس شخص کے لئے جو منی میں ہو (۳) تیس شعبان کا روزہ بہ نیت وجوب جبکہ ماہ رمضان المبارک کی پہلی میں شک ہو (۴) یوم صمت یعنی چپ کا روزہ جس میں نہ بولنے کی نیت کی جائے۔ (۵) یوم الوصال جس میں سحری سے سحری تک شب و روز کے روزے کا قصد کیا جائے (۶) نذر معصیت (کہ اگر وہ فلاں فعل حرام کی بجا آوری میں کامیاب ہوگیا تو روزہ رکھے گا (۷) سفر میں واجبی روزہ رکھنا (سوائے تین صورتوں کے جن کا تذکرہ قبل ازیں کیا جا چکا ہے) (۸) حالت مرض میں روزہ رکھنا جبکہ روزہ مضر صحت ہو (۹) صوم

الدھر (جس میں عیدین بھی شامل ہیں (۱۰) علی الاحوط زوجہ اولاد اور غلام کا مستحبی روزہ رکھنا جبکہ شوہر، والدین اور مالک روزہ رکھنے کی ممانعت کریں اور ان کی حق تلفی ہوتی ہو واللہ العالم۔

روزہ کی حقیقت

عربی میں صوم کے معنی ہیں (رکنا اور خاموش رہنا) اور شرعی اصطلاح میں اس کے معنی ہیں بطور عبادت صبح صادق سے مغرب تک کھانے پینے اور مباشرت وغیرہ مبطلات روزہ سے اجتناب کرنے کی نیت چونکہ روزہ کی حقیقت میں نیت کا تذکرہ آگیا ہے اس لئے مبطلات و مفطرات کے بیان سے قبل نیت کے متعلق چند حقائق کا بیان کرنا ضروری ہے۔

نیت کا بیان

قطع نظر اس سے کہ نیت شرط عمل ہے یا جزء عمل ہ اس کے وجوب میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ نیت کے بغیر کوئی عمل صحیح نہیں ہو سکتا **(وانما الا عمال بالنیات)** لہٰذا اگر کوئی شخص عمداً" یا سہواً" نیت نہ کرے تو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔

باب الطہارت میں نیت کے معنوں کی تحقیق گزر چکی ہے کہ نیت ان الفاظ مخصوصہ کا نام نہیں ہے جو کوئی عمل کرتے وقت ادا کئے جاتے ہیں (جیسا کہ عوام کے ذہنوں میں راسخ ہے) اور نہ ہی ان الفاظ کی دل و دماغ میں تصویر کشی کا نام نیت ہے (جیسا کہ اکثر خواص اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں) بلکہ عند التحقیق اس غرض و غایت کا نام نیت ہے جو کسی کام کے انجام دینے کی داعی اور باعث ہوتی ہے اور عند التدقیق جب اس غرض و غایت کے حاصل کرنے کیلئے نفس میں شوق مؤکد پیدا ہو جائے جسے ارادہ کہا جاتا ہے اور نفس اس کی طرف متوجہ ہو اور اعضاء کو حرکت میں لائے تو نفس کی اسی توجہ اور تحریک اعضاء کا نام نیت ہے ظاہر ہے کہ جب بھی کوئی شخص کوئی کام کرتا ہے تو اسکی غرض و غایت کا تصور اور اس کے حصول کا شوق ہی اسے اس کی انجام دہی پر آمادہ کرتا ہے لہٰذا کسی کام کو اس کی نیت سے جدا کرنے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر خدا ہمیں کسی عمل کی نیت کے بغیر تکلیف دیتا تو یہ تکلیف مالا یطاق ہوتی بنا بریں تحقیق اکثر وہ بحثیں بے کار ثابت ہو جاتی ہیں جو نیت کے متعلق کی جاتی ہیں جیسے یہ کہ آیا تمام ماہ رمضان کے روزوں کے لئے ایک ہی نیت کافی ہے یا ہر ہر روز کی نیت علیحدہ کرنا چاہیے؟ آیا رات کے وقت کرنی چاہیے یا صبح صادق کے وقت وغیرہ وغیرہ جب ہلال ماہ رمضان المبارک ثابت ہو جائے تو ہر آدمی جانتا ہے کہ اس ماہ کا روزہ واجب ہے اور یہ کہ

روزہ صبح صادق سے لے کر مغرب تک فلاں فلاں مفطرات سے اجتناب کا نام ہے تو جب وہ یہ قصد کرے کہ وہ قربتہ" الی اللہ بحکم خدا اس ماہ کا روزہ رکھے گا تو یہی اجمالی قصد کافی ہے اور اسی کا نام نیت ہے اور اس کا روزہ صحیح ہے۔ "لا ریب فیہ ولا شک یعتریہ"

مسائل واحکام

مسئلہ ا۔ ماہ رمضان اور دوسرے واجب معین روزوں میں تو اول فجر سے مغرب تک نیت کا ہونا لازم ہے لیکن واجبی روزہ کی قضا اور نذر غیر معین میں بنابر مشہور زوال آفتاب تک نیت کی جاسکتی ہے اور مستحبی روزہ میں غروب سے چند منٹ پہلے تک نیت کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ ۲۔ افضل یہ ہے کہ ماہ رمضان میں رات کے وقت ہی روزہ کی نیت کرلی جائے اور اگر کوئی شخص سرے سے نیت کرنا ہی بھول جائے تو مشہور یہ ہے کہ وہ زوال آفتاب تک نیت کرسکتا ہے اور اس کا روزہ صحیح رہے گا۔

مسئلہ ۳۔ ماہ رمضان میں اور کوئی واجبی یا مستحبی روزہ نہیں رکھا جاسکتا حتی کہ اگر کوئی شخص ایسے سفر کی حالت میں ہو جس سے نماز قصر اور روزہ ساقط ہوجاتا ہے اور ہم اس کے بھی قائل ہوں کہ سفر میں مستحبی روزہ جائز ہے (ولو مع الکراہہ) تب بھی ماہ رمضان میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں کسی اور روزہ کی نیت کرے تو وہ روزہ تو بہرحال نہ ہوگا لیکن آیا وہ ماہ رمضان کا روزہ شمار ہوگا یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ نہ ہوگا۔ **وھوالاحوط واللہ العالم**

مسئلہ ۴۔ یوم شک میں (کہ آج شعبان کی تیسویں ہے یا ماہ رمضان کی پہلی؟) وجوب کی نیت سے روزہ نہیں رکھا جاسکتا بلکہ قربت مطلقہ کی نیت سے یا بقصد استحباب رکھا جائے گا جو شعبان یا ماہ رمضان ثابت ہونے کی صورت میں کافی ہے اور اگر یہ قصد وجوب رکھا گیا تو اگرچہ بعد میں ماہ رمضان ثابت بھی ہو جائے تب بھی وہ روزہ کافی نہ ہوگا اور اس کی قضا کرنا پڑے گی کیونکہ ہم ظاہری شریعت کے پابند ہیں نہ کہ واقع اور نفس الامر کے اور یہاں حسب ظاہر روزہ رکھتے وقت ماہ رمضان ثابت نہ تھا۔ وہو واضح

مسئلہ۵۔ اگر یوم شک میں صبح روزہ رکھنے کا خیال نہ تھا مگر زوال سے پہلے ثابت ہو گیا کہ آج

ماہ رمضان کی پہلی تاریخ ہے تو مشہور یہ ہے کہ زوال سے پہلے روزہ کی نیت کی جاسکتی ہے وہ روزہ صحیح رہے گا بشرطیکہ کوئی مفطر استعمال نہ کر چکا ہو۔

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں یہ قصد کرے کہ آج روزہ نہیں رکھوں گا پھر زوال سے پہلے رکھنے کی نیت کرے تو مشہور یہ ہے کہ اس طرح اس کا روزہ درست نہ ہو گا کیونکہ روزہ کا ایک حصہ بلانیت ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور جزء کا بطلان کل کے بطلان کو مستلزم ہے اگرچہ یہ مسئلہ نص سے خالی ہونے کی وجہ اشکال سے خالی نہیں ہے مگر مشہور قول احتیاط کے مطابق ہے۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۷۔ اگر کوئی روزہ دار اثنا روزہ میں افطار کا قصد کرے اور بعد ازاں پھر روزہ کی نیت کی تجدید کر لے تو آیا اس کا روزہ صحیح متصور ہوگا یا باطل؟ اس میں اختلاف ہے اگرچہ مشہور یہی ہے کہ اس کا روزہ صحیح ہے کیونکہ عندالمشہور نیت میں حقیقی یا حکمی استمرار ضروری نہیں ہے۔ مگر احوط (بلکہ اصح) یہ ہے کہ اس روزہ کو تمام کیا جائے اور بعد ازاں اس کی قضا بھی کی جائے کیونکہ علاوہ اس کے کہ یہ مسئلہ نص سے خالی ہے نیت میں حقیقی یا حکمی استدامت و استمرار ضروری ہے۔

مسئلہ ۸۔ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ طفل ممیز کی عبادات (نماز روزہ وغیرہ) صرف تمرینی نہیں بلکہ شرعی ہیں اور صحیح بھی اور وہ ان کی علی وجہہ بجا آوری پر اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

واللہ العالم و علمہ اتم واحکم

مسئلہ ۹۔ قضاء ماہ رمضان کا روزہ زوال سے پہلے افطار کیا جاسکتا ہے اور مستحبی روزہ میں قبل از زوال اور بعد از زوال کی کوئی قید نہیں ہے کسی وقت اسے افطار کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۱۰۔ مستحبی روزہ مومن کی دعوت پر افطار کیا جاسکتا ہے خواہ غروب سے چند لمحہ پہلے ہی ہو (واللہ العالم)

مبطلات و مفطرات روزہ کا بیان

وہ مبطلات و مفطرات روزہ جن سے روزہ دار کے لئے اجتناب کرنا واجب اور ان کا عمداً ارتکاب قضاو کفارہ ہر دو یا صرف قضاء کا موجب ہے کل نو ۹ ہیں۔

اول و دوم کھانا اور پینا عام اس سے کہ ماکول و مشروب کا تعلق ان چیزوں سے ہو جو عادۃً کھائی

پی جاتی ہیں جیسے روٹی اور پانی وغیرہ یا غیر عادی ہوں جیسے مٹی 'کنکر' کوئلہ اور درختوں یا گل گلاب کا پانی علی الاحوط اور عام اس سے کہ ماکول و مشروب کی مقدار قلیل ہو یا کثیر لہٰذا اگر روزہ دار جان بوجھ کر عمداً کچھ کھائے یا پیئے تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا اور قضا و کفارہ ہر دو لازم ہو جائیں گے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص بھول کر حالت روزہ میں کچھ کھا پی لے تو اس سے روزہ باطل نہ ہو گا اور نہ ہی قضا و کفارہ واجب ہوں گے۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص یہ نہ جاننے کی وجہ سے کہ فلاں چیز مبطل روزہ ہے اسے استعمال کرے تو مشہور یہ ہے کہ جاہل کا حکم عالم والا ہے مگر اظہر یہ ہے کہ جاہل معذور ہے لہٰذا اس صورت میں اسکا روزہ باطل نہ ہو گا۔ ہاں احوط یہ ہے کہ جاہل اگر مقصّر ہے تو قضا بجالائے۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۳: اگر کسی شخص کو کوئی مبطل استعمال کرنے پر اس طرح مجبور کیا جائے کہ اس کا اپنا ارادہ واختیار ختم ہو جائے تو اس سے روزہ باطل نہ ہو گا ---------- اور اگر کسی شخص کو دھمکی دی جائے کہ اگر وہ مفطر استعمال نہیں کرے گا تو اسے مالی یا جانی نقصان پہنچایا جائے گا اور اس حالت میں وہ شخص اپنے ارادہ سے مفطر استعمال کرے تو آیا اس طرح روزہ باطل ہو جائے گا یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے احوط بلکہ اصح یہ ہے کہ اس روزہ کی قضا کی جائے (واللہ العالم)

مسئلہ ۴۔ اگر عمداً غبار غلیظ حلق تک پہنچائی جائے تو اس سے روزہ باطل ہو جاتا ہے یا نہ؟ اور بصورت بطلان آیا صرف قضا واجب ہوتی ہے یا قضا و کفارہ ہر دو؟ اس میں فقہاء کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور یہ فعل موجب قضا و کفارہ ہے مگر جناب شیخ مفید 'شیخ ابن ادریس حلی اور شیخ ابو الصلاح صرف وجوب قضا کے قائل ہیں اور متاخرین کی ایک جماعت قائل ہے کہ اس سے نہ روزہ باطل ہوتا ہے اور نہ ہی قضا لازم آتی اور نہ کفارہ اور یہی اقرب ہے قول مشہور کا مدرک تہذیب الاحکام کی ایک مضمرہ و مجہولہ روایت ہے جو بوجوہ ناقابل اعتماد ہے اور جہاں تک (ابن ادریس والے) دوسرے قول کا تعلق

ہے توسوائے دعوائے اجماع کے اس کی اور کوئی دلیل نہیں ہے اور جس مسئلہ میں اس قدر اختلاف ہو اس میں اجماع کی حقیقت معلوم! باقی رہا تیسرا قول تو اسکی تائید میں کئی روایات موجود ہیں جیسے موثقہ عمرو بن سعید جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔ **سالته عن الصائم يدخن بعود او بغير ذالك فتدخل الدخنة في حلقه فقال جائز لا باس به قال وسئلته عن الصائم يدخل الغبار في حلقه قال لا باس۔** "میں نے امامؑ سے اس روزہ دار کے متعلق دریافت کیا جس کے حلق میں غبار یا لکڑی وغیرہ کا دھواں داخل ہوتا ہے فرمایا جائز ہے کوئی حرج نہیں ہے (وسائل الشیعہ) وسائل وغیرہ میں جمع بین الروایات کیلئے غلیظ اور غیر غلیظ کی جو تفریق کی گئی ہے یہ بے محل ہے دو روایتوں کے درمیان جمع کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ دونوں روایتیں من جمیع الجہات برابر ہوں مگر یہاں ایسا نہیں ہے بااین ہمہ احوط یہ ہے کہ عمداً" غلیظ غبار یا غلیظ دھواں حلق سے نیچے اتارنے کی صورت میں اس روزہ کی قضا کی جائے واللہ العالم۔ اور اگر غبار یا دھواں، جہل یا نسیان یا غفلت اور عدم تحفظ کی وجہ سے حلق میں داخل ہو جائے تو اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ——— اسی طرح غبار رقیق یا باریک دھواں حلق کے اندر پہنچانے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

مسئلہ ۵۔ منہ اور سر وسینہ کے رطوبات جیسے بلغم وغیرہ کے نگلنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک منہ کی فضا میں جمع نہ ہوں اگرچہ اس صورت میں بھی اقوی جواز ہے جیسا کہ غیاث بن ابراہیم کی روایت صادقؑ سے بہر حال جواز واضح ہوتا ہے۔ مگر احوط یہ ہے کہ اس صورت میں ان کو نگلنے سے اجتناب کیا جائے اور مزید احتیاط اس میں ہے کہ اگر یہ رطوبات ایک بار منہ سے علیحدہ ہو جائیں تو پھر ان سے احتراز کیا جائے۔

مسئلہ ۶۔ کھانے پینے سے روزہ اس صورت میں باطل ہوتا ہے کہ بطریق معروف کچھ کھایا پیا جائے لہٰذا اگر زخم وغیرہ کے راستہ سے کوئی چیز پیٹ تک پہنچائی جائے تو اس سے روزہ باطل نہ ہو گا۔

مسئلہ ۷۔ جو ٹیکہ کسی عضو کو سن کرنے کیلئے لگایا جاتا ہے بحالت روزہ اس کے لگوانے میں کوئی اشکال نہیں ہے اسی طرح جو ٹیکہ بطور دوا لگایا جاتا ہے علی الاقوی وہ بھی جائز ہے ہاں البتہ جو بطور غذا لگایا جاتا ہے احتیاط واجب یہی ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے واللہ العالم

مسئلہ ۸۔ روزہ کی حالت میں کلی کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے لیکن اگر اس طرح اتفاقاً" حلق

تک پانی پہنچ جائے تو آیا اس سے روزہ باطل ہو جاتا ہے یا نہ؟ اس سلسلہ کے اقوال و اخبار کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر واجبی نماز کیلئے وضو کرتے ہوئے ایسا ہو جائے تو اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اگر مستحبی نماز کیلئے وضو کیا جارہا تھا یا ٹھنڈک پہنچانے اور خشکی دور کرنے کی غرض سے کلی کی جارہی تھی کہ پانی حلق کے اندر چلا گیا تو پھر اس روزہ کی قضا واجب ہے۔

مسئلہ ۹۔ اگر روزہ دار پر پیاس کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ ہلاکت کا خوف دامنگیر ہو جائے تو اس کیلئے اس قدر پانی پینا جائز ہے کہ مرنے سے بچ جائے ہاں اسکے بعد مفطرات کے استعمال سے اجتناب کرے اور پھر اس روزہ کی قضا بھی کرے۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر ایک شخص جو صبح صادق کی تحقیق کرنے پر قادر تھا مگر اس نے رات کا استصحاب کرتے ہوئے بلا تحقیق کچھ کھا پی لیا و بعد ازاں انکشاف ہوا کہ اس وقت صبح صادق ہو چکی تھی تو اسے چاہئے کہ اس دن کا روزہ مکمل کرے اور پھر اس کی قضا بھی کرے اور اگر وہ تحقیق پر قادر نہ تھا یا اس نے اپنی سی تحقیق کر لی اور یہی سمجھا کہ ہنوز صبح صادق طلوع نہیں ہوئی اور کھا پی لیا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اس وقت پو پھٹ چکی تھی تو پھر روزہ صحیح ہے قضا وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ اگر کوئی آدمی تحقیق حال پر قدرت رکھنے کے باوجود کسی اور شخص کے قول پر بھروسہ کر کے کہ ابھی صبح طلوع نہیں ہوئی کھا پی لے یا گو کسی نے کہا بھی کہ صبح طلوع ہو گئی ہے مگر اس نے اسے غلط گو اور جھوٹا سمجھتے ہوئے اس خبر پر اعتبار نہ کیا اور کھا پی لیا اور بعد ازاں انکشاف ہوا کہ درحقیقت صبح نمودار ہو چکی تھی تو ان تمام صورتوں میں صرف قضا واجب ہو گی۔

مسئلہ ۱۲۔ اگر آسمانی مطلع صاف ہو تو غروب آفتاب کا علم و یقین حاصل کر کے روزہ کھولنا چاہیے اور اگر کوئی آدمی باوجود مطلع کے صاف ہونے اور تحقیق حال پر قدرت رکھنے کے کسی کے قول پر اعتماد کر کے روزہ کھول دے اور بعد ازاں انکشاف ہو کہ ہنوز سورج غروب نہیں ہوا تھا تو مشہور یہ ہے کہ اس پر صرف اس روزہ کی قضا واجب ہے اور بعض محققین قضا و کفارہ ہر دو کے قائل ہیں (وہو الاقرب) اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو پھر غروب آفتاب کا ظن غالب کافی ہے لہذا اگر کوئی شخص ظن غالب کی بناء پر روزہ افطار کرے اور بعد ازاں انکشاف خلاف ہو تو آیا قضا واجب ہوگی یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے زیادہ تر اقوال اور اخبار و آثار سے یہی واضح و آشکار ہوتا ہے کہ قضا واجب نہیں ہے (وہو الاقوی) اور سماعہ کی ایک روایت سے (جسے بعض فقہا نے

تقیہ پر محمول کیا ہے) اور بعض اقوال سے قضا کا وجوب ظاہر ہوتا ہے اس لئے احوط یہ ہے کہ اس روزہ کی قضا کر لی جائے واللہ العالم

مسئلہ ۱۳۔ روزہ کی حالت میں انگوٹھی چوسنے بچوں یا پرندوں کیلئے دانتوں سے غذا کو باریک کرنے یا نمک مرچ معلوم کرنے کیلئے شوربہ چکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں حلق تک نہیں پہنچتیں بلکہ صرف زبان تک محدود رہتی ہیں کیونکہ ذائقہ کا تعلق زبان سے ہے حلق سے نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۴۔ روزہ دار کے لئے سحری کھا کر خلال کرنا واجب نہیں ہے ہاں البتہ اگر طعام کا کچھ بقایا حصہ دانتوں سے نکل کر زبان پر آجائے تو اسے عمداً نہ نگلے اور اگر سہواً حلق کے اندر چلا جائے تو اس سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

سیوم جماع = بالاتفاق روزہ دار کیلئے مباشرت سے اجتناب واجب ہے کیونکہ عمداً جماع کرنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور قضا و کفارہ ہر دو واجب ہو جاتے ہیں سر حشفہ کے دخول سے جماع مستحقق ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو اور اگر اس سے کمتر مقدار داخل ہو اور انزال بھی نہ ہو تو اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھول کر جماع کرے یا اسے اس طرح اس پر مجبور کیا جائے کہ اس کا اپنا اختیار سلب ہو جائے تو اس سے روزہ متاثر نہ ہو گا لیکن اگر اثناء فعل میں یاد آجائے یا جبر و اکراہ اٹھ جائے تو فوراً اس فعل سے باز آنا واجب ہے ورنہ روزہ باطل ہو جائے گا اور قضا و کفارہ لازم ہو جائیگے۔

مسئلہ ۲۔ اگر اصل دخول میں یا سر حشفہ کے غائب ہونے میں شک ہو تو اس سے نہ غسل واجب ہو گا اور نہ روزہ باطل ہو گا۔ کمالا یخفی

چہارم استمناء = یعنی مشت زنی یا بوس و کنار کرنے یا بنظر شہوت دیکھنے یا تخیل و تصور وغیرہ کے ذریعہ سے عمداً اپنی منی خارج کرنا اس فعل کا حرام بلکہ مبطل صیام اور موجب قضاد کفارہ ہونا لاکلام ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص انزال کے مذکورہ بالا مقدمات کو روزہ توڑنے کی نیت سے بجا لائے باوجودیکہ جانتا ہو کہ یہ فعل مبطل روزہ ہے تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا اگرچہ انزال نہ بھی ہو اور اگر نگاہ وغیرہ کرنے سے اس کا مقصد نہ انزال ہو اور نہ ہی روزہ توڑنا اور نہ ہی اس طرح اسکی عادت ہو لیکن اتفاقاً" ایسا کرنے سے اسکی منی خارج ہو جائے تو اس سے روزہ باطل نہ ہو گا۔

مسئلہ ۲۔ ایک شخص کو علم ہے کہ بوس و کنار کرنے' یا نگاہ کرنے یا تخیل و تصور کرنے سے اس کی منی خارج ہو جاتی ہے تو ایسا شخص اگر ان امور کا عمداً" ارتکاب کرے اور پھر اس کی منی خارج ہو جائے تو علی الاحوط اس کا روزہ باطل ہو جائے گا اگرچہ اس کا قصد انزال نہ ہو۔

مسئلہ ۳۔ احتلام سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن جس شخص کو علم ہو کہ وہ جب بھی سوئے گا تو اسے احتلام ہو جائے گا تو اس کے لئے احتیاط مستحب یہ ہے کہ وہ سونے سے اجتناب کرے مگر یہ کہ اس کے لئے جاگنا زحمت و مشقت کا موجب ہو۔

مسئلہ ۴۔ جس شخص کو روزہ کی حالت میں احتلام ہو جائے تو وہ بیدار ہونے کے بعد پیشاب و استبراء کر سکتا ہے اگرچہ اسے علم ہو کہ ایسا کرنے سے نالی میں باقیماندہ منی خارج ہو گی۔

پنجم عمداً" صبح تک بقاء بر جنابت

بنا بر مشہور و منصور جو شخص رات کے وقت اختیاری (جیسے مقاربت) یا غیر اختیاری (جیسے احتلام) کے طور پر جنب ہو جائے اور باوجود توجہ و التفات کے غسل کی نیت کئے بغیر سو جائے یا جاگتا رہے مگر غسل نہ کرے یہاں تک کہ صبح صادق نمودار ہو جائے تو اس کا وہ روزہ باطل ہو گا اور علی الاقوی اس پر قضا و کفارہ ہر دو واجب ہوں گے۔

یہاں دو قول اور ہیں ایک یہ کہ اس کا روزہ صحیح ہے اور قضا و کفارہ میں سے کچھ بھی واجب نہیں ہے یہ قول بعض اعلام کی طرف منسوب ہے دوسرا یہ کہ اس صورت میں صرف قضا واجب ہے مگر کفارہ لازم نہیں ہے یہ قول بھی بعض فقہاء کرام کی طرف منسوب ہے اور ان ہر دو اقوال کو بعض روایات کی تائید بھی حاصل ہے مگر اقوی قول وہی ہے جو مشہور ہے کیونکہ جو

اخبار و آثار اسکی تائید میں وارد ہیں وہ تعداد میں زیادہ اور سند کے اعتبار سے زیادہ مستند ہیں اور ان کے بالمقابل جو اخبار ہیں وہ یا تو محمول بر تقیہ ہیں یا بوجہ ضعف سند ناقابل اعتماد ہیں۔ واللہ العالم

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ مشہور یہ ہے کہ بقابر جنابت مطلقاً" مبطل روزہ ہے خواہ ماہ رمضان کا روزہ ہو یا اسکی قضا ہو یا کوئی اور واجبی یا مستحبی روزہ ہو مگر تحقیق یہ ہے کہ جہاں تک ماہ رمضان یا اس کی قضا کا تعلق ہے تو اس چیز کا مفسد روزہ ہونا تومسلم ہے۔ (لہٰذا اگر قضا ماہ رمضان میں ایسا اتفاق ہو جائے تو اس روز روزہ نہ رکھا جائے) لیکن مستحبی روزہ میں اس کا مبطل ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ روایات سے اس کا مبطل نہ ہونا ثابت ہے اور جہاں تک دوسرے واجبی روزوں کا تعلق ہے تو ان میں یہ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۲۔ یہ جو مشہور ہے کہ اگر ایسا شخص ایک بار سو جائے اور صبح تک نہ جاگے تو اس پر قضا و کفارہ کچھ نہیں اور دوسری بار سو جائے اور نہ جاگے تو اس پر صرف قضا واجب ہے اور اگر تیسری بار بھی جاگ کر سو جائے اور پھر صبح تک بیدار نہ ہو تو اس صورت میں قضا و کفارہ ہر دو واجب ہیں تو احادیث آل محمد علیہم السلام سے اس تفصیل کی کوئی دلیل نہیں ملتی بلکہ محقق فقہاء کرام کے اقوال اور احادیث اہل بیت علیہم السلام کا خلاصہ یہ ہے کہ افضل تو یہ ہے کہ آدمی جنب ہونے کے بعد اس وقت تک نہ سوئے جب تک غسل نہ کرلے اور اگر غسل کی نیت کر کے کہ صبح سے پہلے اٹھ کر غسل کرے گا سو جائے جبکہ جاگنے کی امید بھی ہو مگر اتفاقاً" صبح تک آنکھ نہ کھلے تو اس کا روزہ صحیح ہو گا اور قضا و کفارہ واجب نہ ہوں گے اور اگر اس اثناء میں ایک دو بار جاگے مگر یہی خیال کرکے کہ ابھی وقت باقی ہے صبح سے پہلے اٹھ کر غسل کرلے گا مگر آخری بار ایسا سوئے کہ صبح صادق کے بعد بیدار ہو تو ان تمام صورتوں میں وہ روزہ تمام کریگے اور اسکی قضا بھی واجب ہو گی مگر کفارہ واجب نہ ہو گا بہرحال قضا و کفارہ صرف اسی صورت میں واجب ہوں گے کہ جب آدمی باوجود جاگنے کے عمداً" صبح صادق تک غسل نہ کرے یا غسل کرنے کا قصد کئے بغیر سو جائے اور پھر صبح تک بیدار نہ ہو واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ مذکورہ بالا مسئلہ میں جہاں جہاں غسل کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کی جگہ اس شخص پر تیمم کرنا واجب ہوگا جس کا عذر شرعی کی بنا پر شرعی وظیفہ تیمم ہے اور چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ جو تیمم غسل کے عوض کیا جائے وہ سونے سے ٹوٹ جاتا ہے یا نہ؟ اس لئے احوط یہ ہے کہ تیمم کے بعد وہ صبح صادق تک جاگتا رہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۴۔ جو عورت ماہ رمضان میں رات کے وقت حیض یا نفاس سے پاک ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ صبح صادق سے پہلے غسل کرے اور اگر ایسا نہیں کرے گی تو اس کا روزہ تو یقیناً" باطل ہوگا لیکن آیا اس پر صرف اسکی قضا واجب ہوگی یا اس کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہو گا؟ اس میں اختلاف ہے اس سلسلہ میں صرف ایک روایت موثقہ ابی بصیر ملتی ہے جو حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے جس میں صرف قضا کا تذکرہ ہے کفارہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ (تہذیب الاحکام) اور بغیر نص کے صرف جنب پر قیاس کرتے ہوئے کفارہ کا حکم عائد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شرعی احکام میں قیاس کرنا حرام ہے۔

مسئلہ ۵۔ مشہور یہ ہے کہ علی الاحوط مستحاضہ کے روزہ کی صحت اس کے دن والے اغسال پر موقوف ہے جو متوسط میں صرف ایک ہے جو نماز صبح کے لئے کیا جاتا ہے اور کثیرہ میں اس کے علاوہ نماز ظہرین کے لئے دوسرا غسل بھی واجب ہے اور تیسرا مغربین کیلئے (مگر وہ اغسال لیلیہ میں داخل ہے) اور اگر انکی بجا آوری میں کچھ کی کوتاہی کی گئی تو نماز کی طرح اس کا روزہ بھی صحیح نہ ہو گا۔

مسئلہ ۶۔ جو شخص ماہ رمضان میں جنب ہو اور غسل کرنا بھول جائے حتی کہ کئی دن گزر جائیں تو یاد آنے پر وہ غسل کرے گا اور اس پر تمام سابقہ دنوں کے روزوں کی قضا لازم ہو گی۔

ششم پانی میں غوطہ لگانا یا صرف سر ڈبونا = منجملہ مبطلات روزہ کے چھٹا مبطل علی الاشہر (وہوالاحوط) پانی میں غوطہ لگانا یا صرف سر کا ڈبونا ہے۔

بنا برا شہر عمداً" ایسا کرنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور قضا و کفارہ ہر دو واجب ہو جاتے ہیں۔ (علی الاحوط) گو اس سلسلہ میں فقہاء میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ فعل حرام ضرور ہے لیکن ایسا کرنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا دوسرا یہ کہ یہ فعل صرف مکروہ ہے تیسرا یہ کہ اس سے صرف قضا واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں ہوتا مگر اشہر و احوط قول اول ہی ہے کہ حرام بھی

اور اس کا عمداً ارتکاب کرنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور قضا و کفارہ ہر دو لازم ہوتے ہیں۔ خصال شیخ صدوقؒ کی حدیث خمسہ وغیرہ سے اس کی فی الجملہ تائید ہوتی ہے واللہ العالم۔

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ اس سلسلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سر سمیت سارے جسم کا غوطہ لگایا جائے یا صرف سر پانی میں ڈبویا جائے اور باقی بدن پانی سے باہر رہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص بھول کر غوطہ لگا بیٹھے یا بے اختیار پانی میں گر پڑے اور سر ڈوب جائے یا کوئی اور شخص زبردستی اسے غوطہ دے تو اس سے روزہ باطل نہ ہو گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر سر کے آدھے حصہ کو ایک دفعہ اور پھر اسے باہر نکال کر دوسرے آدھے حصہ کو دوسری دفعہ ڈبویا جائے تو اس سے روزہ باطل نہ ہو گا۔

ہفتم خداؑ، رسول خداؐ اور ائمہ ھدیٰؑ پر عمداً جھوٹ بولنا

اگرچہ خدا اور رسولؐ اور ائمہ ہدیٰؑ پر جھوٹ بولنے کے مبطل صوم ہونے اور اس سے قضا و کفارہ کے واجب ہونے میں فقہاء میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر اشہر اور اگر اظہر نہیں تو کم از کم احوط یہی ہے کہ یہ جرم شنیع مفسد صوم بھی ہے۔ اور موجب قضا و کفارہ بھی۔ **(اعاذنا اللہ منہ)** علماء متقدمین میں سے یہ قول جناب شیخ مفیدؒ جناب شیخ طوسیؒ جناب سید مرتضیٰ جناب ابوالصلاح اور جناب ابن البراج سے مروی ہے اور یہی قول علماء متاخرین میں مشہور ہے۔ اس مضمون کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ جن میں ائمہ اطہارؑ نے فرمایا ہے۔ **"ان الکذب علی اللہ ورسولہ وعلی الائمۃ یفطر الصائم"** خدا اور رسولؐ اور ائمہؑ پر جھوٹ بولنا روزے کو توڑ دیتا ہے۔ (وسائل الشیعہ)

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ اس کذب و افتراء میں کوئی فرق نہیں کہ امور دین کے متعلق ہو یا امور دنیا کے نیز اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ یہ جھوٹ بذریعہ گفتگو زبان سے بولا جائے۔ یا بذریعہ تحریر قلم سے لکھا جائے۔

مسئلہ ۲۔ جس روایت کے غلط یا صحیح ہونے کا علم و یقین نہ ہو اور روزہ دار نے اسے بیان کرنا

ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ جس شخص سے وہ روایت سنی ہے۔ یا جس کتاب میں اسے دیکھا ہے۔ اس کے حوالے سے بیان کرے بشرطیکہ وہ شخص یا وہ کتاب قابل وثوق ہو۔

مسئلہ ۳۔ اگر ایک آدمی کو کسی واقعہ کے غلط اور جھوٹ ہونے کا یقین ہے۔ تو پھر کتاب یا ناقل کا حوالہ دینے سے خدا اور رسولؐ اور ائمہ ہدیٰؑ پر جھوٹ بولنے کے سنگین جرم سے گلو خلاصی نہیں ہو سکے گی۔

ہشتم رواں چیز سے حقنہ کرنا

اگرچہ اس کے مفطر و مفسد صوم ہونے میں فقہاء کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ یہ حرام بھی ہے اور مفسد صوم اور موجب قضا بھی وھوالاحوط

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ خشک چیز سے حقنہ کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ ہے

مسئلہ ۲۔ اگر پیشاب کی نالی کے ذریعہ سے کوئی دوا پیٹ تک پہنچ جائے تو اشہر واظہر قول کی بنا پر اس سے روزہ باطل نہیں ہوتا

مسئلہ ۳۔ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ ناک میں نسوار وغیرہ چڑھانا مکروہ ہے۔

نہم عمداً قے کرنا

اگرچہ اس کے حرام اور مبطل روزہ ہونے اور موجب قضاوکفارہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن مشہور و منصور قول یہ ہے۔ کہ روزہ کی حالت میں عمداً قے کرنا حرام اور روزہ کے بطلان کی موجب ہے اور اس کی قضا لازم ہے مگر اس سے کفارہ واجب نہیں ہوتا کیونکہ جن اخبار و آثار میں اس کے مبطل صوم اور موجب قضا ہونے کا تذکرہ ہے ان میں سے کسی ایک حدیث میں بھی کفارہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہاں جو قے خود بخود آ جائے اس سے روزہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واللہ العالم بحقائق احکامہ والقائمون مقامہ فی حلالہ و حرامہ۔

" وہ امور جن سے اجتناب کرنا روزہ دار کیلئے مستحب یا جن کا ارتکاب مکروہ ہے :

اور وہ کل دس امور ہیں (۱) حلال عورتوں کا بوس وکنار وغیرہ اس شخص کے لئے جس کی شہوت کو تحریک ہو اور خروج منی کا اندیشہ ہو۔ (۲) وہ سرمہ آنکھوں میں لگانا جس میں کستوری کی

آمیزش ہو اور جس کا ذائقہ حلق تک پہنچ جائے ورنہ مکروہ نہیں ہے۔ (۳) ناک میں نسوار چڑھانا اور بعض فقہاء نے کہا ہے۔ کہ کراہت اس صورت میں ہے کہ جب اس کے حلق تک پہنچنے کا علم نہ ہو ورنہ حرام ہے۔ وہو الاحوط (۴) پچھنے وغیرہ کے ذریعہ خون نکلوانا جس سے کمزوی لاحق ہو اسی طرح اگر حمام جانے سے کمزوری لاحق ہو تو وہ بھی مکروہ ہے۔ (۵) خوشبودار گیاہ یا پھول خصوصاً نرگس کا سونگھنا کیونکہ یہ لذت ہے اور روزہ دار کو لذت سے اجتناب کرنا چاہئے ہاں سوائے کستوری کے (چونکہ اسکی خوشبو بہت تیز ہوتی ہے) دوسری خوشبو لگانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحب ہے۔ کہ یہ روزہ دار کا تحفہ ہے۔ (۶) عورت کا پانی میں بیٹھنا کہ اس طرح پانی کے اس کے اندر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ (۷) کپڑا تر کرکے جسم پر ڈالنا کہ اس سے بعض امراض پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ (۸) شعر پڑھنا روزہ کے علاوہ شب و روز جمعہ اور ہر رات اور مُحرِم کے لئے نیز حرم اور مسجد کے اندر بھی مکروہ ہے اگرچہ بعض روایات میں یہ صراحت ہے۔ کہ اگرچہ شعر حق بھی ہو مگر بعض محقق فقہاء کرام نے اس کراہت کو ان اشعار کے ساتھ مختص قرار دیا ہے۔ جن میں پند و موعظہ اور حکمت و نصیحت نہ ہو اور جو سرکار محمد و آل محمد کی مدح وثناء یا نوحہ و مرثیہ یا مطالب حقہ و دینیہ پر مشتمل نہ ہو اور ایسے اشعار کو اس کراہت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور یہ قول قوت سے خالی نہیں ہے۔ جس کے کئی شواہد و مؤیدات موجود ہیں مگر چونکہ اس کے برخلاف بھی بعض اخبار آثار موجود ہیں (۹) لڑائی جھگڑے سے اجتناب کرنا (۱۰) گالی گلوچ سے اور اسی طرح خدا کے نام کی قسم کھانے سے احتراز کرنا۔ **تلک عشرة کاملة**

وہ مقامات جہاں قضاو کفارہ ہر دو واجب ہیں

قبل ازیں مفطرات کے ... ن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ سوائے حقہ اور قے کے باقی تمام مفطرات کو عمداً بجا لانے سے بالاتفاق یا علی الاقویٰ یا علی الاحوط قضاو کفارہ دونوں واجب ہو جاتے ہیں۔ ان امور کی تفصیل مذکورہ بالا مقامات پر مذکور ہے۔ **فلا نطیل الکلام بالتکرار**

کفارہ کہاں واجب ہوتا ہے۔

چار مقامات پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ (۱) ماہ رمضان کے روزوں میں۔ (۲) ماہ رمضان کی قضا کے روزہ میں۔ (۳) روزہ نذر معین میں۔ (۴) روزہ ... ان ممنوعہ امور کے ارتکاب سے ان چار قسم کے روزں کے علاوہ جس قدر روزے ہیں جیسے کفارہ کے روزے نذر غیر معین

کے روزے اور مستحبی روزے ان میں ان ممنوعہ امور کے ارتکاب سے کفارہ واجب نہیں ہوتا

کفارہ کے احکام

مسئلہ ۱۔ ماہ رمضان کے روزہ کا کفارہ بالاتفاق (۱) ایک مومن غلام کا آزاد کرنا (۲) دو ماہ کے روزے رکھنا (۳) یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ان تین امور میں سے جس کسی کو بھی مکلف بجالائے اس سے وجوب ساقط ہو جائے گا جسے کفارہ مخیرہ کہا جاتا ہے احوط یہ ہے کہ اس سلسلہ میں مذکورہ بالا ترتیب کو مد نظر رکھا جائے۔

مسئلہ ۲۔ ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانے کی دو صورتیں ہیں یا تو سیر کر کے ان کو کھانا کھلایا جائے یا فی کس کے حساب سے ایک مد گندم یا جو وغیرہ ان کو دیا جائے۔

مسئلہ ۳۔ ایک مسکین کو ایک مد سے زیادہ نہیں دیا جاسکتا یعنی ساٹھ مسکینوں کی تعداد پوری کرنا لازم ہے ہاں اگر کسی مسکین کے عیال و اطفال ہوں تو اگرچہ چھوٹے ہوں۔ مگر ان کی تعداد کے مطابق اسے ایک سے زیادہ مد دیے جاسکتے ہیں۔

مسئلہ ۴۔ اگر حرام چیز کے ساتھ روزہ توڑا جائے جیسے لقمہ حرام یا شراب یا زنا وغیرہ تو پھر کفارہ جمع واجب ہوگا یعنی بیک وقت غلام بھی آزاد کرنا پڑے گا ساٹھ روزے بھی رکھنا پڑیں گے۔ اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا بھی کھلانا پڑے گا۔

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی شخص مختلف ایام میں مختلف مبطلات روزہ کا ارتکاب کرے تو یقیناً کفارہ مکرر ہوگا لیکن اگر ایک ہی دن میں ایک مبطل یا یکے بعد دیگرے مختلف مبطلات کا ارتکاب کیا جائے تو کفارہ مکرر ہوگا یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے مشہور و منصور قول یہ ہے کہ اس صورت میں صرف جماع کرنے سے کفارہ مکرر ہوگا۔ جیسا کہ نص میں وارد ہے۔ دوسرے امور میں نہیں۔ واللہ العالم

مسئلہ ۶۔ اگر میاں بیوی دونوں روزے سے ہوں اور شوہر بیوی کو جماع پر مجبور کرے تو مرد کا جہاں روزہ باطل ہوگا وہاں اس پر دو کفارے بھی واجب ہوں گے ایک اپنا اور دوسرا بیوی کا اور مزید برآں بطور تعزیر اسے پچاس کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور بیوی کا روزہ باطل نہ ہوگا لیکن اگر بعد میں عورت اس فعل پر رضا مند ہو جائے۔ تو پھر وہ کفارہ خود ادا کرے گی۔ اور اسکی تعزیر بھی خود اس پر جاری کی جائے گی۔

مسئلہ ۷۔ اگر کوئی شخص باوجود جاننے بوجھنے کے عمداً حلال سمجھ کر ماہ رمضان کا روزہ نہ رکھے یا رکھ کر توڑ دے تو مرتد متصور ہوگا اور اگر پھر بھی باز نہ آیا۔ تو نصوص و فتاوی کے مطابق تیسری بار اسے قتل کر دیا جائے گا لیکن احوط یہ ہے کہ چوتھی بار قتل کیا جائے۔ **(کما ورد فی روایتہ)**

مسئلہ ۸۔ جو شخص مذکورہ بالا کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو صرف اٹھارہ روزے رکھے اگر یہ بھی نہ رکھ سکے تو جس قدر صدقہ دے سکتا ہے وہ دے یا جس قدر روزے رکھ سکتا ہے وہ رکھے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو غفار الذنوب کی بارگاہ میں صرف توبہ و استغفار کرے کہ اس صورت میں اس کی یہ استغفار اس کا کفارہ متصور ہوگی۔

مسئلہ ۹۔ اگر ایک شخص پر روزہ توڑنے کی وجہ سے کفارہ واجب ہو گیا تھا مگر بعد میں اختیاری یا اضطراری طور پر روزہ خود بخود ختم ہو گیا جیسے وہ سفر پر چلا گیا یا بیمار ہو گیا یا عورت کو حیض و نفاس آ گیا تو آیا اس سے کفارہ ساقط ہو جائے گا یا نہ؟ مشہور یہ ہے کہ اختیاری فعل (جیسے سفر) سے کفارہ ختم نہ ہو گا مگر اضطراری صورت (جیسے حیض و نفاس وغیرہ) سے ختم ہو جائے گا لیکن اگر اقوی نہیں تو احوط یہی ہے کہ ہر صورت میں کفارہ ادا کیا جائے کیونکہ ظاہری شریعت کے قواعد کی رو سے جو کفارہ ایک بار واجب ہو گیا تھا وہ بہر حال ادا کرنا پڑے گا واللہ العالم۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر سفر یا مرض وغیرہ کی وجہ سے شوہر کو روزہ نہ ہو اور بیوی روزہ سے ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ بیوی کو جماع پر مجبور کرے لیکن اگر ایسا کرے تو اس پر عورت کی طرف سے کفارہ یا تعزیر عائد نہ ہوگی۔

مسئلہ ۱۱۔ قضاء ماہ رمضان کا کفارہ جبکہ زوال آفتاب کے بعد روزہ توڑا جائے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور اگر یہ نہ کھلا سکے تو تین روزے رکھے اور احوط یہ ہے کہ ماہ رمضان والا کفارہ مخیرہ ادا کیا جائے اور اگر زوال سے پہلے توڑا جائے تو کفارہ واجب نہ ہو گا بلکہ صرف اس روزہ کی قضاء واجب ہو گی۔

مسئلہ ۱۲۔ نذر معین کے روزہ کا کفارہ قسم والا ہے (ایک غلام آزاد کرنا یا دس روزے رکھنا یا دس فقیروں کو کھانا کھلانا) اور اگر ایسا نہ کر سکے تو تین روزہ رکھنا اور احوط یہ ہے کہ روزہ ماہ رمضان والا کفارہ ادا کیا جائے۔

مسئلہ ۱۳۔ روزہ اعتکاف کا کفارہ روزہ ماہ رمضان والا ہے مگر یہ کفارہ صرف جماع کرنے سے

واجب ہوتا ہے دیگر مفطرات کے ارتکاب سے واجب نہیں ہوتا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کفارہ روزہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اعتکاف کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ رات کو بھی جماع کیا جائے تو یہ کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۱۴۔ فقہاء کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کفارہ میں قیمت کا ادا کرنا کافی نہیں ہے بلکہ جہاں غلام آزاد کرنا ہے وہاں غلام آزاد کیا جائے گا اور جہاں کھانا کھلانا ہے وہاں کھانا ہی کھلایا جائے گا (یا گندم وغیرہ کا ایک مد دیا جائے گا) اور جہاں روزے رکھنا ہیں وہاں روزے رکھے جائیں گے واللہ العالم

وہ مقامات جہاں روزہ کی صرف قضا واجب ہے

بارہ مقامات پر روزہ کی صرف قضا واجب ہوتی ہے مگر کفارہ واجب نہیں ہوتا اور وہ مقامات یہ ہیں (۱) حیض و نفاس کی وجہ سے جو روزے قضا ہوں (۲) مرض کی وجہ سے فوت شدہ روزے (۳) سفر کے سبب سے فوت شدہ روزے (۴) روزہ کی حالت میں سیال چیز سے حقنہ کرنے کی وجہ سے (۵) روزہ کی حالت میں عمداً" قے کرنے سے (۶) کوئی شخص ماہ رمضان میں غسل جنابت کرنا بھول جائے اور چند دنوں کے بعد یاد آئے (۷) روزہ دار اثناء روزہ میں توڑنے کا قصد کرے مگر توڑنے سے قبل پھر نیت کی تجدید کرے تو بنا بر احتیاط اس روزہ کی قضا واجب ہے۔ (۸) ایک شخص نے حقیقت حال کی تحقیق پر قدرت رکھنے کے باوجود تحقیق نہ کی اور یہ سمجھ کر کہ ابھی صبح صادق طلوع نہیں ہوئی کچھ کھا پی لیا مگر بعد ازاں معلوم ہوا کہ صبح صادق طلوع ہو چکی تھی۔ (۹) باوجود حقیقت حال معلوم کرنے پر قادر ہونے کے خود تحقیق نہ کی جائے اور کسی کے قول پر اعتماد کر کے کھا پی لیا جائے یا کوئی شخص بتائے کہ صبح صادق نمودار ہو چکی ہے مگر اسکے قول پر اعتبار نہ کرتے ہوئے یا اسے ہنسی مذاق پر محمول کرتے ہوئے کچھ کھا پی لیا جائے اور بعد میں ظاہر ہو کہ واقعاً" اس وقت صبح صادق طالع ہو چکی تھی مخفی نہ رہے ان دونوں صورتوں میں اس روزہ کو پورا کرنا بھی واجب ہے (فلا تغفل)

(۱۰) مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں یہ خیال کر کے کہ رات داخل ہو گئی ہے روزہ افطار کر لیا جائے اور بعد میں معلوم ہو کہ ابھی دن باقی تھا تو علی الاحوط قضا واجب ہے۔ (۱۱) واجبی نماز کے وضو کے علاوہ کسی بھی غرض سے وضو کرتے وقت یا وضو کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے کلی

کرتے وقت پانی حلق کے اندر چلا جائے۔ (۱۲) ماہ رمضان میں جب شخص ایک بار جاگنے کے بعد دوبارہ یا سہ بارہ سو جائے اور پھر صبح صادق تک بیدار نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں روزہ کی قضا واجب ہے۔ ان تمام امور کی گذشتہ اوراق میں تفصیل گذر چکی ہے۔ (فراجع)

قضا کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ نابالغ جب بالغ ہو جائے دیوانہ عاقل ہو جائے' بے ہوش ہوش میں آجائے یا کافر مسلمان ہو جائے تو نابالغی دیوانگی بے ہوشی اور کفر کی حالت میں نہ رکھے ہوئے روزوں کی قضا واجب نہیں ہے اسی طرح جب مخالف راہ راست پر آجائے تو جو روزے اور دیگر عبادات اپنے مذہب کے مطابق انجام دے چکا ہے ان کی قضا واجب نہیں ہے سوائے زکوٰۃ کے کہ وہ بہر حال دوبارہ ادا کرنا ہے کیونکہ حق بحقدار نرسیدہ است

مسئلہ ۲۔ جو مسلمان (العیاذ باللہ) مرتد ہو جائے (فطری ہو یا ملی) تو توبہ کرنے کے بعد اس پر زمانہ ارتداد والے نماز و روزہ وغیرہ عبادات کی قضا واجب ہے۔ علی الاحوط

مسئلہ ۳۔ جس شخص نے بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھے اگر آئندہ ماہ رمضان تک مسلسل بیمار رہنے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو اس پر قضا واجب نہیں ہے بلکہ فی روزہ کے حساب سے صرف ایک مد طعام بطور کفارہ واجب ہو گا اور اگر اثنائے سال میں تندرست ہو جائے تو صرف قضا واجب ہو گی اور اگر کاہلی کی وجہ سے قضا نہ کرے یہاں تک دوسرا ماہ رمضان داخل ہو جائے تو بعد ازاں قضا کے ساتھ ساتھ فی روزہ ایک مد طعام کفارہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۴۔ بیماری کے علاوہ اگر کسی اور عذر (جیسے سفر) کی وجہ سے روزہ نہ رکھا جائے اور پھر یہ عذر آئندہ ماہ رمضان تک برقرار رہے تو اس کا حکم بھی بیماری والا ہے جو اوپر مذکور ہے یا نہ ؟ بعض اخبار و اقوال سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے مگر احوط یہ ہے کہ یہاں قضا بھی کی جائے اور ایک مدفی روزہ کے حساب سے کفارہ بھی دیا جائے اسی طرح اگر روزے تو بیماری کی وجہ سے نہ رکھے جائیں مگر آئندہ ماہ رمضان تک قضا کسی اور عذر (جیسے سفر) کی وجہ سے نہ کی جا سکے تب بھی احوط یہ ہے کہ قضا اور ایک مدفی روزہ کے حساب سے کفارہ بھی ادا کیا جائے۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۵۔ جس آدمی کے بیماری کی وجہ سے روزے قضا ہو جائیں اور وہ اسی بیماری میں فوت ہو جائے تو ان روزوں کی ولی پر قضا واجب نہیں ہے ہاں البتہ اگر اس بیماری سے شفایاب ہو جائے اور

باوجود قدرت کے محض کاہلی کی وجہ سے قضا نہ کرے اور پھر فوت ہو جائے تو اولاد ذکور یا اولیاء ذکور میں سے بڑے ولی پر اور ہم عمر ہونے کی صورت میں سب پر ان روزوں کی قضا واجب ہو گی۔

مسئلہ ۶۔ اور اگر یہ روزے بوجہ سفر قضا ہوئے ہوں اور وہ آدمی فوت ہو جائے خواہ اسے قضا کرنے کی فرصت ملی ہو یا نہ بہر حال ولی پر ان فوت شدہ روزوں کی قضا واجب ہے۔ والفارق النص

مسئلہ ۷۔ علی الاصح والدہ کے قضا روزوں کا حکم بھی والد کے قضا شدہ روزوں کا ہے کہ اولاد ذکور میں سے بڑے لڑکے پر یا اولیاء میراث میں سے بڑے ولی پر ان کی قضا واجب ہے۔ وھو الاحوط

مسئلہ ۸۔ حیض و نفاس کی وجہ سے قضا شدہ روزوں کی قضا واجب ہے

مسئلہ ۹۔ جس آدمی کے ذمہ واجبی روزوں کی قضا ہو اس کیلئے مستحبی روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ 10: قضا میں فوریت واجب نہیں بلکہ تراخی جائز ہے اگرچہ فوراً قضا کرنا افضل ہے۔ واللہ العالم

تتمۂ کلام ثبوت ہلال کے شرعی طرق کا بیان

فقہاء کرام کی عادت ہے کہ وہ باب الصوم میں چاند کی پہلی تاریخ ثابت کرنے کے جو شرعی طریقے ہیں ان سے بحث کیا کرتے ہیں ہم بھی ان کی تاسّی میں اس موضوع پر بقدر ضرورت یہاں تبصرہ کرتے ہیں واضح ہو کہ علی المشہور المنصور ثبوت ہلال کے چار طریقے ہیں۔ (۱) مکلف خود اپنی آنکھوں سے چاند دیکھے۔ (۲) رویت ہلال کا اس قدر شیاع اور اس قدر شہرت ہو کہ جس شخص نے خود چاند نہ دیکھا ہوا ہے بھی ان لوگوں کے دعوائے رویت کو سن کر علم و یقین ہو جائے۔ (۳) دو عادل آدمیوں کی گواہی اگرچہ مشہور یہ ہے کہ انکی گواہی علی الاطلاق نافذ ہے خواہ مطلع ابر آلود ہو یا صاف اور وہ جہاں گواہی دے رہے ہیں ان کا تعلق اسی جگہ سے ہو یا باہر کے ہوں مگر اکثر روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شہادت صرف مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں قابل قبول ہو گی اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں کم از کم پچاس آدمیوں کی گواہی درکار ہے واللہ العالم (۴) جب سابقہ مہینہ کے تیس دن پورے ہو جائیں تو قہراً ماہ رواں کی پہلی تاریخ

ثابت ہو جائیگی۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ خود دیکھنے کی صورت میں روزہ رکھنا واجب ہے خواہ اور کوئی دیکھے یا نہ دیکھے دوسروں کے لئے چاند ثابت ہو یا نہ ہو کوئی اس کی بات مانے یا نہ مانے

مسئلہ ۲۔ شیاع و شہرت میں خبر دینے والوں کا کوئی عدد معین نہیں ہے بس انکی تعداد اس قدر ہونی چاہئے کہ جس سے آدمی کو انکی بات کی صداقت کا علم و یقین ہو جائے کہ اس قدر لوگ جھوٹ نہیں بول سکتے بشرطیکہ ہر شخص عینی رویت کا دعویٰ کرے اس میں ایمان بلکہ اسلام یا دیکھنے والوں کے مرد یا عورت ہونے کی بھی کوئی قید نہیں ہے

مسئلہ ۳۔ دو عادل گواہوں کے علاوہ صرف ایک عادل مرد یا صرف عورتوں کی گواہی کافی نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۔ منجمین کی پیشگوئی یا ان کے قواعد یا ان بعض قواعد پر جن کا ذکر بعض شواذ احادیث میں ہے شرعاً اعتبار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی دیگر بعض عوامی خیالات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے جیسے کہ گذشتہ سال اس مہینہ کی جو پانچویں تاریخ تھی اس سال اسکی پہلی تاریخ ہوگی یا یہ کہ اگر مغربی شفق کے بعد چاند غروب ہو تو یہ دوسری تاریخ کا چاند ہو گا یا اگر سابقہ مہینہ کی تیس تاریخ کا چاند زوال آفتاب سے پہلے نظر آجائے تو یہ دوسری تاریخ متصور ہو گی یا یہ کہ اگر چاند بالکل طوق کی مانند ہو تو یہ دوسری کا سمجھا جائے گا ورنہ پہلی کا الی غیر ذلک

مسئلہ ۵۔ ریڈیو کی خبر پر شرعاً اعتماد نہیں کیا جاسکتا اسی طرح تار اور ٹیلیفون پر بھی اس وقت تک اعتبار نہیں کیا جاسکتا جب تک تار دینے اور فون کرنے والے کی صحیح شناخت نہ ہو اور پھر انکی اطلاع بھی یا تو اپنی ذاتی رویت پر مبنی ہو یا دو گواہوں کی رویت پر اور ہر دو صورتوں میں تار یا فون میں دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ ۶۔ بنا بر مشہور اگر ایک جگہ چاند ثابت ہو جائے تو اُن تمام مقامات کیلئے حجت ہو گا جو باہم دگر قریب ہیں اور ان کا افق ایک ہے۔

خاتمۃ المطاف دربیان اعتکاف!

اعتکاف کی حقیقت

منجملہ ان امور کے جو شریعت مقدسہ میں مستحب مؤکد ہیں ایک "اعتکاف" بھی ہے جس کا مطلب ہے "بقصد عبادت مسجد میں قیام کرنا" تاکہ انسان دنیا و مافیہا سے **الگ تھلگ** ہو کر پورے اطمینان قلب اور سکون نفس اور حضور دماغ کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی بارگاہ اقدس میں اپنی بندگی کا وظیفہ ادا کر سکے اگرچہ اعتکاف ہر اس وقت صحیح ہے جب روزہ رکھنا صحیح ہو (کیونکہ اعتکاف میں روزہ رکھنا شرط ہے) کما سیأتی مگر اس کا افضل ترین وقت ماہ رمضان ہے اور اس میں سے بھی افضل اس کا آخری عشرہ ہے چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ کے متعدد روایات میں وارد ہے کہ **اذا کان العشر الاخر اعتکف فی المسجد وضربت لہ قبۃ من شعر وشمر المئزر وطوی فراشہ**۔ یعنی "جب ماہ رمضان کا آخری عشرہ ہوتا تھا تو آنحضرتؐ مسجد میں اعتکاف بیٹھتے تھے اور ان کیلئے بالوں سے بنا ہوا ایک قبّہ نصب کیا جاتا تھا اور ہمہ تن عبادت میں مشغول ہو جاتے اور اپنا بستر لپیٹ دیتے (وسائل وغیرہ) اعتکاف کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی دو جگہ موجود ہے ارشاد قدرت ہے۔ **وطہر بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود**" پھر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ **ولا تباشروا ھن وانتم عاکفون فی المساجد**

شرائط اعتکاف.

دوسری عبادات کی طرح اعتکاف کے بھی چند شرائط ہیں۔ (۱) عقل (۲) ایمان (۳) قصد قربت (۴)روزہ (یہ اعتکاف کا رکن اعظم ہے) لہذا اگر معتکف بوجہ سفر یا بیماری یا بوجہ عید وغیرہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو اعتکاف کیلئے بیٹھ بھی نہیں سکتا) اور یہ ضروری نہیں کہ روزہ بغرض اعتکاف ہی رکھا جائے بلکہ اگر ماہ رمضان یا اس کی قضا وغیرہ کا بھی روزہ ہو تو کافی ہے) (۵) عدد یعنی تین دن سے کم مدت کیلئے اعتکاف صحیح نہیں ہے زیادہ جس قدر ہو گا اسکی کوئی حد متعین نہیں ہے اگر اعتکاف مستحبی ہو تو اشہر و اظہر قول کی بنا پر دو دن گزرنے کے بعد تیسرا دن واجب ہو جائے گا۔ اس طرح اس کے بعد دو دن (چوتھا اور پانچواں) گزرنے کے بعد والا (چھٹا) دن واجب ہو جائے گا **وھکذا** ظاہر ہے کہ دن صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب کی مدت کو کہا جاتا ہے اس طرح تین دن میں پچھلی دو راتیں تو قہراً" اعتکاف میں شامل ہوں گی۔ (کیونکہ شب و روز

مسجد میں رہنا ہے) لیکن پہلی شب کے شمول میں اختلاف ہے اقوی یہ ہے کہ وہ داخل نہیں ہے۔ (۶) شہر کی جامع مسجد میں ہو۔ اگرچہ افضل یہ ہے کہ اس مسجد میں بیٹھا جائے جس میں نبیؐ یا امامؑ نے نماز پڑھی ہے جیسے مسجد الحرام، مسجد نبوی، مسجد کوفہ اور مسجد مدائن و بصرہ وغیرہ بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو ان کے سوا کسی اور مسجد میں جائز ہی نہیں ہے مگر اشہرو اظہر قول یہی ہے کہ ہر جامع مسجد میں یہ عبادت ادا کی جاسکتی ہے جیسا کہ متعدد اخبار و اثار میں وارد ہے۔ **لا یکون الا عتکاف الا فی مسجد جماعة** جامع مسجد کے سوا اعتکاف جائز نہیں ہے۔ (فروع کافی) (۷) مالک کا مملوک کو اور شوہر کا زوجہ کو اذن دینا خصوصاً" جبکہ اعتکاف ماہ رمضان میں نہ ہو۔ بلکہ مستحی روزہ سے ہو (اور اگر واجبی روزہ بھی ہو گو روزہ میں تو اجازت کی ضرورت نہیں۔ مگر گھر سے نکلنے اور مسجد میں بیٹھنے کیلئے تو شوہر کی اجازت ضروری ہے۔ **وکذا الکلام فی اعتکاف الولد والضیف کما تقدم**

(۸) پوری مدت اعتکاف میں اسی مسجد میں مقیم رہنا جس میں اعتکاف شروع کیا ہاں اگر کوئی شخص بھول کر نکلے یا اسے جبراً" نکالا جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور بغیر ان امور کے جن کے لئے شرعاً" باہر نکلنا جائز ہے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں ورنہ اعتکاف باطل ہو جائے گا اور وہ امور جن کیلئے باہر نکلنا شرعاً" جائز ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) پیشاب و (۲) پاخانہ پھرنے کیلئے (۳) غسل جنابت یا غسل استحاضہ کیلئے (۴) جنازہ کی مشایعت کیلئے (۵) نماز جنازہ کیلئے (۶) بیمار کی مزاج پرسی کیلئے (۷) مومن کی حاجت برآری کیلئے (۸) ہر ضروری اور جائز کام کیلئے

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ دراصل تو اعتکاف مستحب ہے مگر نذر وغیرہ سے واجب ہو جاتا ہے

مسئلہ ۲۔ معتکف کیلئے سوائے اس مسجد کے جہاں پر اعتکاف بیٹھا ہے کسی اور جگہ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے ہاں مکہ میں یہ پابندی نہیں ہے

مسئلہ ۳۔ اگر ایسے دنوں میں اعتکاف کی منت مانے کہ راتیں اُن سے خارج ہوں تو یہ منت صحیح نہیں ہے۔

واللہ العالم۔

مسئلہ نمبر ۵۔ ایک مسجد میں اعتکاف ضروری ہے لہذا کوئی شخص دو مسجدوں میں بیٹھنا چاہے تو صحیح نہیں ہے

واللہ العالم۔

وہ امور جو معتکف پر حرام ہیں

معتکف پر چند چیزیں حرام ہیں ۱۔ جماع اور بنظر شہوت بوس و کنار کرنا ۲۔ خوشبو اور خوشبودار گھاس و پھول وغیرہ کا بغرض تلذذ سونگھنا ۳۔ خرید و فروخت کرنا۔ ہاں البتہ اشد ضرورت کے وقت جائز ہے۔ ۴۔ صرف اپنے غلبہ کے لئے باہمی مجادلہ و مناظرہ کرنا۔ اور اگر غرض یہ ہو کہ کسی غلط کار پر اس کی غلطی ظاہر کرکے اس پر حق و حقیقت کو واضح و آشکار کیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

اعتکاف کے احکام

مسئلہ ۱۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا محرمات میں سے کسی کے ارتکاب سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے اور علی الاحوط دن اور رات میں کوئی فرق نہیں ہے

مسئلہ ۲۔ سوائے جماع کے اور کسی چیز کے ارتکاب سے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۳۔ اگر بھولے سے ان امور کا ارتکاب ہو جائے تو اس سے علی الظاہر اعتکاف کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اگرچہ جماع کی صورت میں احوط یہ ہے کہ اعتکاف واجب میں اس کا اعادہ کیا جائے۔ بلکہ سب محرمات میں احوط یہی ہے

واللہ العالم۔

مسئلہ ۴۔ اگر ماہ رمضان میں اعتکاف میں بیٹھا جائے۔ اور دن کے وقت معتکف جماع کرے تو اس پر دو کفارے واجب ہوں گے۔ ایک روزہ ماہ رمضان کے لئے اور دوسرا اعتکاف کے لئے۔

مسئلہ ۵۔ اگر اعتکاف کی حالت میں خرید و فروخت کی جائے۔ تو اگرچہ تکلیفاً یہ فعل ناجائز ہے اور اس سے اعتکاف بھی باطل ہو جاتا ہے۔ مگر وضعاً بیع و شراء باطل نہ ہوگی۔ واللہ العالم۔

وھذا تمام الکلام فی الاعتکاف والصیام والحمد للہ الرحمن فی المبدأ والختام

(باب الحج)

("وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا")

وجوب حج کے حکم و اسرار

دیگر اسلامی احکام کی طرح حج کے اندر بھی بیسیوں مصالح و اسرار پوشیدہ ہیں۔ ہم بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں اس کے بعض اسرار و رموز کا تذکرہ کرتے ہیں۔ **وعلی اللہ التکلان وھو المتعان**"

پہلی حکمت مقصد خلقت کی تکمیل

خالق حکیم نے ذی عقل باہوش مخلوق کو اپنی معرفت کیلئے خلق فرمایا۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ **"کنت کنزا" مخفیا فا حببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف"**

"میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو خلق کیا۔ تاکہ میری معرفت حاصل کی جائے"۔

اور ظاہر ہے کہ یہ معرفت تیرہ و تاریک قلوب و اذہان میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتی جب تک ان کا تزکیہ نہ کیا جائے۔ اور بغیر عبادت ان کا تزکیہ اور ان کی تطہیر ممکن نہیں ہے۔ اور منجملہ عبادات شرعیہ کے ایک عظیم عبادت حج بھی ہے۔ جس کی ادائگی سے بوجہ احسن مقصد خلقت کی تکمیل ہوتی ہے۔

دوسری حکمت مال و زر کی محبت کا مداوا

یہ حقیقت کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں ہے۔ کہ انسان پیدائشی طور پر مال و دولت سے محبت کرنے والا واقع ہوا ہے۔ اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ مال و زر کی محبت آدمی کو قسی القلب بنا دیتی ہے۔ اور بیسیوں خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ "ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی"

(انسان جب دیکھتا ہے کہ وہ مالدار ہو گیا ہے تو پھر وہ سرکش بن جاتا ہے) اس لیے خالق حکیم

نے آدمی پر زکوۃ و خمس جیسے عام مالی واجبات کے علاوہ صاحب استطاعت آدمی پر حج واجب کیا تاکہ اس طرح مال کی ایک معتدبہ مقدار اللہ کی راہ میں صرف کر کے مال و زر کی محبت کم کی جا سکے۔ اور اس طرح مال و زر کی خرابیوں سے تابامکان دامن کو بچایا جا سکے اور اس کے فوائد و عوائد سے دامن مراد پر کیا جا سکے۔

تیسری حکمت جسم و روح کی بالیدگی

انسان جسم و روح کے مجموعہ کا دوسرا نام ہے جس میں سے ایک مادی ہے اور دوسرا غیر مادی۔ ان کے درمیان ایک ایسا گہرا تعلق ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک پر کوئی کیفیت طاری ہو تو دوسرے پر بھی ضروری اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ حج عبادات بدنیہ میں سے ایک عبادت ہے جو اگرچہ اعضائے بدنی سے ادا کی جاتی ہیں۔ مگر ان کا اثر روح پر بھی ضرور ہوتا ہے۔ جبکہ خلوص نیت سے ادا کی جائیں۔ لیکن حج تو ایک ایسی اعلیٰ بدنی عبادت ہے کہ جس کی ادائیگی کے وقت خداوند کریم کے جلال و جبروت کا تصور اس طرح بندہ پر غالب ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ احرام سے پہلے غسل و نماز احرام پھر احرام کے ان سلے کپڑے زیب تن کرنا جہاں انسان کو اسکی اصلی فطرت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ وہاں اس کے غسل میت اور کفن کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ گویا جس موت کے بعد انسان کا دنیا سے تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ احرام باندھنے سے جزوی طور پر اس کا دنیا اور اس کے لفوائد سے اسی طرح تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ اسلئے ایسے موقع پر تلبیہ (لبیک) کہا جاتا ہے **لبیک اللھم لبیک** میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ یہ صدا کیا ہے؟ خالق کی خدمت کی ادائیگی کا ترانہ ہے۔ اس کے بعد خانہ خدا کا طواف کرنے میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ جس طرح پروانہ شمع کے ارد گرد چکر لگاتے لگاتے آخر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے۔ میں بھی اپنی جان و مال نثار کرنے کیلئے تیار ہوں۔ پھر حجر اسود کا بوسہ دینے میں شعائر اللہ کی تعظیم کا اظہار مقصود ہے۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔ کیونکہ شعائر اللہ کی تعظیم قلبی تقوی اور دلی پرہیزگاری کی علامت ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے سے جناب ہاجرہؑ کے بے تابانہ دوڑنے اور پھر قدرت خدا سے زمزم کا چشمہ پھوٹنے کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ پھر میدان عرفات کا

عظیم اجتماع و وقوف ایک حاجی کی نگاہ میں قیامت کا منظر پیش کرتا ہے۔ اس لیے بندہ وہاں اپنی گذشتہ عمر کی تمام غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتا ہے اور آئندہ زندگی خدا کے حکم کے مطابق گزارنے کا خدا سے عہد و پیمان کرتا ہے۔

پھر منیٰ میں رمی جمرات' قربانی کر کے اور سر منڈوا کے آدمی جہاں سنت خلیل کو زندہ کرتا ہے وہاں

اپنی روحانی قربانی کی تمثیل بھی پیش کرتا ہے۔**وذالک ھو الفوز المبین۔**

چوتھی حکمت حضرت خلیل کے کارناموں کی یاد

حج سے حضرت ابراہیمؑ کے عظیم کارنامہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور یہ بات خالق حکیم کو پسند ہے۔ کہ اسلاف کے عظیم کارناموں کو یاد رکھا جائے۔ تاکہ اس طرح اخلاف کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کا موقع مل سکے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لخت جگر کو قربان کرنے کا جو خواب دیکھا تھا اور باپ بیٹے نے اس پر لبیک کہا تھا۔ مگر جس وقت بیٹے کو لٹا کر قربان کرنا چاہا۔ اور چھری چلائی تو دیکھا کہ بیٹا بچ گیا ہے۔ اور دنبہ ذبح ہو گیا ہے۔ تو آواز قدرت آئی۔ "**یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین**" (پ ۲۳ صفت) (اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے۔ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں)۔ جس طرح حضرت ابراہیم حکم خدا کی تکمیل میں دور دراز مقام سے یہاں آئے تھے اور یہاں پہنچ کر چند مخصوص عمل بجا لائے تھے۔ اسی طرح ہم بھی دور دراز مسافت طے کر کے رحمت و برکت ایزدی کے مہبط خاص پر حاضری دیتے ہیں۔ اور اس عظیم قربانی کی روح کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی دور کی طرح حاجی ان سلے اور سادہ کپڑے پہن کر خدا کے حضور نذر پیش کرنے جاتے ہیں۔ اس لیے ان دنوں میں نہ سر منڈواتے ہیں نہ دنیا کی عیش و عشرت کے قریب جاتے ہیں۔ نہ خوشبو لگاتے ہیں نہ شکار کرتے ہیں اور نہ لذائذ دنیا کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی لبیک اللھم لبیک کا ترانہ پڑھتے ہوئے اس مقدس زمین پر قدم رکھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو روحانی طور پر خدا کی قربان گاہ پر نذر کرنے کی خاطر سات مرتبہ اس کے مقدس گھر کا طواف کرتے ہیں۔ اور دو مقدس پہاڑیوں (صفاء اور مروہ) کے درمیان سعی کرتے ہیں جہاں جناب خلیل قربانی دینے کیلئے دوڑتے ہوئے گئے تھے۔ (یا جناب ہاجرا پانی کی تلاش میں یہاں دوڑی تھیں) ہم بھی وہاں دوڑتے ہیں اور

بخشش گناہ کی دعا مانگتے ہیں اور مقام عرفات میں جہاں جناب خلیل اللہ سے لیکر محمد رسول اللہ تک تمام انبیاء و مرسلین اسی حالت میں یہاں کھڑے ہوئے ہم بھی وہاں کھڑے ہو کر اپنی گزشتہ کوتاہیوں کی معافی مانگتے ہیں اور آئندہ اللہ تعالی کی منشا و رضا کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد و پیمان باندھتے ہیں۔ پھر مزدلفہ میں رات گزار کر منی میں جناب خلیل خدا کی تقلید و تاسی میں شیطان کو کنکر مارتے ہیں۔ جس نے اس عظیم قربانی میں خلل اندازی کرنا چاہی تھی۔ اور جناب خلیلؑ نے اسے کنکر مارے تھے اور پھر قربانی کر کے سر منڈواتے ہیں اور یہ اس پرانی رسم کی تجدید ہے کہ نذر دینے والے جب نذر کے ایام پورے کر لیتے تھے تو سر منڈواتے تھے۔ الغرض بقول بعض علماء "ان ابراہیمی مراسم کے مجموعہ کا نام اسلام میں "حج" ہے۔"

اس تفصیل سے واضح ہے کہ حج کے تمام اعمال عہد قدیم کے طریق عبادت کی یادگار ہیں تاکہ انسانیت کی روحانی ترقی کے دور کا آغاز ہماری آنکھوں کے سامنے جلوہ گر رہے۔ تاکہ ان واقعات کی روشنی میں ہمیں اپنے گناہ معاف کرانے' شریفانہ زندگی گزارنے اور اپنی اصلاح احوال کرنے کا موقع ملتا رہے۔ حج کے انہی واقعات و مقامات کو "شعائر اللہ" اور "حرمات اللہ" کہا گیا ہے۔ اور ان کی تعظیم و تکریم کو "تقوی القلوب" قرار دیا گیا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** (پ ۴ س حج ع ۱)

پانچویں حکمت اسلامی مساوات کا اظہار

اسلامی احکام و اوامر اور حدود و تعزیرات وغیرہ میں مساوات اسلام کا بنیادی نظریہ ہے اس کا بوجہ اتم و اکمل مظاہرہ حج کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ اگرچہ نماز بھی اس مساوات کا ایک محدود نمونہ پیش کرتی ہے۔ جہاں شاہ و گدا اور بندہ و بندہ نواز ایک صف میں شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ مگر اس مساوات کا مظہر اتم فریضہ حج کی ادائیگی کے وقت نظر آتا ہے۔ جب پورے عالم کے امیر و فقیر شاہ و گدا اور بندہ و بندہ نواز ایک لباس ایک صورت اور ایک ہی جگہ خدا کی بارگاہ میں حاضری و حضوری دیتے ہیں۔ اور

؎ جب تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔

چھٹی حکمت مسلمانوں کی اجتماعی شوکت و مرکزیت کا مظاہرہ

اتفاق و ائتلاف کی برکتیں اور تفرقہ و انتشار کی نحوستیں کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہیں۔ اسی لئے خدائے بزرگ و برتر نے بار بار قرآن میں اتفاق و اتحاد کا حکم دیا ہے۔ اور انتشار و افتراق سے روکا ہے۔ اسلام نے اسی تفرقہ بازی سے بچنے اور وحدت کے دامن کو تھامنے کیلئے شب و روز پنجگانہ نماز کے اجتماع سے ہفتہ وار (جمعہ) کا اجتماع بڑا ہے۔ اور اس سے عیدین کے اجتماع بڑے ہیں۔ مگر پھر بھی محدود ہیں۔ ان کا دائرہ کار محدود ہے۔ اور حلقہ کم۔ مگر حج کے ذریعہ خالق حکیم نے اپنی حکمت بالغہ سے ہر سال (گو ہر صاحب استطاعت کی زندگی میں ایک بار) ایک

ایسے عالمی عظیم اجتماع کا انتظام کیا ہے جسے حج کہا جاتا ہے۔ جس کی اقوام عالم کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی اور مسلمانوں کی اس اجتماعی ہیئت سے مسلمانوں کی ہیبت اور اسلام کی شان و شوکت اور حشمت و جلالت کا وہ عدیم المثال مظاہرہ ہوتا ہے جس کی نظیر نہ دنیا کا کوئی مذہب پیش کر سکتا ہے اور نہ کوئی قوم اس کی مثال پیش کر سکتی ہے۔

جغرافیائی طور پر مسلمان گو مختلف ملکوں اور علاقوں میں رہتے ہیں مختلف زبانیں بولتے ہیں مختلف طریقہ کے لباس پہنتے اور مختلف انداز سے زندگی گزارتے ہیں مگر وہ جب خانہ کعبہ کو اپنا روحانی مرکز جانتے ہیں اور اس کا عملی نمونہ ایام حج میں پیش کرتے ہیں۔ جن دنوں میں تمام انسانی اختراعی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں اور تمام اقوام و افراد عالم ایک مکتب' ایک لباس اور ایک وضع میں ایک دوسرے کے دوش بدوش اس طرح نظر آتے ہیں کہ گویا ایک ہی خاندان کے افراد ہیں اور پھر ایک ہی زبان میں اپنے خالق سے باتیں کرتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام عالم کے اہل اسلام جو اپنے ممالک میں مختلف اقتصادی سیاسی اور معاشرتی مسائل سے دوچار اور مختلف حالات میں گرفتار ہیں وہ ایک دوسرے کے حالات و واقعات سے واقف و آگاہ ہوں۔ اور پھر سر جوڑ کر بیٹھیں۔ اور باہمی اتفاق و اتحاد سے ان مسائل کا کوئی ٹھوس حل تجویز کریں۔ اسلام و مسلمانوں کی ترقی و رفاہیت کے پروگرام مرتب کریں اور مسلمانوں کی مشکلات اور مصائب کا کوئی اجتماعی حل ڈھونڈیں۔ اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حج اسلام کا صرف مذہبی رکن ہی نہیں بلکہ وہ اخلاقی' معاشرتی' اقتصادی اور سیاسی یعنی قومی و عملی زندگی کے ہر رخ اور

پہلو پر حاوی اور مسلمانوں کی عالمگیر بین الاقوامی حیثیت کا سب سے بلند منارہ ہے۔ اور سب سے بڑی عالمی اسلامی کانفرنس ہے جس سے ان تمام مسائل کا حل وابستہ ہے (سیرۃ النبیؐ)

—— و ھوالموفق وہوالمعین والحمد للہ رب العلمین۔

حج کی فرضیت و اہمیت

حج اسلام کے ان بنیادی ارکان بلکہ ضروریات میں سے ایک ہے کہ جن کا منکر دائرہ اسلام سے خارج متصور ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ **وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا و من کفر فان اللہ غنی عن العلمین**(پ ۳ س ال عمران ع ۱) "اور کل آدمیوں کے ذمہ خدا کیلئے اس بیت اللہ کا حج کرنا (واجب) ہے جس کو (بھی) اس تک (پہنچنے کی) راہ میسر ہو جائے (ترجمہ مقبول")۔ اس آیت مبارکہ سے عبارۃ النص واضح ہوتا ہے کہ مقررہ شرائط کے ساتھ حج کے واجب ہونے کے بعد اسے ادا نہ کرنا خالق اکبر کی نگاہ میں کفر ہے۔ اور اس کی تائید مزید متعدد حدیثوں سے ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امیر علیہ السلام کو خطاب کر کے فرماتے ہیں **یا علی! من وجب علیہ الحج وسوف لیموتن علی غیر دینی** "یا علیؑ! جس بندے پر حج واجب ہو اور وہ برابر ٹال مٹول کرتا رہے حتی کہ اسی حالت میں مر جائے تو میرے دین اسلام پر نہیں مرے گا۔" (**من لایحضرہ الفقیہ**) دوسری حدیث میں وارد ہے۔ **من سوف الحج حتی یموت بعثہ اللہ یوم القیامۃ یہود یا او نصرانیا** "جو شخص (باوجود مستطیع ہونے کے) حج کو ٹالتا رہے بہانے بازی کرتا رہے تو بروز محشر خدا اسے یہودی یا نصرانی مشہور فرمائے گا۔ (وسائل الشیعہ) ایک اور حدیث میں وارد ہے۔ **من مات وھو صحیح موسر لم یحج فہو ممن قال اللہ تعالی و نحشرہ یوم القیامۃ اعمی**" جو آدمی اس حال میں مر جائے کہ باجود تندرست و توانا اور مالدار ہونے کے اس نے حج نہ ادا کیا ہو تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ ہم انہیں قیامت کے دن اندھا محشور کریں گے۔ (وسائل الشیعہ)اور درج ذیل حدیث سے بھی اسی مطلب کی تائید مزید ہوتی ہے۔ **بنی الاسلام علی خمس الصلوۃ والزکوۃ والحج والصوم والولایتہ**۔ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر قائم ہے۔ نماز' زکوۃ' حج' روزہ' اور ولایت اہل بیتؑ۔ (فروع کافی) اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان پانچ ارکان

میں سے اگر کوئی ایک رکن بھی گر جائے تو اس سے پورے اسلام کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔

فریضہ حج کی ادائیگی کا ثواب

احادیث اہل بیت علیہم السلام میں حج کے ثوابہائے بے پایاں مذکور ہیں۔ اہل ایمان کی جلاء ایمانی کی خاطر یہاں دو چار مختصر احادیث مع ترجمہ پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء و اجداد طاہرین کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

فرمایا **الحجة ثوابها الجنة والعمرة كفارة لكل ذنب** یعنی حج کا ثواب جنت ہے اور عمرہ کا ثواب ہر گناہ کا کفارہ ہے (وسائل الشیعہ)

۲۔ نیز یہی بزرگوار اپنے والد ماجد (حضرت امام محمد باقرؑ) سے روایت فرماتے ہیں فرمایا۔ **من ام هذا البيت حاجا او معتمرا مبرًا من الكبر رجع من ذنوبه كهيئته يوم ولدته امه** جو شخص خانہ خدا کا قصد کرے بقصد حج یا بقصد عمرہ (مفردہ) بشرطیکہ تکبر سے پاک ہو تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح شکم مادر سے پیدا ہوا تھا۔ (ایضا)

۳۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا **و ان الدرهم في الحج افضل من الفي درهم فيما سواه في سبيل الله۔** حج میں ایک درہم خرچ کرنا دوسرے نیک کاموں میں دو ہزار درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ (ایضا)

۴۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ سونے کا ایک کوٹھا راہ خدا میں خرچ کرنے سے جو ثواب ملتا ہے ایک حج کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔ (ایضا)

۵۔ متعدد روایات میں وارد ہے کہ حاجی جب ارکان حج سے فارغ ہوتا ہے تو اسے ندا آتی ہے۔ "**استانف العمل**" نئے سرے سے عمل کر (کیونکہ تیرے تمام سابقہ گناہ معاف ہو گئے ہیں) (ایضا)

فریضہ حج ادا نہ کرنے کا عقاب

بکثرت آیات و روایات میں ترک حج کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ اس قسم کی احادیث کا ایک

شمہ ابھی حج کی فرضیت و اہمیت کے عنوان کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔ذیل میں ایک دو حدیثیں مزید ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت امیر علیہ السلام اپنی وصیت میں فرماتے ہیں۔**لاتترکو احج بیت ربکم فتھلکوا۔** اپنے پروردگار کے گھر کی حج کو ترک نہ کرنا' ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ (وسائل الشیعہ)

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں مروی ہے فرمایا**من ترک فقد کفر و کیف لا یکفر و قد ترک شریعتہ من شرائع الاسلام** کہ جو فریضہ حج کو ترک کرے وہ کافر ہے بھلا کیونکر کافر نہ ہو جبکہ اس نے اسلامی احکام میں سے ایک عظیم حکم کو ترک کر دیا ہے۔ (ایضاً)

وجوب حج کے شرائط کا بیان

وجوب حج کے عمومی شرائط از قسم بلوغ' عقل کے علاوہ بڑی شرط استطاعت (طاقت و قدرت) ہے۔ اور یہ استطاعت چند چیزوں سے ثابت ہوتی ہے۔ (۱) زاد سفر یعنی سفر حج کے جانے' آنے کے اخراجات رکھتا ہو۔ (۲) سواری یا اس کا کرایہ موجود ہو۔ (۳) اپنے واپس آنے تک کے لئے اپنے اہل و عیال کا خرچہ بھی موجود ہو۔ (۴) واپس لوٹنے کے بعد بھی گزر اوقات کا کوئی ذریعہ موجود ہو۔ (۵) راستہ کھلا ہو۔ یعنی دشمن وغیرہ کی وجہ سے راستہ میں کوئی خطرہ نہ ہو۔ (۶) مرض وغیرہ کی وجہ سے کوئی عقلائی مانع نہ ہو۔ (۷) ایسا بڑھاپا نہ ہو جس کی وجہ سے سفر نہ کر سکے۔ (۸) وقت کے دامن میں وسعت ہو کہ حج بجا لا سکے۔

آداب حج کا بیان

اور یہ آداب حج بالفاظ دیگر آداب سفر حج ہیں۔ جو اگرچہ بکثرت ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر چند آداب کے تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) روانگی سے پہلے حسب استطاعت صدقہ دے۔

(۲) منگل' جمعرات یا ہفتہ کے دن سفر کرے۔ ان میں سے بھی ہفتہ کو فضیلت ہے۔

(۳) سفر سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نماز برائے سلامتی سفر پڑھ کر دعائے خیر مانگے۔

(۴) روانگی سے پہلے اپنے اہل و عیال سے الوداع کرتے وقت وہ دعائیں پڑھے جو مفاتیح الجنان' زادالمعاد اور حلیۃ المتقین وغیرہ کتابوں میں مذکور ہیں۔

(۵) سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھے۔

(۶) حالت سفر میں اپنے اخلاق کو ٹھیک رکھے۔

(۷) بادام تلخ کی چھڑی ہمراہ رکھے۔

(۸) تنہا سفر کرنے سے اجتناب کرے۔

(۹) قمر در عقرب میں سفر کرنے سے اجتناب کرے اور اگر مجبورا کرنا پڑے تو کچھ صدقہ دیدے۔ (۱۰) روانگی کے وقت نیز ہر رات آیۃ الکرسی کی تلاوت کرے (تلک عشرۃ کاملۃ)

اقسام حج کا بیان

حج کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) حج قران۔ (۲) حج افراد (۳) حج تمتع مشہور و منصو قول کی بنا پر جو لوگ مکہ یا اس کے چاروں طرف اڑتالیس میل کے اندر رہتے ہیں ان کا فریضہ حج قران یا افراد ہے (اگرچہ وہ ان کو حج تمتع کیساتھ بدل سکتے ہیں) اور جو لوگ مکہ کے چاروں طرف پورے اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ مسافت پر باہر رہتے ہیں ان کا فریضہ حج تمتع ہے اور یہی قسم تمام اقسام حج سے اعلیٰ وارفع واتم ہے اور اس وقت اسی قسم کا بیان کرنا یہاں مطلوب ہے۔

حج تمتع کے مناسک و اعمال کا اجمالی بیان

سو مخفی نہ رہے کہ حج تمتع دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ (۱) عمرۂ تمتع (۲) حج تمتع اور ان ہر دو کے اعمال کا جامع خلاصہ یہ ہے کہ (۱) عمرہ تمتع۔ پانچ اعمال پر مشتمل ہے۔ (۱) میقات سے احرام باندھنا۔ (۲) طواف کرنا۔ (۳) دو رکعت نماز طواف پڑھنا۔ (۴) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا: (۵) تقصیر کرنا۔ اور حج تمتع تیرہ اعمال پر مشتمل ہے۔ (۱) مکہ سے احرام باندھنا۔ (۲) وقوف عرفات (۳) وقوف مشعر الحرام (۴) منی میں جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنا (۵) قربانی کرنا (۶) حلق یا تقصیر کرنا (۷) طواف حج کرنا (۸) دو رکعت نماز طواف پڑھنا (۹) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا (۱۰) طواف نساء کرنا (۱۱) دو رکعت نماز طواف پڑھنا (۱۲) ۱۱/۱۲ ذی الحجہ کی رات منی میں گزارنا (۱۳) ۱۱/۱۲ ذی الحجہ کے دن تینوں جمروں کو کنکریاں مارنا۔

(اب ذیل میں ان مذکورہ بالا اجمالی اعمال کی تفصیل بیان کی جاتی ہے)

(۱) احرام

جس طرح ہر عبادت کے لئے معین اوقات ہوتے ہیں اسی طرح فریضہ حج کیلئے بھی کچھ

اوقات مقرر ہیں۔ جن میں سے بعض کا تعلق زمان کے ساتھ ہے۔ اور بعض کا مکان کے ساتھ اور ان کو اصطلاح شریعت میں "مواقیت" کہا جاتا ہے جہاں تک زمانی مواقیت کا تعلق ہے تو وہ تین ماہ ہیں۔ جن کو اشہر الحج کہا جاتا ہے (۱) شوال (۲) ذی القعد (۳) اور ذی الحجہ کا عشرہ اولی

اور جہاں تک مکانی مواقیت کا تعلق ہے تو وہ پانچ ہیں جو مختلف دیار و امصار کے رہنے والوں یا ان مقامات سے گزرنے والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۔ مسجد شجرہ

(جسے ذوالحلیفہ بھی کہا جاتا ہے) جو مدینہ منورہ سے قریبا سات کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے یہ وہاں کے رہنے والوں' مدینہ منورہ کے ساکنوں اور وہاں سے گزرنے والوں کا میقات ہے۔

۲۔ وادیٔ عقیق

جو کہ مکہ مکرمہ سے تقریبا ۹۴ کلومیٹر فاصلہ پر ایک بستی کا نام ہے اور یہ وہاں کے رہنے والوں کے علاوہ عراق' ایران' شام اور دیگر مشرقی ممالک سے تعلق رکھنے والوں یا وہاں سے گزرنے والوں کا میقات ہے۔

۳۔ جحفہ

یہ مکہ سے قریبا ۹۴ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک بستی کا نام ہے جو رابغ کے قریب ہے جو آج کل غیر آباد ہے۔ یہ وہاں کے رہنے والوں اور مصر و شام اور مغربی ممالک کے لوگوں کا میقات ہے۔

۴۔ قرن المنازل

یہ مکہ سے قریبا" ۹۴ کلومیٹر کے فاصلہ پر طائف کے قریب ایک پہاڑی (اور اس کے پاس واقع آبادی) کا نام ہے یہ وہاں کے رہنے والوں کے علاوہ طائف' نجد اور وہاں سے گزرنے والوں کا میقات ہے۔

۵۔ یلملم

یہ ایک پہاڑی کا نام ہے جو یمن یا پاک و ہند کے رہنے والوں یا خشکی یا تری کے راستہ سے وہاں سے گزرنیوالوں کا میقات ہے جو کہ مکہ مکرمہ سے قریبا ۹۴ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ ان مواقیت کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور اگر کسی وجہ سے علم و یقین حاصل نہ ہو سکے تو پھر ظن غالب پر اکتفا کرنا مفید نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ ان مواقیت سے گزرنے والوں کیلئے احرام باندھے بغیر گزرنا جائز نہیں ہے اگرچہ دراصل اس کا میقات کوئی اور مقام ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ ۳۔ گر کوئی شخص ان مواقیت سے نہ گزرے تو جو میقات سب سے پہلے آئے اس کی محاذات (برابر) سے احرام باندھنا لازم ہے مخفی نہ رہے کہ محاذات سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ شخص رو بقبلہ کھڑا ہو تو وہ میقات اس کی دائیں بائیں طرف واقع ہو۔

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی شخص ایسے راستے سے سفر حج کرے جس راستہ میں ان مواقیت میں سے کوئی میقات واقع ہو اور نہ ہی ان کی محاذات۔ تو پھر حتی الامکان کسی میقات سے گزرنا اور وہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے اور کمی وقت یا کسی اور مانع کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو پھر دو باتوں میں سے ایک ضروری ہے (۱) نذر کرے کہ مثلاً اگر خدا اسے سلامتی کے ساتھ فلاں جگہ(یا کسی جگہ کا نام لے جو میقات سے یقیناً" پہلے آتی ہو) تک پہنچا دے تو وہاں سے عمرۂ تمتع کا احرام باندھے گا اس طرح پھر اُس مقام منذور سے احرام باندھے گا۔ (۲) اور اگر ایسا بھی نہ کرے تو پھر "ادنیٰ الحل" سے احرام باندھ سکتا ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے حرم کی حد شروع ہوتی ہے تاکہ بغیر احرام کے حدود حرم میں داخل نہ ہو۔

مسئلہ ۵۔ بعض لوگ بحالت اختیاری بغیر نذر وغیرہ جدہ یا کسی اور جگہ سے احرام باندھ لیتے ہیں ایسا کرنا نہ صحیح ہے اور نہ ہی کافی ہے واضح ہو کہ احرام خواہ عمرہ کا ہو یا حج کا اس کے کچھ واجبات ہیں اور کچھ محرمات' کچھ مستحبات ہیں اور کچھ مکروہات جنکو ترتیب وار مگر بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

واجبات احرام

اور وہ تین ہیں۔ (۱) لباس (۲) نیت (۳) تلبیہ

(۱) لباس احرام۔ وہ ان سلی دو چادریں ہیں جن میں سے ایک بطور تہبند باندھ لی جاتی ہے اور دوسری کاندھوں پر ڈالی جاتی ہے۔ سلا ہوا لباس اتارتے وقت اور لباس احرام پہنتے وقت یہ الفاظ

کہے کہ میں سلا ہوا لباس اتارتا اور ان سلا لباس احرام اوڑھتا ہوں واسطے عمرۂ تمتع کے واجب قربتہ الی اللہ۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ لباس احرام ایسا ہونا ضروری ہے کہ جس میں نماز پڑھنا صحیح ہو لہٰذا مرد کیلئے ریشم کے کپڑے میں احرام باندھنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ تہمند والی چادر کیلئے لازما اور دوسری چادر کیلئے احتیاطاساتر بدن ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ ۳۔ دونوں چادریں ان سلی ہوں ہاں البتہ علی الاقوی عورت سلے ہوئے کپڑوں میں احرام باندھ سکتی ہے جس کے جواز پر علامہ حلیؒ نے کتاب تذکرہ میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

مسئلہ ۴۔ احرام کی ان چادروں کو دوران ضرورت تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے البتہ ایک روایت صادق کی بنا پر انہی کپڑوں میں طواف کرنا افضل ہے جن میں احرام باندھا تھا۔

مسئلہ ۵۔ حج کے بعد ان کپڑوں کا فروخت کرنا مکروہ ہے بلکہ افضل یہ ہے کہ ان کو کفن قرار دیا جائے۔

۲۔نیت۔ باب الصلوٰۃ میں تفصیل کے ساتھ نیت کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے خلاصہ یہ ہے کہ نیت نہ ان مخصوص الفاظ کی ادائیگی کا نام ہے جنہیں عوام نیت سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان الفاظ کی ذہن میں تصویر کشی کے قصد کا نام نیت ہے جسے متوسط قسم کے لوگ نیت جانتے ہیں بلکہ کسی کام کے اصلی محرک اور قلبی داعی کے تصور سے اس فعل کی بجا آوری کے قصد کا نام نیت ہے جو انسان کو کسی کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور نیت میں قصد قربت ضروری ہے ورنہ قربت کے بغیر نہ صرف یہ ہے کہ نیت بے کار ہو جاتی ہے بلکہ وہ جسم بلا روح بنکر رہ جاتی ہے۔

یہ جو اکثر فقہاء کرام کے کلام میں مذکور ہے کہ حج کے ہر فعل کی نیت لفظوں میں کرنی چاہئے۔ اور اس کی تائید میں بعض اخبار و آثار بھی پیش کیے جاتے ہیں کہ فلاں عمل کرنے سے پہلے یوں کہو۔ اور فلاں عمل سے پہلے یوں کہو۔ تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ اعمال بجا لاتے وقت یہ الفاظ کہنے مستحب ہیں۔ نہ یہ کہ یہ نیت ہے **فلا تغفل (هذا من خصائص الحج)** اور وہ الفاظ یہ ہیں "میں حج تمتع کے عمرہ کا احرام باندھتا ہوں **قربتہ الی اللہ**

توضیح

احرام باندھنے کیلئے حدث اصغر یا اکبر سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے اس لیے بغیر وضو یا غسل بھی احرام باندھا جا سکتا ہے اگرچہ با طہارت ہو کر باندھنا مستحب ہے۔ **کما سیاتی بیانہ انشاء اللہ**

(۳) تلبیہ

جس طرح تکبیرۃ الاحرام (اللہ اکبر) کہنے سے نماز کا احرام بندھ جاتا ہے۔ اسی طرح تلبیہ کہنے سے عمرہ یا حج کا احرام منعقد ہو جاتا ہے اور اس کے بغیر احرام منعقد نہیں ہوتا۔ اور وہ تلبیات اربعہ یہ ہیں۔ **لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک** ہاں البتہ احوط یہ ہے کہ تلبیات اربعہ اس طرح ادا کیے جائیں۔ "**لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک بحجۃ وعمرۃ تمامھا علیک لبیک**"

وضاحت

نماز کی سورتوں کیطرح ان کلمات کا صحیح طریقہ سے ادا کرنا واجب ہے اور اگر کوئی شخص میقات پر تلبیہ کہنا بھول جائے تو پھر واپس جا کر وہاں تلبیہ کہنا واجب ہے۔

نوٹ:۔ اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے، نماز کے بعد اور سوار ہوتے وقت سواری کی حرکت کے وقت، کسی سے ملاقات کے وقت، بلندی پر چڑھتے، پستی پر اترتے وقت برابر تلبیہ جاری رکھا جائے۔ عمرۂ تمتع میں مکہ کے گھر دیکھنے تک اور حج تمتع میں ظہر عرفہ تک یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔

احرام باندھنے سے جو چیزیں محرم پر حرام ہو جاتی ہیں ان کو محرمات احرام کہا جاتا ہے اور یہ کل چھبیس ہیں۔

(۱) شکار کرنا (۲) جماع کرنا (۳) بوس و کنار کرنا (۴) بنظر شہوت عورت کی طرف نگاہ کرنا (۵) مشت زنی کرنا (۶) اپنا یا کسی اور کا عقد نکاح کرنا (۷) نکاح کا گواہ بننا (۸) خوشبو استعمال کرنا (۹) مرد کیلئے سلے ہوئے کپڑے پہننا (۱۰) موزہ یا ایسی جراب کا پہننا جس سے تمام پشت پا چھپ جائے۔ (۱۱) بقصد زینت سرمہ لگانا (۱۲) آئینہ دیکھنا (۱۳) جھوٹ بولنا بالخصوص خدا و مصطفیٰ اور آئمہ ھدیٰ پر اور کسی کو گالی گلوچ دینا (۱۴) لڑنا جھگڑنا (۱۵) بدن یا کپڑوں کے کیڑوں اور جوؤں وغیرہ کو مارنا (۱۶) زینت کرنا خواہ انگوٹھی پہننے سے ہی ہو یا مہندی لگانے سے (۱۷) بدن پر تیل یا گھی لگانا (۱۸) اپنے یا کسی دوسرے کے بدن سے بال دور کرنا (۱۹) مرد کیلئے اپنے تمام یا بعض سر

کا ڈھانپنا (۲۰) عورت کیلئے نقاب وغیرہ سے منہ کا ڈھانپنا (۲۱) مرد کیلئے چلتے وقت سایہ کے نیچے چلنا (۲۲) بدن سے کسی طرح بھی خون کا نکالنا (۲۳) دانت اکھاڑنا (۲۴) ناخن کاٹنا (۲۵) حرم کا درخت یا گھاس اکھیڑنا (۲۶) ہتھیار اٹھانا۔

ان محرمات کی بقدر ضرورت وضاحت:۔

۱۔ جو شکار محرم پر حرام ہے اس سے مراد جنگلی (صحرائی) جانور کا شکار ہے خواہ حلال گوشت ہو اور خواہ حرام عام اس سے کہ خود شکار کرے یا کسی شکاری کی مدد کرے یا شکار کا پتہ بتائے یا اس کا گوشت کھائے ہاں سمندری جانوروں کے شکار میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اہلی (پالتو) جانوروں کے ذبح کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۔ محرمات نمبر ۲، ۳، ۴، سے مراد زوجہ ہے منکوحہ یا ممتوعہ اور جہاں تک اجنبیہ کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ تو یہ افعال ہر حال میں حرام ہیں اس میں حالت احرام وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے نیز اس سلسلہ میں عورت کے بھی یہی احکام ہیں۔ کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ یہ افعال نہیں کر سکتی۔

۶۔ اس صورت میں نکاح باطل سمجھا جائے گا۔

۸۔ کوئی خوشبو کسی بھی طور پر سونگھ کر یا کپڑے یا بدن پر مل کر ہاں اس سے خلوق کعبہ (جو کہ وہاں کا ایک خوشبودار گھاس ہے) مستثنیٰ ہے نیز خوشبودار پھل کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۹۔ اس سے مراد صرف سیاہ سرمہ ہے لیکن اگر سیاہ نہ ہو تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اس میں کسی خوشبودار چیز کی آمیزش نہ ہو۔

۱۳۔ اگرچہ یہ چیز حالت احرام کے علاوہ بھی حرام ہے۔ مگر حالت احرام میں اس کی حرمت مغلظہ ہے ارشاد قدرت ہے۔ "فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج"

۱۶۔ بقصد زینت انگوٹھی پہننا حرام ہے لہٰذا اگر سنت سمجھ کر پہنی جائے۔ خصوصاً جبکہ اس کا نگینہ عقیق یا فیروزہ وغیرہ کا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح عورت کیلئے بغرض زیب و زینت نیا زیور پہننا بھی حرام ہے ہاں البتہ اگر احرام کے وقت اس نے کوئی زیور پہن رکھا ہو تو اس کا اتارنا ضروری نہیں ہے۔ اگرچہ احوط یہ ہے کہ اس کا اظہار نہ کرے۔

۱۸۔ ہاں، وہ بال جو باعث بیماری ہوں یا جنکی وجہ سے بکثرت جوئیں پڑ جائیں یا آنکھ میں اگ جائیں جن کی وجہ سے اذیت ہوتی ہو ان کے زائل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے یا اگر وضو یا

غسل کرتے وقت خود بخود گر جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۹۔ بیداری ہو یا نیند ہر حال میں سر کا کھلا رکھنا واجب ہے یاد رہے کہ کان بھی سر میں داخل ہیں اور غوطہ لگانے کا حکم سر چھپانے جیسا ہے (کہ وہ بھی حرام ہے)۔

۲۱۔ حالت احرام میں چلتے وقت سایہ کے نیچے چلنا حرام ہے عام اس سے کہ سایہ موٹر کار کا ہو یا جہاز کا یا چھتری وغیرہ کا ہاں جائے قیام پر سایہ کے نیچے ٹھہرنا یا آنا جانا ممنوع نہیں ہے اسی طرح عورتوں اور بچوں کیلئے بھی یہ پابندی نہیں ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے پر ایک گوسفند کفارہ میں ذبح کرنا پڑتا ہے۔

۲۵۔ حدود حرم میں اگے ہوئے درخت اور گھاس کا اکھاڑنا بہرحال حرام ہے خواہ حالت احرام میں ہو یا غیر احرام میں ہاں "اذخر" (ایک مشہور گھاس) اکھاڑنا جائز ہے اس طرح پھل دار درخت اور کھجور کے درخت کا اکھاڑنا یا اس درخت یا گھاس کا اکھاڑنا جو آدمی کے اپنے گھر میں یا کسی دوسری مملوکہ جگہ میں اگا ہو یا اس نے خود کاشت کیا ہو جائز ہے۔

(نوٹ) حیوانات کیلئے چارہ کاٹنا جائز نہیں ہے ہاں اگر حیوانات کو چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ چریں یا چارہ کھائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۶۔ حالت احرام میں اس طرح ہتھیار پہننا حرام ہے کہ آدمی مسلح کہلائے اور اگر حالت احرام میں دشمن یا درندہ وغیرہ سے خطرہ ہو تو پھر مسلح ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اگر ہتھیار اس طرح بدن پر نہ ہو جس سے آدمی مسلح کہلائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ العالم۔

مستحبات احرام

ان مستحبات میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کا تعلق احرام سے پہلی حالت سے ہے۔ بعض کا احرام باندھنے کے وقت اور بعض کا اس کے بعد سے ہے اور وہ کل دس امور ہیں۔

۱۔ ذی القعدہ سے سر کے بال بڑھائے جائیں یعنی نہ منڈوائے جائیں اور نہ کٹوائے جائیں اور یکم ذوالحجہ کے بعد نہ کٹوانے کی تاکید زیادہ ہے۔

۲۔ جسم کو میل کچیل سے صاف کیا جائے۔ ناخن کٹوائے جائیں اور نورہ وغیرہ سے بغل اور موئے زہار کا ازالہ کیا جائے۔

۳۔ احرام کے وقت غسل کیا جائے۔

۴۔ اس وقت کی مخصوص دعا پڑھی جائے۔

۵۔ کپاس کے کپڑے میں اور وہ بھی سفید رنگ میں احرام باندھا جائے۔

۶۔ نماز نافلہ یا فریضہ کے بعد احرام باندھا جائے اگرچہ فریضہ کے بعد (افضل ہے) اور اس میں بھی نماز ظہر افضل ہے بہتر یہ ہے کہ چھ رکعت نماز نافلہ پڑھی جائے۔ ورنہ چار اور کم از کم دو رکعت پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد قل ھو اللہ اور دوسری میں **قل یا ایھا الکافرون** پڑھی جائے۔

۷۔ نماز سے فارغ ہو کر احرام کی نیت کرتے وقت مخصوص دعا پڑھی جائے اس کے بعد احرام کے کپڑے پہنے جائیں۔

۸۔ احرام کے کپڑے پہنتے وقت مخصوص دعا پڑھی جائے۔

۹۔ خالق و مالک سے شرط کی جائے کہ جہاں بھی اسے اتمام حج سے کوئی مانع عارض ہو گیا تو وہ وہیں محل ہو جائے گا۔

۱۰۔ مستحبی تلبیہ پڑھا جائے (یہ سب مستحبی دعائیں اور تلبیہ جات مفصل و مبسوط کتابوں میں بلکہ حج کے عام رسالوں میں بھی مذکور ہیں بنظر اختصار یہاں درج نہیں کی جا رہی ہیں۔

(مکروہات احرام)

اور وہ کل تیرہ ہیں۔

(۱) سیاہ اور رنگ دار کپڑوں میں احرام باندھنا (۲) میلے کچیلے کپڑوں میں احرام باندھنا (۳) دھاری دار کپڑوں میں احرام باندھنا (۴) زرد بستر اور زرد تکیہ اور ایک قول کے مطابق سیاہ رنگ کے بستر اور تکیہ پر سونا (۵) بغیر ارادۂ زینت مہندی لگانا (۶) حمام میں جانا (۷) جسم کو کھجلنا (۸) کسی بلانے والے کو لبیک کہہ کر جواب دینا (۹) گل گلاب یا خوشبودار پھولوں کو سونگھنا (۱۰) ٹانگیں پسار کر اور ان کے اوپر ہاتھ دراز کر کے بیٹھنا (۱۱) شعر پڑھنا اگرچہ شعر حق ہو (۱۲) کشتی لڑنا یا اس قسم کا کوئی کام کرنا جس سے زخمی ہونے یا بال گرنے کا اندیشہ ہو (۱۳) عورتوں کیلئے خالص ریشم کے کپڑے میں احرام باندھنا۔

(نوٹ) اور چونکہ بعض فقہا کے نزدیک ایسا کرنا حرام ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔

طواف عمرہ کا بیان

مخفی نہ رہے کہ اس طواف کے کچھ شرائط و واجبات ہیں اور کچھ مستحبات و مکروہات ہیں ذیل میں ان کا اجمالی بیان کیا جاتا ہے۔

عمرہ تمتع کے اعمال میں سے دوسرا واجب طواف ہے اور یہ طواف عمرہ کے ارکان میں سے ہے لہٰذا اگر کوئی شخص عمداً یہ طواف نہ کرے اور اسقدر تاخیر ہو جائے کہ وقوف عرفات سے پہلے نہ بجا لا سکے تو اس کا عمرہ تمتع باطل ہو جائے گا اور وہ حج افراد بجا لائے گا اور اس کے بعد عمرہ مفردہ ادا کریگا اور اس کا یہ حج حج تمتع کی جگہ کافی نہ ہوگا بلکہ اگلے سال اسے حج تمتع دوبارہ کرنا پڑے گا۔ (واللہ العالم)

واجبات طواف

یہ واجبات کل پندرہ ہیں جن میں سے چھ شرائط ہیں اور نو داخلی واجبات ہیں۔

شرائط

(۱) نیت کرنا جسکی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔ (۲) حدث اکبر (حیض و نفاس و جنابت وغیرہ) وحدث اصغر (پیشاب و پاخانہ وغیرہ) سے پاک ہونا (۳) بدن اور لباس کا ظاہری نجاست سے پاک ہونا (۴) مرد (بلکہ بچہ) کا ختنہ شدہ ہونا۔ (۵) نماز کی طرح ستر عورتین کرنا۔ (۶) لباس اور سواری کا۔ (جبکہ کسی عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کرنا پڑے) غصبی نہ ہونا۔

واجبات

(۱) طواف کی ابتدا حجر اسود سے کرنا اور اسی پر انتہا کرنا۔ (۲) اس طرح طواف کرنا کہ خانہ کعبہ بائیں جانب ہو۔ (۳) حجر اسماعیل (جو کہ آپ کی اور آپکی والدہ اور دیگر بعض انبیاءکا مدفن ہے) کو طواف کے اندر قرار دینا۔ (۵) خانہ کعبہ اور مقام ابراہیم کے درمیان طواف کرنا یعنی کعبہ اور مقام مذکور میں جس قدر فاصلہ ہے چاروں طرف سے اتنے فاصلہ کے اندر رہ کر طواف کرنا اور یہ فاصلہ تین اطراف سے ساڑھے چھبیس ہاتھ ہے مگر حجر اسماعیل کی طرف سے صرف ساڑھے چھ ہاتھ ہے۔

۶۔ طواف کے وقت خانہ کعبہ اور حجر اسماعیل سے جسم کو باہر رکھنا (اگر ان کے درمیان سے

گزرا جائے تو اس طرح حجر اسمٰعیل دائیں جانب ہو جائے گا حالانکہ اس کا بائیں جانب ہونا ضروری ہے)

۷۔ طواف کے بلا کم و کاست پورے سات چکر لگانا۔ (۸) دو رکعت نماز طواف پڑھنا۔ (۹) علی الاحوط طواف واجب میں موالات کا ملحوظ رکھنا۔

سابقہ مطالب کی کچھ توضیحات

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص عمداً یا سہواً علماً یا جہلاً طہارت کے بغیر طواف کرے تو اس کا طواف باطل متصور ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ اگر دوران طواف کسی کا وضو یا غسل اختیاری یا غیر اختیاری طور پر ٹوٹ جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر نصف طواف مکمل ہونے سے پہلے ایسا ہو تو طواف باطل ہو جائے گا اور طہارت کے بعد از سر نو طواف کرنا پڑے گا اور اگر طواف کے چار چکر مکمل ہونے کے بعد یہ صورتحال پیش آئے تو طہارت کے بعد صرف باقی ماندہ تین چکر مکمل کئے جائیں گے۔

حائض کے احکام

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی عورت اثنائے طواف میں حائض یا نفساء ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ طواف ختم کر کے فوراً مسجد الحرام سے باہر نکل جائے اب اگر چار چکر مکمل کر چکی تھی تو طہارت کے بعد صرف باقی ماندہ طواف پورا کرے گی اور اگر ہنوز چار سے کم چکر لگائے تھے تو پاک ہونے کے بعد از سر نو طواف کرے گی۔ (وکذا الکلام فی المریض)

مسئلہ ۴۔ اگر کسی عورت کو حیض آجائے اور خطرہ ہو کہ وقت تنگ ہونے کی وجہ سے وقوف عرفات (۹ ذوالحجہ) تک پاک نہ ہوگی تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) احرام باندھتے وقت حائض ہو تو اس صورت میں اسکا حج تمتع حج افراد کے ساتھ بدل جائے گا اور اعمال حج بجا لانے کے بعد عمرہ مفردہ بجا لائے گی۔ (۲) احرام باندھنے کے بعد حائض ہو تو اس کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے بعض کا قول یہ ہے کہ سابقہ صورت کی طرح اس کا حج تمتع حج افراد کے ساتھ بدل جائے گا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کو حج تمتع یا حج افراد میں سے جسے چاہے اختیار کرنے کا حق ہے لہذا اگر حج تمتع کو اختیار کرے تو وہ طواف اور نماز عمرہ کے سوا دوسرے تمام اعمال بجا لائے گی اور منیٰ سے واپسی کے بعد طواف عمرہ اور اس کی نماز کی قضا کرے گی اور اگر

نصف طواف ساڑھے تین چکر مکمل ہونے کے بعد مگر چار چکر مکمل ہونے سے پہلے حائض ہوئی ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے جو ابھی اوپر مذکور ہوا ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ اگر کسی بچہ کا ہنوز ختنہ نہ ہوا ہو اور وہ حج کرے تو اس کا طواف النساء باطل ہوگا۔ بلوغت کے بعد جب تک خود طواف النساء نہ کرے یا اسکی نیابت میں کوئی دوسرا شخص نہ کرے گا وہ اس وقت تک کسی عورت سے نکاح نہیں کرسکے گا۔

طواف میں کمی کے احکام

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی شخص عمداً" یا سہواً" طواف واجب کو اسکی مقررہ حد یعنی سات چکر سے کم بجا لائے تو اگر ہنوز اس کی موالات ختم نہ ہوئی ہو اور طواف کی حد سے بھی باہر نہ گیا ہو تو اسکا حکم یہ ہے کہ باقی ماندہ چکر مکمل کرکے طواف کو پورا کرے اور اگر بھول کر کم چکر لگائے اور اس وقت یاد آئے جبکہ موالات بھی فوت ہوگئی ہو اور وہ حد طواف سے باہر بھی نکل گیا ہو تو اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس میں اختلاف ہے؟ مشہور یہ ہے کہ اگر نصف طواف سے تجاوز کرچکا تھا تو باقی ماندہ چکر پورے کرے گا اور اگر نصف سے زائد چکر نہ لگائے تھے کہ یہ صورت پیش آئی تو پھر از سر نو طواف کرے گا اور اگر واپس وطن پہنچنے تک یاد نہ آئے تو پھر کسی کو طواف کی ادائگی کے لئے اپنا نائب بنائے گا اور بعض فقہا کا قول یہ ہے کہ اگر اس صورت میں وہ بھولا ہوا چکر ایک تھا تو اسے لگا کر طواف کو مکمل کرے گا اور اگر ایک سے زائد ہو تو از سر نو طواف بجا لائے۔ وھو الاحوط اور اس سے بھی زیادہ کامل احتیاط یہ ہے کہ اس طواف کو مکمل بھی کرے اور پھر دوبارہ از سر نو بھی کرے۔ واللہ العالم

طواف میں زیادتی کے احکام

مسئلہ ۷۔ اگر کوئی شخص عمداً" سات چکر سے زیادہ چکر لگائے تو اس کا طواف باطل تصور ہوگا اور اگر بھول کر ایسا کر بیٹھے تو جہاں یاد آئے زائد مقدار کو چھوڑ دے اس طرح اس کا طواف واجب صحیح متصور ہوگا۔

عدد طواف میں شک کے احکام

اگر طواف واجب کے چکروں میں شک پڑ جائے تو اس کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) طواف سے فراغت پانے اور محل طواف سے نکل جانے کے بعد پڑے تو اس شک کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۲) سات چکر مکمل ہونے کے بعد شک پڑے کہ یہ چکر ساتواں تھا یا آٹھواں تو اس شک کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) یہی شک دوران طواف پڑے کہ یہ چکر ساتواں ہے یا آٹھواں۔ تو اسے پورا کرے

(۴) یہ شک پڑے کہ یہ چکر آخری ہے یا کم مثلاً" یہ ساتواں ہے یا چھٹا، ساتواں یا پانچواں و ھکذا

(۵) زیادتی و کمی میں شک ہو مثلاً" یہ چھٹا چکر ہے یا آٹھواں یا ساتواں ہے یا آٹھواں؟ تو ان تمام صورتوں میں احتیاط یہ ہے کہ کم پر بنا رکھ کر بقصد رجاء طواف کو مکمل کیا جائے پھر از سر نو دوبارہ طواف بھی کیا جائے۔ ہاں اگر مستحب طواف کے چکروں کی تعداد میں شک ہو تو پھر کم مقدار پر بنا رکھ کر طواف کو پورا کیا جائے گا۔ واللہ العالم

عمرۂ تمتع کے طواف کا حکم

طواف یعنی خانہ خدا کے چاروں طرف گھوم پھر کر دعائیں مانگنا۔ دراصل جناب خلیل خدا کے زمانہ کی اس رسم کی ادائیگی ہے جو قربانی کو قربان گاہ کے ارد گرد پھرا کر ادا کی جاتی تھی۔ چونکہ حاجی اپنے آپ کو قربان گاہ پر چڑھاتا ہے۔ اس لیے وہ اس کے چاروں طرف چکر لگاتا ہے۔ اور اپنی بخشش کی دعائیں مانگتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے **"و لیطوفوا با البیت العتیق"** "اور اس کہنہ گھر کا طواف کریں"

طواف عمرہ کے مستحبات

اور یہ مستحبات کل آٹھ ہیں (۱) طواف کی نیت کرتے وقت حجر اسود کی طرف رخ کرنا (۲) طواف کرتے وقت بیت اللہ کے قریب رہنا (۳) ہر چکر کے خاتمہ پر حجر اسود کو بوسہ دینا (۴) پیادہ پا ہو کر طواف کرنا نہ سوار ہو کر (۵) ننگے پاؤں طواف کرنا (۶) سکینہ و وقار کے ساتھ چلنا (۷) آنکھیں جھکا کر طواف کرنا (۸) حالت طواف میں ذکر خدا، تلاوت قرآن بالخصوص سورۃ قدر کی تلاوت کرنا اور اس وقت کی مخصوص مستحبی دعائیں پڑھنا۔

مکروہات طواف

اور یہ کل پانچ ہیں۔

۱۔ ذکر خدا، دعا اور تلاوت قرآن کے علاوہ کوئی کلام نہ کرنا۔ (۲) کھانا پینا۔ (۳) ہنسنا، جمائی لینا اور انگلیوں کے گٹکارے نکالنا۔ (۴) بول براز روک کر طواف کرنا۔ (۵) ایک خاص قسم کی لمبی ٹوپی پہن کر طواف کرنا۔

طواف عمرہ کی نماز

عمرۂ تمتع کے واجبات میں سے دو رکعت نماز طواف ہے اگرچہ اس نماز میں نماز صبح کی طرح ہر سورہ پڑھا جا سکتا ہے مگر افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورہ توحید اور دوسری رکعت میں حمد کے بعد سورہ کافرون پڑھا جائے۔ اسی طرح اس نماز کے بعد مخصوص دعاؤں کا پڑھنا بھی مستحب ہے۔

توضیح

مخفی نہ رہے کہ یہ نماز واجبی طواف میں واجب اور مستحبی میں مستحب ہوتی ہے نیز احوط یہ ہے کہ طواف کے بعد جلد ادا کی جائے۔ اس نماز کا مقام ابراہیم کے پس پشت پر ادا کرنا واجب ہے۔ ہاں اگر کثرت اژدہام وغیرہ کی وجہ سے وہاں نہ پڑھ سکے تو اس مقام کے دائیں یا بائیں پڑھے اور اگر کوئی شخص سرے سے یہ نماز پڑھنا ہی بھول جائے اور سعی کرنے کے بعد اسے یاد آئے تو جب بھی یاد آئے مقام مذکور پر ادا کرے۔ اور اس صورت میں سعی کا اعادہ واجب نہیں ہے اگرچہ مستحب ہے۔ اور اگر مکہ مکرمہ سے واپسی کے بعد یاد آئے تو اگر لوٹنا ممکن ہو تو لازم ہے کہ لوٹ کر مقام مذکور پر پڑھے۔ ورنہ بصورت دیگر جہاں یاد آئے وہیں پڑھ لے اور اگر ہو سکے تو کوئی نائب بھی مقرر کرے جو مقام مذکور پر ادا کرے۔

نیز اس نماز کا صحیح ادا کرنا ضروری ہے اور اگر کسی شخص کی قرأت درست نہ ہو اور اس وقت درستگی ممکن بھی نہ ہو تو چاہئے کہ خود بھی ادا کرے اور کسی صحیح قرات والے کو نائب بھی بنائے

صفاء مروہ کے درمیان سعی کرنا

عمرۂ تمتع کے واجبات میں سے چوتھا واجب صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا) ہے جو نماز طواف کے بعد کی جاتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما (البقرہ)** "صفا و مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں

پس جو شخص خانہ خدا کا حج کرے یا عمرہ۔ اس کیلئے ان کے پھیرے لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے" کعبۃ اللہ کے پاس یہ دو پہاڑیاں تھیں جن کے اب صرف کچھ آثار باقی رہ گئے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ہاجرہؑ اپنے لخت جگر اسماعیلؑ کیلئے پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں اور خدائے مہربان نے زمزم کا چشمہ جاری فرمایا تھا۔ الغرض یہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا جناب ہاجرہؑ کی اسی بے تابانہ دوڑ کی یادگار ہے۔ جو آج تک جاری ہے اور رہتی دنیا تک جاری رہے گی۔

علاوہ ازیں اس سعی کے دوران یہ تصور کرنا چاہئے کہ ایک بھگوڑا غلام اپنے آقا و مولا کی سرکار میں حاضر ہے اور اپنے ناراض آقا کو راضی کرنے کیلئے کبھی اس دروازہ اور کبھی اس دروازہ کا چکر لگا رہا ہے اور پریشان ہے کہ اس کے آقا نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟ آیا اسے معافی دیتا ہے یا اسے سزا دیتا ہے؟ امید کامل ہے کہ وہ رحیم و کریم خدا ضرور اپنا فضل و کرم شامل حال کرے گا۔ انشاء اللہ

اور اگر کوئی شخص وقوف عرفات تک اس عمل کو نہ بجالائے اور اب اس کی تلافی کا وقت بھی باقی نہ ہو تو اس کا حج تمتع باطل ہو جائیگا لہٰذا وہ حج افراد کرے گا اور سال آئندہ حج تمتع بجا لائے گا اور اگر کوئی شخص عمداً طواف سے پہلے سعی کرے تو اس کی سعی باطل ہوگی اور طواف کے بعد دوبارہ سعی کرنا واجب ہوگی۔ اور اگر کوئی آدمی سہوا یا جہالتہً ایسا کرے تو احتیاط واجب یہ ہے کہ طواف کے بعد دوبارہ سعی کرے۔

واجبات سعی

اس سعی کے کچھ واجبات ہیں۔ اور کچھ مستحبات جن کی تفصیل درج ذیل ہے اور یہ واجبات آٹھ ہیں۔ (۱) نیت کرنا۔ (۲) اس سعی کی ابتداء صفا سے کرنا اور انتہا مروہ پر کرنا۔ (۳) بلاکم و کاست مکمل سات چکر لگانا۔ بایں طور کہ صفا سے مروہ تک ایک چکر اور پھر مروہ سے صفا تک دوسرا چکر شمار ہوگا۔ اسی طرح ساتوں چکر مروہ پر مکمل ہوگا۔ (۵) مروجہ راستہ پر سعی کرنا۔ (۶) سیدھے پاؤں آگے کی طرف چلنا کیونکہ الٹے پاؤں چلنا جائز نہیں ہے۔ (۷) لباس اور سواری کا (جبکہ سوار ہو کر سعی کرنا ہو) مباح ہونا۔ (۸) ترتیب کا ملحوظ رکھنا۔ یعنی سعی کو طواف اور اس کی نماز کے بعد بجا لانا۔

مستحبات سعی۔

اور یہ مستحبات کل اٹھارہ ہیں۔

(۱) حدث و خبث (باطنی و ظاہری) کثافت و نجاست سے پاک ہونا۔ اگرچہ یہ واجب نہیں ہے۔

(۲) دو رکعت نماز طواف کے بعد جلدی ادا کرنا۔

(۳) دو رکعت نماز طواف پڑھنے کے بعد اور سعی کرنے سے پہلے حجر اسود کو بوسہ دینا۔ اور چاہ زمزم سے ایک دو ڈول پانی کھینچ کر پینا اور سر و پشت و پیٹ پر ڈالنا۔ اور اس وقت رو بقبلہ کھڑے ہو کر مستحبی دعائیں پڑھنا۔

(۴) صفاء کیطرف جاتے ہوئے حجر اسود کے بالمقابل جو دروازہ ہے جسے باب الصفاء کہا جاتا ہے۔ اس سے نکلنا یہی وہ دروازہ ہے جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلا کرتے تھے۔

(۵) سعی چلتے جاتے ہوئے سکینہ و وقار کیساتھ چلنا۔

(۶) صفاء پر اس قدر اوپر چڑھنا جہاں سے خانہ کعبہ نظر آئے کیونکہ اس حال میں اس کیطرف نگاہ کرنا مستحب ہے۔

(۷) رکن عراقی (جسمیں حجر اسود نصب ہے) کی طرف منہ کرکے خدا کی حمد و ثناء کرنا اور اس کے احسانات و انعامات کا تذکرہ کرنا۔ اور بعد ازاں سات مرتبہ اللہ اکبر اور سات مرتبہ الحمد للہ اور سات مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا۔

(۸) وہیں کھڑے کھڑے اپنا دین و ایمان اور اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کو خدا کے سپرد کرنا اور اس وقت اس مقام کی مخصوص دعائیں پڑھنا۔

(۹) صفاء پر چڑھ کر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے یہ دعا پڑھنا۔ **"اللھم اغفر لی کل ذنب الخ"**

(۱۰) صفاء پر زیادہ دیر بیٹھنا۔

(۱۱) صفاء سے نیچے اترتے وقت چوتھے زینہ پر کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھنا۔ **"اللھم انی اعوذ بک من عذاب القبر الخ"**

(۱۲) بعد ازاں چوتھے زینے سے نیچے اتر کر اپنی پشت سے کپڑا اٹھا کر یہ دعا پڑھنا۔ **"یا رب العفو الخ"**

(۱۳) پا پیادہ سعی کرنا۔ اگرچہ سواری پر سوار ہو کر بھی کرنا جائز ہے۔

(۱۴) سکینہ و وقار کیساتھ چلنا۔

(۱۵) صفا سے لیکر پہلے منارہ تک آرام و سکون کیساتھ چلنا اور وہاں سے لیکر دوسرے منارہ تک مرد کیلئے ہرولہ کرنا یعنی مخصوص قسم کا دوڑنا۔ اور اگر سوار ہو تو سواری کو قدرے تیز ہانکنا۔

(۱۶) ۔ پہلے منارہ کے پاس پہنچ کر اس مقام کی مخصوص دعا پڑھنا۔

(۱۷) جب مروہ پر پہنچے تو اس پر چڑھے اور وہاں اسی طرح دعا و پکار کرے جس طرح صفا پر کی تھی۔ (جس کی تفصیل اوپر مذکور ہے) ۱۱ مزید برآں وہاں یہ دعا پڑھے۔ **"اللھم یا من امر یا العفو"**

سعی کے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص عمداً سات سے زائد بار سعی کرے تو ایسا کرنے سے سعی باطل ہو جائیگی۔ اور دوبارہ کرنا پڑیگی۔

مسئلہ ۲۔ اگر بھول کر یا جہالت کیوجہ سے زائد کرے تو اگر یہ زیادتی ایک چکر سے کم ہے تو اسے چھوڑ دے اور اگر ایک چکر یا اس سے زائد ہے تو بھی بناپر مشہور اس کا حکم یہی ہے مگر بعض فقہاء کا یہ قول ہے کہ اس سے زائد مقدار کے پورے سات چکر کر دے تاکہ یہ دوسری سعی بن جائے۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص عمداً سات چکر سے کم چکر لگائے تو وقوف عرفات سے پہلے اس کی تلافی کرنا ضروری ہے ورنہ اس کا حج تمتع باطل ہو جائیگا۔ اور حج افراد سے بدل جائیگا۔ اور اگر سہواً ایسا ہو جائے تو جب بھی یاد آئے اس کی تکمیل کرے اور اگر مکہ سے باہر جانے کے بعد یاد آئے تو پھر کوئی نائب بنائے جو سعی کی تکمیل کرے۔

مسئلہ ۴۔ اگر کسی کو کوہ مروہ پر شک پڑ جائے کہ آیا یہ ساتواں چکر ہے یا نواں تو سعی صحیح ہوگی۔ اور اگر سعی کے دوران اس کی تعداد میں شک پڑ جائے یا اس شک کا تعلق سات مرتبہ سے کم کیساتھ ہو تو سعی باطل ہو جائیگی اور دوبارہ کرنا پڑے گی۔ واللہ العالم۔

تقصیر کرنا

عمرۂ تمتع کے واجبات میں سے پانچواں واجب تقصیر ہے تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ بقصد قربت تھوڑے سے ناخن یا سر یا داڑھی یا مونچھ سے چند بال کٹوائے جائیں۔ یہ عمل بھی نی

نفسہ ایک عبادت ہے۔ جس کے لئے نیت کرنا ضروری ہے اور جو چیزیں احرام کی وجہ سے حرام ہوگئی ہیں وہ تقصیر کے بعد حلال ہو جاتی ہیں یعنی اس عمل کے بعد احرام عمرہ ختم ہو جاتا ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ تقصیر کی جگہ حلق (سر منڈوانا) کافی نہیں ہے بلکہ جائز ہی نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا کرے تو بنا بر احتیاط اسے ایک گوسفند کفارہ دینا چاہئے۔

مسئلہ ۲۔ اور اگر کوئی شخص عمداً تقصیر نہ کرے اور احرام حج باندھ لے تو اس کا عمرہ باطل ہو جائے گا اور اس کا حج حج افراد سے بدل جائیگا۔ اور احتیاط یہ ہے کہ سال آئندہ حج تمتع کی قضا کرے۔

مسئلہ ۳۔ اور اگر بھول کر ایسا کرے تو اس کا عمرہ صحیح رہیگا ہاں مستحب ہے کہ ایک گوسفند کفارہ دے دے۔ واللہ العالم۔

توضیح

بالاتفاق عمرہ تمتع میں طواف نساء نہیں ہے ہاں شہید اول نے چونکہ بعض فقہاء سے اس کا وجوب نقل کیا ہے اور اس سلسلہ میں ایک روایت بھی پیش کیجاتی ہے مگر یہ قول اپنے قائل کے مجہول ہونے اور روایت کے ضعف سند کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں ہے جبکہ اس کے بالمقابل روایات متظافرہ اور علماء امامیہ کے فتاوی متکاثرہ موجود ہیں با ایں ہمہ اگر کوئی شخص احتیاطاً طواف نساء اور اس کی دو رکعت نماز بجا لائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ واللہ العالم۔ ہاں البتہ یہ طواف نساء حج تمتع اور عمرہ مفردہ میں واجب ہے۔

حج تمتع

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ حج تمتع تیرہ اعمال کا مجموعہ ہے اور وہ یہ ہیں (۱) احرام (۲) وقوف عرفات (۳) وقوف مشعر الحرام (۴-۵) رمی عقبہ (۶) قربانی (۷) اور حلق یا تقصیر (۸) طواف حج (۸) دو رکعت نماز طواف (۹) سعی (۱۰) طواف النساء (۱۱) اس کی دو رکعت نماز (۱۲) اا ۱۲ ذی الحجہ کی منی میں شب باشی (۱۳) اا ۱۲ ذی الحجہ کے دن رمی الجمرات۔ ذیل میں بقدر ضرورت ان اعمال و افعال کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

۱۔ احرام حج۔ حج تمتع کے اعمال میں سے پہلا واجب احرام باندھنا ہے۔ احرام باندھنے کی

کیفیت، اس کے واجبات، مستحبات اور مکروہات وہی ہیں جو احرام عمرہ میں بالوضاحت بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں صرف چند باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ عمرہ تمتع سے فراغت کے بعد فوراً احرام حج باندھنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس وقت تک تاخیر جائز ہے کہ جب احرام باندھ کر نویں ذی الحجہ کو زوال آفتاب سے قبل مقام عرفات میں پہنچ سکے۔

۲۔ یہ احرام مکہ مکرمہ کی کسی بھی جگہ سے باندھا جا سکتا ہے مگر افضل یہ ہے کہ مسجد الحرام اور اس کے بھی مقام ابراہیم یا حجر اسماعیل سے باندھا جائے۔

۳۔ مستحب ہے کہ اپنی قیامگاہ پر غسل کیا جائے۔ سکینہ و وقار کیساتھ ننگے پاؤں مسجد الحرام میں جائے اور نماز تحیہ مسجد، یا نماز فریضہ یا چند رکعت نماز نوافل کے بعد احرام باندھے اور پھر وہی مستحبی ادعیہ جات پڑھے جو سابقاً گزر چکی ہیں۔

۴۔ اگرچہ یہ احرام نویں ذی الحجہ کو باندھا جا سکتا ہے مگر مستحب ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ (یوم الترویہ) کو نماز ظہرین کے بعد باندھ کر مقام منیٰ میں بالخصوص مسجد خیف میں عبادت پروردگار میں شب باشی کی جائے اور طلوع آفتاب کے بعد وہاں سے عرفات کیلئے روانہ ہو اور منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے یہ مستحبی دعا پڑھے **اللھم الیک صمدت الخ** اور مستحب ہے کہ عرفہ کی نماز ظہر تک تلبیہ جاری رہے۔

۵۔ اگر کوئی شخص بھول کر یا مسئلہ سے عدم واقفیت کیوجہ سے مکہ میں احرام نہ باندھے اور اس سے باہر عرفات میں چلا جائے تو اگر ممکن ہو تو واپس لوٹ کر مکہ سے احرام باندھے اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو جہاں یاد آئے وہیں سے باندھ لے۔

وقوف عرفات اور اس کے اسرار و احکام

نویں ذی الحجہ کو زوال آفتاب سے لیکر غروب آفتاب تک میدان عرفات میں جبل رحمت کے پاس ٹھہرنا حج تمتع کے واجبات میں سے دوسرا واجب ہے اور یہ ارکان حج میں سے سب سے بڑا رکن ہے اور اس دوران دعا و استغفار اور خالق کی حمد و ثنا میں مصروف رہنا پیغمبر اسلامؐ کی سنت ہے مسلمانوں کے اس فقید المثال اجتماع سے جہاں اسلام اور مسلمانوں کی عظمت و جلالت اور ان کی شان و شوکت کی نمائش ہوتی ہے وہاں مختلف صُوَر و اشکال، مختلف رنگ و نسل اور

مختلف زبان و کلام کے لوگوں کا اژدہام روز حشر کی یاد دلاتا ہے جن میں اہل حق بھی ہوں گے اور اہل باطل بھی حاجی کو یہاں دعا کرنی چاہئے کہ خدائے کریم اس کا حشر و نشر فوز و فلاح حاصل کرنے والوں کیساتھ فرمائے۔ نیز یہ چیز بھی ذہن نشین رہے کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ بھی اسی میدان عرفات میں تشریف فرما ہیں۔ جیسا کہ متعدد روایات میں مذکور ہے کہ وہ ہر سال وہاں موجود ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے اہل ایمان پر رحمت ایزدی کا فیضان ہوتا ہے اور اگر کوئی انہیں ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ رہا تو ایمان کی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کرے اور ان کے ساتھ ایک جگہ جمع ہونے کی نعمت عظمیٰ کو قدر کی نگاہ سے دیکھے۔

واجبات وقوف۔

وقوف عرفہ کے واجبات صرف دو ہیں۔ (۱) نیت وقوف کرنا اور (۲) زوال آفتاب سے لیکر شرعی غروب آفتاب تک وہاں ٹھہرنا عام اس سے کہ پیادہ ہو یا سواری پر۔ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر اس قیام سے مسمّیٰ قیام (کہ عرفاً یہ کہا جائے کہ اس نے عرفات میں قیام کیا ہے) واجب رکنی ہے اور باقی قیام واجب غیر رکنی ہے جس کے ترک کرنے سے آدمی گنہگار تو ہوتا ہے مگر اس سے حج باطل نہیں ہوتا۔

وقوف عرفات کے مستحبات

اور یہ مستحبات انتالیس ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔ (۱) نیت کا اظہار کرنا (۲) پہاڑ کی بائیں جانب قیام کرنا (۳) اپنے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان فاصلہ نہ رکھنا (۴) حدث سے پاک ہونا (۵) زوال آفتاب کے بعد غسل کرنا (۶) تمام دنیوی تفکرات سے دل کو صاف کرنا (۷) ظہر و عصر کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ملا کر پڑھنا (۸) بنا بر مشہور کھڑے ہو کر تمام وقت گزارنا (اگرچہ اس امر کے استحباب میں اشکال ہے) (۹) رو بہ قبلہ ہونا (۱۰) لوگوں کیطرف متوجہ ہونے کی بجائے دل سے خدا کی طرف متوجہ ہونا (۱۱) خدا کی حمد و ثنا کرنا (۱۲) بکثرت دعا و بکا کرنا کیونکہ اس دن دعا کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔ (۱۳) اپنے اور اپنے اہل و عیال اور اہل ایمان کیلئے دعا کرنا زیادہ نہیں تو کم از کم چالیس آدمیوں کیلئے (۱۴) اپنا ایک ایک گناہ شمار کر کے اس سے استغفار کرنا۔ (۱۵) شیطان سے پناہ مانگنا (۱۶) اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ الحمد للہ سبحان اللہ ہر ایک سو مرتبہ کہنا۔ (۱۷) سورہ بقرہ کی دس آیات پڑھنا (۱۸) قل ھو اللہ سو مرتبہ پڑھنا (۱۹) آیۃ الکرسی سو مرتبہ پڑھنا

(۲۰) انا انزلنا سو مرتبہ پڑھنا (۲۱) بکثرت درود شریف پڑھنا (۲۲) صحیفہ کاملہ کی دعائے عرفہ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعائے عرفہ پڑھنا (۲۳) حضرت امام حسین کی زیارت مخصوصہ پڑھنا (۲۴) یہ دعا بکثرت پڑھنا۔ **اللھم اعتقنی من النار**

(**توضیح**) اس کے علاوہ جس قدر مستحبات ہیں وہ صرف خاص خاص دعائیں اور اذکار و اوراد ہیں جنہیں بنظر اختصار قلم انداز کیا جاتا ہے شائقین دعاؤں کی مبسوط کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

وقوف مشعرالحرام

افعال حج تمتع میں سے تیسرا واجب مشعرالحرام میں وقوف کرنا ہے یہ مقام عرفات اور منی کے درمیان واقع ہے۔ غروب آفتاب کے بعد حجاج کرام عرفات سے روانہ ہو کر مشعر الحرام پہنچتے ہیں۔ (جسے مزدلفہ بھی کہا جاتا ہے) تا کہ وہاں مغرب و عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت کیساتھ ملا کر پڑھیں (مغرب کے نوافل نماز عشاء کے بعد پڑھے جائیں اور اسی کا نام حقیقی جمع بین الصلوتین ہے)

اور وہیں شب باشی کریں اور چونکہ بعض فقہاء اس شب باشی کو وہاں واجب جانتے ہیں اس لیے احوط یہ ہے کہ شب باشی وہاں ترک نہ کیجائے وقوف کا اصلی وقت صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک ہے جس میں قیام واجب رکنی اور دوسرا وقوف واجب غیر رکنی ہے یہ عبادت کا خاص مقام ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **فاذا افضتم من عرفات فاذ کروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروہ کما ھداکم وان کنتم من قبلہ لمن الضالین** (سورۃ بقرہ) "جب عرفات سے لوٹو تو مشعرالحرام کے پاس خدا کو یاد کرو۔ اور اس کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے ہدایت کی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے تم بھٹکے ہوئے تھے)

وقوف مشعر کے واجبات

اس وقوف کے کچھ واجبات ہیں اور کچھ مستحبات۔ واجبات دو ہیں۔ (۱) عید کی رات وہاں گزارنا (۲) دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک وہاں ٹھہرنا عام اس سے کہ کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر، پیادہ ہو یا سواری پر۔ اس وقت میں اگر کچھ کمی و بیشی ہو جائے تو اس سے اگرچہ آدمی گناہ گار ہوتا ہے مگر وقوف باطل نہیں ہوتا۔

توضیح! اگر یہ تمام وقت جنون' بے ہوشی یا نیند وغیرہ کی نذر ہو جائے تو وقوف باطل ہو جائے گا۔ اور اگر نیت کے بعد ایک لحہ بھی ٹھہرے اور بعد ازاں یہ عوارض عارض ہو جائیں تو وقوف میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ اور حج صحیح متصور ہوگا۔

وقوف مشعر کے مستحبات

اور یہ مستحبات کل ۱۵ پندرہ ہیں۔ (۱) سکینہ و وقار کے ساتھ مزدلفہ جانا۔ (۲) چلتے وقت استغفار کرنا۔ (۳) چلتے وقت بکثرت پڑھنا **اللھم اعتقنی من النار**۔ (۴) عرفات سے جاتے وقت سرخ ٹیلے کے پاس خاص دعا پڑھنا (۵) مغرب و عشاء کی نماز مشعرالحرام میں ملا کر پڑھنا (۶) وادی مشعر میں دائیں طرف قیام کرنا (۷) مشعر پہنچکر خاص دعائیں پڑھنا (۸) ساری رات عبادت خدا اور اپنے اور اپنے اہل و عیال و اہل ایمان کیلئے دعائے خیر کرنا اور توبہ و استغفار میں گزارنا (۹) اس رات کی مخصوص دعائیں پڑھنا اور طلوع صبح صادق کیساتھ ہی پہاڑ کے دامن میں روبہ قبلہ ٹھہرنا۔ اور وہاں کی مخصوص دعائیں پڑھنا۔ (۱۰) وہاں موجود قزح نامی پہاڑ پر چڑھنا اور وہاں ذکر خدا کرنا (۱۱) عامۃ الناس کا طلوع آفتاب سے تھوڑا سا پہلے وہاں سے بجانب منی روانہ ہونا۔ مگر یہ خیال رکھنا کہ طلوع آفتاب سے پہلے وادی محسّر میں داخل نہ ہوں۔ (۱۲) طلوع آفتاب سے پہلے "ثبیر" نامی پہاڑ پر سات بار اپنے گناہوں کا اقرار کرکے پھر سات بار استغفار کرنا۔ (۱۳) مشعر الحرام سے منی جاتے وقت ذکر خدا اور استغفار میں مشغول رہنا (۱۴) منی جاتے وقت سکینہ و وقار کیساتھ چلنا۔ ہاں البتہ وادیٔ محسّر میں پہنچنے کے بعد تیز تیز چلنا اور اگر سوار ہو تو سواری کو تیز چلانا اور تیز چلتے وقت مخصوص دعا پڑھنا۔ (۱۵) رمی جمرات کیلئے مشعر الحرام سے رات کے وقت کنکریاں اکٹھی کرنا اور یہ کل ستر کنکریاں ہیں احتیاطاً کچھ زیادہ جمع کر لی جائیں۔ اگرچہ یہ کنکریاں حرم کی کسی جگہ سے اکٹھی کی جا سکتی ہیں مگر افضل یہی ہے کہ مشعر الحرام سے جمع کی جائیں ہاں غیر حرم سے ان کا اٹھانا جائز نہیں ہے۔

توضیح! ان کنکریوں میں چند چیزیں مستحب ہیں۔ (۱) مشعر الحرام (یا منی) سے اکٹھی کی جائیں (۲) سرمئی رنگ کی ہوں (۳) دھاری دار ہوں (۴) نرم ہوں سخت نہ ہوں (۵) انگلی کے سرے کے برابر ہوں (۶) چنی جائیں کوئی پتھر توڑ کر نہ بنائی جائیں۔ (۷) پاک و صاف ہوں۔

وقوف اختیاری و اضطراری کی بحث

(۱) وقوف عرفات اور وقوف مشعر کے دو دو وقت ہیں ایک وقت اختیاری ہے (جو کہ صاحبان اختیار کیلئے ہے) اور دوسرا وقت اضطراری ہے (جو کہ صاحبان اعذار کیلئے ہے) ان اوقات کی تفصیل یہ ہے (۱) وقوف عرفات کا اختیاری وقت نویں ذی الحجہ کو زوال آفتاب سے لیکر غروب آفتاب تک ہے۔ (۲) اور اس کا وقت اضطراری عید الاضحی کی رات ہے اور وقوف مشعر کا اختیاری وقت عید کے دن طلوع صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک ہے اور اس کے اضطراری وقت دو ہیں۔ (۱) عید کی رات (یعنی اصلی وقت سے پہلے) عید والے دن یعنی طلوع آفتاب سے لیکر زوال آفتاب تک۔

ادراک وقوفین کے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص عرفات اور مشعر الحرام کے دونوں اختیاری اوقات کو پالے تو اس کا حج بلا اشکال صحیح ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر کسی شخص کے وقوف عرفات اور وقوف مشعر کے دونوں وقت (اختیاری و اضطراری) فوت ہو جائیں تو بلا شبہ اس کا حج تمتع باطل ہو جائے گا اور اسی احرام کیساتھ مکہ مکرمہ جا کر عمرہ مفردہ بجالائے گا۔ اور ہر وہ شخص جو احرام حج باندھ چکا ہو اور کسی وجہ سے وہ حج ادا نہ کر سکے تو اس کا حکم بھی یہی ہے اور اگر اس کے ذمہ حج مستقر تھا یا سال آئندہ تک اس کی استطاعت باقی رہ جائے۔ تو آئندہ سال اس پر حج تمتع واجب الادا ہوگا ورنہ نہیں۔

مسئلہ ۳۔ اور اگر کوئی شخص عرفات کا وقوف اختیاری اور مشعر کا وقوف اضطراری درک کرے یا اسکے برعکس مشعر کا وقوف اختیاری اور عرفات کا اضطراری درک کرے تو بھی اس کا حج صحیح ہے

مسئلہ ۴۔ اگر دونوں کے وقوف اختیاری فوت ہو جائیں مگر دونوں کے وقوف اضطراری کو درک کرلے تب بھی اس کا حج صحیح ہوگا۔

مسئلہ ۵۔ عرفات کا وقوف اختیاری اور اضطراری دونوں فوت ہو جائیں اور مشعر کا اختیاری وقوف بھی فوت ہو جائے اور صرف اس کا اضطراری درک کیا جائے تو مشہور قول یہ ہے کہ اس کا حج باطل ہوگا۔ وھو الاحوط۔

مسئلہ ۶۔ اور اگر سابقہ مسئلہ کا عکس ہو یعنی مشعر کا وقوف اختیاری و اضطراری دونوں فوت ہو جائیں اور عرفات کا وقوف اختیاری حاصل کر لیا جائے تو مشہور قول یہ ہے کہ حج صحیح ہے۔

مسئلہ ۷۔ سابقہ مسئلہ کے برعکس اگر عرفات کے دونوں وقوف (اختیاری و اضطراری) فوت ہو جائیں لیکن مشعرِ حرام کا وقوفِ اختیاری پا لیا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ حج صحیح ہوگا

توضیح مسئلہ ۸۔ اگر صرف عرفہ کا وقوف اضطراری درک کیا جائے اور عرفہ کا اختیاری اور مشعر کے دونوں وقوف (اختیاری و اضطراری) فوت ہو جائیں تو اس سے حج باطل ہو جاتا ہے

اگر مخالفین چاند ہونے کا فیصلہ کر دیں اور ہمارے موازین شرعیہ کے مطابق چاند ثابت نہ ہو یعنی ان کے نزدیک ۹ویں ذی الحجہ ہو اور ہمارے نزدیک آٹھویں ہو تو تقیہ کے طور پر ان کے ساتھ حج کرنا کافی نہیں ہے۔ لہٰذا جس طرح بھی ہو سکے اگر عرفہ کا وقوف اختیاری یا اضطراری پایا جا سکے تو فبہا۔ ورنہ اگر مشعر الحرام کا وقوف اختیاری بھی درک کر لیا تو حج صحیح ہوگا۔ اور اگر ایسا بھی نہ ہو سکا تو حج صحیح نہ ہوگا اور ان لوگوں کیساتھ کیا ہوا وقوف کافی نہیں ہوگا علی الاحوط بنا بر اقویٰ مگر یقہ کار کو ترک نہ کیا جائے۔

اعمال و افعال منیٰ کا بیان

ہر عبادت و اطاعت کی کوئی اصلی غرض و غایت ہوتی ہے اور وہ یہاں ہے ذکر خدا، طلب مغفرت اور اعلاء کلمۃ اللہ۔ مگر دور جاہلیت میں عربوں نے عبادات حج کو ذاتی وقار و خاندانی نمائش کا وسیلہ بنا لیا تھا وہ بزعم خود مناسک حج سے فارغ ہو کر مقام منیٰ میں جمع ہوتے اور یہاں ہر قبیلہ بڑھ چڑھ کر اپنے آباؤ اجداد کی خوبیاں اور ان کے کارنامے بیان کرتا تھا لہٰذا اس اجتماع کی حیثیت ایک مفاخرتی میلہ کی سی بن کر رہ گئی تھی اس میں اسلام نے یہ اصلاح کی کہ آباؤ اجداد کے محاسن بیان کرنے کی بجائے ذکر خدا کو واجب قرار دیا چنانچہ اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا (سورۃ بقرہ) "جس طرح اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے ہو اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ خدا کا ذکر کرو) بہرحال ویسے تو منیٰ میں پانچ اعمال واجب ہیں مگر بروز عید قربان فقط تین واجب ہیں۔ جو کہ حج تمتع کے اعمال میں سے نمبر ۴، ۵، ۶ ہیں اور اعمال منیٰ میں نمبر ۱، ۲، ۳ ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) رمی جمرہ عقبہ (۲) قربانی کرنا (۳) حلق یا تقصیر

رمی جمرہ عقبہ

چنانچہ جب حاجی بروز عید الاضحی طلوع آفتاب کے بعد مشعر الحرام سے روانہ ہو کر منی پہنچے تو وہ وہاں اس دن ترتیب وار تین عمل بجا لائے۔

(۱) جمرۂ عقبہ کو کنکر مارے (۲) اس کے بعد قربانی کرے (۳) بعد ازاں حلق یا تقصیر کرے۔ مخفی نہ رہے کہ کل جمرے تین ہیں جمرہ اولی جمرہ وسطی اور جمرہ عقبی۔ چنانچہ جناب خلیل خدا کی تقلید و تاسی میں پہلے دن بروز عید صرف جمرہ عقبہ کو کنکر مارتے ہیں جس سے اصل مقصد طبیعت سے نفس امارہ اور شیطان رجیم کو دور کرنا ہے اس رمی جمرہ کے کچھ واجبات ہیں اور کچھ مستحبات

واجبات رمی

چنانچہ اس کے واجبات سات ہیں (۱) نیت کرنا جیسا کہ حج کے ہر عمل سے پہلے بالوضاحت اس کی نیت واجب ہوتی ہے۔ جن میں ادا یا قضا' اصالت یا نیابت وجوب یا استحباب کی احت کی جاتی ہے۔ (۲) وقت' وہ عید کے دن طلوع آفتاب سے لیکر اس وقت تک ہے جبکہ غروب آفتاب میں صرف قربانی کرنے یا حلق یا تقصیر کرنے کا وقت باقی رہ جائے۔

(نوٹ) اگر کوئی شخص اس دن جمرہ عقبہ کو کنکر مارنا بھول جائے تو ۱۱'۱۲'۱۳ ذی الحجہ تک اسے ادا کر سکتا ہے اور اگر ۱۳ تک یاد نہ آئے تو اس کا وقت ختم ہو جائیگا اگلے سال خود یا بذریعہ نائب اس فرض کو ادا کرے گا۔ (۳) سات کنکر مارنا (۴) پھینکنا صادق آئے صرف کنکر کا جمرہ پر رکھ دینا کافی نہیں ہے۔ (۵) کنکر کا جمرہ کو لگنا (۶) یکے بعد دیگرے کنکر مارنا لہذا یکبارگی سات کنکر مارنا کافی نہیں ہے۔ (۷) ترتیب کا ملحوظ رکھنا کہ پہلے رمی کی جائے اس کی بعد قربانی کیجائے اور آخر میں حلق یا تقصیر کی جائے ان کنکروں کو کیسا ہونا چاہئے؟ اس کی تفصیل وقوف مشعر الحرام کے مستحبات کے عنوان کے ذیل میں بیان کی جاچکی ہے۔

کنکر مارنے کے مستحبات

اور یہ مستحبات بارہ ہیں (۱) کنکر مارنے والا حدث سے پاک ہو یعنی غسل یا وضو کئے ہوئے ہو۔ (۲) زوال آفتاب کے وقت کنکر مارے جائیں۔ (۳) رمی کیلئے جاتے وقت سکینہ و وقار کے ساتھ جائے۔ (۴) جمرہ اور رمی کرنے والے کے درمیان کم از کم دس ہاتھ کا فاصلہ ہو اور اگر پندرہ ہاتھ کا ہو تو افضل ہے۔ (۵) بائیں ہاتھ میں کنکر لیکر دائیں ہاتھ سے مارے جائیں۔ (۶) مخصوص

طریقہ پر مارے یعنی انگوٹھے کے اوپر والے پور پر رکھ کر انگشت شہادت کے ناخن سے مارے (۷) پا پیادہ مارے اگرچہ سوار ہو کر مارنا بھی جائز ہے۔ (۸) پشت بہ قبلہ ہو کر جمرہ کے سامنے والے رخ کی طرف سے مارے (۹) جمرہ کے قدرے دائیں طرف سے ہو کر مارے (۱۰) بائیں ہاتھ میں کنکر لیکر یہ دعا پڑھے۔ "**اللهم هذه حصياتي فا حصهن لي وار فعهن لي عملي**" (۱۱) ہر کنکر مارتے وقت تکبیر کہے اور دعا پڑھے (اس وقت کی ایک مخصوص دعا ہے) (۱۲) جب کنکر مار کر واپس لوٹے تو اس وقت کی خاص دعا پڑھے۔

قربانی کا بیان

حج تمتع کے واجبات میں سے پانچواں اور اعمال منی میں سے دوسرا عمل قربانی کرنا ہے جو کہ فریضہ حج کی روح رواں ہے اور یہ ہر شخص کی طرف سے ایک قربانی واجب ہے اور اگر ایک سے زائد کی جائے تو مستحب ہے جس کی کوئی حد بندی نہیں ہے اور اس میں نیت کرنا بھی واجب ہے۔ دور جاہلیت میں قربانی کے جانور کا خون خانہ کعبہ کی دیواروں پر لگاتے تھے اور اسے قرب خدا کا ذریعہ جانتے تھے۔ خدا نے یہ جاہلانہ رسم مٹاتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ **لن ينال الله لحو مها ولا دما ئها ولكن يناله التقوى** (حج) "خدا تک قربانی کا گوشت اور اس کا خون نہیں پہنچتا بلکہ اس تک صرف تقوی پہنچتا ہے"

قربانی کے واجبات مخفی نہ رہے۔

واجبات و شرائط کل آٹھ ہیں۔

۱۔ قربانی کا جانور اونٹ ۔ یا گائے یا بھیڑ و بکری ہونا چاہیئے ۔

۲۔ سن یعنی جانور اگر اونٹ ہے تو چار سال کا ہو اور پانچویں میں داخل ہو اور بکری ہے تو ایک سال کی ہو اور دوسرے میں داخل ہو گو سفند ہے تو چھ ماہ کی ہو اور ساتویں ماہ میں داخل ہو اگرچہ احوط یہ ہے کہ اونٹ پورے پانچ سال کا ہو اور چھٹے میں داخل ہو بکری دو سال کی ہو اور تیسرے سال میں داخل ہو اور گو سفند ایک سال کا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو۔

۳۔ صحیح و سالم ہو۔ عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں ہے اور عیب دار ہونا ایک عرفی چیز ہے جس چیز کو عرف عام میں عیب و نقص کہا جائے اور اس کی وجہ سے حیوان کی قیمت میں کمی واقع ہو جائے تو اسے عیب تصور کیا جائے گا بنا بریں لنگڑے' لولے' اندھے' کانے' بیمار' کان کٹے' دم کٹے' اندر سے سینگ ٹوٹے' خصی' بہت کمزور' اور بہت بوڑھے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

توضیح

اگر کان وغیرہ میں صرف سوراخ ہو مگر کان کا کوئی حصہ ضائع نہ ہوا ہو یا باہر سے سینگ ٹوٹا ہوا ہو اور اندر کا حصہ موجود ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ احوط یہ ہے کہ ایسے جانور سے بھی اجتناب کیا جائے۔

۴۔ روز عید قربانی کی جائے اور اگر کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر بروز عید نہ کرسکے تو تیرہ ذوالحجہ بلکہ آخر ذوالحجہ تک کرسکتا ہے۔ اگرچہ عمداً تاخیر کرنے سے آدمی گناہگار ہو جاتا ہے مخفی نہ رہے کہ یہ رعایت صرف حجاج کیلئے ہے اور شہروں اور عام لوگوں کیلئے مستحبی قربانی صرف ۱۲ ذی الحجہ تک کی جاسکتی ہے۔

۵۔ یہ قربانی منی کی حدود کے اندر کی جائے اور اس ذبح شدہ جانور کو منی سے باہر نہ لےجایا جائے۔

۶۔ احتیاط وجوبی یہ ہے کہ اس گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ (۱) اپنے کھانے کیلئے۔ اس حصے میں سے کچھ کھائے۔ (۲) صدقہ کرے کیونکہ قربانی کا مقصد ہی غریبوں کی ضیافت ہے۔ (۳) پڑوسیوں کو ہدیہ دینے کیلئے اور اگر کوئی سارا حصہ نہ لے تو صرف ایک فقیر مومن کو کچھ حصہ صدقہ اور کسی ایک مومن ہمسایہ کو کچھ ہدیہ دے دے اور اگر کوئی نہ لے یا کوئی نہ ملے تو یہ بری الذمہ ہے۔

۷۔ ترتیب یعنی پہلے رمی جمرہ عقبہ' پھر قربانی بعد ازاں حلق یا تقصیر۔ اور اگر کوئی شخص اس ترتیب کی خلاف ورزی کرے تو گناہ گار ہوگا مگر اعادہ لازم نہیں ہے اگرچہ احوط ہے۔

۸۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ واجبی قربانی میں کئی حاجیوں کی شرکت کا جواز قوت سے خالی نہیں ہے مگر احوط یہی ہے کہ قول مشہور کے مطابق عمل کیا جائے ہاں البتہ مستحبی قربانی میں نہ صرف سات بلکہ ستر افراد کی شرکت کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے ہاں اپنے ہاتھ سے جانور کا ذبح کرنا ضروری نہیں ہے اگرچہ مستحب ہے۔ اسی طرح ذبح کے وقت حاضر ہونا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ صرف مستحب ہے اور نیت ذبح کرنے والا کرے گا اگرچہ مستحب یہ ہے کہ وہ دونوں نیت کریں اور کوئی شخص قربانی کا جانور خریدنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ قربانی کے عوض دس روزے رکھے تین روزے مسلسل موسم حج میں رکھے (افضل یہ ہے کہ ۷'۸'۹ ذی الحجہ میں

یعنی ویسے تمام ذی الحجہ میں رکھے جا سکتے ہیں) اور سات واپس وطن پہنچ کر رکھے جن میں تسلسل ضروری نہیں ہے۔

قربانی کے مستحبات

اور یہ مستحبات چھ ہیں۔ (۱) یہ جانور موٹا تازہ ہو (۲) افضل یہ ہے کہ اونٹ اس کے بعد گائے بعد ازاں بھیڑ بکری (۳) اونٹ اور گائے ہو تو مادہ ہو۔ بھیڑ بکری کی قسم سے ہو تو نر ہو۔ (۴) گوسفند ہو تو سیاہ یا سیاہی مائل ہو۔ (۵) خود ذبح کرے اور اگر خود ذبح نہ کر سکتا ہو تو چھری ہاتھ میں لے اور دوسرا شخص اس کے ہاتھ کو دبائے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو ذبح کے وقت حاضر ہو اور ذابح کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔ ۶۔ ذبح کے وقت رو بہ قبلہ ہو کر یہ دعا پڑھے۔

وجہت وجہی الخ

حلق یا تقصیر

حج تمتع کے واجبات میں سے چھٹا واجب اور بروز عید قربان اعمال منی میں سے تیسرا عمل حلق یا تقصیر ہے مشہور و منصور قول یہ ہے کہ جو شخص پہلی بار حج ادا کر رہا ہو یا جس کے سر کے بال شہد یا گوند کیساتھ جڑے ہوئے ہوں یا جس کے بال وسط سے بندھے ہوئے ہوں اس کیلئے سر کے بال منڈوانا واجب ہیں اور جو ایسا نہ ہو اس کیلئے حلق اور تقصیر (سر یا ریش یا مونچھ کے چند بال کٹوانے یا ناخن کٹوانے) میں اختیار ہے اور عورت کیلئے حلق نہیں ہے بلکہ اس کیلئے تقصیر متعین ہے اور جو شخص بالکل گنجا ہو اس کیلئے تقصیر لازم ہے اور احوط یہ ہے کہ سر پر استرا بھی پھروائے باقی ماندہ اعمال حج بجا لانے کیلئے مکہ جانے سے پہلے حلق یا تقصیر واجب ہے اور اگر کوئی شخص بھول کر یا مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے حلق یا تقصیر کیے بغیر منی سے باہر چلا جائے تو حتی الامکان اس کیلئے واپس منی آنا ممکن ہو تو وہاں یہ عمل بجا لانا لازم ہے اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو یا سخت زحمت کا باعث ہو تو پھر جہاں بھی ہو وہیں حلق یا تقصیر کرے البتہ اس صورت میں احوط یہی ہے کہ وہ بال یا ناخن منی بھیجے تاکہ وہاں دفن کیے جائیں۔

توضیح

مخفی نہ رہے کہ احرام باندھنے سے جو چیزیں حرام ہو جاتی ہیں حلق یا تقصیر کرنے سے بعد

سوائے تین چیزوں کے باقی سب حلال ہو جاتی ہیں اور وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ (۱) شکار (۲) عورت (۳) خوشبو پس حاجی جب مکہ جا کر طواف حج کرے گا تو خوشبو حلال ہو جائے گی اور جب طواف النساء کرے گا تو عورتیں بھی حلال ہو جائیں گے باقی رہا شکار تو حرم کے اندر شکار ہر حال میں حرام ہے اگرچہ آدمی مُحرم نہ ہو۔

حلق یا تقصیر کے مستحبات کا تذکرہ

حلق یا تقصیر کرتے وقت نیت اور قصد قربت تو بہرحال واجب ہے اس کے علاوہ اس میں چند امور مستحب ہیں۔ (۱) دائیں طرف سے منڈوانے کی ابتدا کرنا اور بائیں جانب پر اختتام کرنا۔ (۲) روبہ قبلہ ہو کر سر منڈوانا (۳) بسم اللہ پڑھنا اور یہ دعا پڑھنا۔ **اللھم اعطنی بکل شعرۃ الخ** (۴) اپنے خیمہ کے اندر ان بالوں کو دفن کرنا۔

حج تمتع کے باقیماندہ سات اعمال کا بیان

ان اعمال منیٰ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حج تمتع کے سات عمل باقی رہ جاتے ہیں جن میں سے پانچ اعمال یہ ہیں۔

۱۔ طواف حج کرنا (۲) اس کی دو رکعت نماز پڑھنا (۳) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا (۴) طواف النسا کرنا (۵) اور اس کی دو رکعت نماز پڑھنا یہ پانچوں اعمال مکہ مکرمہ میں ادا کیے جاتے ہیں اور دو یہیں منیٰ میں انجام دیے جاتے ہیں (۱) گیارہ و بارہ ذی الحجہ کی شب باشی (۲) گیارہ و بارہ ذی الحجہ کو دن کے وقت تینوں جمروں کو کنکریاں مارنا اگر کوئی شخص عید کے دن اعمال منیٰ بجا لا کر نڈھال نہ ہو جائے (جیسا کہ اکثر لوگ ہو جاتے ہیں) بلکہ جسم میں تاب و توانائی باقی ہو تو افضل یہ ہے کہ اسی دن (بروز عید) اعمال منیٰ سے فارغ ہو کر سیدھا مکہ جائے اور وہاں جا کر مذکورہ بالا پانچ واجبات حج تمتع بجالائے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ طواف حج (جسے طواف زیارت بھی کہا جاتا ہے) بجا لائے اس طواف کی کیفیت' اس کے واجبات اور مستحبات بعینہ وہی ہیں جو طواف عمرہ کے سلسلہ میں بیان ہو چکے ہیں صرف اس کی نیت اس سے جدا ہے۔

۲۔ اس طواف کی دو رکعت نماز ہے اس کی ادائیگی کا طریقہ کار بھی وہی ہے جو طواف عمرہ کی نماز کا بیان کیا جا چکا ہے۔

۳۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا۔ اس سعی کی کیفیت اور اس کے شرائط' واجبات' مستحبات

اور مکروہات وہی ہیں جو عمرہ تمتع کی سعی کے ہیں جو تفصیل سے پہلے ذکر ہو چکے ہیں۔

۴۔ طواف النساء سعی کے بعد طواف النساء واجب ہے۔ اس کا طریقہ کار' اس کے فرائض و سنن اور دیگر آداب وغیرہ بعینہٖ وہی ہیں جو طواف حج وغیرہ کے ہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف نیت کا اور اس کی ادائیگی کے بغیر مرد کیلئے عورت اور عورت کیلئے مرد حلال نہیں ہوتا۔

۵۔ اس طواف کی دو رکعت نماز اس کی کیفیت وہی ہے جو طواف عمرہ و حج کی نماز کی ہے۔ سوائے نیت کے اور کوئی فرق نہیں ہے پھر اسی دن (بروز عید) واپس منیٰ چلا جائے۔ تاکہ حج کے باقیماندہ دو عمل وہاں بجا لا سکے (۱۱ر ۱۲ ذی الحجہ کی منیٰ میں شب باشی اور ۱۱ر ۱۲ ذی الحجہ کے دن کے وقت رمی جمرات) اور کوئی شخص تھکاوٹ وغیرہ کی وجہ سے بروز عید مکہ جا کر یہ مذکورہ بالا اعمال نہ بجا لا سکے تو ۱۱ ذی الحجہ تک بلکہ ۱۲ تک بلکہ بعض صورتوں میں ۱۳ تک ان کو موخر کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ احوط یہ ہے کہ ۱۱ ذی الحجہ سے زیادہ انہیں موخر نہ کیا جائے۔

توضیح

واجب یہ ہے کہ مذکورہ بالا پانچوں اعمال کو بروز عید منیٰ والے تین اعمال کے بعد بجا لایا جائے۔ اور ان کو ان پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے مگر دو صورتوں میں (۱) وہ عورت جسے اندیشہ ہو کہ منیٰ سے مکہ واپسی تک وہ حیض یا نفاس میں مبتلا ہو جائے گی۔ (۲) وہ بوڑھا یا کمزور آدمی جو منیٰ سے واپسی پر کثرت اژدہام کیوجہ سے یہ اعمال نہ بجا لا سکتا ہو ان کیلئے جائز ہے۔ کہ منیٰ جانے سے پہلے یہ اعمال بجا لائیں۔ اگرچہ ان کیلئے بھی احوط یہ ہے کہ منیٰ سے واپسی پر اگر ممکن ہو تو ان اعمال کا اعادہ کریں۔ اور اگر کوئی عورت اعمال منیٰ کے بعد مکہ واپسی پر ان مذکورہ بالا اعمال کی ادائیگی سے پہلے حیض یا نفاس میں مبتلا ہو جائے تو ذی الحجہ کے آخر تک ان اعمال کی ادائیگی کو مؤخر کر سکتی ہے اور اگر قافلہ کے چلے جانے یا کسی اور وجہ سے آخر ذی الحجہ تک وہ وہاں نہ ٹھہر سکتی ہو تو پھر طواف حج اور اس کی نماز کیلئے کوئی نائب بنائے گی۔ بعد ازاں سعی خود کرے گی۔ اور پھر طواف نساء اور اس کی نماز کیلئے بھی کسی کو اپنا نائب بنائے گی اور اسطرح اعمال حج سے فارغ ہو جائے گی۔

۱۱/۱۲ ذی الحجہ کی راتیں منیٰ میں گزارنا

حج تمتع کا بارہواں واجب یہ ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی دونوں راتیں منیٰ میں

گزاری جائیں۔ ان میں اور کچھ واجب نہیں ہے صرف نیت کرکے شب باشی واجب ہے اور سوائے درج ذیل صورتوں کے یہ راتیں منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ گزارنی جائز نہیں ہیں اور وہ صورتیں یہ ہیں۔

(۱) مکہ مکرمہ میں ساری رات عبادت خدا میں گزاری جائے اور حوائج ضروریہ کے علاوہ اور کوئی کام نہ کیا جائے۔ ۔

(۲) کوئی اور معقول عذر ہو۔ جیسے چرواہے' حاجیوں کو پانی پلانے والے یا وہ لوگ جن کو منیٰ میں جان و مال کا خوف ہو۔ یا جیسے بیمار اور اس کا تیمار دار

مسئلہ ۱۔ جس شخص نے احرام حج کی حالت میں شکار کیا ہو یا اپنی عورت سے مباشرت کی ہو اس کیلئے ۱۳ ذی الحجہ کی رات بھی منیٰ میں گزارنا واجب ہے۔

مسئلہ ۲۔ نیز یہ بھی خیال ہے کہ شب باشی غروب آفتاب سے لیکر نصف شب کے بعد تک واجب ہوتی ہے اس کے بعد نہیں جانا چاہے تو جا سکتا ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ تمام رات وہیں گزاری جائے۔ اور احوط یہ ہے کہ طلوع صبح صادق سے پہلے مکہ میں داخل نہ ہو۔

اور اگر کوئی شخص اس واجب کو بلا عذر ترک کرے یعنی منیٰ میں شب باشی نہ کرے تو اس پر بطور کفارہ ایک بکری واجب ہے۔

۱۱/۱۲ ذی الحجہ کو رمی جمرات کرنا

حج تمتع کا تیرہواں اور آخری واجب گیارہ' بارہ ذی الحجہ کو منیٰ میں تینوں جمروں (جمرہ اولیٰ' جمرہ وسطیٰ اور جمرہ عقبہ) کو کنکریاں مارنا ہے اور جس شخص پر تیرہ[۱۳] ذی الحجہ کی رات منیٰ میں بسر کرنا واجب ہے اسے ۱۳ ذی الحجہ کو بھی رمی جمرات کرنا پڑے گی۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ اس رمی جمرات کے واجبات' مستحبات اور آداب وہی ہیں جو قبل ازیں جمرہ عقبہ کو کنکر مارنے کے ذیل میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگرچہ دن کے کسی بھی وقت رمی جمرات کی جا سکتی ہے مگر زوال کا وقت افضل ہے

مسئلہ ۲۔ کنکر مارنے میں ترتیب کا ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے اور اگر ترتیب میں خلل پڑ جائے تو از سر نو اس طرح کنکر مارے کہ ترتیب حاصل ہو جائے۔

مسئلہ ۳۔ کسی عذر شرعی کی بنا پر رات کو بھی رمی جمرات کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ ۴۔ اگر کسی دن رمی ترک ہو جائے تو اس سے اگلے دن پہلے اسکی قضا کرے پھر اس دن کے کنکر مارے اور اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے اور غروب تک تندرستی کی امید نہ ہو تو اسے چاہیے کہ کنکر مارنے کیلئے اپنا کوئی نائب بنائے۔

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی شخص عمداً رمی جمرات ترک کر دے تو اس سے حج باطل تو نہ ہوگا اور وہ شخص مُحِل بھی ہو جائے گا مگر بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو سال آئندہ ایسا آدمی حج کی قضا کرے۔ واللہ العالم

مسجد خیف کے اعمال

مسجد خیف (جو کہ بمقام منیٰ ایک عظیم المرتبت مسجد ہے) اس کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ منیٰ سے نکلنے سے پہلے اس میں ایک سو رکعت پڑھنا ستر سال کی عبادت کے برابر ہے اس لیے مستحب یہ ہے کہ منیٰ کے دوران قیام میں حاجی اپنی تمام فرض و سنت نمازیں مسجد خیف میں پڑھے اور اگر تمام نہیں تو بعض تو ضرور پڑھے۔ روایت میں وارد ہے کہ جو شخص اس مسجد میں ایک سو بار سبحان اللہ پڑھے تو اسے ایک بندہ کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور جو سو مرتبہ لاالٰہ الا اللہ کہے اسے ایک نفس کو زندہ کرنے کا ثواب مل جاتا ہے اور جو صرف سو بار الحمد للہ کہے اسے عراقین کے اس خراج کے برابر ثواب ملتا ہے جسے اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے۔ نیز مستحب ہے کہ طواف وداع کی خاطر مکہ جاتے وقت اس مسجد میں چھ رکعت نماز پڑھی جائے۔

طواف وداع

جو شخص مکہ والے پانچ اعمال بروز عید یا ۱۱ ذی الحجہ کو ادا کر چکا ہو وہ اگرچہ ۱۲ ذی الحجہ کو رمی الجمرات کے بعد جہاں جانا چاہے جا سکتا ہے مگر اس کے لیے افضل یہ ہے کہ ۱۲ کو منیٰ سے فارغ ہو کر اور مسجد خیف میں ۶ رکعت نماز نوافل پڑھ کر مکہ جائے اور غسل کر کے مکہ و مسجد الحرام میں داخل ہو اور وہاں جا کر طواف وداع ادا کرے۔

بعض مستحبات مکہ کا بیان

(۱) تا با مکان خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا کیونکہ اس میں داخل ہونا رحمت خداوندی میں داخل ہونے کے مترادف ہے۔ اور اس سے نکلنا گناہوں سے نکلنے کا باعث ہے۔

(۲) جس قدر ہو سکے زیادہ سے زیادہ طواف کرنا۔ کیونکہ یہ نماز کی طرح عبادت ہے بلکہ یہ حاجی کیلئے نماز نافلہ سے افضل ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' آئمہ ھدیٰ' اپنے والدین' اہل ایمان اور اپنے اہل و عیال کیلئے طواف کرنا مستحب ہے اور آخر میں دو رکعت نماز طواف پڑھی جائے کہ یہ امر باعث اجر عظیم ہے۔ اہل ایمان کی پوری جماعت کیلئے ایک طواف ان کو ہدیہ کیا جا سکتا ہے۔

(۴) مستحب ہے کہ سال کے دنوں کے برابر ۳۶۰ طواف کئے جائیں اور اگر اسقدر نہ ہوسکیں تو اتنے چکر ہی لگائے جائیں۔ مخفی نہ رہے کہ سات چکروں کو ایک طواف کہا جاتا ہے۔

(۵) آئندہ سال دوبارہ حج کیلئے آنے کا عزم کرنا۔ (۶) مکہ مکرمہ میں ایک قرآن ختم کرنا۔ (۷) حطیم کے پاس جا کر دعا و پکار اور توبہ و استغفار کرنا کہ اسی جگہ خالق تواب نے جناب آدم کی توبہ قبول کی تھی۔ (۸) مکہ میں اسلحہ ظاہر نہ کیا جائے۔ (۹) مولد نبیؐ (۱۰) جناب خدیجہؑ کے گھر جانا وہاں جہاں پیغمبر اسلامؐ رہا کرتے تھے۔ (۱۱) مسجد ارقم میں جانا اور وہاں نماز پڑھنا۔ (۱۲) غار حرا کی زیارت کرنا جہاں وحی کی ابتدا ہوئی تھی۔ (۱۳) جبل ثور والی غار دیکھنا جہاں حضرت رسولؐ خدا نے پناہ لی تھی (۱۴) جناب ابو طالبؑ کے گھر کی زیارت کرنا (۱۵) جنت المعلیٰ میں جناب عبد منافؑ (۱۶) جناب ابو طالبؑ (۱۷) جناب عبدالمطلبؑ (۱۸) جناب آمنہ بنت وہب کی قبور مقدسہ کی زیارت کرنا (۱۹) جناب ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؑ کی قبر (جو کہ بمقام حجون ہے) کی زیارت کرنا (۲۰) جبل ابی قبیس پر چڑھنا جہاں شق القمر کا معجزہ رونما ہوا تھا۔

عمرہ مفردہ کا بیان

چونکہ سابق اوراق میں کئی جگہ عمرۂ مفردہ کا ذکر آیا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اجمالاً اس کا تذکرہ بھی کر دیا جائے۔ سو مخفی نہ رہے کہ عمرہ مفردہ جو کہ سنت ہے سات اعمال کا مجموعہ ہے (۱) احرام جو کہ ادنی الحل (وہ قریب ترین جگہ جہاں سے حرم شروع ہوتا ہے) سے باندھا

جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے مواقیت سے بھی باندھا جاسکتا ہے۔ (۲) طواف کعبہ کرنا۔ (۳) اس کی دو رکعت نماز (۴) صفاء و مروہ کے درمیان سعی (۵) تقصیر (۶) طواف النساء ۔ (۷) اس کی دو رکعت نماز۔

عمرۂ مفردہ اور عمرۂ تمتع میں فرق

اس خیال کے پیش نظر کہ کسی کو عمرہ تمتع و عمرہ مفردہ کے درمیان اشتباہ نہ ہو یہاں ان کا باہمی فرق واضح کیا جاتا ہے اور یہ چند فرق ہیں۔ (۱) عمرہ مفردہ میں طواف النساء واجب ہے جبکہ عمرہ تمتع میں طواف النساء نہیں ہے۔ (۲) عمرہ مفردہ کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے بلکہ سال بھر میں کسی بھی وقت ادا کیا جاسکتا ہے جبکہ عمرہ تمتع کا وقت مخصوص ہے اور وہ یکم شوال سے لیکر نویں ذی الحجہ تک ہے۔ (۳) عمرہ مفردہ میں محل ہونے کیلئے حلق (سر منڈوانے) یا تقصیر (چند بال کٹوانے) میں اختیار ہے جبکہ عمرہ تمتع میں تقصیر لازم ہے۔ (۴) عمرہ مفردہ کا احرام ادنی الحل سے باندھا جاسکتا ہے جبکہ عمرہ تمتع کا احرام صرف مخصوص مواقیت سے باندھا جا سکتا ہے۔

(۵) عمرہ تمتع میں ضروری ہے کہ حج و عمرہ ایک ہی سال میں ادا کیے جائیں۔ جبکہ عمرہ مفردہ میں یہ ضروری نہیں ہے۔

مدینہ منورہ کے زیارات مقدسہ کا بیان

حجاج کرام کو چاہئے کہ بیت اللہ سے روانگی کے بعد اس کی تکمیل کی خاطر مدینہ (حرم نبویؐ) جائیں اور وہاں حضرت رسولؐ خدا اور آئمہؑ بقیع کی زیارت کے شرف سے مشرف ہوں۔ حضرت رسولؐ خدا فرماتے ہیں "جو شخص حج کرے مگر میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر جفا کی ہے اور جو مجھ پر جفا کرے گا بروز قیامت میں اسے اس کی جفا کا بدلہ دوں گا اور جو میری زیارت کیلئے آئے گا تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا" (وسائل الشیعہ)

اور امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں "تمام الحج لقاء الامام (حج کا اتمام زیارت امامؑ سے ہوتا ہے) (ایضاً)"

لہٰذا حجاج بیت اللہ کو چاہئے کہ جہاں مسجد نبوی میں عبادت خدا کرنے کی سعادت حاصل کریں وہاں حضرت رسولؐ خدا اور خاتون قیامت سلام اللہ علیہا (جو کہ اپنے گھر میں مدفون ہیں اور اس وقت وہ جگہ روضہ نبوی کے حدود میں داخل ہے) اور آئمہ بقیع یعنی حضرت امام حسن مجتبیٰ

حضرت امام زین العابدین" حضرت محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام اور حضرت فاطمہ بنت اسد کی زیارت کے شرف سے اپنے آپ کو مشرف فرمائیں۔ اور بے پایاں ثواب سے دامن ایمان کو پر کریں۔ ان بزرگواروں کی زیارت اور اس کے آداب کتب عبادات میں تفصیلا مذکور ہیں ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس مختصر میں اس سے زیادہ تفصیلات کی گنجائش نہیں ہے۔ **واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین**

باب الجہاد

(وجاہدوا فی سبیلہ)

چونکہ زمانہ غیبت کبریٰ میں جہاد ابتدائی ساقط ہے۔ اس لئے ہم اس کا تذکرہ نہیں کر رہے اور جہاد دفاعی کے احکام عوام کو بھی معلوم ہیں۔ **فضلا" عن العلماء الاعلام**

اس لئے ہم اس کی بجائے جہاد کے ایک اہم شعبہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اجمالی تذکرہ' اس کے شرائط' اقسام اور اس کے احکام کا تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ارباب علم و معرفت پر مخفی و مستور نہیں ہے کہ تمام اسلامی واجبات و فرائض میں سے اہم و افضل اور اعلیٰ و اشرف فریضہ امر بالمعروف و نہی از منکر ہے۔ اس کی فضیلت و منزلت اور بجا آوری کی تاکید مزید اور اس کے ترک کرنے کی مذمت و منقصت سے پورا قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا پورا دفتر چھلک رہا ہے۔ اس کی بلندی شان و رفعت مکان کو سمجھنے کے لئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا یہی ایک فرمان کافی ہے۔ فرماتے ہیں۔ **وما اعمال البر کلھا والجہاد فی سبیل اللہ عند الامر بالمعروف والنھی عن المنکر الا کنفثۃ فی بحر لجی۔** (نہج البلاغہ) تمام نیکیاں مع جہاد فی سبیل اللہ کے (از روئے اجر و ثواب) امر معروف اور نہی از منکر کے مقابلہ میں ایسی ہیں۔ جیسے بحر کنار کے مقابلہ میں پانی کا ایک قطرہ۔ اس قسم کی تمام آیات و روایات کا عدو احصاء تو اس مختصر باب میں ممکن نہیں ہے۔ البتہ بطور تبرک و تیمن و بطور ایقاظ علماء و تنبیہہ عوام و امراء ذیل میں چند آیات درج کی جاتی ہیں اور ان کے بعد چند مستند روایات پیش کی جائیں گی۔ انشاء اللہ

فضیلت امر و نہی از روئے قرآن

اگر بنظر غائر اس سلسلہ میں وارد شدہ آیات مبارکہ کا جائزہ لیا جائے تو وہ چند قسم کی نظر آتی ہیں۔ (۱) بعض وہ ہیں جن میں اشارۃً اس فریضہ کی بجا آوری کی رغبت اور اس کے ترک کرنے کے انجام بد کا تذکرہ کیا گیا ہے اور (۲) بعض میں صراحۃً اس کی بجا آوری کا تاکیدی والزامی حکم دیا گیا ہے اور (۳) بعض وہ ہیں جن میں اسے اہل ایمان کی لازمی صفت قرار دیا گیا ہے ہر سہ (۳) اقسام میں سے یہاں صرف ایک ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔ (۱) ارشاد قدرت ہے۔ **والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنو وعملوالصلحت وتوا صوا بالحق وتوا صوا بالصبر۔** قسم ہے زمانہ کی کہ سب انسان خسارے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے اور پھر ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں۔ اس سورہ مبارکہ میں امر معروف اور نہی از منکر کی طرف اشارہ ہے اور اس کے ترک کرنے کا نقصان بیان کیا گیا ہے جو خیبت و خسران ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کی تفسیر میں لکھا ہے "**فی وجوب التواصی الی الحق اشارۃ الی الا مر بالمعروف والنھی عن المنکر**" کہ اس حق و صبر کی وصیت کرتے ہیں۔ امر بالمعروف او نہی عن المنکر کی طرف اشارہ ہے۔ (۲) ارشاد ہوتا ہے۔ **ولتکن منکم امتہ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون۔** (آل عمران)

تمہارے درمیان ایک ایسا گروہ ہونا چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے۔ نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے۔ اس آیت مبارکہ میں بطور امر (وجوب) امر معروف اور نہی عن از منکر کو واجب اور اخروی فوز و فلاح کو اسی فریضہ کی ادائیگی میں منحصر قرار دیا گیا ہے۔

(۳) قرآن کہتا ہے۔ **والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ ویطیعون اللہ ورسولہ اولئک سیرحمھم اللہ ان اللہ عزیز حکیم** (التوبہ) مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے حامی و مددگار ہیں،

نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں' وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔ ان پر خدا رحم و کرم فرمائے گا۔ بے شک خدا غالب اور حکمت والا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں خالق حکیم نے کس خوبصورتی کے ساتھ علت و معلول کے طریقہ پر اہل ایمان کی چند اعلیٰ صفات لازمہ کا تذکرہ کیا ہے کہ چونکہ وہ مومن ہیں اس لئے ایک دوسرے سے اخوت و محبت کرتے ہیں اور باہمی محبت کا لازمی امر یہ ہے کہ وہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کرتے ہیں اور اس امر و نہی کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ وہ خالق کی عبادت و بندگی بجالاتے ہیں اور چونکہ بندگی خلق و خالق کی خدمت کا نام ہے اس لئے وہ نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ بھی دیتے ہیں اور اس کارکردگی کا لازمی ثمرہ یہ ہے کہ وہ خدا و رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اس اطاعت کا لازمی انجام خدائے رحمن کی رحمت بے پایاں کا حصول ہے جو ان کے شامل حال ہے حقیقت الامر تو یہ ہے کہ اگر قرآن میں تفکر و تدبر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے خیر الامم ہونے کا راز ہی ان کی اسی صفت کا مرہون منت ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے **کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتومنون بالله** (آل عمران) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لئے پیدا کی گئی ہے تم لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے ہوئے اور برائی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان لاتے ہو۔

فضیلت امر و نہی از روئے احادیث سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام

اس سلسلہ میں بکثرت روایات معتبرہ وارد ہوئے ہیں۔ بعض میں اس کا وجوب بعض میں اس کی اہمیت اور بعض میں اس کے ترک کرنے کے برے عواقب و نتائج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ذیل میں ان کا ایک شمہ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **لا تزال امتی بخیر ما امروا بالمعروف ونهوا عن المنکر وتعاونو علی البر فاذا لم یفعلوا ذلک نزعت منهم البرکات و سلط بعضهم علی بعض ولم یکن لهم ناصر فی الارض ولا فی السماء۔** (وسائل الشیعہ) میری

امت اس وقت تک خیر و خوبی سے رہے گی جب تک امر بالمعروف اور نہی از منکر اور نیکی پر باہمی تعاون کرتی رہے گی اور جب یہ کام چھوڑ دے گی تو اس سے برکتیں سلب کر لی جائیں گی اور زمین و آسمان میں اس کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

(۲) حضرت امیر المومنین علیہ السلام ضربت لگنے کے بعد حسنین شریفین کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ **لا تترکوا الامر بالمعروف والنهی عن المنکر فیولی علیکم اشرارکم ثم تدعون فلا یستجاب لکم** (نہج البلاغہ) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کے فریضہ) کو بھی ترک نہ کرنا۔ ورنہ تم پر اشرار مسلط ہو جائیں گے اور جب تم (ان کے خلاف بد) دعا کرو گے تو قبول نہ ہوگی۔

(۳) حضرت امام باقر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں آپ امر و نہی کو "اسمی الفرائض واشرفہا" قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں "**ان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر سبیل الانبیاء و منهاج الصلحاء فریضة عظیمة بها تقام الفرائض وتامن المذاهب و تحل المکاسب و ترد المظالم وتعمر الارض و ینتصف من الاعداء ویستقیم الامر**

امر بالمعروف و نہی از منکر انبیاء کا راستہ اور صلحاء کا طریقہ ہے یہ عظیم الشان فریضہ ہے کہ جس کی برکت سے تمام فرائض ادا کئے جاتے ہیں۔ راستے پرامن ہوتے ہیں کاروبار حلال ہوتے ہیں، لوگوں کے حقوق واپس لوٹائے جاتے ہیں، زمین آباد ہوتی ہے۔ دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے اور تمام کام درست ہوتے ہیں۔ اسی حدیث کے آخر میں وارد ہے کہ خداوند عالم جناب شعیبؑ کو وحی فرمائی کہ تیری قوم میں سے ایک لاکھ آدمیوں پر عذاب نازل کر رہا ہوں۔ جنہیں چالیس ہزار اشرار و بدکار ہیں اور ساٹھ ہزار اخیار و نیکوکار ہیں۔ جناب شعیب نے عرض کیا۔ بار الہا! تو اشرار پر عذاب نازل کرے گا۔ بجا۔ مگر نیکوکاروں کا کیا قصور ہے؟ ارشاد قدرت ہوا کہ انہوں نے بدکاروں سے غلط رواداری برتی ہے اور میری ناراضی پر ناراض نہیں ہوئے (یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کیا) (فروغ کافی و تہذیب الاحکام)

(۴) نیز حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا **ویل لقوم لا یدینون الله بالامر بالمعروف والنهی عن المنکر**۔ افسوس ہے اس قوم کے لئے جو اللہ کا دین سمجھ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیتی۔ (وسائل الشیعہ)

(۵) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا "کیف بکم اذا فسدت نسائکم وفسق شبابکم ولم تامروا بالمعروف ولم تنهوا عن المنکر فقیل له ویکون ذلک یا رسول اللہ؟ فقال نعم وشر من ذلک کیف بکم اذا امر تم بالمنکر ونہیتم عن المعروف فقیل له یا رسول اللہ ویکون ذلک؟ قال نعم وشر من ذالک کیف بکم اذا رائیتم المعروف منکرا والمنکر معروفا"

(الوسائل)

اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں خراب ہو جائیں گی اور تمہارے جوان فاسق ہو جائیں گے اور تم نہ نیکی کا حکم دو گے اور نہ برائی سے روکو گے۔ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ کیا ایسا ہوگا؟ فرمایا ہاں بلکہ اس سے بھی بدتر ہوگا۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب تم برائی کا حکم دو گے اور اچھائی سے روکو گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا ہاں بلکہ اس سے بھی بدتر۔ تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب تم (ذہنی کج فہمی سے) اچھائی کو برائی اور برائی کو اچھائی سمجھنے لگ جاؤ گے" اس حدیث کا تتمہ یہ ہے کہ عرض کیا گیا اس وقت کیا ہوگا؟ فرمایا "ایسے لوگوں کو خدا تین عذابوں میں مبتلا کرے گا (۱) ناگہانی موت عام ہو جائیگی (۲) رزق سے برکت اٹھ جائیگی (۳) اشرار حاکم ہوں گے۔ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں یہ وہی دور ہے جسے صادقین کے اخبار و آثار میں "شرالازمنہ" کہا گیا ہے۔ جس میں ہماری بیماری اپنی آخری سٹیج تک پہنچ چکی ہے۔ آج حرام و حلال کے سانچے ہی بدل گئے ہیں۔ اس ذہنی انقلاب کا یہ عالم ہے کہ آج لوگ نیکی پر عمل نہیں کرتے کیونکہ اسے نیکی جانتے ہی نہیں اور برائی سے نہیں بچتے۔ کیونکہ اسے وہ برائی سمجھے ہی نہیں الغرض

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

آج عوام کا کیا شکوہ' نام نہاد خواص کا یہ عالم ہے کہ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ایک مومن متقی یہ کہہ کر موت کی تمنا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ

فیا موت زر ان الحیٰوۃ ذمیمۃ

ہمیں اپنے علماء و فقہاء رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی مخلصانہ شکوہ ہے کہ انہوں نے سب سے بڑے اسلامی فریضہ کو وہ اہمیت اور وہ مقام نہیں دیا جس کا یہ مستحق تھا چنانچہ بعض فقہائے نے تو اپنی فقہی کتابوں میں اس کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور بعض نے کیا بھی ہے تو کتاب الجہاد وغیرہ کے ذیل و ضمن میں اور یہی بے اعتنائی ہمارے اہل منبر و محراب نے اس سے روا رکھی ہے۔ جس کا منطقی و قدرتی نتیجہ قومی بحیثیت بے راہ روی اور بے عملی کی شکل میں سامنے نظر آرہا ہے۔

سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے۔

(امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرائط کا بیان)

امر و نہی کے سلسلے میں فقہاء میں چند اختلافات بھی پائے جاتے ہیں مثلاً ایک اختلاف یہ ہے آیا کہ امر معروف و نہی از منکر واجب عینی ہے یا واجب کفائی؟ اگر اظہر نہیں تو اشہر تو یہی ہے کہ یہ واجب کفائی ہے لہذا اگر معاشرہ میں اتنے افراد یہ فریضہ ادا کرنا شروع کر دیں جس سے اصلاح معاشرہ کا نیک مقصد پورا ہوجائے تو دوسروں سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔ ورنہ چونکہ واجب کفائی ابتدا میں واجب سب پر ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص بھی یہ فریضہ ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ امر و نہی کے مراتب و مدارج (جنکا تذکرہ اس باب کے آخر میں کیا جائے گا) میں سے پہلی مرتبہ یعنی معروف کے تارک اور منکر کے مرتکب سے قلبی نفرت کرنا واجب عینی ہے۔ جو ہر شخص پر ہر حال میں واجب ہے۔ اس میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس فریضہ کے چند شرائط ہیں۔ مگر اختلاف اور سخت اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا ان شرائط کا

تعلق وجوب سے ہے۔ جس سے یہ فریضہ حج زکوۃ کی مانند واجب مشروط قرار پائے گا۔ پس اگر خود بخود یہ شرائط پائے گئے تو یہ واجب ہو گا ورنہ نہیں جس طرح حج کے لئے استطاعت اور زکوۃ کیلئے نصاب کا حاصل کرنا واجب نہیں۔ اسی طرح آمر و ناہی پر بھی ان شرائط کا حاصل کرنا واجب نہ ہوگا۔ یا ان کا تعلق واجب سے ہے (جس سے یہ فریضہ نماز و روزہ کی طرح واجب مطلق قرار پائے گا اور ان شرائط کا حاصل کرنا مکلف پر واجب ہو گا اور بہرحال اس فریضہ کی ادائیگی لازم ہو گی) اقوی یہ ہے کہ ان شرائط میں سے بعض کا تعلق واجب سے ہے اور بعض کا وجوب سے بنا بریں اس فریضہ میں واجب مطلق اور واجب مشروط کے دونوں جلتے پائے جاتے ہیں۔ پس یہ من وجہ واجب مطلق ہے اور من وجہ مشروط ہے واللہ العالم بہرحال وہ شرائط ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

ا۔ معروف و منکر کی معرفت! ظاہر ہے کہ جب تک کسی شخص کو معروف (شریعت مقدسہ کے واجبات) اور منکر (شریعت مطہرہ کے محرمات) کی معرفت نہیں ہو گی اس وقت تک وہ یہ فریضہ ادا نہیں کر سکتا۔ ورنہ خطرہ اور سخت خطرہ ہو گا کہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے منکر کا حکم دے دے اور معروف سے نہی کرنے لگے۔ اس طرح اصل مقصد نہ صرف یہ کہ فوت ہو جائے گا۔ بلکہ الٹا ہوجائے گا اور فائدہ کی بجائے نقصان ہو گا حق یہ ہے کہ یہ شرط واجب ہے لہذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کیلئے بطور مقدمہ علم حاصل کرنا واجب ہو گا۔

ب۔ احتمال تاثیر = یعنی امرونہی کا فریضہ ادا کرنے کیلئے اس چیز کا علم و یقین حاصل کرنا ضروری نہیں کہ امرونہی کا ان لوگوں پر اثر ہوگا۔ جن کو امرونہی کرنی ہے۔ بلکہ اس کے اثر انداز ہونے کا احتمال و امکان ہی کافی ہے۔ (اگرچہ ایک فیصد ہی کیوں نہ ہو) لہذا اگر قرائن و شواہد سے یہ یقین ہو جائے (ظن کافی نہیں ہے) کہ ہرگز کوئی اثر نہ ہو گا تو پھر وجوب ساقط ہو جایگا۔ ورنہ احتمال تاثیر کی صورت میں واجب رہیگا۔ خلاصہ یہ کہ عدم وجوب کیلئے عام تاثیر کا علم و یقین ضروری ہے۔ اور اگر تاثیر کا امکان و احتمال ہو تو وجوب بحال رہیگا۔ بنابریں بعض بے توفیق اہل منبر جو امرونہی نہ کرنے کا یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ انہیں تاثیر کا علم و یقین نہیں ہوتا اس لئے نہیں کرتے یہ عذر لنگ ہے اور وہ اس بہانے اس فریضہ سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔

توضیح: مخفی نہ رہے کہ اس مقام پر بعض اعلام نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ شرط اس صورت میں ہے کہ لوگوں کو معروف و منکر کا علم تو ہو مگر ان پر عمل پیرا نہ ہوں۔ لیکن اگر معروف و منکر کے پیمانے ہی بدل جائیں اور لوگ منکر کو معروف اور معروف کو منکر سمجھنے لگ جائیں اور امرونہی کے ترک کرنے سے بدعات و منکرات کے ظہور کا اندیشہ ہو تو اظہار حقیقت او راتمام حجت کی خاطر بہرحال امرونہی واجب ہوگا خواہ یہ یقین بھی ہو کہ ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوگا اور اگر اور کچھ نہیں تو اس سے حجت تو تمام ہو جائیگی اسی طرح اگر علم یا ظن ہو کہ جس کو امرونہی کرنا مقصود ہے۔ گو اس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ مگر دوسرے لوگوں کے متاثر ہونے کا احتمال ہو تو پھر بھی واجب ہو گا ولا یخفی للفہ اسی طرح اگر علماء کی خاموشی سے ظالموں کی تقویت ہو یا علماء کے متعلق یہ سوء ظن پیدا ہو کہ وہ ظالموں کے پشت پناہ ہیں۔ تب بھی امرونہی واجب ہو گا اگرچہ امرونہی کا وجوب تجویز تاثیر سے مشروط ہے۔ مگر تاثیر شرط واجب ہے لہذا اسکے مقدمات از قسم قوت و قدرت اقتصادی و اجتماعی کا حاصل کرنا واجب ہے تاکہ یہ فریضہ انجام دیا جاسکے۔

۳۔ عدم ضرر:۔ عام فقہاء کرام نے اس مقام امرونہی کے وجوب کی یہ شرط بھی بیان کی ہے کہ یہ فریضہ تب واجب ہوگا کہ جب امرونہی کرنے والے کو اپنی جان اپنی ناموس اور اپنے مال یا کسی دوسرے مسلمان کی جان ناموس اور مالی نقصان و زیاں کا علم یا ظن نہ ہو ورنہ یہ وجوب ساقط ہو جائیگا اس مقام پر قیل و قال کی بہت گنجائش ہے اور بعض علماء اعلام نے اس شرط و بطلان پر بہت کچھ کلام کیا ہے بہرحال ہم گو بنظر اختصار ان تفصیلات میں تو نہیں جاسکتے پر اتنا تو ضرور عرض کریں گے کہ اسلام کا اتنا بڑا اہم فریضہ جو سبیل انبیاء اور منہاج صلحاء ہو اور جس سے نظام دین و دنیا کی صلاح و فلاح وابستہ ہو۔ صرف جان ' مال اور عرض و ناموس کے معمولی نقصان کے علم یا گمان کی وجہ سے یا تاثیر کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جائے عقل سلیم یہ بات تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی وہ طویل حدیث جس کا کچھ حصہ اوپر امرونہی کے فضائل میں نقل کیا گیا ہے اس میں کچھ لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آخری زمانہ میں ریاکار عبادت گذار پیدا ہوں گے جن کی علامات یہ ہوں گی کہ وہ زہد و تقدس ظاہر کریں گے وہ کم سن اور احمق ہوں گے وہ امرونہی کو صرف اس صورت

میں واجب جانتے ہوں گے جب وہ ہر قسم کے ضرروزیاں سے مطمئن ہوں گے وہ امرونہی سے بچنے کیلئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی عذر و بہانہ تلاش کرتے رہیں گے وہ نماز و روزہ اور اس قسم کی دوسری وہ عبادات جن سے ان کو کسی جانی اور مالی نقصان کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہوتا تو توجہ سے بجا لائیں گے اور جس سے کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ ہو اسے ترک کردیں گے جس طرح انہوں نے اشرف ترین اور بلند ترین فریضہ امرونہی کو ضرر کے اندیشہ کے تحت ترک کردیا ہے حالانکہ امرو نہی وہ عظیم الشان فریضہ ہے جس کی وجہ سے عام فرائض ادا ہوتے ہیں اس فریضہ کی ادائگی میں کچھ نہ کچھ تکلیف تو ضرور برداشت کرنا پڑتی ہے آخر یہ بھی جہاد کا ایک شعبہ ہے جس کی بنیاد ہی تکلیف و مشقت پر رکھی گئی ہے علاوہ بریں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر مالی یا جانی نقصان کے اندیشہ کے ماتحت یہ فریضہ ساقط ہو سکتا تو پھر انبیاء و مرسلین اور آئمہ طاہرین کو نہ صرف مال بلکہ جان کا نذرانہ پیش کرکے اس فریضہ کو ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بالخصوص سرکار سید الشہداء روحی ورواح العالمین لہ الفدا کو جنکی عدیم المثال قربانی کا عظیم مقصد اصلاح امت ' امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور نبی و علی کی سیرت و کردار کا احیاء تھا اور یہ مقصد اقصیٰ انہوں نے اس احسن طریقہ سے ادا کیا کہ آج ہر مومن و زاہد یہ گواہی دیتا ہے کہ اے میرے آقا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم کرنے زکواۃ دینے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ ادا کرنے کا حق ادا کردیا ہے اس سلسلہ میں اس قدر مالی و جانی مصائب و شدائد برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مسعدہ بن صدقہ کی روایت صادق میں وارد ہے کہ فرمایا یہ امرونہی صاحب قدرت پر واجب ہے جسکی اطاعت کی جائے اور جو معروف کو منکر سے تمیز دے سکے فروع کافی تو کیا یہ جائز ہے کہ ایک آدمی گھر کا دروازہ بند کرکے اور گردو پیش سے آنکھیں بند کرکے بیٹھ جائے اور امرونہی سے گلو خلاصی کرانے کیلئے صرف یہ کہہ دے کہ اس کے وجوب کے لیے تاثیر کا احتمال ہونا چاہیے تو مجھے نہیں ہے لہٰذا مجھ پر واجب نہیں ہے امن ہونا چاہیے اور مجھے اندیشہ ہے لہٰذا مجھ پر واجب نہیں ہے قوت و قدرت ہونی چاہیے جو مجھے حاصل نہیں ہے لہٰذا مجھ پر واجب نہیں ہے

نہیں ایسا ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ تمام حالات کوائف کا مکمل علمی جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ تاثیر کا امکان ہے یا نہیں اسی طرح ایک حکیم حاذق کی طرح تمام اوضاع و ظروف کا علمی تجزیہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اقل القبیحین کے طور پر آیا مالی یا جانی نقصان برداشت کر کے امر و نہی کا فریضہ ادا کرنا ہے یا مالی و جانی ضیاع و اتلاف سے بچنے کی خاطر یہ فریضہ ترک کرنا ہے بالفاظ دیگر مہم و اہم کے فطری و اسلامی قانون کے مطابق مہم کو اہم پر قربان کرنا ہے چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **اذا جمعت حرمتان ترکت الصغری للکبری** یعنی اگر کسی جگہ دو قابل احترام امر جمع ہو جائیں اور دو میں سے ایک کو بجالانا ناگزیر ہو تو چھوٹے کو چھوڑ کر بڑے کو بچالیا جائے گا خلاصہ یہ کہ یہاں مہم و اہم والا قانون نافذ کیا جائے گا یہ وہ قطب ہے جس کے ارد گرد اسلام کی چکی گھومتی ہے مثلاً غصبی جگہ میں داخل ہونا حرام ہے لیکن اگر کسی محترم انسان کی جان کا بچانا اس جگہ میں داخل ہونے پر منحصر ہو تو پھر یہ داخلہ نہ یہ کہ صرف جائز ہوگا بلکہ واجب ہو جائے گا۔ اسی طرح کسی نا محرم عورت کے ننگے جسم کو ہاتھ لگانا حرام ہے لیکن اگر کسی ڈوبنے یا جلنے یا شدت مرض سے جاں بلب عورت کی جان بچانا ہو تو پھر ہر قادر و توانا اور ڈاکٹر و حکیم کے لیے اس کے بدن کو نہ صرف یہ کہ ہاتھ لگانا جائز ہے بلکہ واجب ہے اور بالکل اسی طرح شریعت مقدسہ میں جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی کے ہاں پناہ گزین ہو اور کوئی قتل کے ارادہ سے وہاں آ جائے اور اس کے بارے میں استفسار کرے تو پناہ دینے والے کے لیے اس کی جان کی حفاظت کی خاطر نہ صرف یہ کہ جھوٹ بولنا جائز ہے بلکہ واجب یہ بعینہ اسی طرح اس بات کا مکمل جائزہ لینا ہوگا کہ جس معروف کا حکم دینا اور جس منکر سے روکنا مقصود ہے جس کی وجہ سے مالی یا جانی ضرور زیاں کا اندیشہ ہے وہ کس قدر اہمیت کا حامل ہے؟ مثلاً ایک آدمی کوچہ و بازار میں کوڑہ کرکٹ پھینکتا ہے جس کی وجہ سے رہگذروں کو تکلیف ہوتی ہے یا اسی قسم کی کوئی شخص معمولی بری حرکت کرتا ہے اور کوئی شخص نہی عن المنکر کے طور پر اسے اس حرکت سے روکنا چاہتا ہے مگر چونکہ وہ لاابالی قسم کا اوباش آدمی ہے لہٰذا اندیشہ اور سخت اندیشہ ہے کہ وہ ناہی کو فحش کلامی کر کے ایذا پہنچائے گا یا اسے مالی و جانی نقصان پہنچائے گا تو یہاں یہ نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر کسی وقت قرآن یا

اسلام خطرہ میں پڑ جائے یا کسی محترم شخص کی جان خطرہ میں پڑ جائے تو اس کی حفاظت کی خاطر ہر قسم کا عرضی مالی اور جانی ضرور زیاں برداشت کرنا پڑے گا اور اگر کوئی سہل انگیز شخص یہ کہ کر امر و نہی کے فریضہ کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنا چاہیے کہ چونکہ امر و نہی تو صاحب قدرت آدمی پر فرض ہے اور میں چونکہ طاقت و قدرت نہیں رکھتا لہذا مجھ پر فرض نہیں ہے تو یہ عذر لنگ بھی مسموع نہیں ہوگا۔ بلکہ اس طاقت و قدرت کو حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کرنا پڑے گی جیسا کہ اسلامی تاریخ میں اس کے کئی شواہد و نظائر موجود ہیں جیسا کہ جناب محمد بن بزیع اور جناب علی بن یقطین و امثالہم کے حالات و واقعات شاہد ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ان کو حکام جور کے عہد حکومت میں اسی فریضہ کی ادائیگی کے لیے ملازمت کرنے کی نہ صرف یہ کہ اجازت دی تھی بلکہ ان کو حکم دیا تھا تاکہ وہ طاقت و قدرت اور حکومت میں اثر و نفوذ کر کے اعلاء حکمت الحق کا فریضہ ادا کر سکیں اور امر و نہی جیسے اسلامی رکن کو قائم کر سکیں الغرض ان تمام باریکیوں کو مد نظر رکھ کر کوئی حتمی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہاں کیا کرنا ہے اور وہاں کیا؟

ان مسائل میں ہے کچھ ذوق نگاہی درکار یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

بعض فقہی کتابوں میں ہی امر و نہی کے کچھ اور شرائط بھی مذکور ہیں جیسے یہ کہ معروف (نیکی) کا تارک اور منکر (برائی) کا مرتکب کسی وجہ سے ایسا کرنے میں مجبور و معذور نہ ہو ورنہ یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا یا جیسے یہ کہ (۴) کہ نیکی کا تارک اور برائی کا مرتکب اپنی اس حرکت پر مصر ہو۔ ورنہ اگر اس شخص کے اس گناہ کو ترک کرنے اور اس سے توبہ کرنے کے آثار آشکار ہوں تو دوسروں سے امر و نہی کا فریضہ ساقط ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ ہماری نظر قاصر میں وہی تین شرائط ہی معتبر ہیں جن کا سطور بالا میں تذکرہ کر دیا گیا ہے نیز مخفی نہ رہے کہ امر و نہی کے وجوب کا تعلق تو صرف واجبات و محرمات تک محدود ہے۔ باقی رہے مستحبات اور مکروہات تو اس کے بارے میں امر و نہی کرنا صرف مستحب ہے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ مذکورہ بالا تینوں شرائط کا تعلق لسانی اور جوارحی امر و نہی کے ساتھ ہے اور جہاں تک قلبی تنفر و انکار کا تعلق ہے۔ تو وہ واجب مطلق ہے۔ اور ہر حال میں اور ہر شخص پر واجب عینی ہے۔ اور ان شرائط میں کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے کما لا یخفیٰ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اقسام اور ان کے مراتب کا بیان

پوشیدہ نہ رہے کہ علماء اعلام نے امر و نہی کے چند اقسام اور ان کے مختلف مراتب بیان کئے ہیں چنانچہ اقسام تین ہیں (۱) قلبی (۲) لسانی (۳) جوارحی بقدر ضرورت اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امر و نہی کی پہلی قسم قلبی ہے اور اسکا پہلا مرتبہ دل و دماغ سے امر و نہی کرنا اور کسی کی برائی کا انکار کرنا ہے اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی واجب کو ترک کرے یا کسی فعل کا حرام ارتکاب کرے تو اپنے چہرہ کے اتار چڑھاؤ سے اس کے اس فعل سے نفرت و ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے اور خندہ پیشانی سے اس سے ملاقات نہ کی جائے اور کسی طرح بھی خدا کی نافرمانی پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کیا جائے پس اگر اس روش کا کوئی مثبت اثر ہو جائے تو فہو المراد۔ ورنہ اس سے روگردانی کی جائے۔ اور اس سے میل جول کم کی جائے بلکہ بالکل بند کی جائے تاکہ اس شخص کو یہ احساس دلایا جاسکے کہ اس کے گناہ و عصیان کی وجہ سے خدا کے نیک بندے اس سے نفرت اور روگردانی کر رہے ہیں پس اگر اس طرح مطلب برآری ہو جائے یعنی وہ شخص وہ برائی ترک کر دے تو فہوا المقصود ورنہ دوسری قسم یعنی (۲) لسانی طور پر امر و نہی کا فریضہ ادا کرنے کا آغاز کیا جائے مگر ادنی سے اعلی کی طرف بتدریج قدم بڑھایا جائے یعنی پہلے نرمی کے ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں ایسے پند و نصیحت کی جائے اور اسے نیکی کے ثواب اور گناہ کے عقاب سے آگاہ کیا جائے اور اگر یہ طریقہ کار اثر انداز نہ ہو تو پھر گرمی برتی جائے اور اسے تند و تیز لب و لہجہ میں تنبیہہ کی جائے اور تہدید و وعید کو روبعمل لایا جائے اور اگر یہ بھی بے اثر ثابت ہو تو پھر تیسرے مرحلہ (۳) جوارحی پر عمل درآمد کیا جائے اور حالات و ظروف کو مدنظر رکھ کر قوت بازو سے برائی کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیا جائے۔ اور اس کا قلع قمع کر دیا جائے۔ مگر یہ چیز ملحوظ خاطر رہے کہ ہر ہر مرحلہ پر نرمی سے گرمی ادنی سے اعلی کی طرف بڑی حکمت عملی اور منصوبہ بندی کے تحت قدم بڑھایا جائے ورنہ فائدہ کی بجائے نقصان کا اندیشہ ہے ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد لہذا یہاں پھونک کر قدم رکھنے اور بڑے حزم و احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے الغرض

یہ اہم اسلامی فریضہ ادا کرنے والے کو ایک ماہر حکیم اور ڈاکٹر کی طرح موقع شناس ہونا چاہیے کہ جو مرض کی کیفیت و نوعیت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرے کہ کہاں مرہم لگانی ہے کہاں چیرا دینا ہے اور کہاں اور کس مرحلہ پر عضو فاسد کو کاٹنا ہے لہذا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ کہاں نرمی برتنی ہے اور کہاں گرمی اور کہاں روگردانی کرنی ہے اور مکمل سوشل بائیکاٹ واللہ الموافق۔

حضرت امیر علیہ السلام ایک جگہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں "طبیب دوار بطبہ احکم مراہمہ و احمی مواسمہ" (نہج البلاغہ) وہ چلتے پھرتے طبیب تھے (جو روحانی بیماریوں کا علاج کرتے تھے) وہ مرہم پٹی بھی مہیا رکھتے تھے اور داغ دینے (چیرا دینے) کے آلات بھی گرم رکھتے تھے۔ **(ارسلہ بالحق بشیرا ونذیرا بین یدی الساعہ)** شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے کہ درشتی و نرمی بہم دربہ است خلاصہ کلام یہ کہ نہ ہر جا بود مرکبے تاختن کہ جاہا بود سپیرانداختن بہرحال اگر موقع و محل کی مناسبت کو نظر انداز کرکے یہ اہم اسلامی فریضہ ادا کیا جائے تو پھر فائدہ کی بجائے نقصان و زیاں کا شدید خطرہ ہوتا ہے جیسا کہ اسکے بیسیوں شواہد موجود ہیں کہ جاہل تقدس مآبوں نے اپنی غلط رفتار سے الٹا لوگوں کو دین و دیانت سے دور کیا ہے اور عبادت و اطاعت سے متنفر کیا ہے۔

انبیائے ہمہ رازاست کہ معلوم عوام است

فائدہ!

مخفی نہ رہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا بالفاظ دیگر تعلیم و تبلیغ کی دو قسمیں ہیں (۱) لفظی (۲) عملی اگرچہ لفظی کی افادیت ناقابل انکار ہے۔ اور اکثر و بیشتر اسی پر عمل کیا جاتا ہے مگر یہ حقیقت بھی کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ جس قدر عملی تبلیغ موثر ہوتی ہے۔ اتنی لفظی و قولی موثر نہیں ہوتی یعنی آمر و ناہی پر لازم ہے کہ وہ امر و نہی کا عملی نمونہ پیش کرے یعنی وہ لوگوں کو جن اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دیتا ہے پہلے خود ان پر عمل کرے اور جن برے کاموں سے لوگوں کو روکتا ہے پہلے خود اپنے آپ کو ان سے بچائے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں **کونوا دعاۃ للناس بغیر السنتکم** زبان کے بغیر

لوگوں کو دین کی طرف دعوت دو (فوائد المشاہد) خلاصہ یہ کہ مصلح کو چاہیے کہ قوم و ملت کی اصلاح کا بیڑا اٹھانے سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرے چنانچہ انبیاء و مرسلین اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کا طریقہ تبلیغ یہی تھا کہ وہ قول سے زیادہ اپنے عمل و کردار سے تبلیغ کرتے تھے۔

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں " **ما امر تم الا بعد الائتمار و مانہیتم الا بعد التناہی** " (نہج البلاغہ) میں جب تمہیں کسی کام کا حکم دیتا ہوں تو پہلے خود اس پر عمل کرتا ہوں اور جب تمہیں کسی کام سے روکتا ہوں تو پہلے رکتا ہوں غرضیکہ وہ ذوات مقدسہ کردار کے غازی تھے ہم لوگوں کی طرح صرف گفتار کے غازی نہیں تھے۔ ے

وفقنا اللہ لا تباعہم بحقہم

نوٹ! اس موضوع کی جملہ تفصیلات و جزئیات اور تحقیقات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات کتاب الامر بالمعروف و نہی عن المنکر از افادات آقائے نوری مدظلہ کی طرف رجوع فرمائیں جو کہ لاہور کے سیٹھ برادرز دیت تو نیقا تم نے شائع کی ہے۔ **واللہ الموفق**

ثُمَّ بابُ الجہاد و الحمد للہِ ربِ العالمین وصلی اللہ تعالیٰ و سلم علی سیدنا و نبینا محمدٍ و آلہ الطاهرین المعصومینؑ

تاریخ کتابت و تقریظِ اشاعتِ اولیٰ

نتیجۂ فکرِ شاعرِ اہلبیتؑ فاضل جلیل مولانا السید غضنفر حسین البخاری ایم اے خطیب ٹانڈلیانوالہ ضلع فیصل آباد

باسمہٖ سبحانہٗ

بفضلِ ایزدِ باری تعالےٰ — خداوندِ دو عالم ربِّ اعلا
بفیضِ سیدِ اولادِ آدمؑ — محمدؐ باعثِ ایجادِ عالم
بتائیدِ کریمِ آلِ پاکش — کہ حق عالین گفتش در کتابش
بسعیِ عالمِ علامِ یکتا — کلیمِ طورِ معنی مردِ دانا
کہ کلکش دُر فروشی و آب دارد — زگفتارش ہمیشہ گل ببارد
جبینش روشن از نورِ شریعت — روانش محرمِ اسرارِ حقیقت
زبانش ترجمانِ سرِّ وحدت — قلم صورت نگارِ حسنِ فطرت
زکلکش ریختہ انوارِ رحمت — تجلیات[1] و اثبات الامامت
وہم احسن[5] بے شرحِ عقائد — کتابے از تصانیفِ فوائد
سعادت[2] نیز در مقتل کتابے — کتابے مستطابے لاجوابے
وہم تنزیہ[6] و اصلاحِ[3] مبانی — اصول[7] و اعتقاداتِ امامی[4]
خرامِ نازِ کلکِ زرنگارش — کنوں با یاریِ طبعِ روانش
پدید آورد با خوبی و جودت — بشکلِ ہادیِ راہِ حقیقت

---

۱ تجلیاتِ صداقت بجواب آفتابِ ہدایت
۲ سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ
۳ اصلاح المجالس والمحافل
۴ اعتقاداتِ امامیہ فی ترجمۃ الرسالۃ الاعتقادیۃ
۵ احسن الفوائد فی شرح العقائد
۶ تنزیہ الامامیہ عما فی رسالہ مذہب الشیعۃ
۷ اصول الشریعۃ فی عقائد الشیعۃ

دستورِ شریعت ایں صحیفہ — بعنوانِ قوانین الشریعہ
ہمہ سرمایۂ حق و صداقت — سبیلِ پاکِ احکامِ رسالت
ز اطرافش چکد نورِ ہدایت — ز فوایدش عیاں رشد و سعادت
زہے گنجِ فرامینِ نبوت — خوشا گلدستۂ ازہارِ رحمت
زہے آئینۂ حسنِ شریعت — خوشا عکسِ جمیلِ دینِ فطرت
خدا زورِ قلم را بر فزاید — ہمیشہ ایں صدف دُرہا بزاید
چو پرسیدم ز ہاتف چوں بگویم — وز تاریخِ تالیفش بگویم
"بجو" گفتا ز علامے فہیمے — صریرِ خامہ اے تسکیں شمیمے
ہم از تاریخِ ہجری سلطنش شو — ہزار و سہ صد و ہفتاد و ہفت گو ۱۹۷۷ء / ۱۳۹۷ھ

الٰہی سعیِ او مشکور فرما
و ماجورش بفرما روزِ فردا
بحقِ حضرتِ یٰسین و طٰہٰ
بحقِ عترتِ آلِ شاہِ والا

مصرعۂ تاریخ (اختتامِ کتابت)

نتیجۂ طبعِ وقادِ شاعرِ اہلبیت جناب سیّد زہیر حسین صاحب وزیر شیرازی مرحوم

خدا کے فضل سے ہم کو ملی ہے
"بجا نعمت قوانین الشریعہ"

۱۳۹۹ھ

اہل ایمان کے لیے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

- **قرآن مجید مترجم** اردو مع خلاصۃ التفسیر منصۂ شہود پر آ گئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔
- **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن** کی مکمل 10 جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباحات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔
- **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لیکر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آ گئی ہے۔
- **سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین** زیور طبع سے آراستہ ہو کر مومنین کے لیے آ گئی ہے۔
- **اعتقادات امامیہ** ترجمہ رسالہ لیلیہ سرکار علامہ مجلسیؒ جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مبدء سے لیکر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال و عبادات کا تذکرہ ہے تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آ گئی ہے ہدیہ صرف تیس روپے۔
- **اثبات الامامت** آئمہ اثنا عشری کی امامت وخلافت کے اثبات پر عقلی ونقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن
- **اصول الشریعہ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آ گیا ہے ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔
- **تحقیقات الفریقین اور اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آ گئے ہیں۔
- **قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ** (دو جلد)۔
- **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرھویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔
- **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان وشکوہ کے ساتھ منظر عام پر آ گیا ہے۔

مکتبۃ السبطین

9/296 بی، سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا